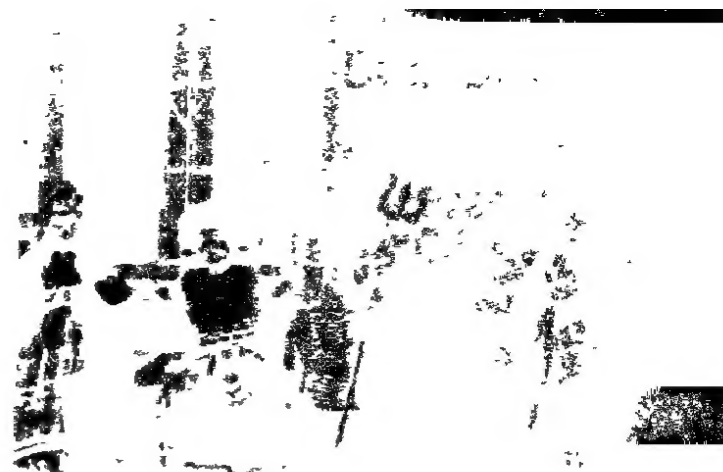


مغربی بنگال



شہر خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ
سالانہ : تین روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آرائین، مکھن جی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرستین بھٹا چاریہ

مدیر : دھیندراناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

جلو نمبر ۳۳، یکم جنوری ۱۹۶۶ء شمارہ نمبر ۱

سرورق پر : شائقِ تحقیق میں منعقدہ ثقافتی تقریب کی جھلکیاں



یو با بھارتی کیرنگن، سات ایک، کلکتہ میں منعقدہ مجاہدین آزادی نمائش

قومی یکجہتی

انڈیا — ڈاکٹر والٹی۔ راجہ اکویشن ہندو تھی جنرل سکرٹری، انڈیا پریس، شہری آزادی ایسوسی ایشن

آزادی کے بعد تقسیم کردہ ہندوستان جہیں ہندوستان کی شاہی ریاستیں منجم ہو گئیں ایک واحد دستور اور حکومت کے تحت آیا۔ ہندوستان کی وحدت، جسے کثرت میں وحدت کہتے ہیں، قائم رہی۔ مشترکہ دشمن کے چلے جانے کے بعد بھوٹ، بے اعلیائی، فسطوح دارانہ تناؤ اور افستراق پسند رجحانات بڑی تیزی سے وسیع پیمانے پر نمودار ہونے لگے۔

لسانیت: گرجہ ہندوستان ایک قوم، ریاست کی طرح خوددار ہوا، درحقیقت یہ تو مختلف قوموں کا اتصال یا یونین ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تھقی قومیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ عام الفاظ میں تھقی قومیت کو لسانی قومیت کہا جاسکتا ہے۔

افستراق پسندی: آج قومی یکجہتی جس اہم مسئلہ سے دوچار ہے وہ ہے افستراق کا رجحان۔ اس ملک رجحان کے لئے زمین کو زرخیز بنانے والے بہت سارے اسباب ہیں۔ یہ اسباب خامی طور پر داخلہ ہیں اور براہ راست یہ کہا جاسکتا ہے کہ حکمران طبقوں کی مرتب کردہ غلط پالیسیوں کی وجہ سے یہ رونما ہوئے ہیں۔ اس خامیوں کو چالاکی اور اپنے مقصد کی برآمدی کے لئے رو بہ کار لانے کے سلسلے میں سامراجی طاقتیں تو تیار کھڑی ہیں۔ یہ طاقتیں ہلادی ماور و فتن کو خستہ کرنے، اسے ٹکڑوں ٹکڑوں میں منقسم کرنے، اسے غیر مستحکم بنانے، اور اگر ممکن ہو سکے تو اسے نکل جانے کے لئے مواقع کا پرکھولے انتظار کر رہی ہیں۔

ہجڑ لوگوں سے کہا گیا کہ ہم لوگ "قومی یکجہتی ہند" منائیں۔ گزشتہ بارچ برسوں میں قومی یکجہتی کے فروغ کے لئے ہمارے ملک کے مختلف علاقوں میں کئی سیمینار منعقد کئے گئے، گفت و شنید کی نشستیں بھی ہوئیں۔

اس سوال پر کہ ہندوستان جیسے ملک کو برطانیہ جیسے چھوٹے سے ملک نے کیوں کوشش کر لی، کارل مارکس نے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل، غور و خوض کرتے ہوئے تین اہم وجوہ بتائیں، جو یہ ہیں۔ پہلی ہندوستانی جاگیر کی نظام کا سماجی جود، دوسری قومی تنوع اور تیسری ذات پات کا نظام جو جدت کاری کے کام میں سدا رہ بنا ہوا ہے۔

نیگور کے الفاظ میں "ہندوستان عالم صغیر ہے" اور یہاں جس قوم کی تشکیل ہوئی ہے وہ مختلف فرقوں، مختلف زبانوں اور ثقافتوں، مختلف مذاہب اور ذات اور قبیلوں کی مرہون منت ہے۔ ہندوستان کی قبل از نوآبادیاتی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی بھی اس پرورے ملک پر ایک واحد حکمران کی حکومت قائم نہیں ہوئی۔ یہ تو انگریز ہی تھے جو ایک ایک کر کے تمام علاقوں کو ایک مرکزی حکومت کے تحت لے آئے۔ نیز یہاں بہت ساری چھوٹی چھوٹی ریاستیں عالم وجود میں تھیں جن پر انفسرادی طور پر راجاؤں کی حکومتیں تھیں، گرجہ یہ ریاستیں اپنے طور پر خود مختار تھیں تاہم ان سبھوں کو برطانیہ کے زیر حکومت آنا پڑا۔ یہ توجہ وجد آزادی تھی جس نے مختلف مذاہب، ذات پات، زبان وغیرہ کے لوگوں کے درمیان جذباتی وحدت کو فروغ دیا۔

اس وعدہ کی حکومت کیا کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ وفا داری کی خبر بد چار کر رہی ہے کہ غیر ملکی مہتمم مارے ہوئے کو دستک دے رہے ہیں۔ اگر ہم وقتاً فوقتاً مناسب برقی اور موثر اقدامات کرتے تو کیا صورت حال اس حد تک ابتر ہو جاتی کہ ہماری معذرا عظم کو خود ان کے گھر کے احاطہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس بات کی اہمیت کو سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک طرف تو لوگوں کے درمیان قومی یک جہتی کا پرچار کیا جاتا ہے تو دوسری طرف برسرِ اقتدار افراد لوگوں کو دبانے رکھنا پسند کرتے ہیں۔ کشمیر میں ہمارا جگہ کا اور کا لوہائی نظام کے خلاف جدوجہد اس کے ساتھ ہی مقامی قومیت، کشمیری تہذیب کی مشترکہ روایت اور اس کی سانی انفرادیت اور ادایات اور ثقافت، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مذہب میں فرق کے باوجود ہندوستان سے ملحق ہو گیا۔ جن خصوصیات شہرِ آستان پر یہ الحاق ہوا، اس کے پیش نظر ہمارے دستور میں کشمیر کو ایک خصوصی حیثیت دی گئی۔ لیکن شروع سے ہی ہندو لابی نے یہ مطالبہ کیا کہ ہندو اکثریت کے نظریے اور اس سے اتفاق کرنے کو اگر ضرورت ہوئی تو زبردستی سے، اقلیت کے لئے لازمی قرار دیا جائے۔ جارحانہ بین ہندوستانی قومیت نے لامحالہ ایک چوڑے سے دستوری نقطہ کو ایک عظیم سیاسی بحران میں بدل دیا۔ ایسا شدید بحران جو کشمیر میں ہندوستانی قومیت کی بنیاد کو ہلاکتا ہے۔

پنجاب میں بے چینی کے یزج تو اس وقت بھی تھے جب مشرقِ پنجاب کو پنجاب اور ہریانہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ دارالسلطنت (جنڈی گڑھ) کا سوال۔ ابوہر اور فضیل کا مسئلہ اور دہاکے پانی کا تقسیم کا مسئلہ۔ ان تمام مسائل کو حل کئے بغیر عرب کا توں رکھ دیا گیا ہے۔ سکھ۔ ہندو اتحاد کو شدید دباؤ کا سامنا کرنا پڑا اور قومی یک جہتی ٹوٹنے کے قریب آگئی۔

فروغہ وارمیت : انگریزوں کے دورِ حکومت میں بہت سارے ہندو۔ مسلمان تنازعات رونما ہوئے۔ لیکن برٹش کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کے باوجود، آزادی کی جدوجہد کے

مختلف اداروں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصلحتی چپارگی اور تعاون کو فسرطاً حاصل ہوا۔

قومی پروردہ والی پارٹیاں چھوٹے چھوٹے سیاسی اور انتخابی فائدے کے لئے مذہبی جماعتوں کو بھانے بھانے کا کوشش کر رہی ہیں۔ اس ملک میں تمام صحیح معنوں میں سیکولرزم کے شیدائیں کا یہ فرض ہے کہ وہ سب قومی اتحاد کے مفادات کے لئے ایسی سیاسی مواقع پرستی کے خلاف آواز بلند کریں اور اس کی مذمت کریں۔

ذاتِ پات : ذات پات ہمارے ملک میں اپنی نوعیت کا بہت ہی قدیم سماجی نظام ہے۔ سرمایہ داری کی ترقی کے ساتھ ساتھ چیزوں کی ترقی کی وجہ سے ذات پات کے فرق کو مٹ جانا تھا۔ لیکن آج ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ موجود ہے سرمایہ داری کی نشوونما کے دور میں ابھرتے ہوئے پروردہ والی میں "اونچی" اور "نیچی" ذات کے درمیان مسابقت شروع ہو گئی، اونچی ذات کے پروردہ والوں کو نیچی ذات کے پروردہ والوں پر قدرتی طور پر کچھ فوقیت حاصل تھی۔ حکمران پارٹی کے زیادہ تر سربراہ اپنی ذات کے لوگوں کو منظم کر کے اور ان کی رہنمائی کر کے اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا کوشش کرتے ہیں تاکہ اقتدار اور اپنے نامہ کیلئے بات چیت کر سکیں۔

قبائلی فرقے : برسوں تک برٹش نے قبائلیوں کو باقی ہندوستان سے الگ الگ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ آزادی کے بعد بھی ہماری حکومت ان کے خصوصی مسائل اور قومی شناخت کو برقرار رکھنے کے لئے ان کی کوشش کو سمجھنے سے قاصر رہی۔

ان کی سماجی اور معاشی ترقی کی طرف دھیان نہیں دیا گیا اور غفلت برتی گئی۔ ان باتوں نے مسلح بغاوت اور الگ ہونے کے مطالبات کو ہوا دی۔ غیر مساوی سلوک کو جو ان کے ساتھ کیا جاتا ہے، ختم کرنا چاہئے اور ان میں اعتماد پیدا کرنا چاہئے کہ وہ سب ہندوستان کے سماجی اور معاشی نظام کے جزو لا ینفک ہیں۔ مزکن۔ ریاست تعلقات : جیسا کہ قبل ذکر کیا گیا، ہندوستانی قوم۔ ریاست اجزائیائی۔ سانی قوموں کا یونین ہے ہمارے دستور کا مقصد یہ تھا کہ اس کی نوعیت وفاقی ہو۔ لیکن بڑے سرمایہ داروں کو اپنے مفادات اور ترقی کی خاطر ہندوستان کی

ایک متحدہ واحد یکساں بازار کی شکل میں ضرورت ہوئی، چنانچہ
ناٹوگوں نے دستور کی دفعات کا غلط طریقے سے تشریح کر کے
شروع کر دی اور ایسی تشریحات کی روشنی میں اقدامات کرنے
شروع کر دیے۔ آہستہ آہستہ مرکز نے ریاستی حکومتوں
کے اختیارات میں کٹ چھانٹ کا کام شروع کر دیا اور اس
طرح مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان تنازعات رونما ہونے
لگے۔

تمام سیاسی اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھوں
دھیرے دھیرے مرکوز ہونے لگے۔ حکمران پارٹی کی یونٹیں اپنی
اپنی ریاست میں اپنے ننگ نظر مفادات کے لئے شغلوں کو بھرا کانے
لگیں۔

ذمہ داریاں: ان تمام باتوں کو اس طرح اٹھا کر کیا جاتا
ہے کہ جیسے ان سے ہی قومی وحدت اور یکجہتی کو خدشہ لاحق
ہو گیا ہے اور مرکز میں حکمران پارٹی شور و غوغا کرنا شروع کر دیتی
ہے کہ قوم خطرہ میں ہے۔ لیکن پوری صورت حال کا غائر تجزیہ
صحیح مجرم کو ظاہر کر دے گا، اور یہ مجرم وہ پارٹی ہے جو ان تمام
برصوں سے ملک پر حکومت کرتی آرہی ہے اور جس نے اس ملک کی ترقی
کے لئے سرمایہ دارانہ راستہ کو اپنایا ہے۔ حکمران پارٹی یہ
چاہتی ہے کہ ہم اس بات پر یقین کریں کہ جمہوریت انتخابات کے
وسیع نظام کے ساتھ تفریق پسند طاقتوں کو پیدا کرنے کی وجہ بن
جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں شاید وہ غیر جمہوری مبادل کی پلٹ
سوچ رہی ہے۔ یہاں ہم اسی بات کو عیاں کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ
مرکزی حکومت کی غیر جمہوری طبقاتی پالیسیاں ہیں جو ان تمام ناواقف
صورت حال کی ذمہ دار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جغرافیائی۔ لسانی قوموں کی
جمہوری تمناؤں کو سرحد واریت اور ذات پات میں یکجا کر دی جاتی
ہے۔ اور یہ بات ۱۹۲۸ء میں نیشنل کانگریس میں جس اصول
کو صحیح طریقہ سے اپنایا گیا تھا اس کے خلاف ہے۔

اس کا مقصد یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ اختیارات
اور باعزت برتاؤ کے لئے لسانی ریاستوں کے مطالبہ کو رد کر دیا

جائے اور خود اپنے ان کے تمام اختیارات کو ہڑپ کر لیا جائے اور
ایک مطلق العنان حکومت بنانے کے لئے آگے بڑھا جائے۔

یہ اس ملک کے تمام لوگوں کا، بلا لحاظ زبان، مذہب،
ذات پات فرض ہے کہ ان دونوں انتہائی اصولوں کو برے رکھیں
تاکہ ایک طرف مطلق العنان اور ڈکٹیٹر شپ کے نمودار ہونے کی
اور دوسری طرف قومی انتشار کی روک تھام کی جاسکے۔

مارکس نے ۱۸۴۷ء میں کہا تھا: "اگر لوگ صحیح معنوں
میں متحد ہونا چاہتے ہیں کہ ان کے مشترک مفادات ہرنے چاہئیں
اور اس مقصد کے پیش نظر کہ ان کے مفادات مشترک بن جائیں،
موجودہ جائیداد نظام اور تعلقات کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا ضروری
ہے، کیوں کہ ایسے جائیداد تعلقات میں چند قوموں کا دوسری قوموں
سے استحصال شامل ہے"۔

بقیہ: امجداد

کو ۱۰۰۰ روپے اور ایک عورت کے، جو پولس فائونڈنگ میں ماری
گئی تھی، خاندان کو ۱۰۰۰ روپے دیئے۔ اس کے علاوہ
اس سلسلہ میں بھی انتظامات کئے گئے کہ متاثر افراد آسان
فصلوں پر بینک کے قرض حاصل کر سکیں۔

بین الاقوامی ریڈ کراس کی مغربی جنگال شاخ کے لئے
ریاستی حکومت نے بدھان نگر میں ۱۹۳۲ء روپے کی مالیت
کے ۱۱ ایکڑ پر مشتمل قطععات آراضی الاٹ کئے۔ یہاں ایک
علاقائی امداد فنڈ اور تربیتی مرکز قائم کیا جائے گا۔

سیلاب اور طوفان سے متاثر لوگوں کو عارضی
پناہ گاہ منسراہم کرنے کے پیش نظر شعبہ امداد یورپی ممالک
کیمینی کے تعاون سے اس ریاست کے ان دستی فصلوں میں جو
سیلاب اور آندھی طوفان سے متاثر ہوتے رہتے ہیں ۸۵
مبستل امداد کیمپ قائم کرے گا۔ ایسے امداد کی کیمپ کے
سلسلے میں کام کاج مکمل کر لئے گئے ہیں۔

آسام سے آنے والے پناہ گزینوں کے لئے عارضی
رہائشی سہولتیں اور امداد کے اقدامات کے لئے شعبہ امداد نے
۴ کروڑ سے زیادہ روپے صرف کئے اور ایسے پناہ گزینوں کی اپنی
ریاست میں آباد کاری کے لئے ریاستی حکومت نے بہت کچھ کیا ہے۔

بائیں محاذ حکومت کو دیگر ریاستوں کی مدد حاصل ہے

شدید مالی دشواریوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے گونا گویا ترقی کی
نرمل بوس

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال مکمل ہونے پر حیدر آباد میں ۲۴ تا ۲۶ دسمبر ۱۹۵۸ء کو تین روزہ واسطہ
کا نفرنس منعقد ہوئی۔ اس کا نفرنس میں شری نرمل بوس، وزیر صنعت و حرفت حکومت مغربی بنگال نے شرکت کی۔ یہاں وزیر
موصوف نے تقریر کرتے ہوئے بائیں محاذ حکومت کے تحت مغربی بنگال کی گونا گویا ترقی کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت
آج بھی برسرِ اقتدار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے مغربی بنگال کے عوام کی تائید حاصل ہے۔ ساتھ ہی اسے دیگر ریاستوں کی
سبھی مسلسل تائید حاصل ہے اور اس حکومت کو گرانے کی مفاد پرستوں کی کوششوں کو ناکام بنانے میں ان ریاستوں نے ہمیشہ بائیں
محاذ حکومت کا ساتھ دیا۔ وزیر موصوف کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ سال
کے جون مہینے میں اپنی حکومت کے آٹھ سال مکمل کر لئے اور اب
اس نے اپنے نویں سال میں قدم رکھا ہے۔ ملک کے موجودہ دستور کا
نظام میں بائیں محاذ کا اتنے دنوں سے مسلسل برسرِ اقتدار رہنا ایک
انوکھی سی بات ہے، لیکن ایسا ہوا اور اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ
بائیں محاذ حکومت کو مغربی بنگال کے لوگوں کی تائید حاصل ہے بلکہ یہ
بھی ہے کہ اسے ملک کی دیگر ریاستوں کے دوست اور جمہوری طور پر
پیدا لوگوں نے، جنہوں نے مفاد پرست پارٹیوں کی بائیں محاذ حکومت
کو گرانے کے لئے تمام کوششوں کے خلاف، ہمیشہ بائیں محاذ
حکومت کا ساتھ دیا، کی تائید حاصل ہے۔ جب اندھرا پردیش
کے عوام نے ان کی منتخب حکومت کو گرا دینے کے خلاف جدوجہد کی،
تو اس وقت انہوں نے صرف اپنی ہی ریاست میں جمہوریت کو مستحکم
بنانے کے لئے جدوجہد نہیں کی بلکہ اس کا ذکر کے لئے ان کی دلیرانہ
جدوجہد دیگر ریاستوں میں منتخب غیر کانگریسی حکومت کو بھی برسرِ اقتدار

رکھنے میں معاون ثابت ہوئی۔
بائیں محاذ حکومت کو اس بات کا بجا طور پر فخر حاصل
ہے کہ جب بدقسمتی سے ملک کے چند علاقوں میں اکثریت اہمیت
اور فرقہ وارانہ طاقتیں اب بھی بہت مستحکم ہیں وہاں مغربی بنگال میں
تمام طبقوں کے لوگوں میں بلا لحاظ مذہب، زبان، ذات، پات اور
ثقافت میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ بائیں محاذ حکومت تمام سطحوں پر
قومی اتحاد کو برقرار رکھنے کو اعلیٰ ترین ترجیح دیتی ہے۔
شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کے کسی بھی قسم
کا امتیاز برتا نہیں جاتا۔ سماج کے دیگر طبقوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی
حکومت کی فراہم کردہ سہولتوں سے مکمل طور پر مستفید ہو رہے ہیں۔
بائیں محاذ حکومت ان کی معاشی اور ثقافتی زندگی میں بہتری لانے
کے لئے موثر اقدامات کر رہی ہے۔
مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے، جن میں دارجلنگ کے
پہاڑی علاقوں میں آباد مذہبی بھی شامل ہیں، حقوق کا مکمل طور پر

مفاہمت کی جاتی ہے۔

مغربی بنگال میں اس زمانہ کی صورت حال کافی اچھی ہے۔ مغربی بنگال نے مرکز کے ان قوانین کو جن میں مقدمہ چلنے کے بغیر لوگوں کو احتیاطی طور پر زیر حراست رکھنے کی گنجائش رکھی گئی ہے، انہیں اپنایا اور اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ احتیاطی حراست کے بغیر بھی امن و امان کی صورت حال کو ممکن طور پر بہتر حالت میں برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ اس ریاست میں اپنی حکومت کے آٹھ برسوں کے بعد بایں

محاذ حکومت کو اس بات کا اور بھی زیادہ یقین ہو چکا ہے کہ ایک ریاست میں منتخب حکومت اس وقت تک مناسب طور پر اپنے فرائض کو انجام نہیں دے سکتی، اپنے دستوری فرائض کو پورا نہیں کر سکتی اور اپنے انتخابی وعدوں کو پورا نہیں کر سکتی جب تک کہ اسے زیادہ اختیارات نہ دیئے جائیں اور دستوری دھانچے کے تحت اس کے لئے زیادہ مالی وسائل کی گنجائش نہ رکھی جائے اور اس لئے اس ملک میں دیگر ریاستوں کے ساتھ ساتھ بایں محاذ حکومت بھی مرکز ریاست تعلقات میں تبدیلی لانے کے لئے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔

ملک کے موجودہ انتظامی ڈھانچے میں غیر گنکاریسی حکومتوں اور بایں محاذ حکومت کے اختیارات بہت ہی محدود ہیں، لیکن اس کے باوجود مغربی بنگال کی بایں محاذ حکومت اپنی سرگرمیوں کے مختلف میدان میں نمایاں کامرانیاں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں سے چند کامرانیوں کا ذکر اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

اصلاحات اراضی: گوجہ قبل کی گنکاریسی حکومت کے دوران اصلاحات اراضی کے چند ایکٹ پاس کئے گئے تھے، لیکن انہیں رد بہ عمل لانے کے لئے بہت ہی کم اقدامات کئے گئے تھے لیکن بایں محاذ حکومت نے اس ریاست میں اصلاحات اراضی کے کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے مرکز و در پر کوششیں کی ہیں۔ اس نے انتہائی حد سے زیادہ مملکت اراضی کا فروج لگایا اور ایسے فاضل مملکت کو پنچائتوں اور کسانوں کی تنظیموں کے ذریعہ بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ ”برگر آپریشن“ کے ذریعہ برگداروں کو ان کے حقوق کو قانونی حیثیت دے دی گئی اور اس کی وجہ سے ریاست کا دیہی معیشت میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

پنچایتیں اور میونسپلیٹیاں: اس ریاست میں گنکاریس کے عہد حکومت میں لمبے عرصے تک نہ پنچائتوں اور نہ میونسپلیٹیوں کے لئے انتخابات ہوتے۔ لیکن اب پنچائتوں اور میونسپلیٹیوں کے لئے باضابطہ مدت کے بعد انتخابات کئے جائیں گے۔ ان خود اختیاری شہری اور مضافاتی اداروں کو متعلقہ قوانین میں مناسب ترمیمات لاکر زیادہ اختیارات دئے گئے ہیں تاکہ سب سے نیچی سطح تک یہ جمہوریت کے صحیح مراکز بن سکیں اور مقامی ترقی کی ذمہ داریوں کو مکمل طور پر سنبھالیں۔

ضلع پریشد سطح تک ضلع منصوبے کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

تعلیم عامہ: اس ریاست میں ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک تعلیم کے میدان میں مکمل طور پر افریقی پسی ہوئی تھی۔ سماج دشمن فاسم نے تعلیمی اداروں کو اپنے زیر اختیار کر لیا تھا اور امتحانات میں نقل کرنا عام بن چکا تھا۔ اس کو نو اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں باضابطہ کلاس بھی نہیں ہوتے تھے۔ امتحانات کے نتائج بھی وقت پر شائع نہیں کئے جاتے۔ بایں محاذ حکومت نے اس صورتحال کو بالکل بدل دیا اور تعلیم کے میدان کو افریقی سے پاک کر کے حسب معمول صورت حال کو بحال کیا۔ اب تعلیمی اداروں میں باضابطہ کلاس منعقد ہو رہے ہیں۔ امتحانات کے نتائج وقت پر شائع کئے جاتے ہیں۔ امتحانات میں نقل کرنے کی روک تھام مکمل طور پر کی گئی ہے۔

نئے قوانین کے ذریعہ یونیورسٹی تعلیم کے اختتام کو جمہوری بنادیا گیا ہے اور یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں میں انتخابات ہوتے ہیں۔ مڈناپور میں ایک نئی یونیورسٹی بنام ”ودیا ساگر“ قائم کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی غیر راجہتی تعلیم پر بھی زور دیا گیا۔ اس سلسلہ میں کھلی یونیورسٹی کے لئے ایک بل ریاستی قانون ساز اسمبلی کی کل پارٹی سلیکٹ کمیٹی کے زیر غور ہے۔

ساری ریاست میں کلاس II تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ اب ابتدائی تعلیم اور تمام سطحوں پر ناخواندگی کو دور کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور اس کے لئے غیر رسمی تعلیم کو بھی خصوصی اہمیت دی جا رہی ہے۔ ۱۹۷۵-۷۶ میں تعلیم کی کمرچٹ میں ۵۹۰ کوڑ روپے کی

گنجائش رکھ گئی ہے جو پورے بجٹ کا تقریباً ۲۳ فی صد ہے۔

صنعت : آزادی کے وقت مغربی بنگال ملک کی صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ریاستوں میں سرفہرست تھا۔ بعد کے عرصہ میں یہ صورتحال برقرار نہ رہی اور اس ریاست کے خلاف مرکز کی اقتصادی پالیسی اس بات کی ذمہ دار ہے۔ لیکن حایہ برسوں میں ریاست میں صنعتی نقصان گوار بن گئی اور اب اس ریاست میں سرمایہ کاری کے نئے بہت سارے صنعت کار آگے بڑھ رہے ہیں۔

گوجر ریاستی حکومت اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ جہاں کہیں بھی ممکن ہو سکے، ایک سیکٹر میں صنعتی یونٹیں قائم کی جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ریاستی حکومت پرائیویٹ سیکٹر کی بھی بہت افزائی کر رہی ہے اور اس سیکٹر کے لئے بہت ساری سہولتیں فراہم کر رہی ہے۔ نیز حکومت پرائیویٹ سیکٹر کے ساتھ مشترکہ سیکٹر کی کوشش کر رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے پرائیویٹ سیکٹر کی صنعت میں کئی طرح کی ترقیاتی پروگراموں کے تحت بہت ساری سرمایہ کاری کے لئے قومی ۱۰۰ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی اور ان کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیا۔ یہ وہ نئے بہت ہی بڑے اور اہم صنعتی پروجیکٹ ہیں اور ان کی وجہ سے اب یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ بہت ہی ساڑھار صنعتی ماحول قائم ہو چکا ہے۔ ملک کے ساتھ ملک کے علاقہ میں ایکٹر ویکس صنعت کے لئے ہم ایکر قطعات آراضی مختص کر کے دیئے اور یہاں پندرہ صدی دیگر صنعتی اداروں نے اپنی یونٹیں قائم کیں۔ نیز اس علاقہ میں مزید ۹۵ ایکر قطعات آراضی ایکٹر ویکس صنعت کے لئے مختص کر کے دیئے تاکہ دیگر صنعت کار بھی یہاں اپنی اپنی صنعتی یونٹیں قائم کر سکیں۔ ملک سے ترقی دوری پر وافع خالصتاً میں آمدات بروسینگ علاقہ کی ترقی کا کام تیزی سے جاری ہے۔ گوجر ابھی صنعت کاری کے لئے حدید صنعتوں کو کافی اہمیت دی گئی ہے تاہم بائیں محاذ حکومت کے تحت اس ریاست کی روایتی صنعتوں جیسا پن، سوئی کپڑے، گیمادی اشیاء، انجینئرنگ اور چائے صنعتوں کی رفتار ترقی کو تیز کرنے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ نیز چار یونٹوں کی اجار کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

اس ریاست میں رہی اور جنوبی صنعتی خاص طور پر تھوکر گئے نے کافی ترقی کی ہے۔ سارے ملک میں رجسٹرڈ جنوبی صنعتوں کی تعداد مغربی

بنگال میں سب سے زیادہ ہے۔

مزدور : مغربی بنگال میں ملک - مزدور کارشتہ بہت ہی تشفی بخش ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے ہمیشہ محنت کشوں کی ان کے کاذ کے لئے جدوجہد میں تائید کی اور ان کو ساتھ دیا۔ ریاستی حکومت کی مداخلت کی وجہ سے بہت سارے صنعتی تنازعات کا باہمی بات چیت کے ذریعہ تصفیہ ہو گیا۔

بجلی : دیگر ریاستوں کی طرح مغربی بنگال بھی بجلی کی کمی سے دوچار ہے اور اس کی وجہ ماضی کی ناقص منصوبہ بندی ہے۔ لیکن بائیں محاذ حکومت نے کوئلہ گھاٹ، درگا پور اور دیگر علاقوں میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے مسلسل کوششیں کیں اور بجلی پیدا کرنے والی یونٹوں کو اچھی حالت میں برقرار رکھنے کے لئے جتنی اقدامات کئے۔ اس کا وجہ سے بجلی کی صورت حال میں کافی بہتری ہوئی اور یہ صورت حال مغربی بنگال میں اور بھی بہتر ہو جائے گی۔

ثقافت : بائیں محاذ حکومت نے لوگوں کی خاص طور پر ثقافتی علاقوں میں، ثقافتی سرگرمیوں کی ضرورت کے لئے خصوصی اقدامات کئے۔ کھیل کود اور نوجوانوں کی رہائش کے معاملہ میں بھی حکومت نے مستحسن اقدامات کئے۔ اس سلسلہ میں سالٹ ایک ملک میں یو با بھارتی اسٹیم ٹرین کی گلیاں جو سارے ایشیا میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اسٹیم ہے۔ پسماندہ علاقے : بائیں محاذ حکومت سندھ بن، جوار گرام جیسے پسماندہ علاقوں اور دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کی بہتری اور ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کو تیزی سے رو بہ عمل لایا ہے۔

زراعت : مویشیوں کی پرورش و علاج، ماہی گیری و باہمی پروری آب پاشی، جنگلات، سیاحت، نقل وقل، سڑکوں کی تعمیر و ترقی اشیاء کی سپلائی وغیرہ جیسے میدانوں میں بھی بائیں محاذ حکومت کی کارگزاریاں کافی تشفی بخش ہیں۔

انعام یافتہ فلم کوئی

فلم کوئی، کوئراں میں ہونے والے جوئے خارج بین الاقوامی فلم تہوار میں پیش کیا جائے گا۔ اس فلم کو ۸۵۰۰۰ میں بہترین فلم کا قومی انعام، سورن کلن ملا۔ اس فلم نے ڈائریکٹر مسری سرجے دے ہیں اندازے حکومت مغربی بنگال نے بروڈویس کیا ہے۔

امن اور انقلاب

بھبھویش رائے

سطحی طور پر امن اور انقلاب کے تصورات ظاہراً ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیوں کہ انقلاب، جو تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے، موجودہ صورتحال میں مداخلت کئے بغیر نہیں لایا جاسکتا اور موجودہ صورتحال میں گڑبڑ ہی کو لوگ امن میں غلط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انقلاب اور امن ایک دوسرے کے پاس پاس رہ نہیں سکتے۔

ہماری یہ دنیا اب تک امیروں کے ذریعے مریضوں کے استحصال سے مکمل طور پر آزاد نہیں ہوئی ہے، چنانچہ یہ خیالات اور تصورات مختلف جماعتوں یا طبقوں کے لوگوں کے لئے مختلف معنی رکھتے ہیں، اور ان کا انحصار استحصال کے طریقہ کار میں یا سلسلہ میں ایک خاص جماعت یا طبقہ کو جو مقام حاصل ہوتا ہے، اسی پر ہے۔ استحصال کرنے والے طبقہ کے لئے ان باتوں کے ایک معنی ہوتے ہیں تو استحصال کے شکار طبقہ کے لوگوں کے لئے ان باتوں کے معنی مختلف یا بالکل متضاد ہوتے ہیں۔

امن اس طرح کا ایک تصور ہے۔ ان طبقوں کے لئے جو دیگر طبقوں کے استحصال پر عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، امن کے معنی یہ ہیں کہ ان نظاموں، انتظامات، طریقہ کار، رموزات اور دیگر متعلقہ اقدامات کو برقرار رکھا جائے اور انہیں جاری و ساری رکھا جائے جو استحصال کے سماجی طریقہ کار کو تعقید پہنچاتے ہیں اور ایسے مستحکم بنانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان باتوں سے ذرہ برابر بھی انحراف کا مطلب

امن کو توڑنا ہے۔

لیکن جو استحصال کے شکار ہیں ان کے لئے اسی کی یہ تعریف کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ جہاں تک ان کے مفادات کا تعلق ہے، جتنا اس امن میں غلط ڈالا جائے گا اتنا ہی ان کیلئے بہتر ہوگا، کیوں کہ موجودہ نظام کو قائم رکھنے کے لئے عدم مداخلت کی حالت کو برقرار رکھنا ان کے لئے امن نہیں رہتا ہے۔ موجودہ نظام سماج، جہاں ان کا مسلسل استحصال کیا جا رہا ہے ان لوگوں کے لئے مصائب اور دشواریاں پیدا کرتا ہے اور ان کی زندگی سے امن اور شانتی کو چھین لیتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے امن سے مراد یہ ہے کہ طبقے میں بڑے سماج میں موجود نظام میں تبدیلی لائی جائے۔ کارخانہ کے مالک کی، جو مزدوروں کی پیدا کردہ قدر

مناصل سے حاصل کردہ نفع پر زندگی بسر کرتا ہے اور جو مزدوروں کے زیادہ سے زیادہ استحصال سے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے، کبھی بھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اس کے کارخانہ میں کسی قسم کی دشواری رونما ہو۔ اس لئے وہ ہمیشہ مزدوروں کی ہڑتال کی مخالفت کرتا ہے۔ جب مزدوروں کی اجتماعی قوت ہڑتال کی اعلان کرتی ہے، تب کارخانہ کا مالک یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے کارخانہ میں امن میں غلط پیدا کر دیا گیا ہے۔ امن وامان کے سرپرست یعنی طبقات میں بڑے سماج میں ریاستی طاقت فوراً آگے بڑھتا ہے اور امن وامان اور شانتی کی بجائے کینام ہساد کام کے لئے مزدوروں کے خلاف

قوت استعمال کرتی ہے اور انہیں اپنے ملک کا نشانہ بناتی ہے۔
دوسری طرف مزدوروں کے لئے ہڑتال تو ایک آلہ کار ہے
ان کی اپنی زندگی میں امن کی بجائی کے لئے، جن سے وہ محروم ہیں،
پیداوار کے نظام میں بھی ہیں باقی زمین کے مالکوں اور بے زمین
مزدوروں اور اس طرح کے دیگر طبقہ کے لوگوں میں نظر آتی ہیں۔
در اصل سماج کا تاریخی بذاتِ خود اپنے اپنے تصورات کے
مطابق امن قائم کرنے کے لئے مخالف طبقوں کے مابین جدوجہد کی
ایک تاریخ ہے۔

انقلاب تو مکمل تبدیلی کی ولات کرتا ہے۔ ایک
سیاسی تصور کی حیثیت سے انقلاب کا مقصد ہے کہ سماج
کے ایک دور سے دوسرے دور تک تبدیلی لائی جائے تاریخ نے
بہت سارے انقلابات دیکھے ہیں لیکن تمام انقلابات کامیاب
نہیں ہوئے اور تمام کامیاب انقلابات کے ایک جیسے نتائج رونما
نہیں ہوئے۔ انقلابات کی تاریخ میں روس میں ۱۹۱۷ء کے نومبر
انقلاب کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ ساری دنیا میں یہ پہلا انقلاب
تھا جس نے ایک ایسے سماج کو جنم دیا جہاں آدمی آدمی کا استعمال
نہیں کر سکتا اور سماج استعمال کے پہلو پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ
اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے کہ طبقوں میں بٹے سماج میں استعمال
کی مشین کو جاری و ساری رکھنے کے لئے لوگوں کے امن میں غلطی
ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن جب نومبر انقلاب کے بعد نئے سماج نے
استعمال کو اوداع کیا تو اب یہ بات واضح بن چکی ہے کہ لوگوں کے
لئے امن میں کسی طرح سے غلط ڈالا جائے۔ اشتراکیتی انقلاب کے
اور اس کے نتائج میں اہم وجہ میں آنے والے اشتراکیتی سماج کی
نوعیت سماج میں محنت کشوں کے لئے امن کی صورت حال پیدا کر
دیتی ہے۔

آج بنی نوع انسان مکمل تباہی کے خدشے سے دوچار
ہے۔ یوکلیدی جنگ، خصلاتی جنگ، حیاتیاتی جنگ وغیرہ کہیں
سامراجی جماعت جس کا سربراہ ممالک متحدہ امریکہ کا ریگن انتظام
ہے، کی بدہمتی سے یہ خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ بلاشبہ یہ سچ ہے کہ
اشتراکیتی ممالک بھی خود کو نوکھائی اور دیگر امتیازوں سے لیس کر رہے

ہیں۔ ان باتوں سے بہت سے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے اور
اس پروپگنڈے کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ سپر
مڈلاتی ہوئی تیسری عالمی جنگ کی موجودہ خطرناک صورت حال کے لئے
سامراجی اور اشتراکیتی دونوں ہی کیمپ ذمہ دار ہیں لیکن حقیقت
اس سے مختلف ہے۔ موجودہ جنگی صورتحال تو سامراجیوں کی اور
خاص طور پر ممالک متحدہ امریکہ کی پیدا کردہ ہے۔ اشتراکیتی کیمپ
تو امریکہ کے جواب میں خود کو مسلح کر رہا ہے تاکہ امریکہ تیسری عالمی
جنگ نہ چھیڑ سکے اس لئے ہر جگہ محنت کش لوگوں کو سامراجی
کیمپ اور اشتراکیتی کیمپ کے درمیان تباہ کن تیسری عالمی جنگ
یا امن کے لئے ان کے انفرادی کردار کی روشنی میں فرق کو سمجھنا
چاہئے۔ جہاں سامراجی کیمپ جنگ کے لئے خود کو مسلح کر رہا ہے
وہاں اشتراکیتی ممالک امن کے لئے خود کو مسلح کر رہے ہیں۔ اگر جدید
تحتیاراتوں کے سلسلے میں اشتراکیتی کیمپ مساوی طور پر طاقتور
نہ ہوتا تو اب تک تیسری عالم گیر جنگ چھڑ چکی ہوتی۔ لیکن کیوں؟
سربراہ دارانہ نظام ایک جنگی معیشت کے بغیر زیادہ
رونق نہ رہ سکتا۔ سربراہ داری کا نظام مسائل پیدا کرتا ہے
جنہیں وہ خود حل نہیں کر سکتا۔ اس لئے دورِ دور کے بعد بحران
خود لہر ہوتا ہے۔ بورژوا حکومتیں مارخی طور پر اس بحران کو دور کرنے
کے لئے بہت سارے طریقہ کار اور اقدامات کو بروئے کار لاتے ہیں
اور جنگی معیشت کو پیدا کرنا اور اسے فروغ دینا ایک طریقہ کار ہے۔

آج کی دنیا میں سربراہ دارانہ کیمپ کے اس بحران سے
بازرغل آنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس سرزمین سے اشتراکیتی
نظام کو مٹا دیا جائے۔ جب ۱۹۱۷ء میں پہلی عالمی جنگ چھڑی تو دنیا
کو ایک ایسا نظام دیکھنا تھا جہاں استعمال کے بغیر زندگی گزارنا
محکم تھا۔ جب ۱۹۲۹ء میں ہسٹلر کے تحت فاشسٹ جرمنی نے
دوسری عالم گیر جنگ چھیڑ دی تو اس وقت سویت روس کی اشتراکیتی
ریاست نہ صرف عالم وجود میں آچکی تھی بلکہ اس کے قبل کے بیس
سال سے زائد عرصہ سے وہ اپنا بقا کے لئے سرگرم عمل تھی کہیں
کہ اس عرصے میں اندرون ملک رجعت پسند عناصر اور بیرونی ملک کے
سامراجیوں نے اسے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن ان سبوں کو

نما کی کامنہ دیکھا پڑا

نفاشٹ جرمنی نے ایسی پالیسی کو رو بہ عمل لایا تھا جس کی وجہ سے دوسری عالمی جنگ میں سرمایہ دارانہ ریاستوں کو جرمنی کے خلاف متحد ہو جانا پڑا۔ اس کا یہ اتحاد اس وقت بھی برقرار رہا جب ہٹلر نے سوویت روس پر دھاوا بول دیا تھا۔ تاکہ دنیا کی پہلی اشتراکیتی ریاست کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ لیکن دوسری عالمی جنگ میں روس کو شاندار فتح حاصل ہوئی اور ساری دنیا میں محنت کش طبقوں میں اشتراکیتی نظام سے اور بھی گہرا انگور پیدا ہو گیا۔ دوسری عالمی جنگ میں روس کے تقریباً ۲۵ کروڑ افراد نے اپنی اپنی جان عزیز کی قربانیاں دیں۔ سوویت روس نے اپنی حیثیت کی زرقعیر میں اشتراکیت کی حیرت انگیز طاقت کا مظاہرہ کیا۔ اس سے اشتراکیتی نظام کی سرمایہ دارانہ نظام پر برتری کا کافی ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام علاقوں میں زیادہ سے زیادہ مظلوم اور محنت کش لوگ اشتراکیتی نظام سے متعلق ہوتے گئے، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ اشتراکیت کا ریاستیں عالم وجود میں آئیں۔ چین، سویت نام اور اس کے آس پاس کے ملکوں نے اشتراکیت کو اپنایا اور اس طرح ایک عظیم اشتراکیتی کیمپ عالم وجود میں آیا جس سے سرمایہ داری کے استحصال کرنے کے نظام کے وجود کو کافی خدشہ لاحق ہو گیا۔

اب سامراجیت کو اشتراکیت کا منبع قلع کرنے کے لئے طریقہ کار کی بابت سوچنا پڑا۔ چنانچہ جنگ اب پھر سامراجیت کے دھاگے سے بندھے تمام ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کے لئے ایک ضروری نعرہ بن گئی۔ ممالک متحدہ امریکہ نے جو سرمایہ دار ملکوں کا سب سے زیادہ طاقت ور ملک ہے، اس سلسلہ میں سربراہی کی۔ جیسا کہ جرمنی نے ہٹلر کے تحت سائنسی معیاد ایجادات کو صرف جنگ کے لئے مرکوز و محفوظ کر دیا تھا۔ اسی طرح آج ہم سب پھر ممالک متحدہ امریکہ اور دیگر سامراجی ملکوں میں وہی مناظر دیکھتے ہیں۔ آج سائنس کی نئی نئی تکنیکی دریافت اور ایجاد کا جاری ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو تباہ و برباد اور ختم کر دیا جائے۔ صرف نیوکلیر جنگ کافی نہیں ہے بلکہ بہت ہی شدید قسم

کی کیمیائی جنگ اور خلا میں جنگ کا منصوبہ تیار کیا جا رہا ہے اور خلائی جنگ کے لئے سائنس کی دریافتوں کے رفوں کو موڑا جا رہا ہے۔

اشتراکیتی کیمپ، خاص طور پر سوویت روس جنگ سے پرہیز کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ کیوں کہ وہ یہ جانتا ہے کہ اب جنگ کے معنی انسانی تہذیب کی اور ان تمام چیزوں کی جنہیں ہزاروں ہزار برس کی محنت، جدوجہد اور ایثار کے ذریعہ لوگوں نے تیار کیا تھا، مکمل تباہی میں۔ ساری دنیا کے لاکھوں لاکھ لوگ جن میں ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک یعنی وہ ممالک جو جنگ کی طرف آگے بڑھ رہے ہیں، کے لوگ بھی شامل ہیں، جنگ کے خلاف اور امن کے لئے اس جدوجہد میں شریک ہو چکے ہیں۔ لیکن اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ امن کے لئے موجودہ جدوجہد درحقیقت ایک نیوکلیر جنگ سے ایک ایسے جنگ جس سے انسانی تہذیب کا بقا کو خدشہ لاحق ہو گیا ہے، گریز کرنے کی جدوجہد ہے۔ جب تک سرمایہ دارانہ نظام یعنی طبقات میں بٹے سماج کا نظام، جہاں ایک چوڑا سا طبقہ اکثریتی طبقہ کا استحصال کرتا ہے قائم رہے گا، جنگ کا خدشہ ہمیشہ لاحق رہے گا۔ محنت کش طبقوں کیلئے صحیح معنوں میں امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب ساری دنیا میں طبقوں میں بٹے سماج کی جگہ اشتراکیتی سماج لے لے۔ اشتراکیتی سماج سے مراد یہ ہے کہ ایسا سماج جہاں لوگوں کو زندگی اور روزگار کا تحفظ حاصل ہو، جہاں بھوک اور جہالت کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیا گیا ہو اور کام کرنے کے حق کو بنیادی ضمانت دی گئی ہو۔ ایسا کرنا انقلاب کا کام ہے۔ انقلاب کے بغیر نفع پرانے پراپیٹیٹ جائیداد ملکیت پر مبنی سرمایہ دارانہ سماج کو پراپیٹیٹ جائیداد ملکیت کو ختم کر دینے تمام ذرائع پیداوار کو عوامی ملکیت میں شامل کرنے اور پیداوار کی مشینوں کو ذاتی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ پوری قوم کے مفاد کے لئے چلانے پر مبنی اشتراکیتی نظام میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

جنگ کا خطرہ اس وقت ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گا جب ساری دنیا میں استحصال پر گزر بسر کرنے والا کوئی ملک نہ ہوگا۔ اسے

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

امداد

مغربی بنگال میں بامیں محاذ حکومت کے برسر
اقتدار آنے کے بعد سے تقریباً ہر سال ریاستی حکومت کے شعبہ
امداد اور نہاد کو شدید ترین سیلاب، خشک سالی اور آندھی
طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔

جون ۱۹۷۷ء میں مسلسل بارش کی وجہ سے مغربی بنگال
کے اراضی کے بیشتر علاقے زیر آب ہو گئے۔ قبل اس کے کہ ان
علاقوں میں امداد کے کام کو مکمل کیا جائے ۱۹۷۸ء کے تباہ کن
سیلاب نے اس ریاست کی شہری اور دیہی زندگی کو تہہ و بالا
کر دیا۔ ۱۹۷۹ء میں چند اضلاع کو خشک سالی کا سامنا کرنا
پڑا اور ۱۹۸۰ء میں بہت سارے علاقوں کو سینوب اور مٹی کے
کٹاؤ سے دوچار ہونا پڑا۔ اضلاع ۲۴ پر گنہ اور مدنا پور کے بہت
سارے علاقے آندھی اور طوفان کی زد میں آ گئے اور اس کی وجہ
سے ان علاقوں میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ ریاست ان
نقصانات سے ابھی سنبھلتے ہیں نہ پائی فنی کرا سے ۱۹۸۲ء میں
بہت ہی زبردست سیلاب سے دوچار ہونا پڑا۔ اس سیلاب سے
ریاست کے مصنفاتی علاقوں اور وہاں کے لاکھوں لوگوں کو کافی
نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس کا اثر دھان کی فصل پر پڑا اور
اس سال دھان کی پیداوار میں بہت زیادہ کمی ہوئی اور گزشتہ
۲۷ برسوں میں اتنی کم پیداوار کبھی نہیں ہوئی۔

۸۲-۸۳ء میں لوگوں کو آندھی، طوفان، مٹی کے
کٹاؤ اور سیلاب کی وجہ سے بہت ساری مشکلات کا سامنا
کرنا پڑا۔ ۸۴-۸۵ء کے جن مہینہ میں مسلسل بارش ہوئی۔ اتنی

بارش گزشتہ صدی میں کبھی نہیں ہوئی۔ اس کے بعد جس میں پھر
سیلاب آیا، جس نے لاکھوں لاکھ لوگوں کو بے گھر کر دیا اور نہان
نفعہ کا محتاج بنا دیا۔

ان آفات ناگہانی کے بار بار رونما ہونے سے دیہی
عوام کو نا قابل برداشت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن ریاستی
حکومت وار تحشیں کی مستحق ہے کہ اس نے بہت ساری دشواریوں
کے باوجود بہت ہی جلد اور موثر امدادی اقدامات کر کے مٹا کر
لوگوں کی تکلیف اور دشواریوں کو بہت حد تک دور کر دیا۔ ان تمام
برسوں میں ریاستی حکومت نے امداد کے اقدامات پر کل ۱۷۴۴۹۱۴۰۰۰
روپے یعنی سالانہ ۲۲ کروڑ سے زیادہ روپے خرچ کئے۔

اس موسم میں جب کاشتکاری کا کام نہیں ہوتا
مصنفات کے لوگوں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے ریاستی حکومت
۷۸-۷۹ء سے ۸۰-۸۱ء تک کام کے لئے خوراک پروگرام
اور ۸۱-۸۲ء سے ۸۲-۸۳ء تک مصنفاتی روزگار اسکیم
کے تحت پروگرام کو بحسن و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ریاستی
حکومت نمن پروگراموں کے تحت ۵۱.۷۲۰۰۰ روپے خرچ کئے اور
۳۰ لاکھ میٹرک ٹن چاول گہیوں تقسیم کئے۔ ان اقدامات نے
غریب مصنفاتی عوام کو مصائب سے نجات دلانے کے ساتھ ساتھ
ان مصنفاتی علاقوں میں بہت سارے مستقل اثاثے بھی پیدا کئے۔
ان پروگراموں کے ذریعہ ۷۸-۷۹ء سے ۸۲-۸۳ء

کے دوران ۷۷۶۲ برائی سڑکوں کی مرمت کی گئی۔ ۵۴۲۰
نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ ۸۲۰ نہریں اور تالاب کھودے
گئے یا ان کی از سر نو کھدائی کی گئی۔ چھوٹی آبپاشی کی
۱۲۷۳ اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا، ۵۲۷ ہند کی
از سر نو تعمیر کی گئی اور سیلاب میں منہدم ہونے والے ۱۲۴۵
مکانات کی مرمت کی گئی یا نو تعمیر کی گئی اور تقریباً ۲۰ ہزار دیگر
اسکیموں کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔

اکتوبر ۱۹۸۳ء میں آبجانی وزیر اعظم شری متی
اندرا گاندھی کے قتل کے بعد رونما ہونے والے فسادات میں کئی
سکھ مارے گئے۔ شعبہ امداد نے ہر مقتول سکھ کے خاندان
(باقی صفحہ ۵ پر)

حج ۱۹۸۶ء کی بابت اعلانیہ

ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال نے ۱۹۸۶ء میں عازمین حج کے لئے مندرجہ ذیل پروگرام کا اعلان کیا ہے:

روانگی:

جہاز کا نام	بمبئی سے روانہ ہونے کی تاریخ	جدہ میں پہنچنے کی تاریخ
۱۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۱۵ جون ۱۹۸۶ء	۲۵ جون ۱۹۸۶ء
۲۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۶ جولائی ۱۹۸۶ء	۱۶ جولائی ۱۹۸۶ء
۳۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء	۶ اگست ۱۹۸۶ء

والیسی:

جہاز کا نام	جدہ سے روانہ ہونے کی تاریخ	بمبئی میں پہنچنے کی تاریخ
۱۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۲۳ اگست ۱۹۸۶ء	یکم ستمبر ۱۹۸۶ء
۲۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۱۳ ستمبر ۱۹۸۶ء	۲۲ ستمبر ۱۹۸۶ء
۳۔ ایم۔ وی۔ اکبر	۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء	۱۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء

جہاز کی روانگی کی مندرجہ بالا تاریخوں میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ کوئی بھی اور دیگر اخراجات: جہاز کا کرایہ مقرر کرنے کی بات حکومت ہند کے زیر غور ہے۔ اس لئے عازمین حج کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ بینک کلاس کے لئے ۲۷۵۰ روپے کا معہ بی بی ٹی اور حج کمیٹی فیس کے لئے ۱۳۲ روپے یعنی کل ۲۸۸۲ روپے کا اور فرسٹ کلاس کے لئے ۶۵۲۵ روپے معہ بی بی ٹی اور حج کمیٹی فیس اور ایف ٹی ٹی ۳۲۶ روپے یعنی کل ۶۸۷۱ روپے کا بینک ڈرافٹ بطور پیشگی تم بابت حج کی کمیٹی مغربی بنگال کے نام بھیج دیں۔ یہ بینک ڈرافٹ سیٹ بینک آف انڈیا کی کسی ملکی شاخ سے اپنی ملکی بینک یا کسی بین الاقوامی بینک سے بھیجے جاسکتے ہیں۔

بینک کلاس میں سفر کرنے کے خواہاں ہر درخواست کنندہ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ کلکتہ میں حج گھر کی تعمیر کے سلسلے میں ریزرو فنڈ کے لئے پوسٹل آرڈر کی شکل میں ایک سو روپے بطور عطیہ دے۔ اسی طرح فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کے خواہاں ہر درخواست کنندہ سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے ۲۰۰ روپے بطور عطیہ دے۔ پوسٹل آرڈر میں کلکتہ حج ہاؤس، فنڈ دربار میں کراس پوسٹل آرڈر قبول نہیں کئے جائیں گے۔ عطیہ کے اعلان کا مقصد یہ ہے کہ عازمین حج کو حج گھر کی مناسب سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کلکتہ حج گھر کی تعمیر کے کام کو جلد از جلد مکمل کر لیا جائے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ۱۶ سال سے کم عمر کے بچے کو کسی بھی حالت میں حج کو جانے والوں کے ساتھ جانے کو اجازت نہیں ہے۔

غیر ملکی زریعہبادلہ: فی الحال حج کو جانے والے لوگوں کو فی کس ۴۱۰۰ سووی ریال زریعہبادلہ کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ اتنے ریال کتنے ہندوستان روپے کے برابر ہیں۔ اس کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

درخواست داخل کرنے کا طریقہ: (۱) عازمین حج ۱۹۸۶ء کے لئے متورہ فارم میں درخواستیں داخل کریں۔ درخواست کی دو کاپیاں مکمل کر کے جری سفر کے لئے بینک ڈرافٹ کے ساتھ جس کا اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے۔ رجسٹرڈ پوسٹ سے سرکاری ریاستی حج کمیٹی، مغربی بنگال، اسٹریٹس بلڈنگ، بلاک نمبر ۱، کلکتہ ۷۰۰۰۱۱ کے نام بھیجیں۔ سائیکلو اسٹائل میں چھاپا ہوا ایک الگ فارم بھی حج دفتر سے سبلائی کیا جائے گا اور درخواست کنندہ اس فارم کو پُر کر کے درخواست کے ساتھ داخل کریں۔

(۲) درخواست کنندگان سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی ہر درخواست پر اپنی پاسپورٹ سائز تصویر چسپاں کریں اور درخواست کے ساتھ اپنی تصویر کی پانچ کاپیاں بھیجیں اور ہر تصویر کے پیچھے کی طرف اپنا پورا نام اور پتہ درج کریں۔ اس طرح کی ایک تصویر سائیکلو اسٹائل سے چھپے فارم کے ساتھ بھی منسلک کر دیں۔

۱۳ عورتوں کو بھی اپنی درخواستیں کے ساتھ اپنی اپنی

کلکتہ پولیس کانیٹین فون نمبر

خدمت میں آمد بھی پہنچی لانے کے پیشی نظریہ فیصد
کیا گیا کہ حال بارڈر پی بی ایس کے آئی رسی جنکشن لائنوں کو ۱۶۲۰ کسٹنچ
۱۶۵۰ کسٹنچ میں منتقل کر دیا جائے اور حال بارڈر پی بی ایس کانیٹین
یونی فون نمبر ۲۵-۵۹۰۰ (۱۵ لائن) ہے اور کنٹرول روم پی بی ایس
نمبر ۱۱۳۳-۲۲ کی جگہ نیا نمبر ۲۵-۲۳۲۰ (۵ لائن) ہے۔
کلکتہ یونی فون نے یکم دسمبر ۱۹۸۵ء سے تبدیلی کی۔

دیگھیاں سیاحوں کی رہائش گاہوں کا کرایہ

ریاستی حکومت نے یکم جنوری ۱۹۸۶ء سے دیگھیاں سیاحوں
کی مختلف رہائش گاہوں کا کرایہ از سر نو نوکریا ہے جس کی تفصیل درج
ذیل۔

- (۱) اپر جیت کوٹھس (برائے کوٹھس)
لاٹ (دو کمرہ کا کوٹھ) — ۳۰ روپے
(ب) ایک کمرہ کا کوٹھ — ۲۵ روپے
(۲) بناگیت کا کوٹھس (نئے کوٹھس)
لاٹ (دو کمرہ کا کوٹھ) — ۳۰ روپے
(ب) ایک کمرہ کا کوٹھ — ۲۵ روپے
(۳) نرالا :-

- (الف) ایک منزلہ فلیٹ — ۲۵ روپے
(ب) دوسری منزلہ کے فلیٹ — ۳۵ روپے
(ج) تیسری منزلہ کے فلیٹ — ۳۰ روپے
(۴) مانیچو (۱۶ لائن) — ۴۰ روپے
(۵) جھایانٹ اور سنجو جند عمارت (آئٹم) فی سیٹ۔
لاٹ (ایک منزلہ) — ۳ روپے (غافل فی کمرہ) — ۲ روپے
(ب) دوسری منزلہ — ۵ روپے (غافل فی کمرہ) — ۳ روپے
(۶) چینگا (صبح ۶ بجے شام ۶ بجے تک) — ۱۵۰ روپے فی کمرہ
کو ایس جی جی اور دیگر سہولتوں کے تمام بار بار نکال دیں

تقریر چسپاں کرنی ہوگی۔ حج کو جانے والی کسی بھی عورت کو محرم کے بغیر
حج کے لئے روانہ ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔
درخواستیں موصول ہونے کی آخری تاریخ:

درخواستیں موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ جنوری
۱۹۸۶ء ہے۔ تمام درخواستیں رجسٹرڈ ڈاک سے سرکاری ایسٹی
جے کیٹیٹ مغربی بنگال، آرٹس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱ کے نام ۱۵ جنوری
۱۹۸۶ء کو یا اس سے قبل پہنچ جانی چاہئیں۔ اس کے بعد موصول
ہونے والی درخواستوں پر غور نہیں کیا جائے گا۔

مقررہ درخواست فارم اور جہاز کے ذریعہ ۱۹۸۶ء
میں حج کی بابت مفصل معلومات، اصطلاح کوچ بہار، مغربی ورنج
پور، مالده امرشد آباد، اندیا، برودان، بیر بوم اور مدنا پور کے ضلع
ہیڈ کوارٹرس میں اور ضلع ہنگی کے آرام بانگ کے سب ڈویژن
ہیڈ کوارٹرس میں حاجی احباب سے حاصل کریں۔ ایک سال
میں ایک خاندان کے زیادہ سے زیادہ پانچ ممبران درخواستیں داخل
کر سکتے ہیں۔

حج دفتر، آرٹس بلڈنگس، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱ سے ۲۰ دسمبر
۱۹۸۵ء سے درخواست کے مقررہ فارم سہلائی کئے جا رہے ہیں۔
صرف ریاستی حج کیٹیٹ مغربی بنگال کے دفتر سے جاری کردہ درخواست
فارم کو قبول کیا جائے گا۔

بقیہ امن سے اور انقلاب

یہ صرف انقلاب ہے جو مستقل امن لاسکتا ہے۔ اس نفع
نظر سے اگر وہ یکمیں تو انقلاب امن کا مخالف نہیں ہے۔ اس
لئے جو کھلی جنگ سے پرہیز کرنے کے لئے موجودہ جدوجہد کے ساتھ
انقلاب کیلئے بھی جدوجہد ہونی چاہئے۔ ایسا کچھ کمزوری دنیا میں ایک اشتراکیت مسلحہ کے قیام
کے لئے جدوجہد ہونی چاہئے۔ اس طرح انقلاب امن ایک ہی کے دورے ہیں۔

یساں اسی بات کو زیر غور رکھنا چاہئے کہ ساری
دنیا میں اشتراکیت سماج کے لئے جدوجہد تیسری عالمی جنگ کے
مخلاف امن کے لئے موجودہ دور میں جدوجہد سے پرہیز نہیں کر سکتی
اور نہ اس سے گتر سکتی ہے۔



انڈین لیڈر مین کو جسٹس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام لیکچر - آج کی افتتاحی تقریب میں وزیر اطلاعات و شہری ترقیات شری پرستیا سورتھری کرتے ہوئے۔ ریپا اور چھوٹی صنعت کے وزیر ریاست۔ انچارج شری پرو لائی ٹالکدار، انڈین لیڈر مین کو جسٹس ایسوسی ایشن کے صدر شری سنجے سین اور وزیر صنعت و تجارت شری نرمل بوس بھی بیٹھے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔

نیچے ، وزرائے موصوف شری پرستیا سورتھری اور پرو لائی ٹالکدار لیکچر پر تھیں



EIGHT YEARS OF LEFT FRONT GOVERNMENT WEST BENGAL

আট বছর বামফ্রন্ট সরকারের -



مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے آٹھ سال مکمل ہونے کے سلسلہ میں بنگور میں منعقدہ تقریب میں ریاستی وزیر
اطلاعات و ثقافتی امور مشری پر دھبہ اش چودھری کا تقریر کرتے ہوئے۔ (نیچے) : اس موقع پر منعقدہ ایک نمائش کا وزیر
موصوف معائنہ کرتے ہوئے



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta, Associate Editor : Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by M/s.
G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.

18 FEB 1986

منبر ملی بنگال

18 فروری 1986ء

پندرہ روزہ
مغربی بنگال

شرح خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ
سالانہ : ستین روپے

مدیر اعلیٰ : برتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھندل ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

توسیل ذرا کا پتہ

زنس میجر!

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۲۳- آراین، مکرمی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۳ * ۱۵ جنوری ۱۹۷۶ * شمارہ نمبر ۲



کلکتہ سائیکل اسٹیڈیم میں راجیو جیو کی شری لکشمی تقریب کا افتتاحی تقریب — اس تقریب کا افتتاح شری جیو کی باسوی نے کیا۔
تقریب میں (بائیں سے) شری سبھاش چکرورتی، وزیر شعبہ نوجوان اور کھیل کود، شری ادھت رائے وزیر شعبہ جنگلات،
شری پرستھ موہن وزیر تعلیمات و شہری ترقیات، وزیر اعلیٰ جیو کی باسوی اور شری گل باسوی، میئر کلکتہ کارپوریشن۔

بین الاقوامی نوجوان سال: ایک جائزہ

از: انجنیر بسیرا

کو بھی جنوں نے شادی کر لی اور جن کے بچے بھی ہیں، انوجوانوں میں شامل کیا جائے گا۔

”نوجوان“ کے تصور کی ثقافتی نقطہ نظر سے تشریح کی جاسکتی ہے، لیکن ساری دنیا میں مختلف ملکوں نے اس کی مختلف تشریحیں کیں۔ اس عرصہ میں یو۔ این۔ او نے مختلف ملکوں کے اساتذہ سلسلے میں ہمت افزائی کی کہ وہ ایک ٹھوس تعریف نوجوان یا ایسی کو اپنا بنیاد بنیاد کو کے تحت خاص طور پر اس مقصد کے لئے ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا۔ یونیسکو نے نوجوانوں کے مسائل کی طرف خصوصی توجہ دی۔ یونیسکو جنرل کانفرنس کے ۲۱ ویں اجلاس میں نوجوانوں کے مسائل کے لئے ایک بے عرصہ یعنی ۱۹۷۹ء کو یو۔ این۔ او نے

بین الاقوامی نوجوان سال منانے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلہ میں چند خصوصی پروگراموں (یو این ڈسٹنڈرز ۳۶/۲۱۵) کو تین دور میں پایہ تکمیل تک پہنچانے کی منظوری دی۔ وہ پروگرام یہ ہیں، ق اور علاقائی سطحوں پر نوجوانوں کی شرکت میں اضافہ اور نگار کے امکانات میں اضافہ، تعلیم اور پیشہ ورانہ تربیت وغیرہ کے امکانات کی بے پناہ دہائی، صحت عامہ، تعلیم، تغذیہ، اخلاقی مسئلوں پر بننے کے لئے بین جماعتی سرگرمیوں اور خود امتیازی وغیرہ کی سہولت فراہم کرنے کے لئے دفاعی خدمات کا فروغ۔

یو۔ این۔ او کا بین الاقوامی نوجوان سال یکے بعد دیگرے، شرکت، ترقی اور امن“ مذکورہ پروگراموں کا لب و لباب ہے اور یہ تمام ملکوں خاص طور پر ترقی کی راہ پر گامزن ملکوں کی نوجوان نسل فوری ضرورتوں کی عکاسی کرتا ہے۔

نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے لئے پروگرام کی تکمیل کے کام کو حال ہی میں مکمل کیا گیا ہے۔ تہوار اور تقریبات کے بارہ مہینے محزر چکے اور یہ تاریخی اہمیت کے ایک با معنی نشان چھوڑ گئے۔ اقوام متحدہ کا یہ فیصلہ کہ گزشتہ سال کو نوجوانوں کے سال کی طرح منایا جائے، سیاسی اور سماجی زندگی میں نوجوانوں کے بڑھتے ہوئے کردار اور ان کی نوع انسان کی سماجی ترقی میں کامرانی حاصل کرنے کی عکاسی کرتا ہے۔ گزشتہ سال ہم نے فاسٹ ٹرم پرنسپل کی چالیسویں سالگرہ شاندار طریقے سے منائیں، کیونکہ فاسٹ ٹرم دنیا کی سیاسی تاریخ کا بہت ہی مہیب رُخ ہے۔ گزشتہ سال اقوام متحدہ کے عالم وجود میں آنے کا چالیسواں سال تھا۔ نیز گزشتہ سال ناوابستہ تحریک نے بھی اپنے ۲۰ ویں سال مکمل کر لئے۔

اسی طرح یہ حقیقت باطل عیاں ہے کہ ان تمام اہم واقعات نے بلاشبہ نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کیا۔

نوجوان اور اقوام متحدہ:

جب ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ تنظیم قائم کی گئی تو اس وقت ساری دنیا میں نوجوان نسل کے مسائل پر شدید غور کیا گیا، لیکن گزشتہ دہائی میں اس سلسلہ میں ایک بھی قابل ذکر پروجیکٹ یا اسکیم کو رو بہ عمل نہ لایا گیا۔ ۱۹۷۰ء میں اقوام متحدہ نے نوجوانوں کی یوں تعریف کی ”بارہ تا پچیس سال کی عمر کے لوگوں کو نوجوان کہتے ہیں۔ اس دور میں بچپن کا آخری دور، بلوغ اور نوجوان بانیع شامل ہیں۔ نیز اس عمر کے لوگوں کو، جو ملکوں میں زیر تعلیم ہیں اساتذہ ہی ان نوجوانوں

آج کی دنیا کے نوجوان :

ساری دنیا میں نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کہ دنیا کے ہر پارچہ افسر میں ایک فرد ۱۵ تا ۲۴ سال کا ہوتا ہے۔ یو۔ این۔ او کے ماہرین کے مطابق آج ساری دنیا میں ۱۵ تا ۲۴ سال کی عمر کے نوجوانوں کی تعداد ۹۲۲ کروڑ ہے۔ ۱۹۷۵ء میں انکی تعداد ۶۶ کروڑ تھی۔ ایک قیاس کے مطابق اس صدی کے آخر میں نوجوانوں کی تعداد ۱۰۰ کروڑ سے زیادہ ہو جائے گی۔

نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے سلسلے میں ۱۹۸۰ء میں نوجوانوں کی بابت تیار کردہ ایک رپورٹ میں یو۔ این کے سرکاری جرنل نے یہ باتیں بتائیں۔ اس رپورٹ میں یہ بتایا گیا کہ ایشیا میں سب سے زیادہ نوجوان یعنی ۶۰ فیصد نوجوان رہتے ہیں۔ اس کے بعد افریقہ میں ۱۱ فیصد، لاطینی امریکہ میں ۹ فیصد، یورپ میں ۸ فیصد اور شمالی امریکہ میں ۵ فیصد نوجوان ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام اور نوجوان :

ہم یہ جانتے ہیں کہ سماج میں اچھڑتی ہوئی نسل کے نظام کا اچھا ریاست کی نوجوان نسل کے سلسلہ میں پالیسی پر ہے۔ آج ریاست۔ اجارہ دار سرمایہ دارانہ نظام میں پرورتہ ریتی طبقہ کی جدوجہد کے مسائل اور نوجوانوں کے سماجی سیاسی جدوجہد کے مسائل ایک دوسرے سے گھل مل گئے ہیں۔ حالیہ برسوں میں مغربی ممالک میں کتابوں کی دکانیں آج کے نوجوانوں کے مسائل پر بھی کتبوں سے بھری پڑی ہیں۔ معاشی زندگی اور سرگرمیوں میں آج کے نوجوان جو کردار ادا کر رہے ہیں، ان کے پیش نظر ہم خود ہی یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ ملکوں کے نوجوانوں کو کن کن سماجی اور معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یو۔ این کی رپورٹ کے مطابق نوجوانوں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو سرمایہ دارانہ ملکوں میں سماجی۔ معاشی بحران سے زیادہ سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ان ملکوں میں بے روزگاری کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ۱۹۸۱ء میں چند یورپی ممالک میں بے روزگاری ۱۰ تا ۱۵ فیصد

تھی۔ جزوی روزگار اپنے کام سے غیر نشانی کام کرنے کے لئے ناکافی سہولتیں کام کی تعداد کی بابت شک و شبہ جیسے مسائل کو آج کافی اہمیت حاصل ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں معاشی افزائش کی شرح میں کمی کی وجہ سے نوجوانوں کے لئے روزگار کے نئے مواقع میں کافی کمی ہو چکی ہے۔ مغربی یورپ اور ممالک متحدہ امریکہ میں ۱۵ تا ۲۴ سال کی عمر کے ۲۰ کروڑ سے زیادہ نوجوان آباد ہیں، لیکن ان میں سے صرف ۲۰ فیصد برسرِ روزگار ہیں۔ فرانس اور ممالک متحدہ امریکہ میں برسرِ روزگار لوگوں میں ۲۰ فیصد افراد نوجوان ہیں اور جاپان میں برسرِ روزگار نوجوانوں کی تعداد ۲۰ تا ۲۵ فیصد ہے۔ اگر گھٹا کے بے روزگار لوگ ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو وہ صف ۹۰۰ میٹر لمبی ہوگی۔ برطانیہ میں ۱۵ تا ۲۴ سال کی عمر کے بے روزگار نوجوانوں کی تعداد اس جماعت کے باہر کے گروپ کے بے روزگاروں کی تعداد کی دوگنی ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق اس ملک میں ۱۸ سال کی عمر کے جتنے نوجوان ہیں ان میں سے نصف بے روزگار ہیں۔ اسکولوں کی بڑھتی چھوڑنے والے ہم نوجوانوں کے لئے سالانہ ۱۰۰ کروڑ پونڈ تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اب تک اس ملک میں بے روزگار نوجوانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ہی ایک اہم کوشش ہے لیکن اس نئے پروگرام نے بھی مسئلہ کو حل نہیں کیا۔ تربیت پانے والے پارچہ افراد میں صرف دو کروڑ روزگار ملنے کی امید ہے۔ اجرت پر کام کرنے والے مزدوروں کے استعمال پر مبنی سرمایہ دارانہ طبقاتی تعلقات سے رہنما ہونے والی سرمایہ دارانہ ترقید ہی بے روزگاری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی بہت ساری سماجی وجوہ بھی ہیں۔

سائنسی اور تکنیکی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیم معاشی افزائش کا بہت ہی اہم جز بن گئی ہے اور یہ معاشی تبدیلی تیزی سے اثر انداز ہو رہی ہے لیکن آج بھی سرمایہ دارانہ ملکوں میں ناخواندگی بہت ہی شدید مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق اس دنیا میں ۸۰ کروڑ لوگ ایسے ہیں جو لکھا پڑھنا نہیں جانتے۔ ان میں سرمایہ دارانہ ملکوں میں ۶ تا ۱۱ سال کی عمر کے ۱۰ کروڑ بچے شامل ہیں جن میں اسکولوں میں جانا نصیب

نہیں ہوا۔ یو۔ این۔ او کے تحفہ کے مطابق ممالک متحدہ امریکہ کا
شہر تعلیمی سطح پر ۹۴ ویں نمبر پر آتا ہے۔ اس مسئلہ سے
قومی اقلیتیں بہت ہی شدید طور پر دوچار ہیں۔ سرمایہ دارانہ
تعلیمی نظام نخت کش عوام کے لئے تعلیم کے سلسلے میں حسب ضروری
سہولتیں فراہم نہ کر سکا۔ درحقیقت اس نظام کا مقصد ہی
یہ ہے کہ مختلف معاشی، سماجی طبقوں کے نوجوانوں کو مختلف سطحوں
کی تعلیم فراہم کی جائے۔ یہ تو ایک سماجی ٹھٹھا ہے جو برتر وادوں
کے لئے فراہم کردہ سہولتیں کی عکاسی کرتا ہے۔

سرمایہ دارانہ ملکوں میں حکمران بورژواؤں کا ایک اہم
ہتھیاریہ ہتھاکروہ اپنے زر خرید ماہرین کے ذریعہ نوجوانوں کے دل و
دماغ میں تصوراتی زہر آہستہ آہستہ گھولنے تاکہ نوجوانوں کو دوسری
طرف موڑ دیا جائے۔ امریکہ کے اسٹورٹ کلیبرک ایک ایسے ہی ماہر
تھے جنہوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ "سرمایہ" اور "بے روزگاری"
جیسے الفاظ بے معنی ہیں اور اگر ہماری فرنگ میں "استعمال" جیسے
خاب الفاظ نہ ہوں تو کہیں استعمال نہ ہوگا۔

اب یہ بات حقیقت بن چکی ہے کہ سرمایہ دارانہ
نظام بذات خود نوجوان نسل کے لئے کسی قسم کے سماجی، معاشی
اور روحانی تحفظ فراہم نہیں کر سکتا ان باتوں کو سمجھنے ہوئے بہت سارے
نوجوان ان باتوں کا اظہار کر رہے ہیں کہ سماجی، اقتصادی اور تکنیکی ترقی
کے لئے اہم ضرورت یہ ہے کہ پورے سیاسی ڈھانچہ کو از سر نو منظم
کیا جائے اور نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے لئے یو۔ این۔ کاغزوہ
"شہرکت، ترقی اور امن" ان خودی مسائل کو حل کئے بغیر سرمایہ دارانہ
نظام میں بائٹ نہیں ہو سکتا۔

استراکیت کے تحت نوجوان:

لیکن اشتراکیتی یعنی سوشلسٹ ملکوں میں منظر
بالکل اس کے برعکس ہے۔ سوشلسٹ ملکوں کی نوجوان نسل سماج
کی ترقی میں بڑا حصہ کر چکی ہے۔ سوشلزم کی منہج
نے نوجوانوں کی سرگرمیوں کے لئے اور انکی سماجی اور سیاسی
سرگرمیوں کی جامع ترقی کے لئے نئی باتیں پیدا کیں۔ سوشلسٹ ملکوں

میں نوجوانوں کو وسیع حقوق فراہم کئے گئے ہیں۔ یہ حقوق قانون کے تحت
فراہم کئے گئے ہیں اور ساتھ ہی سیاسی، قانونی اور مادی ضمانت بھی
دی گئی ہے۔ سوشلسٹ ملکوں کے نوجوانوں کی سرگرمیوں کو پروان چڑھانے
کی انقلابی جدوجہد سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ سوشلسٹ ملکوں
کی نوجوان تنظیموں کی پیداواری سرگرمیاں کام سے وابستہ تعلیم
کے سوال سے اور نوجوان مزدوروں اور عورتوں کو پیداواری کام سے
منسلک کرنے سے وابستہ ہیں۔ یہ سب سوشلسٹ نظام کے لئے
ملوی اور تکنیکی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح سماجی اور معاشی
ترقی کے کام میں نوجوانوں کو شامل کیا جاتا ہے۔

سوشلسٹ ملکوں کے دستوروں میں اس بات کی ضمانت
دی گئی ہے کہ تمام شہریوں کو تعلیم کا حق حاصل ہے اور مفت تعلیم
فراہم کرنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سوشلسٹ ملکوں میں نوجوانوں
کو دیگر سماجی حقوق کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل حقوق بھی حاصل
ہیں:

آرام کرنے اور فرصت کے لمحات گزارنے کا حق، صحت
کی حفاظت کا حق، ثقافتی سہولتوں سے مستفید ہونے کا حق،
تنظیموں میں شامل ہونے کا حق، تقریر کی آزادی وغیرہ اور
ریاست کی انتظامیہ میں براہ راست شرکت سے نوجوانوں کو یہ
فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ سماجی لحاظ سے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں
اور سماجی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ان میں طبقاتی نظریہ رد نما
ہوتا ہے۔

اس طرح نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے معاہدہ کی
حصہ دہانی تو نوجوانوں کے لئے سوشلسٹ ریاستوں کی پالیسی کی ایک منطقی
کڑی ہے۔ سوشلزم نوجوانوں کو استعمال اور نابرابری سے نجات
دلاتی ہے اور ان کے سماجی اور سیاسی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتی
ہے۔ نوجوانوں کے بین الاقوامی سال میں سوشلسٹ ملکوں نے بہت
سارے اقدامات اپنائے جن کے تحت ملک کی سیاسی، معاشی،
سماجی اور ثقافتی زندگی میں اور ان کے مزید فروغ میں نوجوانوں کی
شرکت کے لئے بہت وسیع سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔

ہندستان کے نوجوانوں کی کوفتے :

ہندستان میں نوجوانوں کی ناگفتہ بہ حالت کا معاشی سماجی دھچکا پڑے رکھ کر غمزہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہندستان کی آزادی کے لئے جب سے جدوجہد شروع ہوئی تھی اس وقت سے ہندستان کا حکمران طبقہ اپنے منصوبوں اور پروگراموں کی تائید میں سوشلزم کا نعروں بلند کر رہا تھا۔ لیکن حتمی نے ان نعروں کا پورا کھول دیا کیوں کہ سوشلی نقطہ نظر سے سوشلزم ہندستان بورژواؤں کے طبقہ کی مفادات کے بالکل برعکس ہے۔

چارے ملک میں ہماری نوجوان نسل کے مسائل سماج کے دیگر طبقوں کے مسائل کی طرح سال بہ سال بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ چارے ملک میں ۱۵ تا ۲۰ سال کی عمر کے نوجوانوں کی تعداد کوئی آبادی کی کم و بیش ۲۰ فیصد ہے لیکن ان کی اکثریت بے روزگار ہے۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی حکومت کی تہی معاشی اور صنعتی پالیسیوں نے ہندوستانی نوجوانوں کی پریشانیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ قومی ترقی کی راہ کو تھمتے ہوئے جدید صنعتوں کے سیمیں دروازوں کے باہر روزگار کے مستحقین کی بسی قطار میں کھڑے مصائب سے دوچار ہندوستان کے نوجوانوں کو صنعتی پالیسی کی کامیابی کی جیسا کہ مرکزی حکومت نے اعلان کیا ہے، کوئی قبک نظر نہیں آتی۔

ہندستان کے مضامانی علاقوں کے نوجوان کی حالت تو اور بھی ابتر ہو گئی ہے۔ ان کے لئے ثقافت، کھیل کود، طبی دیکھ بھال، روزگار و منیہ کی کمی سے کم سہولتیں فراہم ہیں۔ تبادلاً روزگار کے دفاتر کی تعداد میں کمی کی وجہ سے بہت سارے بے روزگار یہی نوجوان تو اپنے نام ان دفاتر میں رجسٹرڈ نہ کرا سکے۔

اب حکومت ہند کا پیش کردہ تازہ معاشی پالیسی کو لیجئے۔ یہ پالیسی ایک اسی بارہ وار طبقہ پیدا کرے گی جو ہندوستانی اور کثیر الاقوام صنعت کاروں کے مفادات کو فروغ دے گا۔ مزید برآں ڈگری کو روزگار سے الگ کر دینے سے تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوانوں کے لئے شدید غیر یقینی کی صورتحال اب گر ہوگی۔ کیونکہ ان پر اب یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انہوں نے روزگار کے لئے جو تعلیم حاصل کی تھی وہ اب بے معنی سمجھ

جوتی ہے۔ حکمران طبقہ کی پالیسی کا مقصد یہی ہے کہ ان لوگوں کو حکمران طبقہ کے نوجوانوں کے ساتھ ۲۱ ویں صدی کے محسوس میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی جائے، اور جگہ جگہ کی مختلف بائیں اور چمپوری نوجوان تنظیمیں ان غیر چمپوری اور ظالمانہ اقدامات کے خلاف جدوجہد کر رہی ہیں۔

البح کے نوجوانوں کی تحریک :

نوجوانوں کی تحریک کا وجود دور چند جزیل باتیں کم و بیش اثر انداز ہوئی ہیں : سرمایہ داری کے عام بحران میں اضافہ اور شدت، آمرانوں کے حملے اور لوگوں کے اس کے خلاف جدوجہد، استحکامات کی دوڑ کے مسائل اور تمام براعظموں میں انقلابی طریقہ کار کے بڑھتے ہوئے اثرات۔ ان باتوں سے نوجوانوں کی آج کی تحریک کی کمی خصوصیات عیاں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نوجوان اب زیادہ سے زیادہ محسوس سماجی اقدامات کر رہے ہیں اور سیاسی جدوجہد میں پورے سوچ بوجھ کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں۔ نوجوانوں کی اس نسل میں سیاسی بیداری آگئی ہے۔ اب وہ سب سماجی زندگی کے محتاج سے اچھی طرح سے واقف ہیں۔ ترقی کی راہ پر گامزن ملکوں کے ترقی پذیر نوجوان سماجی، معاشی اور سیاسی تبدیلی کے لئے فاسٹ سوشلزم کے خلاف، مطلق العنانی کے خلاف، رجعت پسندی کے خلاف اور ایک نئے بین الاقوامی نظام کے لئے اسامراجیت پر انحصار کو مکمل طور پر ختم کر دینے کے لئے اور کالونیائی یا نوکالونیائی کی میراث کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دینے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ساری دنیا میں نوجوان لوگ سخت کش طبقہ کی منظم جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

آج مغربی اور سرمایہ دارانہ ملکوں میں صورتحال بہت کچھ بدل چکی ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں میں نسلی نسل اپنی پہلی نسل کے تجربات کا اور سماج میں زندگی کے ذاتی تجربات کا جائزہ لیتی ہے۔ چھٹی دہائی کے آخری دور اور ساتویں دہائی کے شروع میں مغربی ملکوں میں نوجوانوں کی سرگرمیاں بڑی بے چیدہ بن گئیں اور ان میں تعداد پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو یہ سرگرمیاں سرمایہ دارانہ اداروں کے بورژوائی طرز زندگی کے خلاف جمہوریت پسند نوجوانوں کے احتجاج کی عکاسی کرتی

ہیں تو دوسری طرف نوجوانوں کے بہت سارے اقدامات کے تصور راقی اور سیاسی پیٹ فارم پر بائیں رجحان کے زیر اثر بورژوائی صنعتی بنیادوں کی جو اثرات غریبی کی سیاست کو جنم دیتی ہے اور جو نوجوانوں کو محنت کش طبقہ کی منظم تحریک سے الگ کر دیتا ہے آغاز کی کرتی ہے۔

لیکن صورتحال امید افزا خبر پر بدل چکے ہیں، اگرچہ بیشتر دس ہزار برسوں میں مغربی ملکوں کے نوجوانوں کے سماجی حقائق کے تصور میں کافی تبدیلی آئی، نیز ان میں بیداری پیدا ہو گئی اور وہ سب اب بورژوائی طرز زندگی کو برداشت نہیں کرتے۔ سرمایہ دارانہ ملکوں میں نوجوان نسل روایتی بورژوائی قدروں سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ ریگوشہ دہائی اور موجودہ دہائی کے اوائل میں نوجوانوں کی جو رائے لی گئی تھی اس سے صرف یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ مغرب میں نوجوانوں کی صرف اقلیت ہی زندگی میں مادی تحفظ کو ہی اہم سمجھتی ہے۔ اس طرح چھ پوری ممالک میں ایسے خیالات رکھنے والے ۱۵-۲۴ سال کی عمر کے نوجوانوں کی تعداد ۲۵ فیصد میں ۲۰ فیصد، ۲۱ فیصد، ۲۲ فیصد اور ۲۳ فیصد میں ۲۴ فیصد تھی۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ زندگی کے سلسلے میں نوجوانوں کے خیالات میں کتنی نمایاں تبدیلی ہوئی ہے۔ اب نوجوان سیاسی لحاظ سے بیدار بھی ہو چکے ہیں اور عمرانیاتی جائزہ سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ حالیہ برسوں میں وہ نوجوان جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، اور ثقافتی میدان میں جنہیں ایک مقام حاصل ہے اور سماجی مسائل کا تجزیہ کر سکتے ہیں، بائیں شاخ کی تنظیموں کا زیادہ تعداد میں ممبر بن رہے ہیں اور جمہوری تحریکوں میں سرگرم حصہ لے رہے ہیں اور وہ محنت کش طبقوں اور دنیا کی تمام جمہوری طاقتوں کو تقویت بخشتے ہیں۔

نوجوانوں میں جو انقلابی بیداری رونما ہوئی ہے اس کی مثال کے طور پر لاطینی امریکہ اور افریقہ میں نوجوانوں کی تحریک کے پے در پے پیش کیا جاسکتا ہے۔ افریقی، ایشیائی اور لاطینی امریکہ کے ملکوں کی قومی آزادی اور سماجی تبدیلی کے لئے جدوجہد سے وابستہ مسائل کی طرف آج ساری دنیا کے نوجوان خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔ لاطینی امریکہ میں انقلابی رجحانات کی ترسیع ہو رہی ہے اور اس کا اظہار ان کی بڑھتی ہوئی عوامی تحریک سے ہوتا ہے۔

لاٹینی امریکہ کے ملکوں کی انقلابی تحریکوں میں طلباء روایتی طور پر ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انقلابی سرگرمیوں میں طلباء کی سرگرم شرکت نے تمام ونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کو لاطینی امریکہ کی سیاسی زندگی کا لازمی جز بنا دیا ہے۔ غیر سراجیت اور جمہوریت کے جذبے لہرانے والے طلباء کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ صرف محنت کش طبقہ کی سربراہی کے تحت ہی وہ سب اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر چیلی میں یونیورسٹی گورنمنٹ کی منسوخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہاں محنت کش طبقہ اور طلباء کے درمیان مستحکم رشتہ قائم تھا اور لاطینی امریکہ میں امریکی سراجیت کے بڑھتے ہوئے خدشات کے پیش نظر آج ایسے مستحکم رشتہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ لاطینی امریکہ برافض طلباء تنظیم (اویسی۔ ایل۔ اے۔ اے۔ اے) نے اس بات پر کافی نوزد یا کہ اس برافض میں سراجیت کے خلاف طلباء اور نوجوانوں کی تحریک کو مستحکم بنایا جائے اور تمام انقلابی طاقتوں اور فاشنزم اور رجعت پسند مطلق العنانی مختلف جدوجہد کرنے والوں کے درمیان یک جہتی اور استحکام کو محسوس بنایا جائے۔ یہ تنظیم نوجوانوں اور طلباء کی عالمی جمہوری تحریک میں سرگرم ملتا ہے اور آئی۔ یو۔ ایس سے تعاون کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اس کے منظم کردار کا ذکر کر سکتے ہیں جو انقلاب کے دوران چیلی کے نوجوانوں نے ادا کئے تھے۔ اب "نیکاراگوا" میں "۱۹۷۰ء" اور "۱۹۷۱ء" کے سبب نیشا یونٹ" نوجوانوں کی بہت ہی با اثر تنظیم ہے۔ فی الحال اس کے ۵۰۰۰ ممبر ہیں اور تقریباً ۲۰۰۰۰ افراد ممبر ہونے والے ہیں۔ انقلاب کے بعد کے عرصہ کی جدوجہد میں نوجوانوں کی یہ تنظیم سب سے آگے ہے۔ وہ سب پر امن تعمیراتی کام میں حصہ لیتے ہیں۔ ملک کے رہنماؤں کی پکار پر "۱۹۷۰ء" اور جولائی سینڈنیشا یونٹ" کی سربراہی کے تحت ۶۰۰۰ نوجوان "اخواندگی کو دہر کرنے کے کام میں سرگرم مل رہے ہیں۔

بین افریقی نوجوان تحریک، ایشیا اور افریقہ کی اہم نوجوانوں کی علاقائی تنظیم ہے (بہاں ایشیائی یونٹ کاؤنسل، عرب یونٹ، سینڈریش) اعلیٰ افریقہ، اسٹونڈنٹس یونین وغیرہ جیسی تنظیمیں بھی ہیں) حالیہ برسوں میں یہ بہت دلچسپی محسوس ہے کہ ان ملکوں نے دنیا کے دیگر ترقی پذیر نوجوانوں کی بنیاد پر تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے مثبت رویہ اختیار کیا ہے۔ جنوبی افریقہ کے ترقی پذیر نوجوانوں کی طاقتیں نسل پرست سفید اقلیت کے ظلم کینڈف

وہاں کے عوام کی جدوجہد، اسی میں پورے طور سے شرکت کرنے کے لئے اپنا دلچسپی کا اظہار کر رہا ہیں۔

نسلی امتیاز کے علاوہ کے خلاف جنابى افريقہ کے نوجوانوں کی مزاحمتی تحریک کی اہم طاقت انہیں بین الاقوامی سطح پر متحدہ لگے ہے۔ جنوبی افريقہ طلباء اور اعضاء میں طلباء تنظیموں سے غیر سفید طلباء کی بہت ساری تنظیمیں وابستہ ہیں۔ یہ تمام تنظیمیں اس ملک میں نوجوانوں کی تحریک میں اور اپنے مجاہدوں کے سیاسی شعور کو اجاگر کرنے میں سرگرمی کیساتھ شرکت کرتی ہیں۔ نسلی امتیاز کے خلاف نرقى پذیر سفید طلباء کی بہت ساری تنظیمیں بھی آگے بڑھ رہی ہیں۔ ریاستی اور جتنی کا اعلان کرنے کے بعد حکومت کے خلاف نوجوانوں کی سرگرمیاں اور بھی تیز ہو گئیں۔

ساری دنیا میں امن، تحفظ اور خفیف افواج واسطو جات کے لئے مختلف سیاسی، فلسفیانہ اور یہاں تک کہ مذہبی پیٹ فارم سے نوجوانوں کی تنظیموں نے وسیع پیمانہ پر جو اقدامات کئے ہیں وہ موجودہ دور کی جدوجہد کی اہم خصوصیت ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بین الاقوامی حقوق اور مفادات کے جدوجہد میں نرقى پذیر تنظیمیں جیسے جمہوری نوجوانوں کی عالمی نذر ریشن اور طلباء کی بین الاقوامی یونین کی سرگرمیاں کافی وسیع ہو گئی ہیں۔

حالیہ برسوں میں یورپ کے نوجوانوں کی مختلف تنظیموں کے مابین تعاون بڑھ گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اس نعرہ برائے مستقل امن اور تحفظ کے ساتھ یورپ میں یوتھ اور اسٹوڈنٹس سینک کے مابین تعاون (ادارہ - جون ۱۹۷۶ء) اور خفیف افواج واسطو جات پر رپورٹ اسٹوڈنٹس ۱۹۷۹ء میں سوشل پروگریس اور یورپ میں یوتھ اسٹوڈنٹس کی کانفرنس بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ نسلی امتیاز میں جنگ کے خلاف نوجوانوں کی جدوجہد نے ایک نیا موڑ لیا، جبکہ خفیف افواج واسطو جات کے لئے یورپ میں اور اسٹوڈنٹس تنظیموں نے ایک دن مشترکہ اقدام کئے۔ اس خفیف کے سلسلہ میں نوجوانوں کی تنظیموں کے نوجوان وفد نے یورپ میں جسٹسل اسمبلی کے خصوصی اجلاس میں شرکت کی۔ ۱۹۸۱ء میں اسکی میں منعقدہ امن، عالمی باہمی کشیدگی کو دور کرنے، خفیف افواج واسطو جات کے لئے نوجوانوں اور طلباء کی عالمی کانفرنس میں طلباء کی بین الاقوامی علاقائی اور قومی تنظیموں کے ۶۵۰ نمائندوں نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں جنگ کے مندرجہ کے خلاف متحدہ طور پر جدوجہد کرنے کے لئے دنیا کے

نوجوانوں کو ملبرودار ہونے کو کہا گیا۔

ڈیپو سالیٹ - ڈی - وائی اے آئی - ایس - یو اور دیگر قرقى پذیر بین الاقوامی اور قومی تنظیموں کے مشترکہ اقدامات پر بات چیت کرتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں مستقل امن اور بین الاقوامی تحفظ نوجوانوں کے مفادات کے لئے ضروری ہیں۔

عالمی امن کاؤنسل اور یڈ پورینوں کی عالمی فیڈریشن نے بھی نوجوانوں کی بین الاقوامی تحریک کی حمایت کی۔ ان دونوں تنظیموں میں نوجوانوں کی گیمیاں بھی ہیں۔

دنیا کے نوجوانوں میں تعاون کو فروغ دینے کے لئے نوجوانوں اور طلباء کی عالمی تہواروں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جولائی ۱۹۸۵ء میں ماسکو میں نوجوانوں اور طلباء کا ۱۲واں عالمی تہوار منایا گیا۔ اس تہوار میں ۱۵۰ ملکوں کے دو ہزار سے زیادہ نوجوان تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس تہوار میں سامراجیت کے خلاف متحدہ جدوجہد کی ضرورت کو اجاگر کرنے اور سامراجیوں کے پیدا کردہ بین الاقوامی تنازعات کو کم کرنے، اسطو جات کا دعو کو ختم کرنے کے لئے تعاون اور تحفظ عام لوگوں کی تباہی کے لئے نئے ہتھیار کی تیاری کے خلاف، خدا کی جنگ کیلئے جدوجہد کرنے کے لئے نوجوانوں سے پر زور اپیل کی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نوجوان اور طلباء کے ۱۲واں عالمی تہوار میں ۱۸۱ امن کو ہمیشہ زیر زور رکھا گیا۔ نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے نئے اقوام متحدہ کے نعرہ میں بھی عالمی امن کے لئے نوجوانوں کی خواہشات اور کوششوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس طرح اب یہ بات حقیقت بن چکی ہے کہ نوجوانوں کی بین الاقوامی تحریک اور بین الاقوامی امن تحریک ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئی ہے۔

فاشیزم کی شکست کے بعد اقوام متحدہ کی تنظیم قائم کی گئی۔ اس ادارہ نے ۱۹۸۵ء کو نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کی طرح منانے کا اعلان کیا اور یہ تقریبات ساری دنیا میں منائی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی گزشتہ سال فاشیزم پر فتح کی ۵۰ویں سالگرہ منائی گئی۔ یہ دونوں باتیں کافی اہمیت کی حامل ہیں اور اب دنیا کے جمہوریت پسند اور قرقى پذیر نوجوان برائے امن تحریک کو جاری کر کے تہذیب کے دفاع کے سلسلے میں عملی اقدامات کر رہے ہیں کیوں کہ نوجوانوں کے لئے امن ضروری ہے اور ہر قیمت پر امن ہے۔

ادارہ اہم تحریک کی رفتار ترقی

آمداد باہمی تو عوام سے وابستہ تحریک اور اس کی کامیابی کا اعجاز بہت حد تک لوگوں کی سرگرم شرکت پر ہے۔ گوچر معیشت کی نوعیت کے پیش نظر آمداد باہمی عوام کے بنیادی معاشی مسائل کو حل نہیں کر سکتی تاہم غریبوں کی مدد کرنے کے لئے ناکورہ سب سماجی مراعات سے مستفید ہوں یہ لوگوں کو کم از کم منظم کر سکتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر گزشتہ آٹھ برسوں سے بایں محاذ حکومت زراعت، ماہی پروری و ماہی گیری ڈیپارٹمنٹ کی ترقیات، دیہی اور چھوٹی صنعت، مکانات، لازمی چیزوں کی عوامی تقسیم کو آمداد باہمی کی پھرتی نئے لہے کی سرگرم کوشش کر رہی ہے۔ اہم اسکیموں میں غریب کمائوں کو لیے اور مختصر عرصہ کے لئے قرض کی فراہمی شامل ہے۔ زرعی کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنے کے لئے کانونہ کی بہت افزائی کی جاتی ہے۔ ۸۰-۷۹ء میں کمائوں کو طوفان اور سیلاب کے نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لئے ریاستی حکومت نے غنہ بیمہ اسکیم رائج کیا۔ فی الحال اس اسکیم کو برود اور ربیع فصلوں پر بھی لاگو کر دیا گیا ہے۔ نیز موجودہ خریف موسم میں ۱۶۲ تعاونوں کے علاقوں میں غنہ بیمہ اسکیم کے دائرہ عمل میں لایا گیا۔

کوآپریٹو بینکنگ میں بھی پیش قدمی کی گئی ہے۔ ۷۷-۷۶ء میں ابتدائی زرعی قرض سوسائٹیوں میں ۱۹۳۴ء تک گہرے، جن کی تعداد برس ۸۴ء میں ۳۱ء تک ہو گئی۔ ۷۶-۷۷ء میں مرکز کی کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تعداد ۱۶۳ تھی جو برہمن ۱۹۸۴ء میں ۲۰۵ ہو گئی۔ ان بنکوں میں ۷۶-۷۷ء میں کل ۳۳ کروڑ روپے جمع تھے جو برہمن ۸۵-۸۴ء میں ۳۴ کروڑ روپے ہو گئے۔

۸۸ء کے آخیں سات لاکھ حاشیائی کمائوں اور گداؤں پر دواؤں اور زرعی مزدوروں کو کوآپریٹو (یعنی ادارہ باہمی) تحریک کے دائرہ عمل میں لایا گیا۔ نئے کوآپریٹو قوانین کے بعد لوگوں کے لئے اب یہ

ملکن ہر سا کردہ اپنی زمینوں کو رہن رکھے بغیر زرعی ترقیات بنکوں سے قرض حاصل کرے۔

زرعی بازار کے میدان میں بھی کافی ترقی ہوئی ہے۔ ۸۴ء تک بی ای این ایف ای ڈی اور اس کی تسیم کردہ ابتدائی تنظیموں نے ۸۳ لاکھ کانٹریکٹ حاصل کئے اور شعبہ آمداد باہمی نے کمائوں کے درمیان ایک لاکھ میٹرک ٹن کھاد تقسیم کئے۔ اناج کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے ۸۴ء میں ۱۱۳۱ سفید فانی گودام اور ۲۰۶ بڑے گودام اور ۲۵ سرد خانے جہاں ۸۰۴ میٹرک ٹن اناج حفاظت سے رکھے جاسکتے ہیں تعمیر کئے گئے۔

غیر زرعی سیکٹر میں ادارہ باہمی تحریک نے کافی ترقی کی۔

سرکاری دفاتروں، کارخانوں، کاروباری دفاتروں، اسکروں اور کالوں میں زمین کی قائم کردہ غیر زرعی قرض سوسائٹیوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا ہے اور مشرقی ہندوستان میں ایسی سوسائٹیوں میں مغربی بنگال کا نام سیر فہرست ہے۔ ۱۹۸۴ء کے آخر میں مغربی بنگال میں کوآپریٹو سوسائٹیوں کی کل تعداد ۲۵۱۰ تھی اور جس کے ۲۰ لاکھ افراد قمبر تھے۔ ان سوسائٹیوں کا کل ادا کردہ سرمایہ ۳۰ کروڑ روپے تھا اور سرمایہ ۵۰ کروڑ روپے۔ اس عرصہ میں انگلینڈ کی رقم میں کافی اضافہ ہوا اور یہ رقم ۱۳۸ روپے کی ہو گئی۔

اس ریاست میں زیادہ سے زیادہ صارفین کی کوآپریٹو

سوسائٹیاں قائم کرنے پر زور دیا جا رہا ہے۔ فی الحال ۲۸ صارفین کوآپریٹو فروشی کوآپریٹو اسٹورس اور ۲۳۲۰ ابتدائی کوآپریٹو اسٹورس ہیں۔ ماہی گیری کوآپریٹو کوآپریٹو کوآپریٹو بنانے کے پیش نظر ابتدائی ماہی گیری کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔ اب تک ۵۵۰۰ ماہی گیریوں کو ایسی ۵۲۰ سوسائٹیوں کا قمبر بنایا گیا ہے۔ دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے میدان میں ہذا اور ہذا صنعتوں کے درکروں کو ساتھ لے کر ۶۷۳ کارکن کوآپریٹو، ۵۳۲ انجینئرنگ کوآپریٹو اور ۱۰ صنعتی کوآپریٹو قائم کئے گئے ہیں۔ جون ۱۹۸۴ء تک رجسٹرڈ ابتدائی مکانات کوآپریٹو کی تعداد ۳۵۰ تھی۔

اس بات کے سلسلے میں اشتکات کئے جا رہے ہیں کہ نئی منصوبہ کے دوران کوآپریٹو کے قمبروں کی قربت دیکھا جائے۔

مغربی بنگال میں ہتھ کر گھے کی صنعت ایک شاندار مستقبل

از: میو پرینڈر رائے
سکویٹری

شعبہ دیہی اور جمہور ٹی پیانہ کی صنعت

۱۹۷۶-۷۷ء میں کچھ مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں جب مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے مشترکہ طور پر ہتھ کر گھے کی صنعت کیلئے کافی سرمایہ کاری کی گئی۔ اب بنارڈ (NABARD) کی طرف سے بھی سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے۔

اب مغربی بنگال میں ہتھ کر گھے کے سلسلے میں جتنے پروڈیکٹوں کو روپیہ مل لایا جا رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی صنعت کی مجموعی ترقی ہو۔ لیکن یہ تمام امداد باہمی پروڈیکٹس ہیں کیوں کہ امداد باہمی ہی بھڑوں کو مہاجن کے جنگل سے آزاد کر سکتی ہے اور ان کے ساتھ ان پراجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ نیز بنگوروں کے لئے پروڈیٹس فنڈ جیسی رہنمائی اسکیمیں بھی رائج کی گئی ہیں۔ بنگوروں کے لئے رہائشی مکانات کی تعمیر کا پروڈیکٹ بھی ریاستی حکومت کے زیر غور ہے۔

چند کو آپریٹو (یعنی امداد باہمی) سوسائٹیاں اپنے حروف کو جتنی بھرتہ بھی دیتی ہیں۔ ماری ریاست میں چند بنگوروں کو آپریٹو سوسائٹیاں بنانے بھی چلائے ہیں۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مغربی بنگال کے بنگوروں پر کو آپریٹو کے فوائد آہستہ آہستہ عیاں ہوتے جا رہے ہیں۔ فی الحال کو آپریٹو کے تحت ۹۰ ہزار بنگو کام کر رہے ہیں۔ پانچ سال قبل ایسے بنگوروں کی تعداد صرف ۴۹ ہزار تھی۔

لیکن آج بھی یہ صنعت سرمایہ اخام اشیاء، مصنوعات کی فروخت جیسے کئی ایک مسئلے سے دوچار ہے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے سرکاری سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ قومی، زرعی اور مصفاہاتی ترقیات بنکس اور کو آپریٹو بنکس ابھی تک مالی وسائل فراہم کر رہے ہیں۔ اس بات کی مرکز کوششیں کی جا رہی ہیں کہ یہ بنگو بنگوروں کی کو آپریٹو سوسائٹیاں

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

حالیہ برسوں میں مغربی بنگال کے ہتھ کر گھے کے تیار کردہ کپڑے مقبول عام بن چکے ہیں اور اس کے لئے اس ریاست کے غریب لیکن مہنتی اور ماہی بنکر خراج عین کے مستحق ہیں۔ ہتھ کر گھے منافی بنگال کی سب سے بڑی دیہی صنعت ہے اور یہاں اس دیہی صنعت کی بابت چند باتیں درج ذیل ہیں۔

ہندوستان میں جتنے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں اس کی تہہ ایک تہائی کپڑے ہتھ کر گھے کے ذریعہ تیار کئے جاتے ہیں۔ مغربی بنگال میں بھی یہی تناسب ہے۔ ہندوستان میں کرگھوں کی کل تعداد تقریباً ۲۰ لاکھ ہے اور ماری ریاست میں ان کی تعداد ۲۵۶ لاکھ ہے کچھ زیادہ ہے۔ اب یہ کرگھوں کا ممکن ہو سکا کہ اب ایک کرگھ پر سالانہ تقریباً ۵۰۰۰ روپے کی سرمایہ کاری کر کے تقریباً ۷۵۰۰ روپے کی مالیت کے کپڑے تیار کئے جاسکتے ہیں اور براہ راست کام کرنے کے ۵۰ روپے پیدا کئے جاسکتے ہیں۔

اس دیہی صنعت کا مستقبل تو بہت شاندار ہے لیکن ابھی تک یہ صنعت اپنا مناسب کردار ادا نہیں کر سکی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بیاتوں میں غیر منظم طور پر بنگر بکھرے پڑے ہیں اور اس صورت حال کا مہاجن نا جائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ منہویہ بندی کے اوائل دور میں ہتھ کر گھے سیکٹر میں امداد باہمی تحریک کی توسیع کے سلسلے میں ایک پروگرام کو اپنایا گیا تھا جس میں اس امید کا اظہار کیا گیا تھا کہ اس احتمال سے پاک ایک ادارہ کے تحت بنگوروں کے لئے بہت سارے پروڈیکٹوں کو روپیہ مل لائے گا اس کی مجموعی ترقی کے سلسلے میں کچھ کرنا ممکن ہو سکے گا۔ لیکن اس پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے راستے میں بہت ساری دشواریاں آکھڑی ہوئیں۔

جیل

۱۹۷۷ء سے مئی ۱۹۸۵ء کے دوران مغربی بنگال کے جیلوں میں بہتری لانے اور انہیں جدید رجحانات سے روشناس کراانے کے سلسلہ میں متعدد اصلاحات و اقدامات اپنائے گئے ہیں۔ ریاست میں پانچ مرکزی جیل، گیارہ ضلع جیل، اچار خصوصی جیل اور ۳۰ قحقی جیل ہیں۔ یہاں اصلاحی خدمات کا ایک ادارہ ہے اور روارڈوں کو تربیت دینے کا ایک ادارہ ہے۔ جولائی ۱۹۸۵ء سے علی پور خصوصی جیل کو غیر مجرم مرد بائگل کے لئے ایک ومانی علاج کے انسٹی ٹوٹ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

جیل میں بھیڑ کو کم کرنے کی کوشش:

مغربی بنگال جہاں ۲۰۰۰۰ قیدیوں کو رکھنے کی گنجائش ہے وہاں اب ۱۰۰۰۰ قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ ان جیلوں میں جتنے قیدیوں کی رہائش کی سہولتیں تھیں ہنگامی دور میں یہاں قیدیوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہوگئی۔ اس دوران جیل کی فاصل آبادی سے بٹھنے کے لئے بہت سارے شدید تیار کئے گئے تھے جن میں ضرورت سے زیادہ لوگ رکھے گئے۔ لیکن جیل میں صفائی اور پانی کی سپلائی کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہاں کا ماحول بھی غیر صحت بخش بن گیا ضرورت سے زیادہ بڑھتی ہوئی قیدیوں کی تعداد کی وجہ سے ان کے لئے کھانا تیار کرنے اور ان

میں کھانوں کی بڑھتی ہوئی تقسیم کا مسئلہ شدید بن گیا تھا۔ بائیں محاذ حکومت جب اقتدار میں آئی تو اس نے مزنوں کی ایک بڑی تعداد کو رہا کر دیا۔ رہائی کے سلسلے میں سیاسی قیدیوں کو ترجیح دی گئی۔ نکل قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی رہا کیا گیا جن میں عمر قید کی سزا پانے والے قیدیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ مزنوں علی طور پر تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا تھا۔ فی الحال چند نکل قیدی زیر حراست ہیں جن کے سلسلے میں مقدمہ جاری ہے۔ اور انہیں جوڑا جوڑا تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا گیا ہے۔ ۲۰ سال سے کم عمر والے مزنوں کی رہائی کے سلسلے میں حکومت کی جو پالیسی ہے اس کے تحت ان مجرموں کی جنہیں عمر قید کی سزا دی گئی ہے، تعداد گھٹ کر نصف ہوگئی ہے۔ یہ پالیسی سپریم کورٹ کے آرڈر کے عین مطابق ہے۔ اس کی وجہ سے تمام جیلوں میں آبادی میں کمی ہونے کی وجہ سے صفائی اور پانی کی سپلائی کے انتظام میں بہتری ہوئی اور ایک صحت بخش فضا بھی قائم ہوئی۔

زیر سماعت مقدموں کی تکمیل میں سرعت

ماضی میں ان قیدیوں کی تعداد جن کے مقدمے زیر سماعت تھے بہت زیادہ تھی۔ انہیں بنا کسی الزام یا فیصلے کے ہینوں اور سالوں تک جیلوں میں سڑنے دیا جاتا تھا۔ ان میں سے

پیچھے آتے ہیں، اصلات کمرے انہیں میسر راستے پر گامزن کر دیں۔

عورتوں کیلئے علیحدہ جیل

کلکتہ کے پریسڈنسی جیل اور دیگر مرکزی جیلوں اور صنایع جیلوں (سوائے علی بور سنٹرل جیل اور روم سنٹرل جیل کے) میں قیدی عورتیں ہیں۔ بہت سارے قحطی جیلوں میں عورتوں کا وارڈ موجود ہے۔ اگرچہ عورتوں کے وارڈ اور مردوں کے وارڈ سے علیحدہ ہیں تاہم باورچی خانے کی راہ راز کی اور ملاقات کے کاؤنٹر دونوں ہی کے لئے مشترک ہیں۔ جیلوں میں تحفظ کے حوال کو مد نظر رکھتے ہوئے قیدی عورتوں کو پیشہ ورانہ تربیت، تعلیم، اصلاحات سرگرمیاں اور سماج میں ان کی بحالی کے لئے عورت قیدیوں کی طرف خصوصی توجہ دینا ممکن نہ ہو سکا۔ ۱۹۷۸ء میں بانیس میاں حکومت نے جیل آفیسرین کی ترمیم کمیٹی کی تشکیل کی۔ شری تارا پدلاہری اس کے چیئرمین مقرر کئے گئے۔ اس کمیٹی نے عورتوں کے لئے ایک الگ جیل کھولنے کی پرزور سفارش کی۔ اس علیحدہ جیل کی تعمیر کے سلسلے میں ہمدرد نے ۲۰ ایکڑ قطعات آرامی مشرقی میٹرو پولیٹن بائی پاس کے مقام پر منتخب کئے۔ ہر کیف اس کی تعمیر میں کچھ دقت لگے گا۔ مسئلہ کی اہمیت اور ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے بردوان کی نئی جیل کمپلیکس میں عورتوں کے لئے ایک علیحدہ جیل کا انتظام کیا گیا ہے جہاں ان کے لئے علیحدہ وارڈ، غسل خانے، باورچی خانے، اسپتال اور کھانا کھانے کے کمرے ہیں۔ اس نئی عورتوں کی جیل کے گرد ایک چار دیواری گھری کر دی گئی ہے۔ فی الحال یہاں ۱۵۰ قیدی عورتیں ہیں جن میں اکثر بے گھر عورتیں، گمشدہ عورتیں اور منظم لڑکیاں ہیں۔ یہاں ریاست کی مختلف جیلوں سے لائی گئی زیر سماعت اور سزا یافتہ عورت قیدیوں کو رکھا گیا ہے۔ یہاں ان قیدی عورتوں کو لغات بنانا، سلائی اور باغبانی کی پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے۔ وارڈ عورتوں کے ساتھ ساتھ وہاں ایک لیڈی ویلفیئر افسر اور لیڈی ڈپٹی جیلر ان لوگوں کی دیکھ بھال کے لئے موجود ہیں۔

اکثر زیر سماعت قیدیوں کو جیل میں جتنی مدت کے لئے رکھا جاتا ہے اگر ان کو سزا ملتی تو سزا کی مدت اس مدت سے کم ہوتی۔ بانیس میاں حکومت جب برسرِ اقتدار آئی تو اس نے ان زیر سماعت قیدیوں کے مقدمات کی پانچ کرنے کے لئے اور انہیں باضابطہ عدالت میں پیش کرنے کے لئے انہیں بے عرصے تک زیرِ حراست رکھنے کی وجہ سے روشناس کرانے کے سلسلے میں مشکلات جاری کئے گئے۔ ضمانتوں کی منظوری میں نرمی اور جیلوں اور عدالتوں کے باہر متواتر رابطے کی وجہ سے زیر سماعت قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو رہا کیا جاسکا۔ سپریم کورٹ کی ہدایت جس کے تحت جیل کے تمام مقدمات میں چارج شیٹ کو چھ ماہ کے اندر داخل کر دینا چاہئے، کو رو بہ عمل لایا گیا۔ نتیجہ کے طور پر مقدمات کے فیصلے اور ان کی پیشی جلد از جلد ہوئے لگی۔ ضلع سطح کے افسران اکثر و بیشتر جیلوں کا دورہ کرتے اور زیر سماعت قیدیوں کے مقدمات پر خصوصی توجہ دیتے جو کافی لمبی مدت جیل میں گزار چکے تھے۔ درحقیقت مغربی بنگال کی جیلوں میں اب کوئی بھی ایسا زیر سماعت قیدی نہیں ہے جس نے سزا کی مدت کے نصف سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارا ہے۔ فی الحال زیر سماعت قیدیوں کی تعداد گھٹ کر پچیس سے آدھ ہو گئی ہے۔ یہ اندامات جیلوں میں صحت مند مضامین بحال کرنے میں اور جیلوں کو صاف ستھرا رکھنے میں معاون ثابت ہوئے۔

قیدیوں کو الگ تھلگ رکھنا

یہ ممکن ہو سکا ہے کہ قیدیوں کی تعداد میں کمی ہونے کی وجہ سے مختلف وارڈ اور بارڈ میں مختلف قیدیوں کو الگ الگ رکھا جائے۔ بین ملزم کی زیر سماعت قیدیوں سے بالکل علیحدہ رکھا گیا ہے۔ فوجی عورتوں کو مختلف وارڈوں میں باغیچوں اور زیر سماعت جیلوں میں علیحدہ رکھا گیا ہے۔ بہت ساری جیلوں میں عام مجرموں کو بھی عادی اور خطرناک مجرموں سے بالکل علیحدہ رکھا گیا ہے۔ اس علیحدگی کا مقصد یہ ہے کہ ان قیدیوں کی اکثریت کو جو کسی حادثہ یا لگائی غلطی کی وجہ سے جیل کی سلاخوں کے

ادارہ بچوں کی بحالی: اصلاحی خدمات کا ادارہ بلارسات

بلارسات میں اصلاحی خدمات کا ایک ادارہ واقع ہے جہاں ایم۔ آئی۔ ایس۔ لے کے تحت حراست میں لئے گئے افراد کو نظر بند رکھا جاتا ہے۔ گزشتہ سال تمام ایسے افراد کی رہائی کے بعد یہ ادارہ خالی ہو گیا۔ تب سے اس ادارہ کو جیل میں ڈالے گئے آوارہ بچوں کی رہائش کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ اس کا مقصد صرف انہیں جیل کی فضا سے دور ہی رکھنا نہیں ہے بلکہ سماج میں ان کی بحالی کے لئے وہاں انہیں ادارہ جاتی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ فی الحال اس ادارہ میں ایسے ۱۱۳ لڑکے ہیں وہاں انہیں پرائمری سے لیکر درجہ ششم تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ (خصوصی طور پر منتخب) وارڈوں میں روزانہ چار گھنٹے لڑکوں کو درس دیا جاتا ہے۔ صبح کو ورزش اور ڈرل کا کلاس ہوتا ہے۔ سہ پہر میں بچوں کے کھیلنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مونٹر کے ماتحت بچے اپنے اپنے وارڈوں میں ساڑھے آٹھ بجے شب تک مطالعہ کرتے ہیں اور دعا پڑھتے ہیں۔ وارڈوں میں معاون منہائی سرگرمیوں جیسے مٹی کے کھونے، آرٹ، دستکاری، خیاطی، برائیا جاری، باغبانی، پھولوں کی پرورش و پرداخت کے کلاس منعقد کرتے ہیں۔

علی پور سنٹرل جیل کے معمر سائیکلو جسٹ کیم لڑکے کی انفرادی کیس ہسٹری تیار کرنے کا کام سونپا گیا ہے جو ان کی شخصیات اور ذہنی لڑکی نشاں گیری کرنے گا۔ مخصوص لڑکوں کے لئے مخصوص پیشوں کا انتخاب کی بابت یہ تشخیص نہایت ہی اہم ہے۔ پری توش نام کے ایک ادارہ لڑکے نے مدعیانک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے چار مہینوں میں اسٹار مارکسی پائے ہیں۔ یہی نہیں اس نے ہائر سکولری کا امتحان بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے اور اب وہ ریجنل انجینئرنگ کالج، درگا پور میں زیر تعلیم ہے۔

جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ کو پیسے ہی سے یہ ہدایت دی ہوئی ہے کہ وہ آوارہ بچوں کے مناسب کیوں کو قطع مجسٹریٹ

کے پاس روانہ کریں تاکہ وہ اس سلسلے میں سرکاری وکیل اور افسروں کو اس بات کی ہدایت دیں کہ وہ حضرات عدالتی کارروائیوں کے ذریعہ ایسے بچوں کے لئے منری بنگال ایکٹ ۱۹۵۹ء کی دفعات ۲۶ اور ۳۱ کے تحت ایسے بچوں کو اصل گھر صنعتی اسکولوں میں منتقل کرنے کے لئے عدالتوں سے رجوع کریں۔ اصولاً اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ انہیں سماجی رہنما کے اصلاحی ادارے کے حوالے کر دیا جائے تاکہ یہ نوعمر غیر مجرم بچوں کو ریاستی جیلوں سے ان اداروں میں منتقل کیا جاسکے کیوں کہ ایسے بچوں کا جیلوں میں مجرموں کے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہے۔

ذہنی امراض کے علاج کا ادارہ - علی پور

منری بنگال کی جیلوں میں غیر مجرم یا لگوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے، زیادہ تر غیر باگل مرد اور عورتوں کو دمدم سنٹرل جیل اور پریسڈنسی جیل میں رکھا جاتا ہے۔ جیل غیر مجرم یا لگوں کے لئے مناسب جگہ نہیں ہے۔ جیلوں میں ایسے افراد رکھے جاتے ہیں جن پر ضابطہ فوجداری ایکٹ کے تحت مختلف جرم عائد کئے گئے ہیں۔ ایسی جگہوں میں غیر مجرم یا لگوں کے لئے 'جرومانی امراض کے شکار ہوتے ہیں نفسیاتی دیکھ بھال علاج اور طبی دیکھ بھال اور شفا کے بعد احتیاط کے انتظامات کئے گئے ہیں۔ لہذا بائیں محاذ حکومت نے علی پور اسپتال جیل کو ذہنی صحت ادارے میں تبدیل کر دیا ہے اور یہاں دمدم سنٹرل جیل سے ۲۰۰ غیر مجرم یا لگوں کو منتقل کر دیا ہے۔ اب یہاں نہ کوئی قیدی ہے اور نہ ہی کوئی ان لوگوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اس کے برعکس اب یہاں ایک میڈن، نرسس، اور جی ڈی آئی ان لوگوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ کلکتہ جیلوں اور علی پور اسپتال جیل کے میڈیکل افسران پورے طور پر ان کے علاج اور دیکھ بھال کے ذمہ دار ہیں۔ بھوانی پور کے منٹل اینڈ ریشن وارڈ کے سپرنٹنڈنٹ یہاں کے ماہر نفسیات و دماغی امراض ہیں جو علی پور سنٹرل جیل کو ضروری ہدایت اور مشورہ دیتے ہیں۔ اب تک ۲۱ غیر مجرم یا لگوں اس ادارے سے معیت ہر کردار

کے حکم کے تحت اپنے اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔

یہاں کے تمام مرکزی ضلع اور خصوصی جیلوں میں مریضوں کے علاج و معالجہ کے لئے متعدد ہسپتال موجود ہیں۔ ہر ہسپتال سے میڈیکل افسران اور دو اسازوں کی جماعتیں ملتی ہیں۔ مرکزی جیلوں میں ۳ سے زائد میڈیکل افسران موجود ہیں اور دو اساز جماعتیں ان ہسپتالوں سے ملتی ہیں۔ علاوہ ان کے کلکتہ جیلوں میں ہسپتالوں کے نظام کی نگرانی کے لئے ایک سیف میڈیکل آفسر ہوتا ہے۔ ان تمام ہسپتالوں میں آڈٹ ڈر اور انڈر علاج و معالجہ کے انتظامات موجود ہیں۔ رقبہ ضرورت مریض قیدیوں کے علاج و معالجہ کے لئے مخصوص باہرین معالجہ طلب کئے جاتے ہیں اور ان کے شعور پر مریضوں کو باہر کے ہسپتالوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ علی پور سنٹرل جیل ہسپتال آپریشن، فیزیو، ڈنٹل، جیسٹر، تجربہ گاہ، ایکس رے، بوٹ وغیرہ ساری چیزوں سے لیس ہے۔ قیدی مریضوں کو علاج کی غرض سے باہر کی جیلوں سے علی پور سنٹرل جیل میں داخل کیا جاتا ہے۔ بآئیں سماذ حکومت نے تمام مرکزی جیلوں میں ڈنٹل جیسٹر کا اور تجربہ گاہ کی سہولتوں کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ کلکتہ کی تین جیلوں کو ایسولنس گاڑیوں کی فراہمی کی گئی ہے۔ جیل کی گزری جیل کے لئے موجودہ حکومت نے ۵۰ بستر والے ایک ہسپتال (تین منزلہ) کی تعمیر کی ہے۔

تفریحات کی سہولتیں:

قریب قریب تمام جیلوں میں اب خبر، نئے اور دیگر پروگرام سننے کے لئے ریڈیو فراہم کئے گئے ہیں۔ تمام مرکزی جیلوں اور رہائش گاہوں کے اصلاحی خدمات کے ادارے اور تمام جیلوں میں کیرم بورڈ، شطرنج، تاش وغیرہ کھیلنے کی سہولتیں فراہم ہیں۔ اس کے علاوہ فٹ بال، وال بال، کبڈی وغیرہ کا انتظام اکثر کیا جاتا ہے۔ تمام مرکزی جیلوں میں سال میں ایک بار لیگ اور ٹاک آؤٹ کی سہولتیں فٹ بال ٹورنامنٹ کروائے جاتے ہیں۔ ہر سال اسپورٹس کا انعقاد مناسب

ایونٹس (EVENTS) کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں نہ صرف قیدی ہی بلکہ زیر سماعت مقدموں کے قیدی بھی حصہ لیتے ہیں۔ ڈرامہ، جاترا اور درگا پوجا، عید العطر، سرسوتی پوجا، کالی پوجا، نانک کا جنم دن، کرسمس جیسے تہوار وغیرہ منائے جاتے ہیں۔ جس سے قیدیوں کے تمام فرقوں کو دلچسپی ملتی ہے۔

بقیہ: نوجوانوں کا بین الاقوامی سال: ایک جائزہ

برائے برقرار رکھنا ہوتا ہے۔

مشہور سائنسی ادیب ہیریڈ ہونو نے ایک بار کہا تھا کہ امن تو ایک اپنی ہے جسے نوجوان زندہ رکھتے ہیں۔ نئی نوع انسان کو اپنی نوجوان نسل پرورد بھروسہ ہے اور یہ تو نوجوان ہی ہیں جو یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس دنیا میں زندگی قائم رہے گی یا نہیں؟

بقیہ: مغربی بینکال میں ہتھ کر گئے

کے ساتھ مل کر کام کریں اور ان کو ششوں کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس ریاست میں خام اشیار اور دھات کی کافی کمی ہے۔ ۸۰ فیصد دھات مغربی یا جنوبی ریاستوں سے ملگتے جاتے ہیں۔ موجودہ کو آپریٹر موت کاٹنے کی جیلوں کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو سکے دیگر ریاستوں پر انحصار کو کم کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ کو آپریٹر سیلٹر میں سوت کاٹنے کی دور میں اور ریاستی حکومت کے زیر انتظام ایک ہی مل بہت ہی جلد چالو ہو جائے گی۔ "ناتوجا" "ناتوشری" "نکوشری" جیسی سرکار کا اہم سرکاری انجینیاں ہتھ کر گئے کہ تیار کردہ کپڑے کی فروخت کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ انہیں صدرین کا اعزاز حاصل ہو چکا ہے۔ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ باڈیز ایسے کمزور کی فروخت کے نظام کو اور بھی بہتر کر دیا جائے۔ مغربی بینکال میں ہتھ کر گئے صنعت کی موجودہ صورت حال ایک پیرس کا تصویر پیش نہیں کرتی بلکہ پورا ایک مٹا ہوا مستقبل کی پیش گوئی کرتی ہے۔



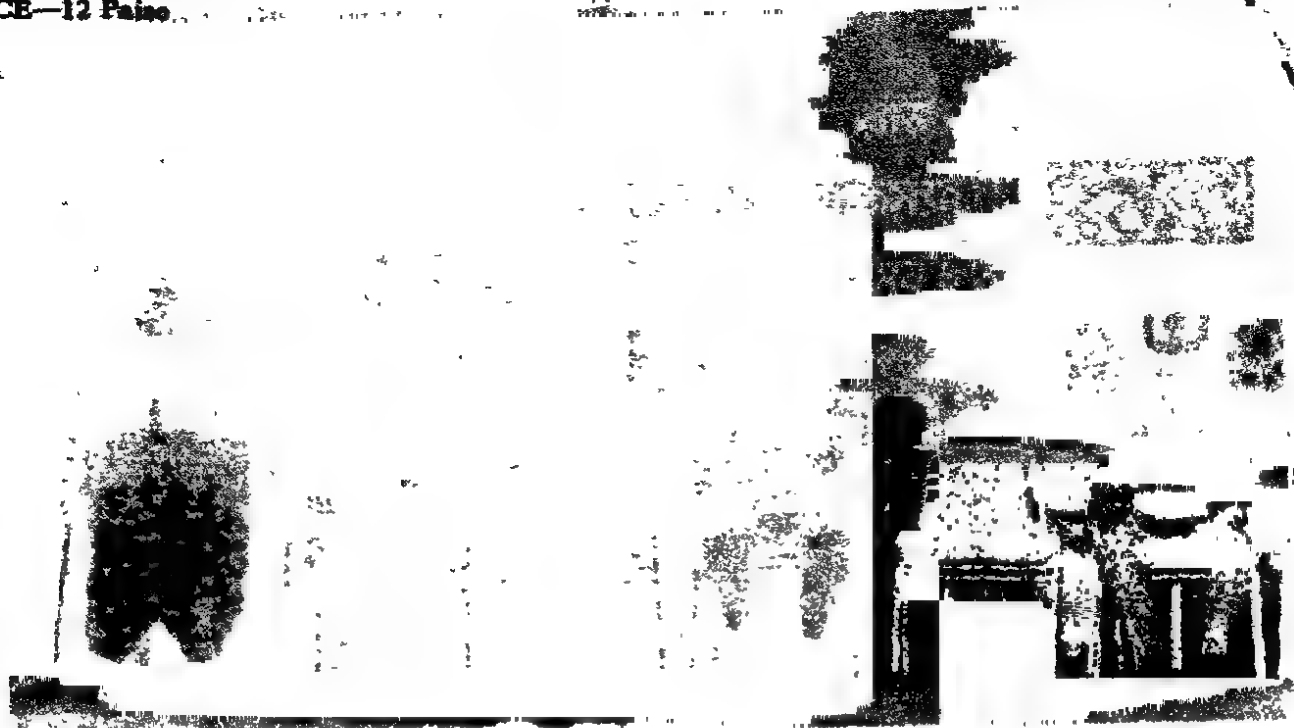
شری پرولائیے مالکدار وزیر ریاست برائے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت، حکومت مغربی بنگال ۸ ابرو ستمبر ۸۵
کو برلائٹنگ نیکل میوزیم میں علاقائی جلیغ مرکز کے زیر اہتمام سمینار کے موقع پر منعقدہ ایک نمائش میں صنعتی مصنوعات کا معائنہ
کرتے ہوئے



۴ جنوری کو ملک کے رہنماؤں کے احاطے میں ریاستی لوگ ثقافت ۸۱ کے سلسلے میں منعقدہ سمینار کا ایک منظرہ

Postal Regd. No. WB/ CC-52
Vol—33 No.—1
PRICE—12 Paise

MAGHREBI BANGAL
15th January 1986



وزیر اعلیٰ مشرقی بنگالہ و جارجیا کو کلکتہ کے رہنماؤں کے اعطاء میں ریاستی لوک ثقافت '۸۶ء کا
افتتاح کرتے ہوئے ————— منیچہ : سامعین۔



Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta, Associate Editor : Md. Azam,
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by M/s.
G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



پندرہ روزہ
مغربی بنگال
یوم جمہوریہ بنگال

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے
اس خصوصی شمارے کی قیمت : ۳۵ پیسے

مدیر اعلیٰ : پروتین بھٹاچاریہ
مدیر : دھرنیدرا ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

تقریب زرد کا پتہ :
برنس نیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر، این، مگر جی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۳ * یکم فروری ۱۹۶۶ء * شمارہ نمبر ۳



۲۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو ریڈ روڈ کلکتہ میں یوم جمہوریہ کے موقع پر مغربی بنگال کے گورنر مشری اوما شکروکشت
پیریز کی سلامتی دیتے ہوئے - تصویر میں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جوتی باموکر بھی دیکھا جاسکتا ہے -

سردار اور آخری صفحہ پندرہ : یوم جمہوریہ کے موقع پر ریڈ روڈ کلکتہ میں پیریز اور ترقیاتی جماعتوں کے مناظر



ایک دو بھی نہیں چھتیس^{۲۶} دیئے
ایک اک کر کے جلائے میں نے
اک دیا نام کا آزادی کے
چاہے جس ملک سے گھبروں مانگو
ہاتھ پھیلائے کی آزادی ہے

اک دیا نام کا خوشحالی کے
اس کے جلتے ہی یہ معلوم ہوا
کتنی بد حالی ہے
پیٹ خالی ہے مرا جیب مری خالی ہے

اک دیا نام کا ایک جہتی کے
روشنی اس کی جہاں تک پہنچی
قوم کو لڑتے جھگڑاتے دیکھا
ماں کے آہل میں ہیں جتنے پیوند
سب کو اک ساتھ اوڑھ لیتے دیکھا

دور سے بڑی نے جھلا کے کہا
تیل مہنگا بھی ہے مٹا بھی نہیں
کیوں دیتے اتنے جلا رکھے ہیں
اپنے گھر میں نہ جھرو کہ نہ منڈیر
طاق سپنوں کے سجا رکھے ہیں
آبا غصے کا اک ایسا جھونکا
بجھ گئے سارے دیتے

ہاں مگر ایک دیا نام ہے جس کا امید
جھلاتا ہی چلا جاتا ہے !



کیفی اعظمی

ہماری ریاست کو ہندوستانی ثقافت کا گہوارہ کہتے ہیں

ادماشنکر دکشت : گورنر مغربی بنگال

سال گزشتہ ہندوستان کے لئے مجموعی طور پر طلب اور نو تعمیر کا سال رہا ہے۔ اس ریاست کو ہندوستانی ثقافت کا گہوارہ کہتے ہیں اور اس بات کو سراہتے ہوئے برصغیر کی ایک کثافتی نئی نئی میں مشرقی علاقہ کے لئے ثقافتی مرکز قائم کیا جائے۔ شری ادماشنکر دکشت، گورنر مغربی بنگال نے ۲۶ جنوری ۱۹۷۶ء کی شام کو آل انڈیا ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں تقریر کرتے ہوئے یہ باتیں کہیں۔ گورنر کی اس تقریر کا متن درج ذیل ہے:

کی مکمل ثقافت کے لئے اسکانات روشن ہیں۔ مجھے اس بات کی قوی امید ہے کہ ریاست کے شہری، آبادی کے تمام طبقوں کے درمیان ہم آہنگ تعلقات کو فروغ دیتے رہیں گے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہماری ریاست میں جہاں تک ممکن ہو سکے، باضابطہ انتظامات منعقد کر کے ادیبانیت راج نظام کی تشکیل کے ذریعہ سماج کی تمام سطحوں پر جمہوریت کے طریقہ کار کو رو بہ عمل لانے اور اقلیتوں اور دیگر شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے کام کو پائیدار بنانے تک پہنچانا ممکن ہو سکا۔

میں اس بات سے واقف ہوں کہ اس ریاست کے بہت سارے مسائل ہیں اور یہ ریاست بہت ساری دشواریوں سے دوچار ہے لیکن مجھے اس بات پر یقین ہے کہ میری حکومت اپنی اہم محنت اور عوام کے سرگرم تعاون کے ذریعہ آہستہ آہستہ اور مستحکم طور پر ان دشواریوں پر قابو پائے گی اور اسی طرح اس ریاست کے لئے ایک روشن مستقبل کی راہیں ہمارے ہوا ہو جائیں گی۔ میری ریاست میں زرعی میدان میں کافی بہتری آئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مصفا فانی علاقوں میں اس ریاست نے عوام، بزرگداروں، پٹرو اور نا حاشائی اور چھوٹے کسانوں کا زندگی کے معیار میں بہتری لانے کے سلسلے میں گواہ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مصفا فانی اور شہری علاقوں میں واقع چھوٹے پیارے صنعتوں کو بھی حکومت کی طرف سے کافی امداد فراہم کی

ہندوستان کی یوم جمہوریہ کی ۳۶ ویں سالگرہ کے مبارک موقع پر میں مغربی بنگال کے عوام کو اپنا دلی مبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔

سال گزشتہ ہندوستان کے لئے مجموعی طور پر طلب اور نو تعمیر کا سال رہا ہے۔ ملک کے چند علاقوں میں کچھ دنوں تک خریف پسندی کے مناظر رونما ہوئے، لیکن آہستہ آہستہ لوگوں کی اچھی سوجھ بوجھ سے صورتحال آفریں معمول پر آگئی۔ بد قسمتی سے دنیا کے بہت سارے علاقوں میں خریف پسندی کے جوہر کو رو بہ استعمال لایا جا رہا ہے۔ ہم اس بات کی امید کر سکتے ہیں کہ بہت ہی جلد یا کچھ عرصہ میں سمجھوتوں پر یہ حقیقت میاں ہو جائے گی کہ سیاسی اغراض کی حصولیابی کے لئے ایسے اختیار بے اثر ثابت ہوں گے۔

علاقہ برستی اور فرقہ واریت نے بھی ملک کے چند علاقوں میں اپنے سر اٹھائے ہیں۔ یہ بات نہایت تشفی بخش ہے کہ ان تمام رجحانات کا مغربی بنگال کے عوام پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہاں کے عوام کا ملک کی وحدت پر اور جمہوریت اور آزادی کے لئے اس کے اعلیٰ تصورات پر یقین کامل ہے۔ ہندوستان کے اندر کچھ دستبرد کے تحت باہمی منادات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد مرکز اور ریاست کے درمیان ہم آہنگ تعلقات کی بنیاد پر ریاستوں

جاری ہے۔ سالٹ ایک میں ایکٹرونکس کمپنیکس کی قیام اور مشترکہ سیکٹر میں شامل ہونے کے فیصلے نے بڑے پیمانے کے صنعتی سیکٹر میں بھی ایک روشن مستقبل کو عیاں کر دیا ہے۔ مشترکہ سیکٹر میں الدیہ میں پٹروریمیکل صنعتوں کے قیام کے سلسلے میں ٹھوس اقدامات کئے گئے ہیں۔ بڑے پیمانے کے سیکٹر میں روایتی صنعتوں کی سست رفتاری کی روک تھام کرنے اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے یہ تمام کوششیں کافی حد تک ثمر آور ثابت ہوں گی اور اس ریاست کی معیشت کو مستحکم بنانے میں کافی مدد دے گی۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج اس ریاست میں صنعتی ماحول کافی بہتر ہے، خود روزگار اسکیم جسے حال ہی میں رائج کیا گیا ہے اور بڑے پیمانے کے پروجیکٹس جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ دونوں اس ریاست میں بے روزگاری کے شدید مسئلہ کو حل کرنے میں کافی معاون ثابت ہوں گے۔

میری حکومت نے اس بات پر مسلسل زور دیا ہے کہ مفت لازمی تعلیم کو عام بنا دیا جائے۔ مغربی بنگال میں کلاس II تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ ریاست کی چند یونیورسٹیوں کی صورت حال سے ریاستی حکومت کو تشویش لاحق ہو گئی تھی لیکن یہ بات باعین سرٹ ہے کہ اعلان کردہ حالیہ پالیسیاں یقیناً حالات کو سنواریں گی اور ان اداروں کیلئے معاون ثابت ہوں گی کہ وہ سب تیزی سے اپنے کام کاج کو جاری رکھ سکیں اور منفی بخش تعلیمی نتائج برآمد کرید چند ہفتے قبل شانتی نیگمن میں مشرقی علاقائی ثقافتی مرکز کا افتتاح کرتے ہوئے وزیراعظم نے اس ریاست کے اعلیٰ ثقافتی روایت کا ذکر کیا تھا۔ اس ریاست کو ہندوستانی ثقافت کا گہوارہ کہتے ہیں اور اس بات کو سراہتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ شانتی نیگمن میں مشرقی علاقہ کے لئے ثقافتی مرکز قائم کیا جائے۔

ہمارا ملک بہت وسیع ہے۔ یہاں مختلف مذاہب اور مختلف زبانوں کے لوگ آباد ہیں۔ مختلف ثقافتیں پاس پاس موجود ہیں اور ہمارے قومی دھانچہ کو مزین کرتی ہیں۔ ہمارے ملک کی یہ اتحاد بلاشبہ کثرت میں وحدت ہے۔

اس یادگار موقع پر میں مغربی بنگال کے عوام سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ سب جمہوریت اور قومی یک جہتی کے عظیم تر

مطلوع نظر کے لئے خود کو از سر نو وقف کر دیں اور ہمارے عظیم ملک کی شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے از سر نو عہد کریں۔ میں ایک بار پھر اس ریاست کے لوگوں کو اپنی پر خلوص خواہشات پیش کرتا ہوں یہ

بقیہ: دستور بھند اور عوامی توقعات

۰ شہریوں کا ایک بڑا طبقہ اس انصاف سے محروم رہا ہے جس کا مدد دستور العمل میں موجود ہے۔

ہمارے دستور العمل اور اس کے تحت جاری شدہ قوانین میں یہ احکام موجود ہیں کہ (۱) جب تک کسی قانونی عدالت سے کسی کے خلاف جرم ثابت نہ ہو جائے وہ بے گناہ تصور کیا جائے۔ مذہب و ذات اور رنگ و نسل وغیرہ و عمل کی بنیاد پر شہریوں کے درمیان ان کے جائز حقوق کے لئے کوئی امتیاز نہ کیا جائے (۲) نکر و اظہار خیال کی آزادی کا احترام کیا جائے وغیرہ۔ لیکن گزشتہ اڑتیس برسوں کے دوران میں یہی دیکھا گیا ہے کہ کوتوالیوں میں ملزموں کی آنکھیں پوڑ دی گئیں، انہیں لٹایا یا پابچ بنا دیا گیا، انہیں مار ڈالا گیا۔ ذات و مذہب اور رنگ و نسل اور عقائد کے فرق کو بنیاد بنا کر مات بات پر پرورے ملک میں تقریباً ہر ماہ اقلیت کشی فسادات ہوتے رہے۔ اگر حال حکومت دستور العمل کی روح کو مد نظر رکھتے ہوتے قوانین کو ماننے اور موانع پر کماحقہ کاربند ہوں تو وہ عوامی جمہوریت صحیح معنوں میں سامنے آجائے جس کا اعلان ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء میں کیا گیا اور جس کا نفاذ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو عمل میں آیا۔

مجموعی طور پر اگر غور کیا جائے تو ہمارا دستور العمل ایشیا کے تمام نوآزاد ملکوں کے مقابلے میں زیادہ جامع جمہوریت انگیز اور مساوات انسانی کا علمبردار نظر آئے گا جس پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں۔ آج ہمیں توکل وہ دن فرور آئے گا جب اسی دستور العمل کے تحت ہندوستان کے عوام کی وہ توقعات عرو پروری ہوں گی جن کے وہ منتظر ہیں۔

منزل کا ترانہ

(یومِ جمہوریہ کے موقع پر جمہوریت پسند قوتوں کے نام)

آندھیوں میں بھی چراغِ زندگی جلتا رہے
عزم و استقلال کے سانچے میں دل ڈھلتا رہے
شوقِ منزلِ آرزوؤں کی طرح پلتا رہے
راستے میں آئے جو طوفان وہ ٹلتا رہے
قافلہ جلتا رہے، چلتا رہے چلتا رہے
ہے گھنا جنگل بھیانک بیکراں صویرا بھی ہے
راہ میں آتشِ فشاں بھی آگ کا دریا بھی ہے
ہر قدم ہر آن لٹ جانے کا اک کھٹکا بھی ہے
جھاڑیاں پرخار ہیں لیکن ہمیں جانا بھی ہے
ہے وہی باحوصِ طوفان کو جو چھلتا رہے
ادنیٰ نیچی گھٹیاں، کسار، نیلے ندیاں !
دور تک پھیلی جوں کی منظم ڈالیاں
زہر سے بدست کالی ناگنوں کی جھاڑیاں
منزلوں سے دشمنی کرتی ہوئی پلڈ ندیاں
مشکلوں کی جھپٹوں پر مونگ یوں ڈلتا رہے
سازشوں کے دام میں پھیلے ہوئے چاروں طرف
ہر گئی کے موڑ پر بیٹھے ہیں رہزن صف بہ صف
چبکریغیظ و غضب، شعلہ دہن، خنجر بکف
رہروانِ راہ منزل بن نہیں سکتے ہدف
آستین میں سانپ جو پلتا رہے وہ پلتا رہے

دور سے آتی ہے یہ آواز منزل دور ہے
رات کے پردے میں پنہاں صبح نو کا نور ہے
در حقیقت ہر مسافر ہی تھکن سے چور ہے
پھر بھی تھک کر بیٹھنا راہوں میں کب منظور ہے
خاک چہرے پر و غورِ شوق سے ملتا رہے
قافلے کو روک لے ایسی کوئی مشکل نہیں
راستے میں کوہِ غم حائل سہی حائل نہیں
راہزن سے خونِ جگر دل میں ہو پیدل نہیں
پاؤں تھک جائیں جہاں وہ آخری منزل نہیں
وہ ہے بزدل جو کھٹ افسوس ہی ملتا رہے
ان گنت اشجار اپنے مسفر ہیں راہ میں
ہم قدم ہیں ہم زباں ہیں ہم نظر ہیں راہ میں
کیسے کیسے اہل دانش راہبر ہیں راہ میں
یہ حقیقت ہے مناظرِ بڑ خطر ہیں راہ میں
ہے وہی منزلِ طلبِ راہ زن کو جو کھلتا رہے
رات کی تاریکیوں کا ہم بھی دیکھیں گے داغ
پاؤں کے چھالے ہوں مشعل، دیپ ہوں سینے کے داغ
نور کی مہیا ہے خانی ہیں ستاروں کے داغ
جگنوؤں سے مل نہیں سکتا ہے منزل کا سراغ
شمع کی صورت ہمارا نقشِ پا جلتا رہے
رات بگھلے گی سحر ہوگی تو دن بھی آئے گا
اپنے دامن میں زمانے بھر کی خوشیاں لائے گا
غم کا بادل آسمان کا سطح سے چھٹ جائے گا
ہر مسافر اپنی منزل کا ترانہ گائے گا
غم نہیں کوئی حسد کی آگ میں جلتا رہے
قافلہ جلتا رہے چلتا رہے چلتا رہے

حالی گورکھپوری



مزدور تحریک اور ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد

محمد امین

مغل حکومت کے آخری دور میں ہندوستان کی جاگیر دارانہ معیشت جس انجماد اور بحران کا شکار ہو گئی تھی اس سے نکلنے کے لئے سرمایہ دارانہ جمہوری انقلاب کی ضرورت تھی لیکن صنعت اور تکنولوجی یورپ کی سرمدوں سے نکل نہیں پائی تھی۔ اس طرح ایک معاشی سیاسی خلل پیدا ہو گیا تھا۔ انگریز تاجبر اور ایٹ انڈیا کمپنی نے شروع میں خوشامد پھر توڑ جڑ سازش اور آخر میں بے ایمانی اور طاقت کے بل بوتے پر اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب برطانیہ دنیا کا مضبوط ترین بحری طاقت بن چکا تھا۔ آتشیں ہتھیاروں میں بھی اسے فوقیت حاصل تھی اور برطانیہ میں کل کارخانہ کا نظام قائم ہو چکا تھا۔

ہندوستان کے عوام جاگیر دارانہ نظام کی مد بند یوں کی وجہ سے بے یار و مددگار اور پورے کے شکار تھے لیکن مغل حکومت کے خاتمے پر اور انگریزی حکومت کے برقرار آنے پر بغیر غور تھے۔ اس لئے بنگالوں کے بعد بھی جو ہندوستان کے انگریز مخالف سارے حکمرانوں کے قائم کردہ متحدہ محاذ کی جنگ تھی جس میں انگریزوں کو فتح ہو گئی اور بھلائی اقتدار مکمل ہو گیا، ہندوستان کے محب وطن عوام کبھی بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ برطانوی جبر و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف ہندو مسلمانوں، سنیوں، قبائلیوں، سکھوں کی ہزار ہا فوجیں جو کچل دی گئیں۔ ۱۹۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی ان ہی بغاوتوں کا نقطہ شروع تھی جو بعض تاریخی اسباب کی بنا پر اگرچہ ناکام رہی لیکن جنگ آزادی کے پودے اور پزیر ایک گہرا نقش چھوڑ گئی جس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ سنہرے حروف میں کیا جاتا رہے گا۔

اس واقعہ نے انگریز حکمرانوں کا انداز فکر بھی بدل دیا اور انہوں نے اس ملک کو سامراجی لوٹ کھسوٹ کے لئے ایک حد تک صنعت بند کرنے کا فیصلہ کیا۔

ریلوے لائن بچانے کا کام شروع ہو گیا۔ ہندوستان کے عوام تو ریلوے لائن کے دور رس اثرات کا اندازہ نہیں لگا سکے لیکن لندن میں بیٹھ کر کارل مارکس نے اس واقعہ پر ایک تاریخی تبصرہ کیا۔ اس قطب چشم عالم نے نیویارک ہیرالڈ ٹریبون میں یکے بعد دیگرے تین مضامین لکھے جن میں لکھا کہ برطانوی سامراجیوں نے ہندوستان میں ریلوے لائن بچانے کا جو کام شروع کیا ہے یہ اگرچہ انہوں نے فوری طور پر اپنے سامراجی مقاصد پورے کرنے کے لئے کیا ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس کے ذریعہ انہوں نے اپنی قبر کھودی ہے جس میں ایک دن انہیں دفن کر دیا جائے گا۔

کارل مارکس نے اپنے مضامین میں وضاحت کی کہ ریلوے لائن بچانے کا مطلب یہ ہوا کہ اب ریل گاڑی چلے گی اور کوئلہ لوڈا پٹ سن، کمپاس، خام مال ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کا انتظام ہو گا۔ بجلی گھر بنیں گے اور کل کارخانے قائم ہوں گے یعنی ہندوستانی سماج میں دو نئے طبقوں کا جنم ہو گا۔ کارخانہ دار سرمایہ دار اور مزدور طبقہ، اس کے بعد ان دونوں طبقوں کا مفاد ایک دوسرے سے ٹکرائے گا۔ مزدور طبقہ زندگی کی جدوجہد کے اندر سے دیکھے گا کہ کارخانہ دار کی سب سے بڑی مددگار برطانوی حکومت ہے اس لئے اس حکومت کے خلاف ہی جدوجہد کرنا ہوگی اس طرح یہ نیا طاقتور انقلابی طبقہ برطانوی سامراجی حکومت

کومت کے گھاٹے آباد دے گا۔ تب ہی اسے سرمایہ دارانہ
لوٹ کھسوٹ سے بھی نجات ملے گی۔

مزدور طبقہ کے معرضی وجود میں آنے کے بعد ہی سوتال
جنگل، انجینئرنگ، چائے باغات، کاغذ کل، ریلوے اور برکے باغات
اور چھوٹی بڑی دیگر تمام صنعتوں کے مزدور روزی روٹی کے مطالبہ اور کام
بے جہر حالات کے ساتھ ساتھ ملک کی آزادی کے مطالبہ پر بھی جدوجہد کرنے لگے۔

۱۹۲۸ء میں جب آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کا قیام مل
میں آیا تو اس کے نائب العین میں برطانوی حکومت کا خاتمہ اور
موشمزم شامل کیا گیا۔ کانگریس سوشلسٹ کمیونسٹ سب نے
اس مزدور تنظیم میں کام کیا۔

۱۹۰۸ء میں بمبئی میں بال گنگا دھر تلک کی گرفتاری کے
خلاف جو عام ہڑتال ہوئی تھی اس میں بمبئی کے مزدور طبقہ نے قائدانہ
ردل ادا کیا تھا جس کی سرانجام کرتے ہوئے لیٹن نے سکھا تھا کہ
ہندوستان کا مزدور طبقہ بیدار ہو رہا ہے۔

اس کے بعد ہڑتالوں اور تحریکوں کا ایک نہ ختم ہونے
والا سلسلہ چل پڑا۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالے باغ کے قتل عام کے
خلاف ملک گیر احتجاجی تحریکوں کی جو سرچل پڑی تھی اس میں بھی مزدور
طبقہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ برطانوی دور حکومت میں دو مشہور
جنگل صفت میں بڑی ہڑتالیں ہوئیں۔ پہلی ہڑتال ۱۹۲۹ء اور
دوسری ۱۹۳۷ء میں ہوئی تھی۔

پورے برطانوی دور حکومت میں ان گنت مزدور ہڑتالوں
کوٹھن، گولی اور جیل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان گنت لوگوں کو کام
سے نکال دیا گیا، اور طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں لیکن مزدور تحریک
بڑھتی چلتی۔ کانپور سازش کیسی اور میرٹھ سازش کیسی میں تمام
چوٹی کے مزدور لیڈروں کو گرفتار کر کے مقدمے چلائے گئے، سزاؤں
دی گئیں لیکن نتیجہ ان نکلا۔ عدالت میں یہ مزدور رہنما اپنی صفائی
میں جو کچھ کہتے وہ در سکر دن اخبارات میں چھپتا اور اس طرح یہ
مقدمے مزدور تحریک کے اعراض و متاعصک و خافت کا زبردست
رسمیہ بن گئے۔ کامریڈ مسخرفر ائمہ ان دونوں مقدموں میں مرمز بنائے
گئے تھے۔

۱۹۲۷ء میں بمبئی میں جہازوں کی بندوبست ہوئی جس کی
حیثیت میں پورا بمبئی شہر سڑکوں پر آگیا تھا اور تمام کارخانے بند
ہو گئے تھے۔ اسی طرح آزاد ہند فوج کے کپتان رشید علی کی روٹی
کے مطالبہ پر کانگریس، مسلم لیگ اور کمیونسٹ پارٹی نے مشترکہ
طور پر رشید علی ڈے منائے کا اعلان کیا اور کلکتہ سمیت بنگال کے تمام
کل کارخانے بند ہو گئے۔ اس کے بعد مزدور طبقہ کی آخر منظم
جدوجہد جولائی ۱۹۲۷ء میں ہوئی جب خاک اور مار کے ملازمین کی
ہڑتال کی حمایت میں بنگال صوبائی ٹریڈ یونین کانگریس کی پکار پر
کلکتہ سمیت تمام صنعتوں میں ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کو عام ہڑتال
منائی گئی اور کلکتہ میدان میں بادکار اجتماع ہوا جس سے شکم گھری
عبد الرحمن، محمد اسماعیل اور دیگر لیڈروں نے خطاب کیا۔

اس عام ہڑتال نے برطانوی حکمرانوں کے دلوں پر
درشت بھادی اور انہوں نے کارل مارکس کی پیش گوئی کے مطابق مزدور
طبقہ کے ہاتھوں دفن ہونے سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے اس
ملک کے عوام کو ان ہی کے خون میں نہلا دینے کی سازش میں معروف
ہو گئے۔

جو کلکتہ شہر ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کو انقلاب زندہ باد کے
نعرہ سے گونج رہا تھا وہی کلکتہ شہر ۱۷ دنوں کے بعد ۱۷ اگست ۱۹۲۷ء
کو فروری دار اندہ فادات کی آگ میں جلنے لگا۔ یہ فساد مسلم لیگ کے
ڈائریکٹ انچسٹن کے ذریعہ شروع ہوا جب مسلم لیگ کے حامی جلوس
بنا کر کلکتہ آنے لگے اور اسی میدان میں جہاں ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کا
مزدور اجتماع ہوا تھا، بنگال کے مسلم لیگی وزیر اعظم حسن شہید
سہوردی نے ایک اشتعال انگیز تقریر کر کے شہر کو شعلوں کے
حوالے کرنے کا اہتمام کر دیا۔

کلکتہ کے بعد نواکھالی اور پھر بہار اور اس کے بعد پورا
پنجاب جلنے لگا اور ان ہی حالات کے تحت ملک کو بوارہ کرنے کا
انگریزوں کا منصوبہ ہندوستان کے عوام پر مسلط کر دیا گیا۔ اس
طرح ہندوستان کی آزادی کے متعلق مزدور طبقہ کے کردار کے بارے
میں کارل مارکس نے جو پیش گوئی کی تھی اس کا آخری حصہ تشنہ تکمیل
رہ گیا اور ملک کے بوارہ نے ہندوستان اور پاکستان دونوں حصوں
(بقیہ صفحہ ۳۷ پر)



حیدر صفت

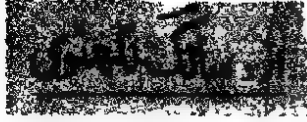
اور اس روز
جب ہم بہت خوش ہوئے تھے
ہمارے گھروں کی چھتوں پہ نئے دن کا سورج اگا تھا
ہواؤں میں اک تازگی تھی
سپہ بخت راتوں کو ماضی کا قصہ بتایا گیا تھا
اور اس کا یقین بھی دلایا گیا تھا
کہ اب ندیاں گلگنا میں گئی
فصلیں ہنسیں گی
کہ اب دورِ دھ کی ہنسر کے پاس خوابوں کے خیمے لگیں گے
کہ اب قریہ قریہ ابھرتی ہوئی ہے
کہ اب جنگوں اور پہاڑوں کی ہر شے
ہماری ہے اور بس ہمارے لئے ہے

آج کی صبح
اسی روز کی طرح خوش کن سی اک صبح امید ہے
آج کیوں ہم بہت خوش نہیں ہیں !

دستور ہند

اور

عوام کی توقعات



ہیں اور جس کی رہنمائی میں اس ریاست کے دیگر قوانین حب ضرورت بنتے رہتے ہیں۔

ہم ہندوستان جب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریز کی غلامی سے آزاد ہوئے تو پارلیمنٹ کو ایک دستور ساز اسمبلی میں تبدیل کر دیا گیا اور اس اسمبلی نے ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو مملکت ہندوستان کیلئے وہ بنیادیں اور اساسی قانون منظور کر دیا جسے آج ہم اپنے ملک کا دستور العمل کہتے ہیں۔ اس دستور کی دفعہ ۳۲ کے تحت یہ اعلان کیا گیا کہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء سے یہ دستور پورے ہندوستان پر نافذ کیا جائے گا۔

اس دستور العمل نے ہندوستان کے عوام کو جن بنیادی اصول موضوعہ کی گارنٹی دی وہ دستور العمل کی تمہید (Preamble) میں یوں موجود ہیں :-

”تمہید!“

”ہم ہندوستان کے عوام سنجیدگی کے ساتھ عہد کرتے ہوئے کہ ہندوستان کو ایک خود مختار عوامی جمہوریت بنانا ہے تمام شہریوں کے لئے مندرجہ ذیل حقوق حاصل کرتے ہیں :-

- عدل : سماجی، اقتصادی اور سیاسی
- آزادی : نگر و اظہار کی - عقیدہ - ایمان اور عبادت کی -
- مساوات : درجات و مواقع کی -
- اخوت : شخصی و عام اور قوم و ملک کے درمیان

کوئی قوم ہر یا جماعت، اگر کہ ہو یا قبیلہ، بغیر کسی جغرافیائی حد بندی کے قائم نہیں رہتا۔ وہ جغرافیائی حد بندی کا دنیا کے تہذیبی مراکز سے چاہے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو کسی نہ کسی نظام یا دستہ کے تحت اس میں بسنے والے اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ وہ نظام یا دستہ خود ان لوگوں کا اپنے آپ پر نافذ کیا ہوا ہوتا ہے اور اس جغرافیائی حد بندی کا نام ”ریاست“ کہلاتا ہے۔

ریاست چھوٹے سے گاؤں سے لے کر بڑے بڑے ملکوں تک کی ہو سکتی ہے۔ ریاست یعنی جغرافیائی حد بندی کا رقبہ کتنا ہی مختصر یا وسیع کیوں نہ ہو ہمیں ہر ریاست کو ایک اکائی مان لینا چاہئے۔ سیاست کی زبان میں ہر ریاست کے باشندے کو ”شہری“ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے ہر باشندے کے شہری حقوق ہوا کرتے ہیں۔ آزاد دنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی ریاست کا شہری ہے۔ وہ چاہے محلی تو ”شہریت“ سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص آزاد دنیا کی کسی ایک ریاست کی شہریت قبول کرتا ہے تو خود بخود اور لازماً کسی دوسری ریاست کا شہری بن جاتا ہے۔ یہ تبدیل وقتی بھی ہو سکتی ہے اور دائمی بھی۔ ممکن ہے کہ ایک شہری کو اپنا ریاست کے معاملات سے کوئی عملی دلچسپی نہ ہو تاہم اس کی شہریت پر حرف نہیں آتا اور وہ ان تمام مراعات سے ناواقف نہ ہو رہا ہوتا ہے جو اس ریاست کے دستور نے اپنے شہری کے لئے مقرر کی ہیں۔

ریاست کا دستور العمل اس قطعی اور اساسی قانون کا نام ہے جو کسی ریاست کے باشندے خود اپنے آپ کو عطا کرتے

اپنی دستور ساز اسمبلی میں آج ۲۶ دسمبر
۱۹۴۹ء کو ہم اس دستور العمل کو اپناتے
ہیں نافذ کرتے ہیں اور خود کے حوالے
کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا تمہیدی اصولوں پر ہی ہمارے ملک کا پورا
دستور العمل قائم رہے۔ ان اصولوں کو قبول کر لینے کے بعد عوام کا
خوشگوار رد عمل فطری اور قدرتی تھا اور ہندوستان کے عوام نے اس
دستور العمل کی روشنی میں مستقبل کے لئے بہت سی بہتر توقعات وابستہ
کر لی تھیں۔

ان اصولوں میں انہیں انصاف کا وہ ترازو نظر آئی جو
سبوں کے لئے برابر تو ہے! انصاف صرف امیروں اور جاگیرداروں
کی خواہشوں اور مرضی کے لئے مختص نہ ہو جائے۔ کہیں اور کوئی بھی
زمانہ ہو، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام میں ناداروں کے
لئے انصاف کے دروازے کھلے رہنے کے باوجود بند پائے گئے ہیں۔
قانون جو سب کے لئے یکساں ہو۔ سماج میں رنگ و نسل و مذہب
یا جائے پیدائش کو لئے کراٹیا نہ ہو، اقتصادی طور پر کسی شہری
کا استحصال نہ کیا جائے اور سیاست میں کسی ایک فرد یا نسل یا مذہب
کا اقتدار نہ ہو۔ ہر شہری کو اپنے مذہب، عقیدے اور ایمان پر قائم
رہنے، اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے، آزادانہ طور پر
سوچنے، سمجھنے اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا آزاد کا جو معاشرہ
اور نظام حکومت کے ذریعہ ارتقاء کے لئے جو مواقع فراہم
ہوں وہ کسی خاص فرقے کے لئے مخصوص نہ ہو جائیں۔ وغیرہ۔ یہی وہ
توقعات تھیں جو ہندوستان کے عوام یعنی عام شہریوں نے دستور العمل
سے وابستہ کر رکھی تھیں۔

ہمارا دستور العمل ۲۲ حصوں پر مشتمل ہے۔ دستور کے
تیسرے حصے میں ہندوستانیوں کو وہ تمام بنیادی حقوق دئے گئے ہیں
جو مذکورہ اصول موضوعہ کے تحت آتے ہیں۔

۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو دستور کے نافذ ہوتے ہی تمام سیاسی
تمہیدی رد کو دئے گئے۔ سب سے جماعتوں پر عائد شدہ پابندیاں ہٹائی
گئیں۔ ملک بھر کی سرحدوں، محلی کوچوں میں بھائی چارگی کا ایک ایسا منظر

اور میل نظر آیا جیسے اس ملک میں کبھی کوئی فرقہ وارانہ فساد ہوا ہی نہ ہو۔
مختلف فرقوں اور طبقوں کے لوگ، بلکہ ملی مذہب و ملت، ایک دوسرے
سے ملے لڑ رہے تھے۔ پر جوش نوجوان سڑکوں پر نکل آئے اور ہاتھوں
میں لٹا لٹا کر دھم کونے لگے۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہم خود مختار
ہیں، انگریز کی غلامی سے آزاد ہیں، اپنی قسمت کے آب و مالک ہیں۔
اب وطن میں کوئی فساد نہ ہوگا، اب شہروں شہروں، گاؤں گاؤں انسانی
خون کی ندیاں نہ بہیں گی۔ اب ۱۹۴۷/۴۸ء کا ہر لاکھ دور کبھی نہ
آئے گا۔

لیکن یہ تمام توقعات خواب ثابت ہوئیں!
دستور کتنا ہی بلند اور پاکیزہ کیوں نہ ہو، قوانین کتنے
ہی خصوصیت اور مساوات انسانی کو مد نظر رکھتے ہوئے کیوں نہ بنائے
جائیں، اگر دستور کی کماحقہ تعمیل نہ ہو، تو انہیں کو بلا خوف و تعصب
کا رہنہ نہ کیا جائے تو ہر دستور کے اصول موضوعہ کی بنیادیں ہل جائیں
کوئی ہیں اور عوام کی توقعات کا محل اس طرح ڈھٹے جاتا ہے جیسے اس
محل کی بنیاد ریت پر ہو!

یہی حال فرانس میں ہوا۔ کم و بیش یہی حال ہمارے
دستور کا بھی ہوا۔ ہمارے دستور کے اصول موضوعہ انقلاب فرانس
(۱۷۹۳ء) کے اس نعرے سے ماخوذ ہیں جو فرانس کے انقلابیوں
نے اپنے ملک کی شہنشاہیت کے خلاف بلند کیا تھا یعنی۔ "آزادی،
مساوات، اخوت یا موت!" (موت سے مراد یہ تھی کہ اگر
نعرے کے اولین تین حقوق عوام کو نہیں ملے تو شہنشاہیت کے لئے
سوائے موت کے چارہ نہیں ہے!)۔ ہمارا قومی رنگ پرچم بھی فرانس
کے رنگ پرچم کی تقلید ہے۔ فرانس میں انقلاب آیا۔ صرف وقتی طور
پر شہنشاہیت ہی ختم ہوئی بلکہ شہنشاہ فرانس (لوئی شانزدہم) اور
ملکہ فرانس کو "گلوٹن" کی نذر کر دیا گیا۔ یہی کہیں بلکہ شہنشاہی
خاندان کا مرفوزہ، ہر جاگیردار، ہر گورنر، ہر حاکم اور ان سبوں کے
خزینوں کو "گلوٹن" ہی جھینٹ جڑھا دیا گیا۔ ہزاروں ہزار افراد
قتل کو دئے گئے۔ لیکن انجام کار یہ انقلاب ناکام ہو گیا اور جلد برسوں
ہی میں دوبارہ شہنشاہیت قائم ہو گئی۔ (اگرچہ اس کی مدت بھی
زیادہ عرصے تک نہیں رہی)۔ وجہ یہ تھی کہ انقلاب ہول کے پاس نہ کوئی

بنیادی فلسفہ تھا۔ مستقبل کے لئے کوئی لائحہ عمل اور نہ کوئی رہنما اصول۔ جن نفرد کو لیکر فرانس کے انقلابی آگے بڑھے تھے اقتدار حاصل کرنے کے بعد خود ان پر قائم نہ رہ سکے اور ذاتی مفاد کے شکار ہو گئے۔ آزادی کا سایہ تو باقی رہا لیکن مساوات و اخوت کے خواب ٹوٹ گئے۔

مساوات کے خراب، باوجود دستور العمل کے تمام عہد و جان و اعلان کے، ہمارے یہاں بھی ٹوٹ گئے۔ ایک صحیح موامی جمہوریت کی اولین پہچان یہ ہے کہ اس میں اقلیتیں اپنے حقوق کی جانب سے مطمئن ہوں، ان کی زندگی کے ساتھ کوئی ایسا براؤ نہ ہو جسے وہ اپنے

ادراک و اکثریت کا علم یا استعمال نہیں۔ ہندوستان میں مذہبی عقیداتی، نسلی اور لسانی بے شمار اقلیتیں آباد ہیں۔ ہر ایک کے اپنے مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل ہیں، ان مسائل کا حل اپنے دستور العمل کے تحت کچھ بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر جموں، قبائلیوں اور لسانی اقلیتوں کی مشکلات بلکہ مصیبتیں اپنی جگہ قائم ہیں۔ کوئی سال کوئی ہفتہ کوئی ہفتہ بلکہ کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جبکہ کسی نہ کسی اقلیت پر اکثریت کا غلظ اخباروں کی خبر نہ جتا ہو۔ موامی جمہوریت کی روح کا یہ نقل روزانہ آہریوں اور کیسے بتا رہا ہے؟ اب اس لئے جو ماہرہ کر اگوچ دستور العمل نے ہم ہندوستانیوں کو ہر طرح کے مساوی حقوق عطا کئے ہیں لیکن حکومت کے وہ اعمال جن کا تعلق ایک خاص اکثریت سے ہے اور جو خود بھی اور اپنی ملازمتوں میں اکثریت رکھتے ہیں، وہ ایسی پالیسی اور لسانی مصیبت کا شکار ہیں۔

اس جھوٹے سے معنوں میں یہ تو ممکن نہیں کہ ان تمام مساوات کش اقدام و عمل کا ذکر کیا جاسکے جو مستعجب اکثریت کی جانب سے اقلیتوں کے حقوق کے خلاف کئے جا رہے ہیں۔ لیکن لسانی مصیبت کی ایک مثال ضرور پیش کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیتی زبان اردو کے ساتھ جارحانہ سلوک۔

دستور العمل کے آئینوں میں ہندوستان کی جن زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں اردو بھی شامل ہے۔ اردو صرف ایک زبان ہی نہیں، ایک مکمل تہذیب ہے۔ مشہور عالم فلسفی

برنیز رسل نے ۱۹۱۸ء میں اپنی مشہور تعریف ”آزادی کی راہیں“ (Roads To Freedom) میں کہا:

”اس شخص یا قوم کو کیوں کر آزاد کہا جا سکتا ہے جس کی مادری زبان پر پابندی لگادی گئی ہو۔ کوئی قوم کبھی اختیاروں سے محروم نہیں ہوتی۔ اس کی زبان مادہ وہ مٹ جائے گی۔“

دستور العمل کی تاریخ کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ دستور

ساز اسمبلی میں خود اہل اردو نے اردو کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب دستور ساز اسمبلی میں آرٹیکل ۳۴۲ پر بحث شروع ہوئی تو مسئلہ یہ تھا کہ ہندی دفتری زبان ہوگی یا اردو یا دونوں۔ جب بحث ختم ہوئی تو ایوان سے مسلم لیگ کے ارکان واک آؤٹ کر گئے۔ رائے لی گئی۔ پورے جنوبی ہند اور چند اہل اردو اور اکیس دستور ساز اسمبلی سے اردو کے حق میں اور بقیہ اراکین نے ہندی کے حق میں رائے دکھا۔ گنتی لگنی لگی تو دونوں زبانوں کے طرفداروں کے ووٹ برابر پڑے۔ اب فیصلہ صدر اسمبلی کی رائے سے ہونا تھا۔ اکثر دا چند پرست اور صدر اسمبلی تھے۔ انہوں نے اپنا ہا سنگ رائے ”ہندی کو دے دیا اور اردو اپنی حیثیت کو بیٹھی۔ مسلم لیگی اراکین اسمبلی کا واک آؤٹ زبان اردو کی تاریخ کا ایک المیہ بن گیا۔

دستور العمل اور اس کی بنیاد پر بننے والے قوانین کتنے ہی بے لاگ، مثبت اور محیط مل کیوں نہ ہوں، اگر عمال حکومت ان قوانین کا احترام نہیں کرتے تو تمام کو انصاف و مساوات سے محروم ہونا پڑتا ہے اور دستور العمل کی روح فروغ ہو جاتی ہے۔ اردو زبان کا معاملہ ہو یا اقلیتوں کے جان و مال کی حفاظت اور انسان کی بنیادی آزادی کا مسئلہ ہر دیکھا گیا ہے کہ خود وہ عمال قانون شکن نظر آتے ہیں جن کے ذمے قوانین کی پیروی و حفاظت ہے۔ مثلاً دستور میں اجازت مساوی کے باوجود حر و ترانیت برائے تعلیم بنائے جاتے ہیں ان کی نادلیں چند جموں میں عمال حکومت کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ طلباء کے لئے اردو کی ابتدائی یا ثانوی تعلیم حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا اور اس طرح عوام معنی (باقی صفحہ ۱۳ پر)

ہندی کی آزادی میں اردو صحافت کا حصہ

ڈاکٹر جاوید نب

حکومتِ اردو نثر کا پہلا اہم مرکز تسلیم کیا گیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی داستانیں اردو نثر کی بنیاد تصور کی جاتی ہیں۔ باطل اسی طرح کلکتہ کو اردو صحافت کی جنم بھومی مانا جاتا ہے۔ اردو کا پہلا اخبار جام جہاں نواز سنہ ۱۸۲۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا جس کی اشاعت کا مقصد سماجی و معاشی برائیوں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنا تھا جو غلامی کی آہنی زنجیروں میں جکڑے رہنے کی وجہ سے اپنے معاشرے میں بھی اصلاح لانے پر وہمیان نہیں کر رہے تھے۔ جام جہاں نواز کے ایڈیٹر ہری ہروت تھے جو بنگالی تھے اور ان کے اندر غلامی کے خلاف بغاوت کی ہلکی چنگاری موجود تھا مگر نامساعد حالات اور حاکم وقت کی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں کے کارے آزادی کی خواہش کا گل گھونٹتے رہے۔

انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آغاز میں اردو صحافت کی بنیاد پڑی۔ جام جہاں نواز کے بعد دارالسلطنت، جرنل گورنر آصفی اور شمس الاخبار جیسے اخبارات شائع ہوتے جو چند برسوں تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گئے۔ چونکہ انیسویں صدی میں اردو صحافت حکومتِ برطانیہ کے خلاف کھل کر بغاوت نہیں کر سکتے تھے اور تقویر و تحریر پر سخت پابندی قائم تھی لہذا اس صدی میں اخبارات نے آزادی کی تحریک اور اس کی کامیابی کے لئے جدید سلسل میں نمایاں کردار ادا نہیں کیا۔ عوام کا شعور ناچختہ تھا آزادی کا احساس پیدا نہیں ہوا تھا لہذا اس زمانے کے اخبارات ہندوستانی سماج و معاشرے میں اصلاحات لا کر اسے بدلتے کی کوشش میں محدود رہے تھے۔

انیسویں صدی کے اخبارات نے جدوجہد آزادی میں براہِ راست کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کیا۔ بیسویں صدی میں اردو صحافت نے نئی شکل اختیار کی۔ اخبارات کے اسلوب میں تبدیلی آئی، اس کا ترتیب بھی نئے ڈھنگ سے ہونے لگی، اخبارات زیادہ باقاعدہ نظر آ رہے تھے اور عوام پر اخبارات کی تحریروں کا عمدہ اثر مرتب ہونے لگا۔

عرصہ کی جا چکا ہے کہ ۱۹ ویں صدی کے اردو اخبارات میں زیادہ تر اصلاحی پسوا جاگے جاتے تھے۔ تحریکِ آزادی کا تصور واضح طور پر نہیں ابھرا تھا۔

بیسویں صدی میں مولانا غفر علی خاں نے روزنامہ زمیندار نکالا جس کا بنیادی مقصد جس قوم کو غیرت ملانا اور اس کے اندر احساسِ بیداری پیدا کرنا تھا۔ زمیندار دیکھتے ہی دیکھتے عوام کی آنکھوں کا تار بن گیا۔ آزادی کی ہلکی تراب قوم محسوس کرنے لگی، زمیندار میں مولانا کی سیاسی نظریات شائع ہونے لگے جن کی وجہ سے عوام کا انداز فکر بدلتا، غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے قوم ان مضبوط زنجیروں کو توڑنے کے لئے انگڑائیاں لینے لگیں۔ اردو کا یہ اخبار اس زمانہ میں ۳۰ ہزار چھپتا تھا۔ مولانا غفر علی خاں بے مثل نقاد اور سخت عریض اور شعلہ بیان تھے۔ ان کی شعلہ بیاباں زمیندار کے صفحات کی زینت بنتے گئے۔ خوابیدہ عوام کو جھرجھری محسوس ہوئی آزادی کی تراب جاگی، زمین دار کی جوشیلی تحریروں، مولانا غفر علی خاں کی شعلہ بار غنیات نثری اور منظم عوام کے دلوں میں آزادی کی

لہر میں جگانے میں حرکت ثابت ہوئیں۔ حکومتِ برطانیہ کے خلاف آوازیں سنی جانے لگیں۔ بغاوت کا لاوا اندر اندر پکھنے لگا۔ ایوانِ برطانیہ میں زلزلہ سا آگیا۔ اس کی اینٹیں کھسکنے لگی تھیں۔ زمیندار نے ہل چل سہی چادی تھی۔ حکومتِ برطانیہ خوف سے کانپنے لگی۔ زمیندار سے تین بار ضمانتیں طلب کی گئیں کیوں کہ پریس ایکٹ کے خلاف اس نے سب سے پہلے مدائے احتجاج بلند کی۔ زمیندار نے اردو صحافت کو دغا بخشا اور اردو صحافت میں نئی تعلیم کے زور سے آراستہ افراد داخل ہوئے۔ اس فن کو تانت اور سنجیدگی عطا کی گئی۔

مولانا ظفر علی خاں کی شعلہ بانی کے سبھی قائل تھے۔

وہ بزمِ کوہِ زم میں مدفن اور دُعا لٹا جانتے تھے اور ملک میں اصلاحی یا آزادی کی تحریک میں شدت پیدا کرنے میں اسے دستگاہِ کامل حاصل تھی۔ بغاوت کے شعلے لپکانے میں ان کی تحریک اپنی مثال آپ تھی۔ یہ اخبار لوگوں کو آزادی کی حدودِ جدید میں دھکیلنے میں کامیاب ہوا۔ مولانا موصوف کی شعلہ بانی ۱۹۲۷ء تک جاری رہی پھر یہ شعلے بجھ گئے۔ زمیندار بند ہو گیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں شیخ عبدالغادر نے اپنا مشہور رسالہ "مخزن" نکالا جس میں علامہ اقبال کی جو شعلہ بانی لکھیں شائع ہوئی تھیں۔ قومیت کے تصور کی عکاسی ہوتی تھی اور لوگوں کو خواب گراں سے اٹھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ "مخزن" نے انگریزوں، ان کی عربی تہذیب اور حاکمانہ ذہنیت کی شدید مخالفت کی۔ سترہویں صدی میں شائع ہوا۔ اگرچہ یہ ہفتہ وار تھا لیکن آزادی کی جدوجہد میں اس نے نمایاں حصہ لیا۔ اس میں حوشیہ اور باغیانہ مضامین شائع ہوتے تھے۔ بغاوت کے جرم میں اس کے مدیر کو دس سال کی سزا بھی کاٹی پڑی تھی۔ بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں میں کئی معیاری اخبارات شائع ہوئے۔ ان اخبارات کی خدمات آزادی کو ہندوستانی قوم کو کبھی نہیں بھول پائے گی۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد کے روزنامہ "الہلال" اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "ہمدرد" (انگریزی میں کامریڈ) کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی کیوں کہ ان اخبارات کے ہر صفحہ میں ہندوستانی قوم

کی دھڑکن چھپی ہوتی تھی۔ مولانا آزاد کے "الہلال" نے اردو صحافت کی کامیابیوں کی اسے نیا رنگ و روغن دیا اور مسنونہ و معرکی اعتبار سے "الہلال" اپنے زمانہ کا اہم ترین اخبار مانا گیا ہے۔ ان کا اپنا صحافتی نظریہ تھا جس کے مستحق انہوں نے خود "الہلال" میں تحریر کیا تھا کہ:

"ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لئے نہیں بلکہ تلاشِ زیاں و نقصان میں آتے ہیں۔ دادرِ حسین سے تھے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلب گار ہیں۔ دنیا کے سیم و زر کو قربان کرنے کے لئے نہیں بلکہ خور اپنے تئیں قربان کرنے کے لئے آتے ہیں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہی خدوص، ان کی ایمانداری، قلم کی بے لوث خدمت کی تڑپ انہیں ہر زمانے کا عظیم ترین صحافی بناتی ہے۔ "الہلال" نے جو مقوش قائم کئے آج بھی زمانہ انہیں شانہ سکا۔ "الہلال" نے نہ صرف صحافت کا نیا آہنگ اور لب و لہجہ عطا کیا بلکہ بے حیس ہندوستانی قوم میں آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ اس میں نئی روح پیدا کی اور خلائی کے آہنی سسلاں کو کاٹنے اور توڑنے کے لئے اخبار سسل مزین لگانے لگا۔ عوام نے "الہلال" کی باغیانہ گوج سستی جو کہ نڈا کے دیو کی طلسماتی آوازیں تھیں اور لوگ بے اختیار اس کی طرف کھینچے چلے گئے۔ عوام میدانِ جنگ میں اس طرح بے خطر کود پڑے جس طرح آتشِ غرور میں مشتق بنے خطر کو دھڑکا۔ بغاوت کی تندہ میں اپنے لپٹے لگیں۔ ایوانِ برطانیہ میں زلزلہ پیدا ہونے لگا، حکومت بدحواس ہو گئی۔ بھاری ضمانت طلب کی گئی۔ ۵ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو "الہلال" بند ہو گیا کیوں کہ مولانا دہزار کی ضمانت داخل نہ کر سکے تھے اور انہیں شہر بدر کر کے راجی قید خانے میں بھی ڈال دیا گیا۔ اسی دوران پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ آزادی کے متواہدوں کی باغیانہ آوازیں دوبارہ گئیں۔ ۱۹۲۷ء میں ملک واپس آکر مولانا نے "الہلال" دوبارہ نکالا مگر چند ماہ کے اندر ہی بند ہو گیا۔ مولانا نے دوسرا رسالہ "ابلاغ" شائع کیا جو زیادہ دن تک جاری نہ رہ سکا۔

۱۹۲۲ء میں مولانا محمد علی جوہر نے دلی سے ہمدرد جاری

کیا۔ ہمدرد نے آزادی کا جدوجہد میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ حکومت وقت کی ستم رانیوں اور غلط کاریوں پر سخت نکتہ چینی کرنا تھا، لوگوں کو آزادی کی فضا میں سانس لینے کی تلقین کرتا تھا۔ حکومت نے حق گو اخبار کا گنگا گھوٹ دینے کے لئے اس پر سنسرشپ عائد کر دی تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں ہمدرد بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ مولانا حسن نظامی کے اخبار توحید، میرٹھ کو بھی آزادی کی تحریک کو مواد دینے کی سزا ملی اور حکومت برطانیہ نے چند ماہ کے بعد اسے بند کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔ مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام کو نوگلا کے دھوکے میں بغاوت کے شعلے بھڑکانے کے جرم میں قید و بند کی سختیاں بھی جھیلنی پڑیں۔

پرتاب اردو کا پرانا اخبار ہے۔ مارچ ۱۹۱۹ء کو لاہور سے شائع ہوا۔ مہاشہ کرشن اسی کے مالک و مدیر تھے۔ اس نے بھی آزادی کی تحریک کو تقویت پہنچانے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ مہاشہ کرشن برکتی مقدسے چلے، ضمانت طلب کی گئی اور بالآخر اس باغی اخبار کو بند کر دیا گیا۔

۱۹۱۶ء میں لاہور سے سید حبیب نے "ناسیت" نکالا جو اپنی بے باک، شعلہ بیانی اور حکومت برطانیہ کے خلاف ہمدردی احتجاج بلند کرنے کے جرم میں بند ہو گیا۔

دیوان سنگھ مفتوں بے باک اور نڈر صحافی تھے ان کا اخبار "ریاست" ان کی ذات کی قفسیر تھا۔ دیوان سنگھ مفتوں کے قلم کی دھارتواری دھار سے بھی زیادہ تیز تھی۔ انہوں نے راجوں، مہاراجوں، نوابوں اور جاگیرداروں کے جبر و استبداد کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی عیشی کوششیں کو بے نقاب کیا۔ ان پر مقدمات چلائے گئے۔ انہیں دھمکیاں دی گئیں مگر مفتوں اپنے مسلک و موقف پر قطب کی لٹ کی طرح اٹل رہے اور آزادی کی تحریک کو آگے بڑھانے میں پیش قدمی کی۔ حیدرآباد سے "شعب" اور "زمانہ" شائع ہوا۔ محب وطن اور قوم پرور (شعب) مدیر کو ستم بلیوں نے متحدہ ہندوستان کی تحریک چلانے کے الزام میں قتل کر دیا۔ ۱۹۲۵ء میں انجمنیتہ شائع ہوا جو قوم پرور اخبار تھا اور آزادی کی جدوجہد کا ساتھ دیتا رہا۔ ۱۹۲۷ء میں

عبدالحمید بک اور غلام رسول مہر نے لاہور سے انقلاب شائع کیا جو حقیقی معنوں میں انقلاب آفرین ثابت ہوا۔ اس کی مصافحت پر انقلاب کی جھلپ گھڑی ہوتی چلی گئی اور ۱۹۳۹ء تک جاری رہا۔ اپنا مشن پورا کر کے بند ہو گیا۔ اس ہمدرد کی تیسری اور حقیقی دلمیوں میں ہندوستان بھر میں بہت سارے اخبارات شائع ہوئے جن کا

بنیادی مقصد حصول آزادی تھا۔ یہ اخبارات آزادی کی جنگ جیتنے میں پیش پیش رہے۔ ان کے قلم کاروں پر منظام ڈھائے گئے، مگر ان کی زبان لگت نہ ہوئی۔ بغاوت کے شعلے لپکتے چلے جا رہے تھے۔ آزادی کی تحریک میں شدت پیدا ہو چکی تھی اور ان ہی اخبارات نے آزادی جیتنے کے لئے ہندوستانی قوم کو سر سے کفن باندھ کر میدان کارزار میں اترنا سکھایا تھا۔ ان میں ملکیت کا اخبار روزانہ ہند بھی تھا جس کے مدیر مولانا زرق علی آبادی تھے جو مولانا ابوالکلام آزاد جیسے عہد ساز صحافی سے تربیت پائی تھی۔ آزادی کی جنگ میں روزانہ ہند نے خاصہ کردار ادا کیا۔ قوم پرور مدیر پر بلا ہمدردی پسند قوتیں وار کرتی رہیں مگر وہ اپنے احوال سے ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ تنویر کے سایہ میں بھی اس اخبار نے ہمیشہ سچی مگر محدود باتیں کہیں۔ آزادی کی جدوجہد میں بنگال نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ روزانہ ہند بھی بنگال کی سرزمین سے نکلا تھا۔ انقلاب اس کی سہرت میں تھا مگر ملکیت اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی بے باک اردو مصافحت نے غلامی کی آہنا زنجیروں کو کاٹ دیا اور اگست ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے اتق پر آزادی کا آفتاب طلوع ہوا اور آج ہندوستانی قوم آزادی میں پھل پھول رہی ہے، ترقی کی جانب گامزن ہے۔ درود ہند کی جگہ مولانا علی آبادی نے آزاد ہند نکالا جو آج بھی مولانا کی ترتیب شدہ پالیسیوں پر عمل پیرا ہے۔

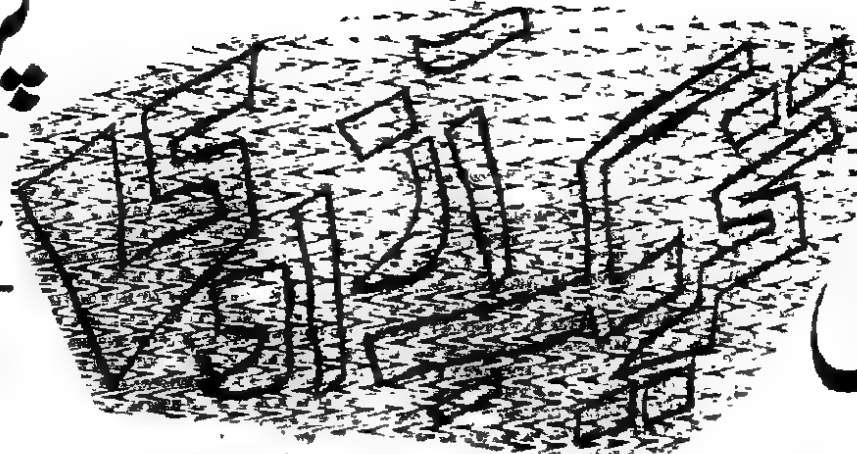
سنو لے ساکنانِ بزمِ ہستی
صد کیا آرہی ہے آسماں سے
کہ آزادی کا اک لمحہ بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

جوش
مدح
آبادی

پر بین الاقوامی

حالات کے

اثرات



ہماری

انٹیشن رفیع

پر بھی پڑا ہے۔

در اصل ہماری تحریک آزادی یا آزادی دونوں کو ایک اور بھی زاویہ نظر ہے جس سے کچھ دانشور انہیں دیکھتے ہیں۔ مثلاً ان کا خیال ہے کہ اگر برطانوی سامراج کے چراغ میں تیل ہوتا یا اس میں جلتے رہنے کی صلاحیت باقی رہتی تو شاید وہ اپنی مقبوضہ کا کوئی (نوآبادی) سے اپنے خونی پنجے نہیں اکھاڑتا۔ مگر عالمی معاشی دھانچے نئے نئے ساچروں میں ڈھیلنے لگے اور سامراجی تھوٹھوں میں کانٹے پوسٹ ہونے لگے۔ اور بیل اس ناند میں تھوٹھیں کیوں رکھے جس میں کانٹے ٹٹھکے ہوں۔

توسب سے پہلے ان حالات کا جائزہ لیا جائے جو برطانوی سامراج کی کمزوری اور پھر اس کے خاتمے کا باعث ہوئے۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ تھی کہ ٹیکنیکی ترقی کی وجہ سے سرمایہ کاری کی نوعیت بدلنے لگی لہذا وہ سرمایہ دار ممالک جو ٹیکنیکی ترقی میں اس عالم گیر سامراجی قوت سے اگے نکل گئے تھے اپنے پرچندے نکالنے شروع کئے اور عالمی بازار میں سوداگری کی ہڈی شروع ہو گئی۔ اور یہ ہڈی شروع کیوں نہ ہو جبکہ متحدہ امریکہ اور جرمنی نے پہلی جنگ عظیم کے قبل کی دودھ آبیوں میں ناپاکی بھانڈے کے علاوہ لوہے، خام اسپات اور تیار مال کی برآمدات میں اس قدر اضافے کئے کہ برطانیہ کی پیداوار کی شرحات

برطانوی سامراج کا چراغ انیسویں صدی کے آخری

برسوں میں اپنی تاباکی کے عروج پر تھا۔ اس کا خطہ اقتدار ایک کروڑ تیس لاکھ مربع میل (Square Miles) میں پھیلا تھا۔ ۳۰ کروڑ کی مزدورستانی آبادی بھی اس وسیع خطے پر آباد تھی۔ فرانس، جرمنی، روس، جاپان، اٹلی، پرتگال اور امریکہ کے زیر اقتدار خطہ بھی اس کے سامنے بے حد مختصر تھے اور اس کی معیشت اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی انگلی نہ اٹھا سکے۔

عام طور پر اہل علم حضرات برطانوی سامراج کی مثال

سورج سے دیتے ہیں جو اس کے زیر اقتدار خطے میں کبھی غروب نہ ہوتا تھا۔ لیکن میں نے تصدیقاً لفظ چراغ کا استعمال کیا ہے کیوں کہ چراغ کا تعلق تیل سے اور تیل سے بھی ہوتا ہے۔ اگر چراغ میں تیل یا تیل نہ ہو تو کچل ہو جاتا ہے۔ جبکہ سورج توانائی کا مستقل دریغ ہے اور اس کے خاتمے کے آثار لکھوں برس تک شاید نمایاں نہ ہوں گے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سامراجیت کی بنیاد ہی معاشی دخل پر رکھی گئی ہے۔ اگر یہ دخل کمزور پڑ جائے تو سامراجیت کی بنیادیں ہل جائیں۔ یعنی چراغ کا تیل کم ہو جائے یا تیل جلتے جلتے چھوٹی چھوٹی ہو جائے تو پھر روشنی معدوم ہونے لگتی ہے۔ ہماری آزادی کا تعلق بھی ان باتوں سے گہرا ہے۔ اگرچہ یہ باتیں بین الاقوامی معلوم ہوتی ہیں مگر ان کے اثرات ہماری تحریک آزادی

کھانے لگی۔ اس کے اثرات چار دیواری کے اندر اور باہر دونوں جگہ ہوتے۔ داخلی حالات کے ساتھ ساتھ بیرونی حالات بھی بگڑنے لگے۔ گرجہ یہ کہا جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کی شروعات میں برطانیہ کو دنیا کے دیگر ممالک کی نظر میں ایک زبردست معاشی و سیاسی مقام حاصل تھا مگر اس کی مثال اس توڑ پھوڑ سے کسی تھی جو اوپر سے تو بہت بڑا اور پرشکوہ لگتا ہے مگر اندر سے کھوکھلا اور پھسپھا ہوتا ہے۔

برطانیہ کے معاشی حریف آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ داخلی حالات چاہے سماجی ہوں یا سیاسی ابتر ہوتے جا رہے تھے سرمایہ اور محنت کی کشمکش، حزب مخالف اور حکومت کا ٹکراؤ، عورتوں کے حقوق کا مسئلہ، 'Irish Home Rule' مزدوروں کی مزدوری اور دوسرے مسائل کا شکار برطانیہ اپنے گھر میں ہی افراتفری اور متشدد واقعات سے دوچار تھا۔ ایسے میں جب گھر بھڑٹ رہا تو باہر کا دیکھنا کتنا کٹھن ہو جاتا ہے۔ یہ بات برطانوی سامراج بخوبی سمجھتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم نے دنیا کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ زرمبادلہ کی حالت خستہ ہو گئی۔ برطانیہ کی بچت اور کمائی میں زبردست کمی آگئی کیوں کہ بین الاقوامی Summits میں کمی آچکی تھی۔ ایشیا، افریقہ، لاطینی امریکہ کے ممالک میں آزادی کی لہر تیز ہونے لگی تھی۔ نتیجے میں کئی آزاد اور خود مختار ممالک وجود میں آئے اور برطانیہ کا تجارتی حلقہ سکڑنے لگا۔ متحدہ امریکہ اور جاپان جنگ عظیم کے جھٹکے سے غیر متاثر رہنے کا درجہ سے صنعت کاری کی ریس میں اپنے گھوڑے بڑی تیزی سے دوڑانے لگے۔ یہ دونوں ممالک انگریزی سامراج کے زبردست حریف ہو گئے۔ اس کے علاوہ برطانوی ڈومینس (Dominions) نے بھی انگلینڈ کا دم چھلنا بنا رہے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنی خود مختاری کا مطالبہ کیا اور League of Nations کا رکنیت کا بھی مانگ کیا۔ ان کے مطالبات پورے ہوتے اور بہت حد تک انہیں خود مختاری حاصل ہو گئی اور جب انگلینڈ میں خود ہی آزادی کی مانگ شروع ہو گئی تھی تو دوسرے ملک میں آزادی کی آواز کیوں نہ بلند ہوئی۔

ہندوستان میں بھی ہنگامہ اٹھا۔ لہذا اسے فرو کرنے کے لئے 1919ء کا India Act 1919 کا انعقاد کرنا پڑا۔

بین الاقوامی رشتے بھی ٹوٹتے پھوٹتے نظر آ رہے تھے۔ League of Nations اپنا دور رکھتی جا رہی تھی۔ برطانیہ کی پوزیشن دوسرے ممالک کے درمیان خراب ہو رہی تھی۔ توازن بگڑتا جا رہا تھا۔ عالمی طاقت پر اس کی فوقیت ختم ہو رہی تھی جس کا ثبوت واشنگٹن معاہدہ ہے جس کے تحت برطانیہ کو سمندری علاقوں پر فوقیت حاصل نہ رہی۔

جاپان کا چین پر اٹلی کا ایٹلیا پر اور جرمنی کا اپنے پڑوسی ملک پر جارحانہ حملہ اس بات کی علامت تھا کہ دنیا پھر ایک جنگ عظیم سے دوچار ہونے والی ہے۔ ایسی صورت میں لازم ہوتے ہوئے سامراج کے دانت بھی کند ہونے لگے۔ رفاہی قوتوں کے عروج سے چشم پوشی اور اس کی مخالفت میں ہونے والے تعداد سے بے پرواہی اس کا خالص بن چکا تھا۔ اس کی مرہون کو کشش ہوتی کہ حق کی جنگ میں بھی شامل نہ ہو۔ مثلاً جرمنی نے آسٹریا اور چیکو سلواکیہ کے تحفظ کی ذمہ داری سے صاف انکار کر دیا۔ جرمن لین امدادیں ملک کی پالیسی میں بھی بری طرح ناکام رہا تھا۔ یعنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں (Dominions) کے دولت مشترکہ کا قیام عملی طور پر نہ ہو سکا جس کے نتیجے میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے داخلی اور بین الاقوامی پالیسی خود مختار کر لی شروع کر دی۔ جاپان ہندوستان کا تعلق ہے تو ۱۹۱۱ء میں ماناگو کے اعلان کے بعد جاپان کے مسائل کا حل کوئی توجہ نہ دیتی لہذا ۱۹۱۹ء میں پیرس کانفرنس میں ہندوستان میں گاندھی کی قیادت میں ایک زبردست بیداری آئی اور آزادی کی تحریک کو ایک نئی توانائی حاصل ہوئی۔ دراصل بیسویں صدی کے آغاز سے ہندوستان جن نامساعد حالات سے دوچار تھا برطانیہ راج ان مسائل کا حل نکالنے میں ناکام رہا تھا۔ بقول ایچ۔ جی ویلس (H. G. Wells) - 'برطانیہ راج کی مثال اس آدمی کی سی تھی جو سیر میں سے لڑھک کر ہاتھ کی گردن پر آگرا ہو اور یہ سمجھ نہیں پارا ہو کہ کس طرح اترے۔'

جب حال یہ ہو تو سلطنت برطانیہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے کیسے بچ سکتی تھی۔ دوسری جنگ عظیم نے تو اس

کی کمر ہی توڑ دی۔ حالت یہ ہوئی کہ خود برطانیہ کو امریکہ کی محتاجی لاحق ہوئی۔ سیاسی اور اقتصادی دونوں ہی معاملات میں۔

اور دوسری جنگ عظیم کے دوران ہندوستان میں یہ احساس شدید ہو رہا تھا کہ ہندوستان کو خواہ مخواہ اسی جنگ میں الجھایا گیا ہے لہذا ہر طرف ایک طرح کا احتجاجی ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ نتیجے میں ۱۹۴۲ء میں ہاں بغاوت پھوٹ پڑی۔ بقول پنڈت جواہر لال نہرو، ہندوستان ڈوبنے ہوئے سامراج کو بچانے سے انکار کرتا ہے۔ سر اسٹیفن ڈگرپس کی سرکردگی میں ایک مشن بھیج کر یہ وعدہ کیا گیا کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو اپنی حکومت قائم کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ یہ بھی ہندوستانیوں کے دلوں میں شکوک بدستور موجود رہے۔ اور ہندوستان قبوڑ کا ٹوہ بند ہو گیا۔ آخر میں برطانیہ کو یہ یاد رکھنا ہی پڑا کہ ہندوستان پر اقتدار جانے رکھنا اس کے لئے منافع بخش نہیں ہے۔ اقتدار قائم رکھنا اس لئے ممکن تھا کہ برطانیہ کی بڑی برتری بھی امریکہ نے چھین لی تھی۔

نامساعد حالات اور تمام غلام ملکوں میں قومی شعور کی بیداری نے برطانیہ کی چوبیس ملا دیں اور برطانیہ زیر اقتدار ملک کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

بھیک آزادی کی تحریک محض واقعات اور حادثات کا

سپاں نہیں ہے بلکہ ایک ایسا موضوع ہے جو فکری سطح پر ہیں۔ سماجی ارتقا کے طریقے کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ نئی فکر اور تازہ نظریوں کو جو دیں لانا اور بعد انہیں مستحکم کرنا یا مزید یقین کے مفادات کے تصادم کا تجزیہ کرنا ویزہ تاریخ کے اہم مبادیات ہیں۔ چنانچہ تحریک آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت سیاسی جدوجہد کے بیان کے ساتھ ان فلسفوں اور نظریوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہئے جس سے مجاہدین آزادی کی فکری تربیت ہوئی ہے۔ مثلاً ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب جس کے محرک وانیئر، روسو، دی دے رو (Dela ro) اور Encyclopedists تھے، ایشیا اذلیق کے غلام ممالک کی دہی جاگیر تھی کا موجب تھا۔ ہندوستانی زمین سے اس انقلاب کا گہرا اثر لیا۔ مثال کے طور پر اربندو گھوسا اور سسی آدراس یہ دونوں ایسے رہنما تھے جن کا ذہن فرانسیسی انقلاب

سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ ۱۹۱۷ء کا ریشٹوک انقلاب جو مارکس اینگلس اور لینن کی فکر کا نتیجہ تھا ایک ایسا انقلاب تھا جس نے آزادی کی تحریک پر زبردست اثر ڈالا۔ صرف یہ نہیں بلکہ بائبل لیڈران کو جرمین اور آئمانی نلاسفر گائٹ، ہیگل، نیکنے اور میترینس کے نظریے نے بھی ایک نئی جہت سے آشنا کر دیا۔ ترکی کے خلافت تحریک ہندوستان میں بھی شروع ہوئی۔ ہندستان کی جدوجہد آزادی میں ستریک نمایاں لیڈران بلا واسطہ یا باواسطہ ان بین الاقوامی حالات اور نظریات سے یقیناً متاثر ہوئے تھے۔ بال گنگا دھرونگ، اربندو رانا، تھنیگور، سبھا ش چندر بوس، جہا تا گاندھی، اربندو گھوش، محمود الحسن، ابوالکلام آزاد، محمد اقبال، محمد علی جوہر، جواہر لال نہرو، سردار پٹیل۔ سب کے سب کسی نہ کسی بین الاقوامی نظریے اور تحریک سے ضرور متاثر تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے تصور کی تشکیل بھی اپنی بنیادوں پر گورہے تھے۔ جمہوریت، انسانی حقوق، مساوات، یہ تمام تصدیق جاری آزادی کے مجاہدین کے لئے مشعل فکر تھی۔ سماجی برابری کے حصول کو مد نظر رکھتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۹۳۱ء کی حمایت کی اور اسی خط پر وہ علمی اور نظریاتی تجربے کرتے رہے۔ اور جدید بھارت کی تشکیل میں اہم ردول ادا کیا۔

ہندوستان کا جدید سیاسی ڈھانچہ دراصل بین الاقوامی نظریات اور تحریکات کا عکاس ہے۔ اس کے سیاسی مناظر اب بھی یورپ سے تعلق رکھنے والی دہری تحریکوں، مارکس اور جمہوری سے عبارت ہیں۔

بین الاقوامی تحریک نے ہندوستانی عوام کو انقلابی شعور عطا کیا۔ اس شعور کی آبیاری ہر سطح پر ہوئی۔ تہذیبی سطح پر سیاسی و سماجی سطح پر اور ادبی سطح پر۔ ثقافت جہاں زندگی کا جزو لا ینفک ہے مارکس نے نظریے کو مقبول عام بنانے کا اہم Medium درمیان ثابت ہوا۔ یہ Medium 'میرا خیال ہے' اس انسانی اور انسانی نظریے کو شعور کی کھڑکیوں تک پہنچانے میں کسی سیاسی پلیٹ فارم سے زیادہ موثر تھا۔ مظفر احمد، ایم این رائے اور دیگر سیاستدانوں نے عوامی پلیٹ فارم سے اور مارکس کی تحریک میں

سرکاری اخباریں

دواسازی اور نباتاتی کیمیاءی ترقیات کا رپورٹین
کے ڈائریکٹروں کے بورڈ کی از سر نو تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے مندرجہ ذیل اشخاص پر
مشتمل دواسازی اور نباتاتی کیمیاءی ترقیات کا رپورٹین کے
ڈائریکٹروں کے بورڈ کی از سر نو تشکیل کی ہے:

- (۱) پروفیسر ڈاکٹر ایس۔ کے۔ شرما، پدمابھوشن —
چترپتی — شعبہ نباتات، کلکتہ یونیورسٹی
- (۲) ڈاکٹر ایس۔ کے۔ جی، ڈائریکٹر آف سیکنڈری ایجوکیشن
پلاٹ — بینگل ڈائریکٹر —
(مندرجہ ذیل حضرات اس بورڈ کے ڈائریکٹر ہیں):

- (۱) ڈاکٹر ڈی جی اورتی (۲) ڈاکٹر گلپان دت (۵)
شرما ایم۔ این۔ پال (۶) ڈاکٹر ایس سی پکراشی (۷) شعبہ
ماحولیات کا نائندہ (۸) شری موکیش سنال (۹) ڈاکٹر
جے داس (۱۰) ایم سی سین گپتا (۱۱) شری آر این بنرجی
(۱۲) ڈاکٹر ایس کے چنداچنڈ

طوفان سے متاثر ہونے والوں کیلئے مکانات کی تعمیر کیلئے عطیات

ریاستی حکومت کے شعبہ امداد نے مزید ۵ لاکھ روپیہ پور
معیار دینے کی منظوری دی ہے۔ یہ رقم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، امداد برائے حوالے
کردی جائے گی۔ اس ضلع میں حالیہ طوفان سے جن لوگوں کے مکانات کو نقصان
پہنچا ہے یا جن کے مکانات منہدم ہو گئے ہیں ان کے درمیان مکانات کی تعمیر
کے لئے مذکورہ رقم بطور تعمیر مکانات عطیہ تقسیم کی جائے گی۔



علی متحرک شمولیت سے نہ صرف دانشورانہ سطح پر بلکہ عوامی
سطح پر آزادی کے تصور کی نئی تشریح پیش کر کے سامراجی
قوتوں کے خلاف ایک زبردست رائے عامہ تیار کیا۔ مگر عوام کے
دلوں تک اس نظریے کو پہنچانے کا کام Cultural Front
(ثقافتی محاذ) نے بڑے ہی پرتائیر انداز میں کیا۔ اردو ادب کی
اسی مثال لے لیجئے۔ جو چراغ علی سجاد ظہیر نے روشن کیا تھا وہ
۱۹۳۶ء کی پہلی ترقی پسند مصنفین کا نفرنس کے بعد ادب کرنے
والوں کی اکثریت اس تحریک کے ساتھ ہو گئی۔ پورے اردو ادب
کو ردائیت کے قہر یا برہنہ سے آزاد کر حقیقت کی چٹانوں پر
کھڑا کر دیا یعنی ادب کی ایک سائنسی اور انقلابی تصویر پیش کی۔
جس نے انسانی حقوق کی بحالی اور طبقاتی جبر کے خاتمے سے قلم کی
قوت کو جوڑ دیا۔ اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے ادب میں مثلاً
بنگلہ، ہندی، انگریزی ادب میں بھی یہ تحریک زوروں پر تھی۔ دانش
وروں اور ادیبوں کا خاص تعداد ہندوستان میں اس نظریے کی
حامل تھی۔ اگر ایک ادیب ایک لاکھ آدمی کو اپنی تحریر سے متاثر کر دے
تو ہزاروں ادیب و شاعر کروڑوں لوگوں کو متاثر کریں گے۔
پھر ایک بار اردو کی مثال دی جائے تو اقبال، منشی پریم چند، حسرت
موہانی، جوشی نے اپنا انقلابی تحریروں سے برہنہ سامراج کی
نہیں حرام کر دی تھیں۔ ادب کے علاوہ Reforming Act
کے مارہم نے بھی آزادی کی لہر تیز کرنے میں زبردست رول ادا کیا۔
مثلاً IPTA کے میگزین گروپ اپنے میگزین کو شہر سے
گلاؤں تک پہنچ گئے اور براہ راست عوام میں آزاد ہوجانے کی
لگ چھلکا گئی۔

تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ محض Political
Action تبدیلی کی بنیاد نہیں ہوتا بلکہ کسی انقلاب کے لانے میں
ہم پورے کردار نبھانا ہے۔ تو ہماری آزادی کی تحریک جہاں سیاسی
مرجعات، سماجی کارکنوں کی حراں منت رہی ہے وہیں ہمارے
ادب و ثقافتی مرہنوں نے اس تحریک کو اخلاقی مسرت انگیز
بنیاد عطا کی ہے۔



یوں اک جہور کیہ موقع پر

کہا گیا تھا کہ تیرے ہیں پھول پھل سارے
تمام شہد کے دریا یہ دودھ کی نہریں
کہا یہ میں نے کہ میں کیا کروں یہ زقارے
مزدہ تو جب ہے کوئی خوش بدن ہو پہلو میں

تو یوں ہوا کہ بدن کی رفتاریں بھی ملیں
بدن کے نشہ کے آگے کوئی نشہ نہ ٹکا
تمام مذاائق چھوٹے پڑے سبک ٹھیرے

پھر اس کے بعد بے انتہا میوہ مہوٹا
عطائے خاص کی صورت مجھے ملا کیب کیب
کہا سنبھال کے یہ کائنات ہے تیری
یہ جزو دریا سمندر یہ شاخ تر یہ نبول
یہ من و سکوی کی بارشیں یہ ساندہ کا نزول

تمام مذاائق چھوٹے پڑے سبک ٹھیرے
تو پھر یہ پیاز یہ لہسن یہ رت جگے یہ تھکن

کہا یہ میں نے ادب سے کہ اے مرے مالک
یہ کائنات کہاں میں سنبھال کر رکھوں

نظر وسیع مگر جذبہ قناعت دے
وہ یار خوش بدن و گوشت فراغت دے

کہا یہ اس نے کہ تیری دعا قبول مگر
وہ اک جنوں کہ جسے کائنات چھوٹی پڑے
ملاں یہ ہے کہ دیوار و درمیں قید ہوا

تو یوں ہوا کہ زمین و زمان سنبھال لیا
مکان سنبھال لیا لامکان سنبھال لیا

روف خیر

اردو ادب میں جمہوری رجحانات

مصطفیٰ اکبر

اردو زبان و ادب کو شروع سے ہی شاہی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ اردو ادب جب مغل جاگیرداروں کے مراکو سے نکلا تو مختلف چھوٹے بڑے مرکزوں مثلاً لکھنؤ اور عظیم آباد تک گزر کر رام پور اور نظام حیدر آباد کے دربار میں جا پہنچا۔ شاہی محلوں سے نوابی درباروں تک کے سفر میں اردو کے ادبا و شعرا کو اپنی تعیش پسندی اور سرکاد کی تعہدہ خورانی سے اتنی ہی فرصت نہیں ملتا کہ وہ رعایا یا عوام کی طرف توجہ کر سکیں۔ بد قسمتی کی بات یہ کہ نوابی دربار بھی چھین جانے کے بعد رعایا / عوام کی زندگی انکی توجہ خاص کا مرکز نہ بن سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کے ادبا و شعرا جب دربار سے نکلے تو کچھ تنہائی میں جا بیٹھے جہاں ماضی کی خوشنمایدیں تھیں، حال کا رونا تھا خوبصورت شہروں کے اڑ جانے کا غم یا غیر انگریزوں کی مکاری یا سبائی کے غلامت نفرت کا بیان تھا۔ اس وقت کی شاعری (غزل، مرثیہ، مستزاد، غزل، ہجو اور مثنوی) میں انہیں جذبات کے خاکے نظر آتے ہیں۔ ہیں میر اور غالب جیسے شاعروں کے ہاں بھی ایسے جذبات کی شکستہ ملت ہے یہی تصویر شاہی اور ان کے معاشرین کے ہاں بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھوڑ
نہ سنا جا کے گام سے یہ فسانہ صبر گز
داستان گل کی خستہ ادا میں نہ سنا اے بلبل
ہستے ہستے ہیں ظالم نہ زللا صبر گز (حالی)
مگر حالی اور ان کے ہم معروں نے محض اپنے دھوئے

پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بد حال قوم کی خوشحالی اور ترقی کے لئے سرسید کی سرپرستی میں اصلاحی تحریک چلائی۔ اس تحریک کے زرا اثر ایک نیا ادب بننے لگا جس کا موضوع شاہی محلوں سے نکلا کر گلی کوچوں میں آ گیا۔ اب روزمرہ کی زندگی اور اس کے مسائل ادب کا موضوع بن گئے مگر بننا بدو دیکھ یہ ادب عوام کا براہ راست نمائندہ نہ کہ سکا کیوں کہ یہ تحریک متوسط طبقے کے مفادات تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ عوام کی اکثریت کو اس تحریک سے خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا اور اس کی وجہ اس تحریک کی سرکاری سرپرستی تھی۔

اس طرح دیکھا جائے تو اردو ادب کے سرکاری نگار خانے میں سامراج، جاگیردار اور متوسط طبقوں کی تصویریں اور خاکے بھرے پڑے ہیں گے اور ان کو اس طرح سجایا گیا ہے کہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ بار بار اٹھا پر پڑتی ہے۔ لیکن ذرا ان تصویروں کو ادھر ادھر ہٹا کر دیکھیں اور بعض تصویروں کے رنگ و روغن کو کھینچ کر نگاہ ڈالیں تو ہمیں عوامی زندگی کے خاکے اور انسان پسند محاکات تصویریں بھی صاف نظر آئیں گی۔ اگرچہ یہ خاکے بہت دھندلے ہیں۔ اردو ادب کی طویل تاریخ میں نظیر اکبر آبادی کہ مثال دی جاسکتی ہے۔ رنگ و روغن میں پسٹی تصویروں کی بجائے ایک تصویر ایسی ہی نظر آتی ہے جس میں عوامی زندگی کے خاکے صاف صاف دکھائی دیتے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کو ان کی عوامی نظموں کی ہی ہمنیاد اور عوامیت اور جمہوریت کے آئینہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ سبب یہ کہ ان کی نظموں کے موضوع عوام ہیں اور ان کا بیان اس طرح کیا

گیا ہے کہ شاعر بھی ان ہی جھڑپوں سے ایک نذرِ مہم ہوتا ہے مگر
نظیر کے ہاں کوئی نظریاتی تصور نہیں ملتا۔

جمہوریت کا اصل تصور اس وقت ابھرا جب لارڈ میکالین
نے ہندوستانیوں پر انگریزوں کے مفادات کے تحت ایک نیا نظام
تعمیم مسلط کیا۔ نئی انگریزی تعلیم نے جمہوری خیالات کے لئے راستہ
کھول دیا۔ مغربی تعلیم یا نئے سے بہت سے وکیل، ڈاکٹر، استاد
اور دیگر انتظامی کام کرنے والے پیدا ہوئے اور 19 ویں صدی
کے اواخر میں جمہوریت اور شہری حقوق کے حوالے سے تصورات رائج
تھے، وہ ان کا مطالبہ کرنے لگے۔ اقبال بھی ان میں سے ایک
مغربی تعلیم یافتہ صاحبِ فکر و نظر تھے جنہوں نے اپنے پروردگار
محاکم کے دورے سے بہت سارے تصورات لائے جن میں
اشتراکیت اور جمہوریت کا تصور بھی تھا۔ جمہوریت کا موجودہ
تصور اردو ادب میں ہیں سب سے پہلے اقبال نے

دیا

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
ہندوؤں کو گناہ کرتے ہیں تو انہیں کوٹے

جدوجہد آزادی اور قومی تحریکوں نے اس تصور کو
اور بھی جلا بخشی۔ جس وقت غلامی اور انگریزوں کے خلاف جنگ
آزادی لڑی جا رہی تھی۔ ایک نئے ہندوستان کا تصور بھی ابھرا
تھا۔ یہ تصور اشتراکیت اور جمہوری ملک کا تھا۔ اردو ادب میں
پہلے اس تصور کا نظیر پہلے سے موجود تھا لہذا اردو شعرا و ادبا
جدوجہد آزادی میں اس تصور کے ساتھ براہِ راست شامل ہو گئے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جب جمہوری طاقتوں
پہلے سوویت یونین کی قیادت میں فاسٹرم کے خلاف جنگ میں
نتیجہ حاصل کر لی تو امن، اشتراکیت اور جمہوریت کی تحریکوں نے
بہت زور پکڑ لیا۔ اس کے اثرات ہندوستان پر بھی پڑے۔ اس
وقت ہندوستان میں سرمایہ دار طبقہ اور اس کی حکومت عوام
پر منظم دھارہ سے رعوام کی شہری آزادی اور ان کے
جمہوری حقوق کو سلب کیا جا رہا تھا۔ اس جابر حکومت نے جمہوری
اخباروں اور رسالوں کو بند کر دیا لیکن بدقسمتیاً انہیں ہندوستانی

اجادہ داروں کو پوری آزادی تھی کہ وہ سب کو اپنے جال میں پھنسانے
رکھیں اور غیر جمہوری ہندو یگندہ کرتے رہیں۔ آرٹ اور ادب
میں اس پرور یگندہ سے لگتی نہیں آیا۔

ایسے نامساعد حالات میں اردو شعرا و ادبا کا یہ فرض
تھا کہ وہ اظہارِ خیال کے لئے جدوجہد کریں، جمہوری رسالوں اور
اخباروں کو جاری رکھنے کی پوری کوشش کریں اور عوام کے ساتھ مل
کر معیارِ زندگی بڑھانے اور تعلیم و تہذیب اور تمدن کو آزادی کے
ساتھ حاصل کرنے کی جدوجہد میں پورا ہندو حصہ لیں۔

جنگِ آزادی کے اس نئے دور میں آرٹ اور ادب کے
اندر ایک نمایاں رجحان ابھرا جو ادب کا نیا دینا ہے۔ اردو کے ادبا
و شعرا، لڑائی اور سرمایہ دارانہ تشدد اور عوام کے استحصال کی
مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو امن اور جمہوریت کے لئے
جدوجہد کرنے والوں کے ساتھ ہیں اور جو پرانے ادب کی جمہوری
روایات کو آگے بڑھانے میں مددگار بھی۔

ہندوستان میں ۱۹۴۶ء میں سماجی ظہیر کی قیادت
میں اجتناف پسند مصنفین کی تشکیل کی گئی۔ پھر ادبا و شعرا
کو ایک خط مستقیم پر چلنے کے لئے منشور مرتب کیا گیا جس میں
دوسرے مقام کے ساتھ اس عقیدے پر بھی زور دیا گیا کہ ادب اور
دوسرے فنون کو قدامت پسندوں کی اجارہ داری سے نکال کر عام
لوگوں کے دکھ سکھ اور جدوجہد کا ترجمان بنایا جائے، انہیں خطا
کے آئینہ دار بنایا جائے جس سے ہم مستقبل روشن کر سکیں۔ ایک
طرف یہ تحریک آزادی کا جدوجہد میں اتحاد قائم کرنے اور ہر مکتبہ فکر
سے تعلق رکھنے والے عوام کو یکجا کرنے میں معروف تھی تو دوسری
طرف اس نظریہ کو بھی عام کرنے میں کوشاں تھی کہ انسانی سماج میں
مزدور اکسان اور غریب کو بھی وہی حیثیت حاصل ہو جو دوسرے کو
حاصل ہے۔ ادبا و شعرا کی ایک بڑی تعداد اسی نظریہ کی اشاعت
کے لئے کاربند عمل چرگئی نتیجتاً محنت کش عوام اور غریب طبقہ کے حق
میں اردو ادب کا ایک بڑا سرمایہ جمع ہو گیا۔ شاعروں میں فراہی،
مجاہد، خدوم، منشی، جذباتی، سردار، کیفی، سحر، پرویز شادری
اور علی جواہر زیدی اس نئے ادب کی ترجمانی اور جمہوریت کی علمبردار

کر رہے تھے۔ سجاد ظہیر، پریم چند، کرشن چندر، عصمت چغتائی،
راجندر سنگھ بیدی، خواجہ احمد عباس، ابراہیم جلیس، عزیز احمد
کے ناولوں اور انسانوں میں جمہوری قدروں کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔
ان کی خردوں کے ذریعہ عوامی زندگی کے پیچیدہ مسائل منت
ردپ اور رنگ میں ہمارے پاس آئے۔ پریم چند نے ملک کی
اکثریت کو غمگاہوں میں رہتی ہے اپنے ناول اور افسانوں کے لئے
منتخب کیا۔ "گودان" میں کوئے لیکنے افسانہ ناول میں گاؤں کی زندگی
کی جتنی جاگتی تصویریں پیش کی گئی ہیں جن سے ہم تقریباً نا آشنا
تھے۔ انہوں نے اپنا سرخریں میں جمہوریت یا عوامیت کی علمبرداری
کی۔

اردو تنقید نے بھی اس تحریک کے زیر اثر زیر قلم دکھایا۔
جنوں گورکھپوری، آغا احمد سہروردی، احتشام حسین، اختر حسین رائے
پوری، اسرار حفیظ وغیرہ کا تنقید نے اس ادب کے جمہوری
رجحانات کی پذیرائی کی اور اس نے ادب کو فروغ دینے کے لئے
راستہ ہموار کیا۔

اس تحریک کے زیر قیادت اردو ڈرامے کو بھیجٹ نکال کر
جمہوریت اور اشتراکیت کو فروغ دینے کے لئے اردو ڈرامے لکھے
گئے۔ انہیں اسٹیج کیا گیا۔ چون کہ ڈرامہ کا تعلق براہ راست عوام
سے ہے اس لئے اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس سلسلے
میں IPTA قیصر گروپ کی مثال دی جاسکتی ہے جو عوامی و قومی
تحریک کو تقویت بخشنے کے لئے شہر سے گاؤں تک پہنچ گیا تھا۔
سیاسی اور ادبی تحریک کے پیچھے ہی ہمارا گشت ۱۹۴۷ء

کو ملک آزاد ہو گیا۔ مگر یہ خواب کہ آزادی کے بعد ملک میں
جمہوری نظام قائم ہوگا، سرمایہ داری کا خاتمہ اور مزدوروں کا
راج ہوگا، یکسر ٹوٹ گیا۔ ہمیں ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ ہم نے کیا
کھو کر کیا پایا ہے۔

مفتاحیں سوچ رہی ہیں کہ ابن آدم نے
خرد گزرا کے جنوں آزما کے کیا پایا
وہی شکستہ تختہ عوامی منہم ایام
ظہارِ ذہنیت نے سب کچھ ٹٹا کے کیا پایا۔ (ساحر)

یہاں سے تو قلمبند ادب میں مشابہت اور سنجیدگی کی
جھلک اٹھ اور بے راہ روی گھر گھر گئی۔ ادب میں خویش اندیش
کی ہر اور اشتعال انگیزی جگہ پانے لگی جو ملک اور
ادب دونوں کے لئے نقصان دہ تھی۔

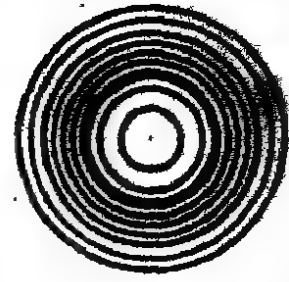
یہ ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کو ہندوستان کے عوامی
جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ آزادی کے دن سے ۲۵ جنوری
تک اس ملک نے برٹش بادشاہت سے رشتہ قائم کر رکھا تھا۔ مگر
۲۶ جنوری کے یادگار دن میں سارے ملک میں ہندوستان کے نئے
دستور کو رائج کر دیا گیا۔ ملک بھر میں خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اردو شعرا
بھی اس خوشی میں صدق دل سے شامل ہو گئے۔

یہی دن قوت جمہور کے آغاز کا دن ہے
دلوں سے تابہ لب آتی ہوئی آواز کا دن ہے

اس کے بعد اردو ادب اور شعرا کی ملک کی جمہوریت کی بقا
کے لئے سوچنا پڑا۔ ۱۹۵۳ء میں قلمبند مصنفین نے ایک کمیٹی
کا نفرنس حیدرآباد میں منعقد ہوئی جس میں دو مباحثات کی گئی کہ
"ہندوستانی ادب کا متغیر مزدور طبقے کی رہنمائی میں لڑتی ہوئی جمہوریت کے مستقبل سے الگ
نہیں ہے جو آج ایک آزاد زندگی کا مکمل انداز خود مختار جمہوریت اور اشتراکیت
جدید ہے۔" نیا دستور مرتب ہوا جس میں مزدور دیا گیا کہ
ہمارے ادب کو فنی زندگی اعتبار سے خوبصورت ہونا چاہئے۔
قومی اور عام پسند ہونا چاہئے۔ دستور کے ذریعہ تمام ادب اور شعرا
سے اپیل کی گئی کہ وہ عوام کی خدمات کے لئے متحد ہو جائیں اور ایک
خوشحال اور پُر ہمار زندگی کی تعمیر میں اپنی فنی کاوشوں کے ذریعہ ایک
مدد کریں۔

اردو ادب آج بھی صدق دل سے جمہوریت کی پاسداری
اور اس کی نمائندگی کر رہا ہے اور اس کا بقا کے لئے جدوجہد بھی کر رہا ہے۔

سبز چوں بہ نام لکھنے سے
پاچکے تم نجاست مت کہنا
ظفر ادگار فوکی



جشنِ جمہوریت



انجمن عظیم آبادی

ہیں یہ اپنی تمنائیں
نہ ظلم و جبر سے لے کام کوئی
نہ اس قحطیال ہو محنت کشوں کا
تبسمِ قہقہہ فرا ہو کسانوں
کے بھی اونٹوں پر
تو پھر جمہوریت کا جشن بھی
کھل کر منائیں ہم!

یہاں جمہوریت ہے
جشنِ اس کا ہم منانے ہیں
سجا کر بام و دربانے
ترانہ دے جمہوری بھی گاتے ہیں
دق اس کا بڑھاتے ہیں

مگر جب دل ہو رنجیدہ خوشی اچھی نہیں لگتی
غریبی مفلسی میں زندگی اچھی نہیں لگتی

ہماری خواہشیں ہیں
دیش میں ہوا امن ہر جانب
نہ ہو فرق پرستی کا کہیں جرجا
نہ کھیلی جائے ہرگز خون کی ہولی
سدا ہم پاس رکھیں ایک دوجے کا
نشان اپنے وطن کا قومی یک جہتی ہی کھلے

یہی خواہش ہماری ہے کہ
اپنے دیش کے کھلے ہوئے لوگوں کو
عطا ہو زندگانی کی رمت

اور پھر
جو ہیں غربت کی سطحوں سے بھی نیچے
انہیں خوشحال ہم دیکھیں



نسیم سلطانپوری

غزل

تشریح میں اک دل ہوں کس طرح تم شافی
خود اس کی تجلی بھی سوزنگ میں لہرائی

یہ زخم تو کیا دیں گے اب کے جو خراش آئی
کانٹوں سے نہٹ لیں گے پھولوں کے تمنائی

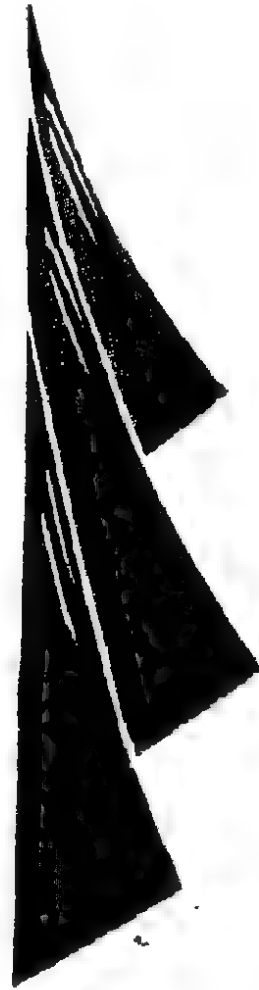
سیر رخِ زیبا کے آداب مقدر تھے
جب حد سے بڑھیں نظر میں ہم نے بھی سز پائی

کل اہل ہوسن بھی کچھ زیبائیاں لے بھی گئے
اب اہلِ وفا لوٹیں اس یار کی رعنائی

فرقت میں گزرتی ہے اب عمرِ رواں کیوں کر
ہم سے تو نہ کشتی تھی اک رات کی تنہائی

دھسی کے گریبان کا ہر تار سلامت ہے
ہم کیسے یقین کر لیں گلشن میں بہار آئی

چہرہ نسیم اپنے مہر کا دل بادل!
وہ دور گپ جس میں عوزوں بھی تھی دارائی



جدوجہد آزادی انقلاب اور اشتراکیت

از: ————— ایم۔ جی نشاط

سرفروشی کی تمت اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازو ٹٹے قاتل ہیں

انقلاب بشا امرام پرشاد بھٹل یہ شعر کہتے دارورسن
ہر جڑ مٹتے اور ان کے ساتھ بہت سارے انقلابیوں نے بھی جام شہادت
نوشی کیا۔ ان کی قربانیاں ثمر آور ثابت ہوئیں اور انگریزوں کو یہاں سے
تقریباً دو سو سال تک حکومت کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے جانا پڑا۔
آزادی کی جدوجہد ۱۸۵۷ء سے ہی شروع ہو چکی
تھی، لیکن میں اختصار کے ساتھ موجودہ صدی کی دوسری دہائی
کے عرصہ میں رونما ہونے والے انقلابی واقعات کا ذکر کروں گا:

ہندوستان میں اس صدی کی دوسری دہائی کے عرصہ
میں انقلابی تحریک ہندو نوجوانوں کا ایک طبقہ نمودار ہوا۔ اس
طبقہ کا نظریہ تھا کہ ملک کو آزاد کرانے کے لئے تقریر اور تحریر کی نہیں
بلکہ تلواریں ضرورت ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ
سرے کھن باندھے میدانِ عمل میں کود پڑے اور سارے ملک میں انگریزوں
کی حکومت سے خبردار آزما جڑے اور مادر وطن کی آزادی کیلئے
اپنی اپنی جان عزیز کی قربانیاں دیں۔ ان انقلابیوں کو تحریک ہند کہا
جاتا ہے لیکن میرے خیال میں وہ ایسے نہ تھے۔ ملک کو آزاد کرانے
کے لئے جو کچھ ان سے ہو سکا انہوں نے کیا کیوں کر وہ اس امر سے اچھی
مراد آتے تھے کہ انگریز سامراج انہیں آزاد کرانے کے عہدے پر
رکھ کر پیش نہیں کریں گے، بلکہ اس کے لئے انہیں تین، سب اور

دس کی عمر ہی دینی ہوگی اور چارے انقلابیوں نے اس کو دکھایا۔ اس لئے
انہیں صرف انقلابی کہا جاسکتا ہے۔

آج ہم لوگ آزادی کے لئے ان نوجوانوں کی عملی کوششوں
اور قربانیوں کو سراہتے ہیں، لیکن اس زمانہ میں انہیں سارے
ملک میں پر تشدد طور پر اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنا پڑا، اس لئے
عوام ان کی سرگرمیوں سے بڑی طرح واقف نہ ہو سکے، اور نہ ہندوستان
شعبہ سے قبل ہی آزاد ہو جاتا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ
اس دور کے بہت سارے سیاست دان مدام تشدد پر یقین رکھتے تھے
اور تحریر اور تقریر کے ذریعہ ملک کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ چونکہ
عام لوگوں تک ان کی رسائی تھی اس لئے وہ عام لوگوں کو بھی اپنے
خیالات سے متاثر کر سکے۔ اس طرح ہمارے انقلابی تحریک پسند
نوجوانوں کی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اس صدی کی دوسری دہائی کے عرصے میں انقلابی تحریک
ہندی تحریک شروع ہوئی۔ اس کی بہت ساری وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ
اس سے قبل کی انقلابی تحریکوں جیسی پہلی عالمی جنگ کے دوران راش
ہادی بوس اور چندر اناتھ سانیال کی انقلابی تحریک، مارٹنگ بم
کیس، اندر تحریک، جینپوری سازش اور پہلی لاہور سازش کیس نے
بنگلہ، ہاراشتر، پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں انقلابی
تحریک کو جلا بخشی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں گاندھی
جی نے عدم تعاون کی تحریک چلائی تھی۔ اسی سیمہ گروہ میں ہندوستان
کے لوگ گاندھی شہرت کی۔ لیکن چوڑی چوڑا میں اس تحریک کے

دوران تشدد کے واقعات رونما ہوئے جس کی وجہ سے گاندھی جی نے اس تحریک کو اٹھایا۔ سارے ہندوستان میں باؤسی اور چھوٹا ہٹ کا ایک فضا قائم ہو گئی۔ محرک نوجوانوں میں ایک بے چینی پھیل گئی۔ انہوں نے گاندھی کی سیاست کو خیر باد کہا اور اس کا بادل راستہ نکال دیا۔ آخر میں وہ منتر لا اینس لی گنگا۔ ایک طرف وہ اشتراکیت سے توجہ دوسری طرف تحریف پسندی سے روشناس ہو گئے۔ نوجوانوں نے ان دونوں کو اپنا مناسب طرح نصف صدی قبل روس کے انقلابی نوجوانوں نے کیا تھا۔

تیسری بات جس نے محرک نوجوانوں کو متاثر کیا وہ تھی پہلی جنگ عظیم کے بعد محنت کش طبقہ کی بیداری۔ انقلابی تحریک کے رہنماؤں نے اس نئی سماجی طاقت کا غائر مطالعہ کیا۔ اس نئے طبقہ میں اپنی انقلابی اسکانات کی جھلکیاں نظر آئیں۔ محنت کش طبقہ کی اہمیت اور اثر کا سلسلہ ۱۹۲۸ء میں بہت شدت سے احساس ہوا جب سارے ملک میں محنت کشوں کی ہڑتال پھیل گئی۔

نوجوان انقلابیوں پر روسی انقلاب کا اور اس نئے سوشلسٹ ریاست کی اندرون ملک بہت ساری دستاویزوں کے باوجود اور طاقتور بیرونی دشمنوں کے خلاف خود کو مستحکم بنانے میں کامیابی کا اچھا خاصہ اثر ہوا۔ اس کی وجہ سے نوجوان انقلابیوں نے مارکسی ادب اور اشتراکیت پر لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ یوں تو سلسلہ ۱۹۲۳ء سے ہاں کے انقلابیوں نے سوویت انقلاب اور کمونزم پر گفت و شنید کو فی مشرعی کر دی تھی۔ لالہ لجپت رائے نے دو بار کا ماس لاٹری نام کی تھی جہاں سوویت روس سے متعلق کتابیں رکھی گئی تھیں۔ اسی وقت ہندوستان میں برطانوی حکومت نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ سوویت روس کی خبریں نہ آنے پائے لیکن اسے ناکامی ہوئی اور بہت سارے ذرائع سے سوویت انقلاب کی خبریں ہاں آنے لگیں اور ہاں کے تمام دوست رہبر اور نوجوانوں کے دلوں میں انقلاب کی ایک نئی جوت جلائی۔ ایک سلسلہ ۱۹۲۸ء میں نوجوان بھارت سماجی عدالت نے اجاب دوس ہفتہ منایا۔ ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء کو لاہور سائنس کمیٹی کے قیدیوں نے حالت میں "یوم لینن" منایا

اور نومبر ۱۹۳۰ء کو انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر سوویت یونین کو پیغامات تہنیت بھیجے گئے۔ نیز بہت سارے انقلابی رہنماؤں نے روس جانے کا بھی منصوبہ کیا۔ سلسلہ ۱۹۲۸ء میں ہندوستانی ریپبلکن ایسوسی ایشن (ایچ۔ آر۔ اے) کے اشفاق اللہ نے جب روس جانے کا منصوبہ بنایا تھا کہ کاروری سازش کیس کے سلسلے میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ پھر سلسلہ ۱۹۲۸ء میں ہندوستان سوشلسٹ ریپبلکن (آر جی) ایسوسی ایشن (اے۔ ایس۔ آر۔ اے) نے اپنے ممبر جو کے کارسنا کو سوویت یونین بھیجا۔ روسی انقلاب ہندوستان کے انقلابیوں میں اشتراکیتی تصورات کی تبلیغ میں معاون ثابت ہوا، ساتھ ہی بہت سارے انقلابیوں نے تحریف پسندی سے قطع تعلقی کر لیا۔

نوجوان تحریف پسند انقلابیوں نے سارے ملک میں چوٹی چوٹی کیونٹ جماعتوں سے رابطہ قائم رکھا۔ سلسلہ ۱۹۲۸ء میں کے مرید میں ان انقلابیوں اور کمیونسٹوں نے نوجوان بھارت سماج میں ایک سالہ مل کر کام کیا۔ سلسلہ ۱۹۲۸ء میں انقلابی جماعتوں اور انفرادی طور پر انقلابی لوگوں نے اپنے پرانے رہنما سپندر ناتھ ایشاں جو گیش چندر چٹرجی اور رام پرشاد مہیش کی سربراہی میں ہندوستان ریپبلکن فوج کی تشکیل کی۔ نوجوان بھگت سنگھ شیو ورما آزاد اور دیگر انقلابی نوجوان اس کے ممبر بن گئے۔ نوجوان انقلابیوں کی نئی نسل نے عملی زندگی پر زیادہ زور دیا تھا اور ان کی انقلابی سرگرمیوں سے ان کے تصورات اور نصب العین میاں ہو جاتے تھے۔ لیکن ان میں سے چند نوجوان بھگت سنگھ، بھگوتی چند جوہر ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنے انقلابی تصورات کو تحریری شکل میں پیش کیا۔ نیز انقلابی بھگوتی نے اپنے ساتھ چند رشیکر کی ایار پر ایک کتاب "کم کا فلسفہ" کا سہرا تیار کیا۔ اس کتاب میں انقلاب کی شرح کی گئی۔ انقلاب سے آزاد مکمل جدوجہد ہے۔ معاونت کے بغیر جدوجہد ایسی جدوجہد جس کی آخری منزل مستحکم ہے۔ اس کتاب کے اختتام میں یہ کہا گیا "ہم کسی کے رحم کے طلب کار نہیں ہیں۔ ہماری جنگ تو آخر تک جاری رہے گی۔ ہم یا تو فتح سے محکوم ہوں گے یا

جام شہادت لکھنؤ میں ہے۔

نوجوان انقلابیوں نے تصوریاتی سطح پر ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیبرلیکوں کے خلاف ان کی جدوجہد کے تقاضا کیا ہیں۔ وہ سب سیاسی نظام اور سماج میں کسی تبدیلی لانے کا خواہاں ہیں، لیکن سہی سماجی نظام اور ریاستی ڈھانچے موجودہ نظام اور ڈھانچہ کی جگہ لیں گے؟ پھر ایک نئے سماجی نظام۔ حقیقی تفریق اور تسلط کی مستردی پر مبنی اشتراکیت نظام کا ہیبنار پر سماج کی نو تعمیر کے لئے روشن خیال انقلابی طبقہ نے سماج کے مظلوم اور استحصال کے شکار لوگوں کے درمیان حوالی تحریک کو شعلہ کرنے کا کام شہر مع کر دیا۔

انقلابی سب سے پہلے لیبرلی حکومت سے ہندوستانی کو آزاد کرانے اور ایک انقلاب کے ذریعہ ہندوستانی سماج کو بدلنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔ اسی وقت سے انقلاب زندہ ہوا۔ نئے نئے جہز کئے جانے لگے۔ ہمارے ان دلیر نوجوانوں انقلابیوں کی نگاہ میں انقلاب صرف ایک تاریخی حادثہ یا عیسائی کا نام نہیں تھا۔ یہ نہ صرف ہندوستان میں ایک خاص تاریخی صورت حال کا مطالبہ تھا۔ ان کی نظر میں یہ بنی نوع انسان کا بنی نوع حق تھا۔ یہ تو بنی نوع انسان کی ترقی کا ابدی اصول تھا۔ اگر انسانی سماج کو موجود سے باہر نکالنا ہے اور اسے تنزلی کے شکنجے سے آزاد کرنا ہے تو اس کے لئے انقلاب کی ضرورت ہے۔ ایچ ایس آر اے نے ۱۹۲۹ء میں اپنے رسورس میں یہ باتیں درج کیں۔

انصار کے مانگوں کے لئے تو شورش ہمیشہ باعث خدمت ثابت ہوئی ہے۔ لیکن انقلاب تو ایک منظم طرے سے جو فحیت کی پرورش کرتا ہے اور جس کے بغیر فحیت میں پائانی اور میں کسی قسم کی ترقی ممکن نہیں ہو سکتی۔ انقلاب تو مایوس کا مفہ نہیں ہے۔ یہ تو جیتی جاگتی طاقت ہے۔ انقلاب تعاون ہے، انقلاب نظام ہے اور انقلاب حقیقت ہے۔

نیز پی ایچ آر اے کے سربراہوں نے ان کے بعد نوجوان جمہوریت سنگھ اودان کے ساتھیوں نے انقلاب کی تربیت میں اضافہ کیا۔ انہوں نے بار بار اس دعوے کو مسترد کر دیا کہ انقلاب

کی تشدد کے ساتھ ایم اور سپرول کے مسلک کے ساتھ شناخت کی جا سکتی ہے۔ یہ تو انقلاب لانے کے اقدار زرائع ہیں جنہیں بعض موضوعوں پر حسب ضرورت استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ انقلاب کو صرف ایک سیاسی طریقہ کار نہیں سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے بغاوت کو انقلاب نہیں کہتے اگرچہ یہ انقلاب کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ انقلاب کے بہت ہی وسیع معنی ہیں۔ اب اس کا یہ مفہد ہے کہ سماج کی اس طرح احیائے نو کی جائے کہ وہ انسانی پر مبنی سماجی نظام کو بدل دے۔ انقلاب تو ہتھیار کے لئے نہیں بلکہ ایک جذبہ ہے۔ یہ تو سیاسی اور معاشی حالت میں تبدیلی لانے کے لئے لوگوں کی خواہش کا ترجمان ہے۔ بلگوئی میں نے انقلاب کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ انقلاب تو آزادی کا ہے۔ سماجی، سیاسی اور معاشی۔

انقلابی طریقہ کار کے پیش نظر انقلابی رہنماؤں نے اب صرف مکمل قومی آزادی حاصل کرنے کو ہی اپنا مقصد نہیں بنایا۔ ان کے خیال میں اب قومی آزادی کو ایک نئے سماجی نظام کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ اسی لئے ۱۹۲۵ء میں ایچ آر اے نے اپنے اعلامیہ میں یہ لکھا تھا کہ وہ ان تمام نظاموں کو نیست و نابود کر دینے کا تائید کرتا ہے جو انسان کو انسان کے ذریعہ استحصال کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ دسمبر ۱۹۲۹ء میں لاہور میں جو سس سپرمنڈنٹ مسٹر ساؤنڈرس کے قتل کے بعد یہ پریسٹر ہو چکا تھا جہاں کئے گئے جن میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ انقلابی ایسے انقلاب کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں جو آدمی کے ذریعہ استحصال کو ختم کر دے۔ پھر ۱۹۲۹ء میں سنٹرل اسمبلی میں دو ورگی پارچے پیچھے کئے جن میں یہی باتیں درج تھیں۔ نیز ایم کا فلسفہ کن ب میں پڑھنے والوں کو مدعو کیا گیا تھا کہ وہ سماج کا ایک ایسا نظام قائم کرنے میں مدد کریں جہاں سیاسی اور معاشی استحصال ناکھن ہو جائے۔ اس کے بعد اشتراکیت سماج کے قیام کا مطالبہ ستر عاکرہ کیا گیا۔ اشتراکیت تو انقلابیوں کا مقصد ثابت بن چکی تھی اس کا لئے جب ۹ اور ۱۰ ستمبر ۱۹۲۸ء کو پیچ آر اے کی ایک نشست میں حکومت سنگھ نے اس بارگاہی

نظام کو بدل کر ہندوستان سوشلسٹ ری پبلکن ایسوسی ایشن رکھنے کی تجویز پیش کی تو ان کی اس تجویز کو قبول کر لیا گیا۔ پارٹی کے نام میں تبدیلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انقلابی جوہر جبراً شروع کرنے والے تھے ان کے سماجی، معاشی اور سیاسی نوعیت میں بہت کچھ تبدیلی آگئی تھی، اسی لئے اس صورت حال کے مطابق پارٹی کا نام بدل دیا گیا۔

انقلابیوں نے اشتراکیت کو انقلابی تحریک کی منزل قرار دیا تھا لیکن انقلابیوں میں یہ بات اچانک پیدا نہ ہوئی۔ انقلابیوں کی تنظیم کی طرف سے اس سلسلے میں چند اقدامات کئے گئے تھے لیکن ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو کانپور میں منعقدہ ایچ آر اے کاؤنسل کی میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سماجی انقلابیوں اور کمیونسٹوں کے اصولوں کا پرچار کیا جائے۔ ایچ آر اے کی تضعیف "انقلاب" میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ ریل اور نقل و حمل کے دیگر ذرائع کو اور اسپتال اور جہاز سازی جیسی بڑی صنعتوں کو قومیایا جائے۔ نیز ریٹریٹ سیکٹر کی اور جوڑے چاہیے کی صنعتوں کو کوآپریٹو تنظیم کے تحت لایا جائے۔

آہستہ آہستہ بہت سارے انقلابی نوجوان ایچ آر اے میں شامل ہونے لگے۔ ۱۹۶۴ء میں جوگیش چندر جڑی اشتراکیت کے محرک بن گئے۔ پنجاب، اتر پردیش، بہار، بنگال اور دیگر علاقوں کے بہت سارے نوجوان انقلابیوں نے اشتراکیت میں دلچسپی لینا شروع کی۔ ان میں کیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھنے والے نوجوان بھی تھے۔

اشتراکیت کی منزل کی بنیاد مبہم شعورات یا نوجوانوں کے جوش و خروش پر قائم نہیں کی گئی تھی بلکہ اس کے لئے انقلابیوں میں کافی جھٹ و مباحثے ہوئے تھے۔ لاہور میں جھگت سنگھ نے درکار دانشور تیسری کورس، آئریڈ اور اٹمی اور دیگر جگہوں میں رونا ہونے والے انقلابات پر لکھی کتابوں اور جریڈوں سے پُر کردار جھگت سنگھ ہندوستان خود ۱۹۶۲-۶۳ء کے دوران انقلاب پر لکھی کتابوں اور مضامین کا خاکہ مطالعہ کیا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں لاہور سارنہ کیس میں ان کے ایک ساتھی قیدی تھے۔ ابن سانیال نے جھگت سنگھ کے سلسلے میں یوں لکھا،

"جھگت سنگھ نے اشتراکیت پر لکھی کتابوں کا کافی گہرا مطالعہ کیا تھا۔ گرجپ اشتراکیت ان کا خاص موضوع تھا تاہم انہوں نے روسی انقلاب کی تاریخ کا ۱۹۱۷ء میں مدوں کے سرور سے ۱۹۱۷ء کے اکتوبر انقلاب تک کافی گہرا مطالعہ کیا۔ نیز بلاشیویک دور حکومت میں روس میں کئے گئے معاشی تجربات کی بابت انہوں نے اپنا دلچسپی کا اظہار کیا۔"

جھگت سنگھ جب لاہور سازش کیس کے سلسلے میں جیل میں تھے تو اس وقت انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن میں چندیہ ہیں، سوانح حیات، موت تک جانے کا دروازہ اشتراکیت کا مطلع النظر اور ہندوستان کی انقلابی تحریک۔

جھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پارٹی ممبروں کو اشتراکیت کی تیوری کی بابت تقسیم دینے کا انتظام کیا تھا کیوں کہ وہ سب اس امر سے واقف تھے کہ سائنس مطلع منظر انقلاب میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ لاہور کی کورٹ میں جج کے سامنے جھگت سنگھ نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ انقلاب کی تلوار کو سلی میں سامان دیا گیا ہے۔

اشتراکیت کی تشریح کرتے ہوئے جھگت سنگھ نے اپنے ایک ساتھی سکھ دیو سنگھ کو ایک خط لکھا۔ "اگر ہم میدان عمل میں داخل نہیں ہوتے تو کیا اس کے معنی یہ ہوتے کہ انقلابی اقدامات کئے ہی نہیں جاتے۔ اگر آپ ایسا خیال کرتے تو آپ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم لوگوں نے سیاسی آب و ہوا بہت حد تک تبدیل کرنے میں مدد دی۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب ہمارے وقت کی ضرورت کی پیدوار ہیں۔ آپ نے یا میں نے اس ملک میں اشتراکیتی یا کمیونسٹ خیالات کو جاگریز نہیں کیا۔ یہ تو چارے وقت اور حالات کا ہم لوگوں پر جو اثر ہوا اس کے نتائج ہیں۔ بلاشبہ ہم لوگوں نے اپنے طور پر ان شعورات کے فروغ کے لئے کچھ کوششیں کیں۔"

ایچ ایس آر اے کے سربراہوں پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اشتراکیت تو تاریخی طریقہ کار کی پیدوار ہے اور اس کے بغیر نظام سرمایہ داری کی فہم ہے اور سرمایہ داری کو ختم کرنا

یہ اشتراکیت نظام کا پس منظر ہوگا۔ ملکیت منظم اور دت
نے ہر جون سنگھ کو ان کی حکومت میں اپنے ان باتوں کی وضاحت
کہ قتل و تیرتیم کا فلسفہ کتاب میں قریہ اعلان کیا گیا تھا۔ انقلاب
سرمایہ داری کا موت کی گھنٹی بجائے گا۔

اس امر کو تسلیم کر لیا گیا تھا کہ اشتراکیت سماج
میں طبقاتی طاقتوں کے مابین ایک نئے رشتہ کی نشاندہی کرتی ہے۔
اشتراکیت سماج کے طبقاتی تجزیہ پر مبنی ہے۔ اشتراکیت
تو استحصال کے شکار لوگوں، غریب مزدوروں اور کسانوں کی نجات
پر اور ملک کی معیشت، سیاست اور سماج میں ان کے مفادات
کے تسلط پر مبنی ہے۔ ان باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے ملکیت
سنگھ اور دت نے اپنے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کے بیان میں کہا تھا۔

پردہ پوش سرمایہ مزدوروں کے جو سماج کے بہت
بھی لازمی جز ہیں استعمال کرنے والے ان کی محنت کے پھول
کو چھین لیتے ہیں اور انہیں ان کے ابتدائی حقوق سے محروم کر دیتے
ہیں۔ ایک طرف تو کسان ہے جو دوسروں کے لئے اناج پیدا کرتا
ہے لیکن خود اپنے خاندان کے ساتھ بھوکا رہتا ہے۔ بنگر جو عالمی
بازار میں اپنے بٹے کپڑے سپلائی کرتے ہیں، اس کے پاس اپنے اور
اپنے بچوں کے تھکا دھنا کھنکھانے کا کافی کپڑا نہیں ہوتا۔ معمار، کھار
اور برقی جو عایشان مملات تعمیر کرتے ہیں، خود بستیوں میں رہتے
ہیں اور وہیں اس دایرہ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ دوسری طرف
استحصال کرنے والے سرمایہ دار سماج کے جو ملک ہوتے
ہیں۔ وہ سب اپنے عیش و عشرت پر لاکھوں روپے خرچ کرتے
ہیں۔ اس لئے بنیادی تہذیبی لانی ضروری ہے۔ اور ان
باتوں کا احساس کرنے والے تمام لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اشتراکیت
بنیاد پر سماج کی از سر نو تنظیم کریں۔

اچھا ایس آر اے کے سربراہوں کے خیال میں اشتراکیت
تو ایک نیا سماجی دھماکا نہیں کرتی ہے، جہاں اختیارات مزدوروں
اور کسانوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ سب
اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں کہ اشتراکیت اس وقت تک قائم
نہیں کی جاسکتی جب تک کہ اشتراکیتی انقلابی طاقت استعمال

کرنے والے طبقوں کے ہاتھوں میں ریاست کی انتظامیہ کوڑھیں
نہیں۔ ملکیت سنگھ نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں اپنے قید خانہ سے جاری
کردہ پیغام میں یہ کہا۔

ہمارے نقشہ نثر سے انقلاب کے معنی یہ ہیں کہ جو
سماجی نظام کو انکار دیکھنا جائے۔ اس لئے ریاستی اقتدار پر
قابض ہونا ضروری ہے۔ ریاست کا نظام اب ایسے لوگوں کے
ہاتھ میں ہے۔ عوام کے مفادات کی حفاظت، ہمارے خیالات کی
حقیقت میں منتقلی یعنی کالہ مارکس کے اصولوں کے مطابق سماج
کی بنیاد کی تعمیر کا مطالبہ یہ ہے کہ اس نظام پر قبضہ کریں
جائے۔

اشتراکیت کے تحت ریاست کی کیا حالت ہوگی؟
اس سوال کا جواب کتاب "م کا فلسفہ" میں دیا گیا ہے کہ انقلابی
پہاں پر دھاری ڈکٹیٹر شپ قائم کریں گے اور سماجی جونیوں کو
سیاسی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے۔

بڑھتی ہوئی اشتراکیتی بیداری نے انقلابیوں میں
کافی دور اندیشی پیدا کر دی ہے۔ اب وہ سرمایہ داری اور جدید
سامراجیت کے درمیان اور سرمایہ دارانہ معاشی استحصال اور
قوم کی غلامی کے درمیان قریبی رشتہ کو دیکھنے لگے۔ انقلابیوں کے
خیال میں ہندوستان میں برٹش حکومت تو ایک قسم کی طبقاتی حکومت
یا غیر ملکی سرمایہ داروں کی حکومت تھی، اس لئے اس طبقاتی
حکومت کو اور معاشی استحصال کو ختم کرنے اور صحیح معنوں میں
آزادی لانے کے لئے اشتراکیت ہی واحد علاج ہے۔ انقلابیوں
کی جاری کردہ تمام دستاویزات میں یہی باتیں درج تھیں۔ اچھا
ایس آر اے کے دستور میں یہ باتیں درج ہیں۔

پردہ پوش سرمایہ داروں کی اشتراکیت کی طرف مرکوز
ہے کیوں کہ صرف اشتراکیت ہی مکمل آزادی قائم کر سکتی ہے
اور تمام سماجی تفریق کو مٹا سکتی ہے۔

ملکیت سنگھ نے قید خانہ سے ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء کو
اپنے ایک پیغام میں کہا تھا کہ ان لوگوں کو صرف غیر ملکیوں کی
زمین داروں اور سرمایہ داروں کے جھگڑوں سے خود کو آزاد کرانا

ہے۔ ہندوستان میں عام لوگوں کی جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک مٹھی بھر لوگ اپنے فائدے کے لئے عام لوگوں کی محنت کا استعمال کرتے رہیں گے، خواہ استعمال کرنے والے انگریز سرمایہ دار ہوں، انگریز اور ہندوستانی ملے جملے ہوں یا صرف ہندوستانی ہوں۔

اس انقلابی تحریک کی سماجی بنیاد کیا ہوگی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ایچ ایس آر لے کے سربراہوں نے کہا یہ تحریک عام لوگوں، مزدوروں، کمزوروں اور نوجوانوں اور پڑھ لکھے انتہا پسندوں پر مبنی ہوگی۔ نوجوان بھارت سمیت (۱۹۲۸ء) کے مشورے میں یہ باتیں درج تھیں: "انقلاب عوام کے ذریعہ اور عوام کے لئے"۔ اس سببان ملک کے مختلف علاقوں میں اور خاص طور پر دیہاتوں میں اپنی شاخ کھولنے کا فیصلہ کیا۔ ایچ ایس آر لے کی مرکز کا کونسل نے جزیسی سٹریٹ کو اپنی ایک نشست میں، جس میں چند ریشیکہ آزاد، بھگوتی چرن، دوسرا، ایشپال، کیلاش چنی اور دیگر انقلابیوں نے شرکت کی تھی، یہ فیصلہ کیا گیا کہ طلبہ، کمزوروں اور مزدوروں کے درمیان اس کام کو مرکز طور پر کیا جائے۔ ایچ ایس آر لے کے سربراہوں کو اس بات کا یقین کامل تھا کہ سرمایہ داروں اور اونچے فرقوں کے لوگوں میں یہ رجحانات پائے جاتے ہیں کہ وہ غیر ملکی طاقت کے ساتھ ہاتھ ملائیں گے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ آزادی کی جدوجہد میں وہ سب آدھے راستے سے واپس لوٹ جائیں اس لئے صرف عام لوگوں پر ہی بھروسہ کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان میں اجتماعی طاقت ہے اور وہ آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھا سکیں گے۔ بھگت سنگھ کے مطابق، قوم صرف مزدوروں، کمزوروں اور عام لوگوں کی منظم طاقتوں کے بل بوتے پر کامیاب جدوجہد کو جاری رکھ سکتی ہے۔ لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ سب باتیں بردگراں کی سطح تک رہیں۔ عام لوگوں کو منظم کرنے کے لئے کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ نوجوان بھارت سمیت نے چند گاؤں میں اپنی شاخیں قائم کیں تھیں۔ اسی سلسلہ میں کمزوروں کے اجتماعی جوش کا بھی انتظام کیا تھا۔ دوسری طرف اس سبھا

سرگرمیاں زیادہ شہروں کا طرف اور وہاں آمار متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے لوگوں کے درمیان مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اچھے گوش اور ان کے دیگر چند ساتھیوں نے کمیونسٹوں کے ساتھ مل کر کامیابیوں میں مزدوروں کے درمیان کام کیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود ایچ ایس آر لے عام لوگوں کے درمیان کچھ سیاسی کام کا جواز نہ سکے اور طبقاتی جدوجہد کیلئے وہ عام لوگوں کو منظم نہ کر سکے۔ ایچ ایس آر لے نے جدت پسند نوجوانوں پر بھروسہ کیا، ان کے دلوں میں انقلاب کی جوت جلائی۔ ان نوجوانوں کو دودھ داریاں سونپی گئیں۔ ایک نوہرہ کہ انہیں مزدوروں اور کمزوروں تک انقلابی اشتراکیستی پیغامات پہنچانا تھا اور دوسری طرف انقلاب کے لئے انہیں عملی میدان میں بھی کام کرنا پڑا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ایچ ایس آر لے کے دستور میں نوجوانوں سے یہ اپیل کی گئی تھی۔

ہندوستان کا مستقبل نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ ان کی ہمت اور ان کی قربانیاں یہ ثابت کرتی ہیں کہ ہندوستان کا مستقبل ان کے ہاتھوں میں مکمل طور پر محفوظ ہے۔ نوجوان ہندوستان ری پبلک کے سپاہی، آگے بڑھو تمہارے ذمے بہت ہی عظیم ورائٹنگ دئے گئے ہیں۔ جاؤ! ملک کے کونے کونے میں جا کر مستقبل کے انقلاب کے لئے جو ضرور رونما ہوگا، میدان تیار کرو۔ اپنے نوجوان ساتھیوں کے زرخیز دل و دماغ میں انگریزوں کی سامراجیت کے خلاف بغاوت کے بیج بودو۔ ان بچوں سے بہت سے پودے نکل آئیں گے جو بہت جلد تناور درخت بن جائیں گے کیوں کہ تم لوگوں نے ان بچوں کی اپنے خون سے آبیاری کی ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہمارے انقلابی رہنما سیاسی میدان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلاشبہ ان لوگوں نے مادر وطن کی آزادی کے لئے اپنی جان عزیز کی قربانی دی۔ لیکن وہ انگریزوں کی حکومت کے خلاف عوامی انقلاب کے لئے اقدامات نہ کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں پریشیدہ طور پر اپنے اقدامات کو روک دیا گیا تھا۔ اس لئے عوام سے رابطہ قائم نہ کر سکے۔ البتہ انہیں عوام میں سامراجیت کے خلاف بیداری

اب اگر کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔ ان باتوں کی وجہ سے انگریزوں کی حکومت نے اپنی آسانی سے تحلیل کر دیا اور آخر کار انقلابی سرہنما جندیشیکھر آزاد کی، فروری ۱۹۳۰ء میں، موت کے بعد سارے ہندوستان میں انقلابیوں کی سرگرمیاں بہت مست ہو گئیں۔ اور شمالی ہندوستان میں تو تقریباً ختم ہو گئیں۔

بنیادی طور پر انقلابیوں کو ناکامیوں کا تجربہ ان کے شعور اور ان کے عمل کے دوران بہت ساری ضدوں کی شکل میں کیا جاسکتا ہے۔ نظریہ میں تو انہوں نے اشتراکیت کو اپنا احمق لیکن عملی میدان میں وہ قومیت کے دائرہ سے باہر نہ نکل سکے۔ نظریہ میں انہوں نے عوامی اقدامات اور عوامی جدوجہد شروع کرنے کا اعلان کیا لیکن عملی طور پر حکومت کے خلاف انفرادی اقدامات یا تحریک ہندی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ نظریہ میں وہ اپنی تحریک کو عوام۔ کسان اور مزدور پر مبنی کرنا چاہتے تھے لیکن عملی طور پر وہ صرف مشہر کے بھلی متوسط طبقہ کے یا برزوائی نوجوانوں سے اپیل کر سکے۔ نظریہ میں وہ عوامی تحریک پیدا کرنے اور اس کی سربراہی کرنا چاہتے تھے، لیکن عملی میدان میں وہ بہادر نوجوانوں کی ایک چھوٹی سی تنظیم بن کر رہ گئے۔ نظریہ میں ان لوگوں نے یہ منصوبہ مرتب کیا تھا کہ ایک قیونیسی تنظیم قائم کی جائے جسے مرکز کی حیثیت حاصل ہو اور اس کے گرد ملک کی انقلابی طاقتیں آکر اکٹھا ہوتی رہیں، لیکن عملی میدان میں ان کے لئے ایسا کرنا مشکل ہو گیا اور آخر میں ان کے لئے اپنی تنظیم کو برسرِ ارد رکھنا مشکل ہو گیا۔

اس طرح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہندوستانی انقلابی کبھی بھی اپنی ایک کل ہند تنظیم قائم نہ کر سکے اور ان لوگوں نے یہاں وہاں اتحاد تاکہ سرگرمیوں کو جاری رکھا اور ان باتوں کی وجہ سے برٹش حکومت کو کوئی خاص خدشہ لاحق نہیں ہوا۔ لیکن انقلابیوں نے اپنی سرگرمیوں اور قربانیوں سے سارے ہندوستان میں بیداری کا جذبہ ابجا کر دیا اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ برٹش ۱۸-۱۹۱۴ء کی پہلی عالمی جنگ میں جمہوریت کی دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن بعد میں ہندوستان میں یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ جمہوریت کے

دشمن ہیں۔ ساری جذبہ دنیا کے لوگوں کو بہنایا گیا کہ ہندوستان کے عوام انگریزی حکومت کے خلاف اسی طرح نبرد آزما ہیں جس طرح دیگر مظلوم ملکوں کے لوگ حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت میں مشغول عمل ہیں۔ ان تمام ملکوں میں جہاں انقلابیوں نے اپنی سرگرمیوں کے مرکز قائم کئے تھے، لوگوں کو ہندوستان کی قدیم تہذیب، اس کی ثقافت اور لوب سے روشناس کرایا گیا۔ اس سے قبل کبھی بھی درجنوں غیر ملکیوں میں ایسی باتوں کی تشہیر نہیں کی گئی کہ برطانیہ ہندوستان میں لوگوں پر طاقت کے ذریعہ قابض ہے۔ اس سے قبل کبھی بھی دنیا کے لوگوں سے یہ نہیں کہا گیا کہ برٹش حکومت سے ہندوستانیوں کی نام نہاد مرانبرواری ایک جو ناپاد ہو چکا ہے۔ اس سے قبل کبھی بھی برٹش اس بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے کہ اتنے سارے ہندوستانی ان کی حکومت کے خلاف مسلح طور پر نبرد آزما ہو جائیں گے۔ ان تمام باتوں نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ ان باتوں نے اس جذبہ کو ابجا کر دیا کہ اگر برٹش برسرِ اقتدار رہنے کی کوشش کرے، تو یہ جذبہ شدت اختیار کرتا جائے گا۔ اگر برٹش اقتدار کی منتقلی کا منصوبہ مدد نہ کریں تو ان کے لئے ہندوستان میں چین کی نیند حرام ہو جائے گی اور اس کے افسروں پر فاطات چلے ہوتے رہیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ برٹش نے انقلابیوں کے منصوبوں کو ناکام بنادیا لیکن ان منصوبوں کے اور انقلابیوں کی قربانیوں کے جو اثرات نمودار ہوئے انہوں نے حکمران طبقہ کو حقائق کے روبرو لاکھڑا کر دیا۔ اور اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انقلاب زندہ باد کے نعرہ نے انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

کہاں سے آئی نگار صبا کہ جس کو گئی
ابھی چراغ سرورہ کو کچھ خبر بھی نہیں
ابھی گرائی شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ دل کی گھڑی نہیں آئی
جیسے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی
(فیض)

تبصرہ نگار سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں

مبصر: مصطفیٰ اکبر

تبصرہ

کتاب : صلیب (ڈرامہ)
مصنف : ظہیر انور
قیمت : ۲۰ روپے
ناشر : مصنف

۱۱۔ ہری پوکھر فرسٹ لین۔ گلگت۔ ۱۹

ڈرامے کی دنیا میں ظہیر انور کا نام محتاج تعارف نہیں۔
انگاردوں کا شہر کی مقبولیت کے بعد ڈرامہ نگار اپنی دوسری
پیش کش 'صلیب' کے ساتھ ارباب ذوق و نظر کی عداوت میں حاضر ہوا
ہے۔ مجموعہ میں ۱۸ صفحات پر مشتمل ایک جائزہ — بعنوان 'جدید
ہندوستانی غیڑا' اور دو ڈرامے 'قیدی' اور 'صلیب' ہیں۔ مجموعہ کا
سرورق باذب و خوبصورت، ترتیب و طباعت عمدہ اور قیمت
مناسب ہے۔ مجموعہ میں تمہید کے طور پر لکھا گیا جائزہ "جدید ہندوستانی غیڑا"
ڈرامہ / غیڑا کی تاریخ اور اس کی ارتقائی منزلوں کو سمجھنے میں مدد دیتا
ہے۔ قیدی ۲۵ صفحات پر مشتمل ایک احتجاجی ڈرامہ ہے۔ اس ڈرامہ
میں اس نام نہاد آزادی کا وہ شہر مناک ماحول پیش کیا گیا ہے جس
میں ساراج وادیوں اور سرمایہ داروں کی ملی جھگت سے عوام کا پل پل
استعمال ہوتا ہے۔ کبھی دوائے دہنگی کے بے جان اصول اور جمہوریت
و دشمنی عمل کی صورت میں تو کبھی ہر فریب جال اور خونی سازش کے روپ
میں۔ مغربوں کے خون پسینے کی کائی جین لی جاتی ہے۔ انہیں ظلم و استبداد
کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ذرا سی چون چلا برا نہیں گویوں سے بھونچا
جاتا ہے جیسے یہ انسان نہیں جنگی جانور ہیں، جن کے بے شمار فرائض
ترہیں مگر حقوق نہیں، زبان تو ہے مگر قوت گویائی نہیں جیسے یہ مجرم ہیں،
آج بھی اپنے آقاؤں کے غلام۔ مگر ایک سوال کہ کب تک؟ ہیں سچی
آزادی کب ملے گی؟

'صلیب' ۶۶ صفحات پر مشتمل ایک طویل تلخ تجزیاتی ڈرامہ
ہے جس میں ہمارے سماج کے ان بھیانگ چہروں کو بے نقاب کیا گیا ہے
جنہیں ہم غارزہ یا غلات میں دیکھتے ہیں، ان کی شناخت نہیں کر سکتے۔
اس ڈرامہ میں اس حساس طبع اور اصول پسند ڈرامہ نگار مرزا ادیب
کی زندگی کا المیہ پیش کیا گیا ہے جس نے ہمیشہ دن کو دن اور رات کو رات
کہنے کو فن اور شخصیت کی عظمت کا ضامن سمجھا اور اپنی زندگی کا
اصول بھی — مگر سماج کی عدالت میں ان کے اصولوں کو سماج دشمن
قرار دیا گیا، جن کو جھٹلایا گیا۔ حتیٰ گوئی کے جرم میں مرزا ادیب کو نامزد نہائی
کی سزا ملی۔ بظاہر حق کی مار ہوئی مگر قیدی کو معلوم کہ سچ کی گواہی
اور حجت کی نشاندہی کے لئے دیوار پر شکنجی جیسی کی تصویر کشی ہے۔
'صلیب' وراصل حیات جاہلانہ کا وسیلہ ہے۔

ظہیر انور کے ڈرامے وراصل سماجی استقام و توجہات
و ظلم و استبداد کے خلاف عدالت کے احتجاج ہیں جو نعرۂ انقلاب و
پردہ پگندے کی صورت میں نہیں بلکہ فن پارے کے روپ میں صفحہ
قرطاس پر آئے ہیں۔ ان کے پاں عمری حسیت اس قدر شدید و فنی
بعبیرت اس قدر تیز سماجی شعور اس قدر بختہ اور غلو میں اظہار اس
قدر موثر ہے کہ ڈرامہ کار ہر منظر اپنے جُست مکالمے کے ساتھ ہمارے
دل میں سچائی کی طرح اترتا اور نقش چھوڑنا چلا جاتا ہے۔ ڈراموں
میں مکالمہ کی برجستگی و جُستی اور مختصر بیانی کردار کو اور بھی زیادہ
متوازن اور متحرک بناتی ہے۔ ان کا ہر کردار صحت مند و عمل کی
غاندگی کرتا ہے۔

ظہیر انور کے ڈراموں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ
ان کے ڈرامے ادب اور اسٹیج دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔
اردو ادب میں ڈراموں کی بڑی کمی ہے۔ اردو میں اب تک جتنے ڈرامے
لکھے گئے ہیں ان میں بیشتر یا تو محض تحریر بن کر رہ گئے ہیں یا پھر محض
کئیں تماشے بن کر اداکاروں کے سینوں میں مدخون ہو گئے۔ ظہیر انور
کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اسٹیج اور تحریر دونوں میں فن اور ادب کی
پامرداری کی ہے۔ سنجیدگی اور مشائے ان کے ڈراموں کی اہم خصوصیت
ہے۔ وہ طنز یا مسخر یا گیت غزل سے ڈرامہ کو رنگین اور دلچسپ
بنانا پسند نہیں کرتے۔ وہ زندگی کی سچائیوں کو پُر خلوص اور دردمند

کلکتہ اور مصافحہ قوم جمہوریہ کی تقریبات

مغربی بنگال کے گورنر فی پی ریڈ کی سلامتی

کلکتہ اور مصافحات میں ۲۶ جنوری ۱۹۸۷ء کو یوم جمہوریہ کی تقریبات شان و شوکت کے ساتھ منائی گئیں۔ اس دن صبح کے وقت ریڈرود، کلکتہ میدان میں مغربی بنگال کے گورنر شری اوما شنکر دکت نے ایک دلکش مارچ پاسٹ کی سلامتی۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری جوتی باسو، ان کی کامیسنر کے وزیر ارا، ممتاز شہر کی نینر فوج کے افسران موجود تھے۔

کلکتہ میدان میں مغربی بنگال کے گورنر نے قومی جھنڈا لہرا کر اس تقریب کا افتتاح کیا۔ مارچ پاسٹ میں ۶۴ دستوں نے حصہ لیا جن میں برہمنی افواج کی پیادہ فوج، انجینئرنگ اور سگنل دستے، بحری اور ہوائی افواج کے دستے، پولیس کے دستے، این سی سی، سینک اسکول اور اسکاویٹ کے دستے اور گھڑ سواری پولیس کے دستے شامل تھے۔ نیز اس مارچ پاسٹ میں کلکتہ اور اس کے آس پاس کے پینٹی اسکولوں کے طلباء اور طالبات نے بھی حصہ لیا۔ مارچ پاسٹ کے بعد حکومت مغربی بنگال کے مختلف شعبوں، صحت عامہ اور خاندانی رفاہ، چوٹی جیٹ، انجیل کود اور خدمات فوجیان، اطلاعات و ثقافتی امور، کھادما اور دیسی صنعت، نرسی ایم ڈی اے، گارڈن رینج شپ بلڈرس اور انجینئرس لمیٹڈ، ہندوستان کیبل لمیٹڈ، اور کلکتہ میونسپل کارپوریشن کے کئے گئے تھے ترقیاتی اقدامات کی جائیں گی پیش کی گئیں۔ ان صحافیوں کو پیریڈ دیکھنے والے ہزاروں مرد، عورت اور بچوں نے کافی سماں۔

مغربی بنگال کے ہر ضلع میں یوم جمہوریہ کی تقریبات منائی گئیں اور اس دن یعنی ۲۶ جنوری ۱۹۸۷ء کو تمام سرکاری اور نیم سرکاری دفاتروں میں قومی پرچم لہرائے گئے۔

اظہار کے ذریعہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ڈرامہ کو تفریح و تماشہ کا وسیلہ نہیں بلکہ سماج کی نا انصافی، ظلم و استعمار کے خلاف ایک ہتھیار سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ دیانت داری اور پاکیزگی خیال انہیں معاصرین میں ممتاز اور ڈرامہ کی دنیا میں مقبول کرتا ہے۔ اسی جب اردو ڈرامہ اپنی کم مائیگی کے ساتھ ارتقائی منازل سے گزر رہا ہے، ظہیر انور کی بے لاگ اور پر خلوص کوششیں یقیناً قابلِ مدح ہیں۔ صلیب کی فنی اور تکنیکی ماسٹری کو دیکھتے ہوئے یہ بات بلاتل کہی جاسکتی ہے کہ ظہیر انور کا یہ تنہا مجموعہ ڈرامہ کی حیثیت منوانے کے لئے کافی ہے۔ صلیب کا مطالعہ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے۔

(مصطفیٰ اکبر)

بقیہ، مزدور تحریک اور.....

میں مزدور تحریک کو کافی پیچھے رکھ لیا۔ اس کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ برطانوی نوآبادیاتی لوٹ گھوٹ کے نظام سے نکلنے اور سامراج سے جوئے سے آزاد ہونے میں ہندوستان کے عوام نے جو قربانیاں دیں اور جو جانفشانی کی اس میں مزدور تحریک کے عطیات اہم ہیں۔ آج دنیا کا نقشہ بدل گیا ہے۔ برطانیہ اب ایک رو بہ زوال یخچ اور امریکہ کا محتاج سامراجی طاقت بن کر رہ گیا ہے۔ اس وقت ساری دنیا کے محنت کش عوام امریکی سامراجیوں کی تیسری عالمی جنگ چھیڑنے کی تیاریوں کے خلاف سینہ سپر ہو چکے ہیں۔ اس معرکہ آرائی میں دنیا بھر کے امن پسند آزادی اور جمہوریت پسند لوگوں کی فوج اور جنگ بازوں کی شکست ہو جائے تو ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں مزدور طبقہ کا جو کارنامہ ادھورا رہ گیا ہے وہ پر اہو جلنے لگا۔

دریں اثناء ہندوستان کی آزادی اتحاد اور سالمیت کے لئے اندرون ملک جو خطرے ابھر رہے ہیں مزدور طبقہ کو اس کے خلاف ہمہ وقت جو کھارہنا ہو گا اور پھوٹ پرست، علیحدگی پسند فرقہ پرست طاقتوں کے خلاف مزدور اتحاد کا پرچم بلند رکھنا ہو گا۔

قومی اتحاد کو مستحکم بنائیے

آج کے ہندوستان میں کثرت میں وحدت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ وقت کی اہم ضرورت مختلف نسلی، ثقافتی اور لسانی جماعتوں کے درمیان رشتوں کو مستحکم بنانا ہے۔ ہم لوگوں کو وفا قیادت کے بنیادی اصولوں کو برقرار رکھنے اور انہیں فروغ دینے کے لئے پُر خلوص کوشش کرنی چاہئے۔

ہم لوگوں کے لئے یہ لازمی ہے کہ ہم کسی بھی شکل کی حد سے زیادہ مرکزیت کے خلاف نبرد آزما ہوں۔ آئیے ہم سب ملک کی وحدت اور یک جہتی کو مستحکم بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔

۲۶ جنوری ۱۹۸۶ء

حکومت مغربی بنگال

Postal Regd. No. WB/ CC-52
Vol—33 No —3
PRICE—12 Paise

MAGHREBI BANGAL
1st February 1986





شرعی خریداری

سالانہ: تین روپے * اس شمارے کی قیمت: پانچ روپے

تربصیل از کاہتہ:

بزنس نیوز

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر این اسکری روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۱

پندرہ روزہ
مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ: ہدایت بن بھٹاچاریہ

مدیر: دھرمیندر رائے دت

مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * ۱۵ فروری ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر

حال ہی میں کلکتہ میں منعقدہ "پہریوں کی نمائش" میں شری کل باسو امیٹر کلکتہ کارپوریشن، شری اچینورائے موزیریاست برائے جنگلات و سیاحت اور جناب دانش عبدالحلیم، اسپیکر مغربی بنگال اسمبلی

علی سردار جعفری



جلا کے لحن کی قندیل نور بار چلو
لٹاتے دولت مغل صورت بہار چلو

وصال و بجزئی رہوں میں روشنی ہوگی
دیوان میں نے کے پورا جو سال یا چلو

بہیں ہے پھول کھنیں کے پونہاں ہیں پاؤں
ابھی تو دشت طلب میں بہت ہیں خار چلو

کہاں ہو میرے رفیقانِ حرف و صوت و صدا
سکوتِ شب ہے سیہ رنگ شعلہ بار چلو

عدو کے تیغِ ستم سے مقابلہ ہے ابھی
بھلا کے ظلمِ رفیقانِ کم عیار چلو

سوا منزلِ جاناں قریب ہے شاید
مثالِ باد صبا ہو کے بہتسرا چلو

♦♦

اقلیتوں کی تعلیم

ایک جائزہ

از: محبوب زاہدی

دیتے ہیں۔ برصغیر اس کے ہندوستان میں اسکول چھڑنے والے ایسے طلباء نوجوان بے روزگار بن چکے ہیں اور سماجی دشمنی میں ایک مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ جس ماحول سے ہندوستانی طلبہ ابھرتے ہیں وہ بالکل کے سماجی پس منظر اور معاشی۔ سماجی امکانات کی تصویرائی کے سامنے رکھ دی جاتی ہے۔

عام فہم بات ہے کہ تعلیم کے لئے وقت اور زر کی صورت میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ سیدھے سادے الفاظ میں یہ سالانہ عمر سے زیادہ عمر کے بچوں کو (غربت کی سطح سے ذرا اوپر اور ذرا نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کے لئے یہ عمر کا نئے کی عمر ہے) تعلیم کے لئے اسکول میں بھیجنے کے معنی خاندان کے لئے مالی نقصان ہے، بچوں کو اس خاندان کو اس بچے کی کفالت سے محروم ہو جانا پڑتا ہے، نیز اس خاندان کو اس بچے کی کفالت سے بھی محروم ہو جانا پڑتا ہے۔ اس بات کو ہم مذکورہ خاندان کی بے بسی یا مردہ دلی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کو اسکول میں بھیجنے میں پس و پیش کرتے رہتے ہیں۔ چار یا پھر بچے کہ یہی بات بچوں کی اکثریت کو اسکول میں جانے کی راہ میں سد راہ ثابت ہوتی ہے۔ نیز ایسے طلباء کو اپنے خاندان کی معاشی بد حالی کے باعث گھر کے تحت پڑھنا پڑھنا چھڑ کر دیوے سرگرمیوں میں شامل ہو جانا پڑتا ہے۔ ایسا اس لئے بھی ہوتا ہے کہ اس خاندان کے افراد اس بات کو نامناسب سمجھتے ہیں کہ بچوں کو اسکول میں نہ بھیج کر جو مالی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے خاندان کو محروم رکھا جائے۔

غربت تعلیمی پس ماندگی کی وجہ ہے: اس صورت حال کو موجودہ

ہندوستان میں تقریباً ۱۵۰ سال قبل جدید تعلیم کا دور شروع ہوا تھا اور اس سمت میں مجموعی طور پر ہندوستانی قوم کی ترقی حسب خواہ نہیں ہوئی ہے کیونکہ اسی برس ۵۰ فیصد سے بھی کم آبادی کو پڑھا لکھا جاسکتا ہے۔ خزانہ اور کچھ حد تک تعلیم یافتہ یہ دونوں مختلف تصورات ہیں اور اگر بعد ازاں کو جدید تعلیم کی ترقی کی پیمائش کا آغاز تبسم کریں تو پھر اس ملک میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد کل آبادی کی ۲۵ فیصد ہو جائے گی۔ یہ ملک یہ بات ان لوگوں کے لئے جن کا اس ملک میں تعلیم کی اشد انتہا سے نفرت ہے کافی خوشگوار ہے۔

اب تک و بیش سب ہندوستانی جن میں مسلم گروا سنے واؤں کی ایک اچھی خاصی تعداد شامل ہے، ایک مخصوص حد تک بد سے موجودہ تعلیم کے خلاف ہیں۔ یہ بات اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ برائری اسکولوں میں تو طلبہ کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور پھر اس کے مقابلہ کالج اور یونیورسٹی اسکولوں میں طلبہ کی تعداد بہت کم ہو جاتی ہے۔ برائری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی اکثریت برائری تعلیم ختم کرنے کے بعد سے تعلیم کو سلسلہ جاری نہیں رکھ پاتی۔ اس طرح مزید ثانوی درجوں میں داخلہ دیتے چھان میں نصف بھی درجوں میں جماعت تک تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکتے نیز ثانوی تعلیم کے مشکل کرنے کے بعد طلبہ کی اکثریت کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسی چند باتیں دیگر ملکوں میں پورے ملکوں میں بھی مل سکتی جاتی ہیں۔ لیکن وجوہ بہت مختلف ہیں۔ ورنہ کھوئی میں وہ طلباء جو ثانوی اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے کرتے اسکول چھوڑ دیتے ہیں ان میں بیشتر تکنیکی پیشہ ورانہ یا دیگر تربیت حاصل کرنا شروع کر

فغانے اور بھی ابتر بنا دیا کیوں کہ یہ فغان تعلیم کے لئے نفسیاتی ترقی اور ایسے خاندان میں تعلیم کے فروغ کے لئے خوشگوار نہ تھی۔ یہ تمام باتیں خاندانوں کی معاشی حالت سے منسلک ہیں، خواہ وہ مسلمان خاندان ہو یا غیر مسلم خاندان۔ دونوں خاندانوں کا رویہ عمل اس سلسلے میں ایک جیسا ہے۔ جائزے کے ذریعہ حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جہاں تک بچوں کی سکولوں میں بھیجنے کا سوال ہے ایک غریب مسلمان خاندان اور ایک غریب غیر مسلم خاندان، دونوں کے خیالات ایک جیسے ہیں اور تعلیم کی ترقی اور تعلیم کی اشاعت کے سلسلہ میں ان کا رویہ عمل بھی ایک جیسا ہے۔ غریب مسلمان خاندان یا غریب غیر مسلم خاندان کی معاشی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک عام بات یہ کہی جاتی ہے کہ غیر مسلمانوں سے زیادہ مسلمان طلباء ہی پڑھتے پڑھتے اسکول چھوڑ دیتے ہیں لیکن جب ہم اسکول چھوڑنے والے طلباء کی سماجی، معاشی حالت کو پیش نظر رکھتے ہیں تو یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت باطرمی تمدن اور غربت کی سطح سے ہیں، نیچی سطح پر زندگی گزارتی ہے، اور کافی خاندان درمیان آمدنی پر زندگی گزارتے ہیں۔

اصلاحی اقدامات : موجودہ پس منظر کے پیش نظر ہمیں ان باتوں پر غور کرنا چاہئے کہ ہمیں کون کون سے اقدامات کرنے ہوں گے جن کے ذریعہ مسلمانوں میں یہ جوش و خروش پیدا کیا جاسکے کہ وہ موجودہ تعلیمی مواقع سے انتہائی مددگار مستفید ہوں اور جدید تعلیم کے فوٹی دھارے میں شامل ہو جائیں، جیسا کہ ان کے دیگر ہم وطن کرتے ہیں۔ ہم نے تو اس خامی کی علامتیں عیاں کر دیں لیکن اب تک اصلاحی اقدامات کی تشخیص نہیں کی اس کے لئے ہمیں صاف صاف طور پر یہ پہنا چڑے گا کہ اصلاحی اقدامات کا انحصار مسلمانوں کے ساتھ ہی بوری ہندوستانی قوم کی معاشی، سماجی تبدیلیوں پر ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر سب سے پہلے تو بچوں کے والدین اور سرپرستوں سے بات چیت کرنی ہوگی، انہیں آج کی دنیا میں تعلیم کی اہمیت، بے روشنئاس کرانا چاہئے تاکہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسکول میں بھیجیں اور پھر ان کے بچے جدید تعلیم کے فوٹیلہ حارسے کا

جزو بن جائیں لیکن اس کام کے لئے انقلابی تصور کی ضرورت ہے جس کے تحت ریاست کو یہ ذمہ داری سنبھالنی ہوگی کہ وہ ایسے غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرنے والوں کو، جو اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسکولوں میں بھیجتے ہیں معاوضہ دینے کے ایک پروگرام کو رو بہ عمل لانے کی ضمانت دے۔ معلومہ ذرا نقد کی شکل میں دیا جائے تاکہ والدین کافی سمجھیں اور وہ اس پروگرام میں شرکت کریں اور اسے کامیاب بنائیں۔ اس پروگرام کے لئے کافی رقم کی ضرورت ہوگی اس لئے چند برسوں کے لئے تعلیم کی آمد کے تحت کچھ رقم اس مقصد کے تحت مختص کرنی چاہئے، شروع میں جو خواتین بنیاد پر ہم یہ تجویز پیش کریں گے کہ منتخب علاقوں کو (جہاں مسلمانوں، شیڈڈ کاسٹ اور آئب طبقوں کی کثیر آبادی ہے) اس پروگرام کے تحت لایا جائے تاکہ بچوں کے سرپرستوں کا رویہ عمل کا جائزہ لیا جاسکے کیوں کہ اس پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ سپرماڈہ طبقوں، غریب اور معاشی لحاظ سے کمزور لوگوں میں اس بات کو اجاگر کیا جائے کہ وہ جدید تعلیم کو قبول کر لیں۔ اس مقصد کی برادری کے لئے چارے خیال ہیں ہیں ایک واحد طریقہ کار ہے۔ اس بات کو یہاں پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ پروگرام معاشی اور مالی لحاظ سے کمزور لوگوں، بلحاظ مذہب، کیلئے ہے۔

اس لئے ہماری تجویز یہ ہے ۱۔ ۵۰ ہزار ریاست میں اور مرکزی حکومت کے علاقوں میں ۱۰ لاکھ لاکھوں کو منتخب کیا جائے اور اس بات کا اعلان کیا جائے کہ انہیں معاوضہ تعلیم پروگرام کے تحت لایا گیا ہے، آمدنی کی سطح مقرر کر دی جائے جس کے پیش نظر والدین اس پروگرام میں شرکت کرنے کے مستحق ہوں گے (یعنی اس پروگرام میں حصہ لینے کے مستحق خاندانوں کے بچوں کو منتخب کیا جائیگا اور اس کے بعد اس مقصد کے لئے مخصوص اسکولوں میں انہیں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا جائے گا) دوسرا خاندان سے کم از کم ایک بچہ اور زیادہ سے زیادہ دو بچوں کو اس پروگرام میں شرکت کرنے کی اجازت ہوگی (۵) ۸ سال سے زیادہ عمر کے بچے کے لئے معاوضہ ذرا نقد میں اس سے والدین کو دیا جائے گا۔ مختلف عمروں کی جماعتوں کے لئے معاوضہ

تعدیل میں کرے گا۔ پھر آخری سال کے امتحان کے بعد مستحق امیدوار کو سرٹیفکیٹ کو پورا دینے سے قبل ثانوی تعلیم اور زندگی پورا کرنا ہوگا۔

اس خواندگی پروگرام میں شاہکار طالب علم کو بڑا حوالہ کے طور پر۔ اور بچے کی رقوم کی جانی چاہئے اور تاریخی اور تعلیمی عرصہ کے دوران ہر ان پڑھ طالب علم کو ضابطہ سے منسلک ہمارے بطور بڑھاد دینے چاہئیں۔ نظامت تعلیم بالغان کے باغیچوں کی تعلیم کے پروگراموں کے تحت ناخواندہ طبقہ کو لکھنا پڑھنا، انجیل اور دیگر ضروری چیزیں فراہم کی جانی چاہئیں۔ اس اسکیم کی سرگرمیوں اور فنڈز ترقی کے سلسلے میں اس نظامت کو جو کس رہنا چاہئے۔ اس پروگرام کی اشاعت، اسے مقبول بنانے اور اس کی ترقی کے لئے مناسب بنیادوں کا تعاون حاصل کرنا چاہئے۔ بنیادیت کی شرکت سے اس پروگرام میں بحیثیت کو فروغ حاصل ہوگا۔ ملوے خیال میں ان اشاعت سے خواندگی کی رفتار میں تیزی پیدا ہوگی اور آٹھ برسوں میں اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں خواندہ لوگوں کی تعداد پوری آبادی تک پہنچ جائے گی۔ اس پروگرام کی ماحولیت ذمہ دارانہ حکومت پر منحصر ہوتی ہے کیوں کہ دستہ ہند کے رجحان اصول میں یہ بات لکھی گئی ہے۔ تیز تعلیم تو مشترکہ فہرست میں شامل ہے۔ خواندگی کو دہرے کرنے کے اس پروگرام سے مسلمانوں کی بڑی تعداد مضیغیاب ہوگی اور اس طرح مسلمانوں کی فیصد خواندگی کا تعداد میں کافی اضافہ ہوگا۔

اسی سلسلے میں یہ بیان اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ روایتی طور پر تعلیم ترقیاتی طبقہ کے اور خاص طور پر متوسط طبقہ کے لوگوں کی میراث بن چکی تھی اور کہ نانا کی طاقت، خواہش ملک پر حکمران تھی اس کے سرپرست بھی کوئی تھی۔ تاکہ مناسب انتظامیہ اور اس کے لئے وہی لوگوں کے منافع کو فروغ حاصل ہو۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ کونے کا ایک دور شروع ہو گیا تھا لیکن ایک صدی سے زیادہ عرصہ میں یہ غیر غریب اور ماضی کی لڑائی کے طور پر لوگوں تک نہ پہنچ سکی۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ اس ماضی کے لوگوں کے طبقہ لوگوں سے آتے ہیں۔ اس صورت میں یہ غیر غریب کی گنت ہے کہ ہر شخص میں ایک

ماڈل اسکول قائم کیا ہے لیکن میرے خیال میں ایسے اسکولوں سے علم کو لوگوں کے خاندانہ ماحول نہ ہوگا۔ ایسے اسکول تو امیر لوگوں کے لئے بنائے گئے ہیں اور اب حالات یہ ہے کہ ان لوگوں کے بچوں کو ایسے اسکولوں میں بھیجیں نہیں مل رہی ہیں کیوں کہ ایسے اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اس طرح ماڈل اسکول کی اسکیم سے اعلیٰ متوسطہ جگہ کا ایک چھوٹے طبقہ ہی مستفید ہو سکتا ہے۔ اس سے غریبوں اور غریب کی سطح سے۔ یہی سطح پر زندگی گزارنے والے لوگ مستفید ہو سکیں گے۔ حالانکہ ہمارے موجودہ جمہوری نظام میں ہم اسی سلسلے میں پیچھے رہ گئے ہیں کہ اکثریت کے لئے خواندگی کو ماحول بنایا جائے۔ حکومت کی نئی تعلیمی پالیسی میں ماڈل اسکول کی موجودہ اسکیم کو اہل کیا گیا ہے۔ ہم اس اسکیم کی مخالفت کرتے ہیں اور ہم نے جس اسکیم کا اس سے قبل ذکر کیا ہے اس کا تائید کرتے ہیں۔

اس بات کے پیش نظر کہ موجودہ تعلیمی نظام میں بہتری لانا جاسکتا تاکہ ملک میں ہندو کے بڑھتے ہوئے بازار سے ایسے وابستہ کر دیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کی ماضی حالت میں بہتری لائی جاسکے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس فرقہ کے عہدوں کی یہ خواہش ہے کہ ان کی انفرادی زندگی میں بہتری لائی جائے۔ اور دیگر طبقوں کے لوگوں کے ساتھ مساوی طور پر آگے بڑھ سکیں، اس لئے ہم کو قومی و محاسبہ میں گھل مل جانا ہوگا۔ ٹھکی اور پیشہ ورانہ تربیت پر مبنی جو تعلیمی نظام رائج کیا جائے گا، اس کا ہمارے موجودہ نظام میں صدر رسد اور کتنی تعلیم سے کہیں بھی نگران نہیں ہوگا۔ اس طرح اس نئے تعلیمی نظام سے ہمارے لاکھوں نوجوان تعلیم و تربیت سے مضیغیاب ہوں گے۔ اچھے ٹھکی اور پیشہ ورانہ چنگل پر نظر نہ ہو جائیگا۔ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بلا لحاظ مذہب ہمارے فرقے کی بھلائی اور ترقی کیلئے نوجوانوں کو حسب خواہ ترقی دینی چاہئے۔ ہم اس بات کو پر کرتے ہیں کہ ہندوستان سماج میں دیگر طبقوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے جو نظام رائج ہے اس کے تحت مسلمان لڑکے اور لڑکیاں کو بھی تعلیم دینی چاہئے۔ اس طرح قومی یک جہتی کا فروغ ہوگا اور ایک متحدہ تعلیمی نظام قائم ہوگا جس کا مقصد لوگوں کی ایسی تعلیم دینا ہوگا جو ہندوستان کے تمام طبقوں کو مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ (باقی صفحہ ۳۲)

شیر پور۔ دیپ

ڈاکٹر جے منگاما

سلطنت مسور کے دو افراد پر مشتمل خاندان کے آخری

سلطان کا نام ٹیپور کھا گیا کیوں کہ جب ان کے والد حیدر ایک پارسی بزرگ کے دیدار کیلئے گئے تھے تو انہیں ایک لڑکے اور اپنے ولی عہد کی ولادت کی خبر ملی۔ ہندوستان میں حیدر کا مطلب ہے شیر اور ٹیپور نے خود بھی شیر بننے کے لئے اپنے سرکاری نشان کے لئے شیر کے سر کا انتخاب کیا اور اپنے محل اور محلے کے اندر پور باہر ہر جگہ اس نشان کی نمائش کی۔

حیدر جو ان بڑھ چکے تھے لہذا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا لڑکا بھی اس موجودی کا شکار ہو۔ اس لئے انہوں نے بہترین سے بہترین انالیق ان کی تعلیم کے لئے مقرر کئے۔ حیدر نے اپنے بیٹے کے کانوں میں بچپن ہی سے یہ آواز ڈال دی کہ وہ ایک بادشاہ بنے اور انگریزوں کا اس ملک سے غارتہ کر دے۔ چنانچہ ٹیپور کی پرورش انگریزوں سے نفرت کے ماحول میں ہوئی۔ سرنگاپٹم کی لگیوں میں یہ تپا نام دکن کی دنیا تھا کہ ایک شیر نے ایک خوفزدہ انگریز کو دو بچہ رکھا ہے۔ ٹیپور کے راگ محل میں ایک ملا متی موضوع پر ایک شیر باجہ بھی بنا کر رکھا گیا تھا۔ جب اس کی چابی گھمائی جاتی تو شیر غرانا اور انگریز کو پکڑ لینا، انگریز جس کے چہرے پر خوف کے مارے ہو آ یاں لا رہی ہو میں، دردم سے گرا جاتا۔ کچھ کسی دیوار پر لکھ کر روپیہ باندھنے سے غصہ میں کھڑے دیکھتا ہے جن کے ساتھ کچھ بڑے باندھ رکھے ہوتے اور کسی دیوار پر شیر کچھ روپیہ باندھ دے گا جو چرتے چھاڑتے دیکھائی دیتے۔

حیدر کی وفات: ۱۷۹۲ء میں مسور کے شاہی خاندان کی حکومت بحال کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ٹیپور نے جو اس وقت بمبئی میں تھا ۱۸ برس کے تھے اپنے باپ کا غضب ناک حالت میں مل لیا اور وہ مل دیکھا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے والد کے دربار میں قریب قریب پہنچ گیا۔ اس وقت کے پاس پہنچ کر حیدر نے ٹیپور کو مغزی حاصل کر لیا اور محاذ پر لانے کے لئے صبح دیا لیکن خود وہ یکساں بعد سرطان کے

مرغن میں چل بسے۔ والد کی موت کی خبر پا کر ٹیپور نے مالا بادر کے محاذ کو خیر باد کہا اور تیزی سے کولار پہنچے جہاں ان کے والد کی میت رکھی ہوئی تھی۔ ٹیپور اتنی تیزی اور خاموشی سے کولار آئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ کولار میں انہوں نے ہندو دن تک اپنے والد کی تمام آخری رسوم انجام دیں اور دل کھول کر غریبوں کو خیرات دی۔ حیدر کی وفات بریاست میں کوئی سوگ نہیں منایا گیا اور کسی طرح ٹیپور کی تاج پوشی بریاست کی خاموش ترین تقریب تھی۔ بلکہ کھانا ہوگا کہ باپ بیٹے دونوں کی کبھی رسم تاج پوشی ہوئی ہی نہیں۔ حیدر کی آخری رسوم انجام دینے کے بعد ٹیپور خود مسند پر بیٹھ گئے اور اپنے والد کی وصیت کا اعلان کیا۔

رہماؤں اور سسر کردہ درباریوں نے اپنے خزانے ٹیپور کو پیش کئے۔ ٹیپور کو ۸۸ ہزار انگریزی فوج اور زمین کو زور دے نقد اور بڑی مقدار میں زیورات و جواہرات پر مشتمل خزانہ وراثت میں ملا۔

اشتی ہزار روپے سال ملتا تھا اور ۱۰ لاکھ آبادی پر حکمران ہونے کے باوجود ٹیپور اپنے والد سے کسی طور پر کم اولوالعزم اور توسیع پسند نہیں تھے۔ ایک مضبوط بحری طاقت بننے کی خواہش سے جنگوں کا بند بگا پران کی ہم بستہ اہمیت رکھتی ہے۔ بعد ازاں پر قبضہ اور برطانوی افروں سے کیا گیا سو کہ انگریزوں کے غلبہ ان کی نفرت کی درخشاں شاہیں ہیں۔

جنوب کا بلیک ہول: ٹیپور مالا بادر میں زیادہ سرگرم تھے۔ وہ انگریزوں کا سرخ ختم

کرتے اور اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے بیلیگ کی آگ ملک قس کے اندر تک لے گئے۔ اس مہم میں فرانسیسیوں کی مدد کر رہے تھے جنہیں خوفناک کشت و خون کے بعد فتح حاصل ہوتی تھی۔ تمام بھلائیوں ان کے سوا ان کے ایک کے زخمی ہونے اور قید کر لئے گئے۔ اپنی سرنگاپٹم میں اذیت ناک قید سخت کی سزا جگہ کی پڑی۔ جو قیدی اس مشکل سے بچا رہے ہیں انہوں

نے اسے جنوب کا جنگ ہل کر لے دیا۔

فرانسیسیوں نے انگریزوں سے صلہ کر لی۔ بیٹوں نے اسے اپنی بے عزتی سمجھی کہ ان سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ جنگ بعد وقفہ آگیا لیکن سلطان اور انگریزوں کی دشمنی میں نہیں۔ ۱۸۹۱ء میں جب بیٹوں نے لنڈری بستی کرنگاؤر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو فرانسیسیوں نے اسے انگریزوں کے ہاتھ رڈ نکور کو فروخت کر دیا۔ اس بات پر غضبناک ہو کر کہ ان سے مشورہ نہیں کیا گیا بیٹوں نے رڈ نکور پر جرمانہ کر دی۔ مرچے اور نظام انگریزوں سے مل گئے۔ جب انگریزوں نے کرناٹک کی طرف سے خطرہ پیدا کر دیا تو بیٹوں نے اپنا راجہ عالی پوٹ آئے۔ انگریز بیٹوں کو گھیرنے کی غرض سے ساری سرحد کے ساتھ ساتھ اپنی فوجی طاقت بڑھانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن بیٹوں نے اس کے جواب میں دشمنوں کو حیران کر دینے کے لئے اپنی ورتیں کو اتنی تیزی اور جستی سے بدلا کہ بعضی جانب سے ان کا تعاقب کیا اور وہاں سے بھاگ دیا۔ انگریزوں نے مغربی ساحل سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور بیٹوں نے ان سے کجھوتہ کر لیا کیوں کہ ان کا کامیابی سے بیٹوں حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

برطانوی فوج ہم کے لئے اپنی تیاری مکمل کرنے اور بیڑیوں میں آسلان داخلے کے دروں کے عمل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد ایک بار پھر میسور میں داخل ہو گئی۔ کولار اور میسور کوٹا کے قبضے آسالا سے سرحد گئے اور انگریز بھگور کے نزدیک آپہنچے۔ میسور لینے والی تہیہ کے باوجود جنگ کو میسور کی سرزمین پر لے آئے تھے۔ بیٹوں کی گھوڑسوار فوج نے انگریزوں کو دو سو اتر اور تین سو گھوڑوں کا نقصان اٹھا کر پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کی فوج کا قلبی حصہ انگریزوں کی فوج سے جا مل اور جنگ پر ان کے قبضے سے بیٹوں کو سخت جھجکا ہٹ ہوئی۔ ۱۸۹۱ء میں بیٹوں نے دشمنی ختم کرنے کے لئے بات چیت کی تجویز پیش کی۔ کارنالس نے راجوں اور نظام پر ہر قسم کرتے ہوئے اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ حالانکہ ہر کارنل بیٹوں کے مخالف تھا مگر بھی انہوں نے ایک دھکی کے طور پر جن انگریز قیدیوں کو قتل کر لیا یا کارنالس نے سرنگاپٹم پر چھٹی کر دی۔ نظام کی گھوڑسوار فوج اس کے ساتھ تھی۔ وہ بہت مشکل سے سرنگاپٹم سے تھیں اور دارا کیری کے مقام پر پہنچ پایا۔ بیٹوں نے یہ محسوس کر کے کہ وہ چاروں اطراف سے گھیر گئے

ہیں، انہیں نکل جانے کا راستہ دے دیا اور خود قلعہ بند ہو گئے۔ قلعہ کے باہر راجے بھی انگریزوں کی حمایت پر آ گئے۔ بیٹوں نے پھر بات چیت کی کوشش کی جو کامیاب نہیں ہوئی۔ چونکہ مانسور شروع ہو گیا تھا اس لئے انگریز اور ان کے ساتھی اپنے صدر مقامات تبدیل کر کے بھگور کے قریب لے گئے اور تندی موعوض کر لیا۔

پہلی شکست : کارنالس سرنگاپٹم کی تباہی رشتہ ہوا تھا۔ اتحادی نو میں پھر راجہ عالی کی جانب بڑھیں۔ بیٹوں نے اپنے قلعہ کی حفاظت کا فیصلہ کیا جو کہ وسیع سلطنت میں سے واحد جگہ اس کے پاس بچ رہی تھی۔ حوض السیسی ان کی فوج میں ملازم تھے وہ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ صلہ صفائی کی ایک کوشش کے طور پر انہوں نے نام انگریز قیدی رہا کر دیے اور صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی وہ ۱۸۹۲ء کی ذلت آمیز شکست سے نہ بچ سکے۔ معاہدے کی شرائط کے مطابق انہیں اپنا نصف علاقہ اتحادیوں کے حوالے کرنا پڑا۔ ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے کی ادائیگی کرنی پڑی۔ حیدر علی کے وقت سے گرفتار تمام قیدی واپس کرنے پڑے اور اپنے دو لڑکے بطور برہمن رکھنے پڑے۔

بیٹوں اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے انتظار کر رہے تھے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ خفیہ خط و کتابت میں بیٹوں نے بیان کیا ہے کہ کس طرح ان کے مخالف متحد ہو کر آئے اور کس طرح انگریزوں کو ہندوستان سے نکال جاسکتا ہے۔ بیٹوں نے تجویز کے مطابق فرانسیسیوں کو پیدل انگوڑسوار اور توپ خانے پر مشتمل ۱۵ ہزار فوج دینی تھی اور ساتھیوں پر لڑائی کے لئے ایک بحری فوج بھجوا کر دینی تھی جبکہ بیٹوں کو فرانسیسی فوج کو فوجی سامان اور ہمدردی میں شراہوں کے سوا کھانے پینے کا سامان مہیا کرنا تھا۔ بیٹوں یہ بھی جانتے تھے کہ فوج کے بعد کوئی معاہدہ کرتے وقت بیٹوں کو فرانسیس کا اتحادی سمجھا جائے۔ بہت سے فرانسیسی ماہرین اور کاریگر جو توپیں دھاتے کا خدا اور شہید تیار کرنے کے ماہر تھے اور کچھ انجنیروں و معاروں کو سلطان کی ملازمت میں شامل ہوا تھا۔ فرانسیسیوں نے بیٹوں کی انگریزوں کے ناپاک ارادوں سے خبردار کیا جو اپنی سازشوں سے ہندوستان میں مداخلت کو تباہ کر سکتے تھے۔ ایک فرانسیسی جنگی چ

ملتان کے سفروں اور فرانسیسی فوجوں کو لے کر ۱۷۹۸ء میں منگور
بندرگاہ پر پہنچا۔ انگریزوں نے اسے اس کے معاہدے کی گھٹی
ت و درزی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ بیہوشی براہ راست دشمنی
ہندوستان میں برطانیہ کے حکومت جارحیت کی کارروائی کی ہے۔
و کے کلمہ کھلا اور برمل اعلان جنگ قرار دیا گیا۔

میسور کی جنگ، جب میسور فرانس کی ایک سفارت
بعیت میں معروف تھے تو دلیلی کی

ڈ میں برطانوی فوج آگے بڑھی۔ فوج سیدھے سرنگاپم پہنچے
حکم دے کر میسور میں داخل ہو گئی۔ اب تک میسور یقین تھا کہ سرنگا
م نانابلی تسخیر ہے۔ اس نے فرانس کی مدد سے کارروائی کے
ساحل کا ملک بننے کی ضمانتی تھی۔ ۱۷۹۹ء کے بعد اس نے اپنے
قبوہ علاقوں کے تھے اضرانوسرکار کے الفاظ منسوب کر لئے
م کا مطلب ہے وہ سرکار جو خدا کا معبود ہو۔

سرنگاپم پر ۳۰ م مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر کو یلغار کی گئی۔
مگر پڑا ایک نانابلی تسخیر قلعہ اور محل میں داخل ہو گئے۔ میسور اپنے
ہت سے افروں اور فوجوں کے ساتھ میدان جنگ میں ہلاک ہو گئے۔
بب انہیں دیوڑھا سے باہر لایا گیا تو ان کی بڑی بڑی آنکھیں ابھریں
تھیں انہیں اور جسم اناگرام تھا کہ دلیلی کو بھی ایک لمبے تو تک گرا کر
کہیں وہ زندہ تو نہیں۔ میسور کو چار زخم لگے تھے۔ ان میں سے تین
زخم جسم پر اور ایک کنپٹی پر تھا۔ وہ دشمنی کا مقابلہ کرتے میدان جنگ
میں مارے گئے۔ انہیں ایک جھونکی صورت میں لے جا کر سرکاری
اعزازات کے ساتھ ان کے والد حیدر علی کی قبر کے پہلو میں دفنایا گیا۔
انگریزوں کے قلعوں میں بارود کے گیارہ ہتھیار ڈھیرے

تیار وہ اسلحہ خانے آتے ہیں ڈھالنے کے دو کارخانے اور گولی سکڑنے
چار بڑے ڈھیرے تھے۔ اب میسور کی پوری سلطنت اپنے تمام وسائل
کے ساتھ انگریزوں کے قدموں پر تھی۔ اصطبلوں کے گھوڑے ادا تھا اور
اونٹ اور بیل ان کے حوالے کر دیے گئے۔ سچ کی رو سے اپنی بے سارا
علاقہ اپنے پاس رکھنے کا اختیار تھا۔ محل سے جو کھانا لے لے ان
بہت سست ہے کہ میسور کس طرح انگریزوں کا ہندوستان سے خاتمہ کرنا
چاہتے تھے۔ فرانسیسی اعدا کار میں سکھ کا غذات تھے جو میسور سلطان

کا دیوار کا بن اور اوتان دربار سے خطہ کتا بت سے متعلق تھے جن
میں انہیں صورتی لالہ سے آگاہ کرتے ہوئے مدد مانگی گئی تھی۔ ملک کے
انہیں انہوں نے نام بڑی بڑی طاقتوں سے خطہ کتا بت کی تھا جس
میں ان سے کہہ گیا تھا کہ وہ برطانوی عوام کو ناکام بنانے کے لئے متحد
ہو جائیں۔ پونا میں عدالت رام سندھیا حیدر آباد میں نظام کو دتی
کالی کٹ اور مالابار کے ساحل پر کنبی کے مقبرہ صلات میں اپنے خفیہ
انجمنوں کو خطوط لکھے گئے تھے۔

میسور ایک باختر سلطان تھے اور کنبی کوئی کتاب پڑھے
بغیر نہیں سوتے تھے۔ ان کی لائبریری راجاؤں کی لائبریری میں سب
سے بڑی اور بیش قیمت تھی۔ کوئی ایک اس منور نہیں تھا جس پر
ان کے پاس کتاب نہ ہو۔ لائبریری میں اسلامی ادب پر عربی ملاحظہ
اور ہندوستانی زبانوں میں تقریباً دو ہزار کتابیں تھیں۔ ان میں سے
اکثر کتابوں کی تحریر نہایت خوبصورت اور آرائشی تھی۔ یہ
کتابیں سندھو را، کٹاپا اور کونا ملک کا لوٹ کا ایک حصہ تھیں۔
انگریزوں نے میسور کی موت کے بعد ان کی زیادہ عزت
افزائی کی۔ جب تک وہ زندہ تھے وہ ان سے زیادہ ترور تے تھے۔
سرنگاپم سرنگوں ہونے کے بعد وہ حیا محل کے جنوب میں واحد
رشد طاقت کا وجود ختم ہو گیا اور برطانیہ کے لئے ۱۹ویں صدی کے
آغاز میں سارے پرنسپلٹی میں مالیر کی تسلطیں اور تصفیہ کارانہ
صاف ہو گیا۔

میسور نے مرتے وقت اس قول کو جسے وہ اکثر ہرایا کرتے
تھے 'صحیح ثابت کر دکھایا کہ صدیوں تک بھڑکی طرح زندہ رہنے سے
دردن کی شیر کی زندگی بہتر ہے۔' ۶۳۴

بقیہ : شامل ناڈو کے حلیائی باشندے

ہے اور میدانوں کے ماہرین طب اکثر ہلاکتیں رہتے ہیں۔
وہ لوگ جو شدید بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں مالٹا کر
اب بھی آٹھ دس کلومیٹر دور کے ہسپتالوں میں لے جاتے ہیں۔

مائل ناڈو ملیالی باشندے

اختراع الفاظ کا علم بھی کیا گئی کھتہ ہے۔ نقل
ناڈو کی ستمیری پہاڑیوں میں رہنے والے ملیالی لوگ ایسی
ہی صورت حال میں رہتے ہیں۔

نقل زبان میں "مائل" کا لفظ پہاڑی کے معنی
رکتا ہے۔ "الی" لفظ کا مطلب ہے باشندہ یا حکمران۔
ان دو الفاظ کو ملا کر بنائے گئے لفظ ملیالی سے مراد ہے پہاڑوں
کا باشندہ یا حکمران۔ ایسی ہی صورت میں نقل لوگ جو ستمیری
کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ نقل زبان میں ملیالی کہلانے لگے۔ یہ
معیام برسنے والے ملیالی نہیں ہیں۔ یہ نقل زبان بولتے ہیں۔
سانیات میں ترکیب کی ادلائد ملیالی یہ ایک بہت ہی عمدہ مثال
ہے۔

ستمیری کی پہاڑیاں نقل ناڈو کی دھرم پوری ضلع
پر واقع ہیں۔ اس علاقے میں ۳۳ گاؤں ہیں۔ نقل ناڈو
کے مائلیوں نے مائلیوں سے اونچے علاقوں میں رہنے والے لوگوں
کے نام و کشتی جسمانی قدرتی حاصل کرتے ہیں۔ سفود و حاکم
میں وہ اپنے اپنے اہمیت مند رنگ کے گھونٹے ہیں۔
وہ اپنے آپ کو ان پانچ نامی سرمداروں کا
اولاد سمجھتے ہیں جو اس علاقے میں کا بنیاد پر مبنی تھے۔
گریشو کا جی کے نام سے یہ ستمیریوں میں بدنامی ہوئی تھی
کی ستمیریوں نے ان کا نام لیا۔ ابتدا میں وہ کرائی کے کھیتکاری
میں تھے۔ ان کا نام لیا گیا تھا۔ ستمیری کا ایک بڑا حصہ
میں رہتے ہیں۔ ان کی زبان بولتے ہیں۔ اس نے ایک ستمیریوں کا

کر لیا ہے۔ لیکن خود میں نقل حسب معمول رہی ہے۔ لاسما اور
ایسے ہی دوسرے معاملات میں بھی ایک ملیالی اور نقل باشندے
میں کوئی فرق نہیں۔ امتیازی روایات اور شکل و صورت داری جو
دنیا بھر کے پہاڑی باشندوں کی مشترکہ خصوصیات ہیں ان
ملیالیوں کو غریبی سے محفوظ نہ کر سکیں۔ ان کی رہائش گاہیں
مضامین جو زمینیاں ہوتی ہیں جو مٹی کی دیواروں پر بانس اور کچن
کے چوں کی کھیر پلوں سے بنی ہوتی ہیں۔ جنگلوں سے گالنت
جنگل کے انہیں چھوڑا پر سکھاتے ہیں اور ہر دور کے شہر میں
بیچتے ہیں۔ یہی شہر ان کے لئے تہذیب و تمدن کا نزدیک ترین
مقام ہے۔

ان کی اہم خوراک جوار باجرہ ہے۔ اگرچہ وہ دھان
بھی اگاتے ہیں لیکن چاول ان کے لئے خصوصی نعمت ہے جسے
اہم موقعوں کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔

ملیالی لوگ اپنی شناخت منقور رکھتے ہو چاہے
وہ بہت ہی غریب ہوتے ہیں۔ ہر گاؤں کی بچایت ہوتی ہے جس
کا بکھیا اور گاؤں پر کھانا ہے۔ حقیقت و قانون کے بعد تمام گناہ
کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ سفلی اور کاشنگ ایک دوسرے پہاڑی
میں سکونت پذیر ان کا نسودہ لران کے دورانی تائی اس اجتماع
کی حیدارت کرتا ہے۔ اس کی سماجی زندگی میں بیرونی اثرات
جیسے کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ طلاق اور بیوہ کی شادی
مقام ہوتی ہے۔ طلاق کی صورت میں بچے باپ کے پاس رہتے
ہیں۔

ستمیری کی ملیالی لوگ پہاڑی چیزیں اکٹھی کر کے
لاکھوں سے اپنے ملک کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ چاول اور جوار باجرہ
اگاتے ہیں۔ گالنت، بانس اور سفلی کی لکڑی ہیں وہ اہم چیزیں
ایم جوائی چاروں سے دستیاب ہوتی ہیں

دھرم پوری میں لیکن کھیتوں پر تیار کر کے بیج
تیار کسی کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ یہاں پر بھی داب تعلیم
کی دیکھ بھال، بھیج دیتے ہیں۔ ان کا اور دیگر ستمیریات انہیں
جسٹیاں پور میں ہیں۔ ستمیری میں ایک ہسپتال قائم ہو چکا
[باقی صفحہ ۱۱]

وقف ترمیمی ایکٹ

بنگلہ وقفہ ایکٹ میں ترمیم لائی گئی ہے اور اس

ترمیمی ایکٹ یعنی وقف ترمیمی ایکٹ ۱۹۸۵ء کو ہندوستان کے صدر کی منظوری حاصل ہو گئی۔ اس ترمیمی ایکٹ میں رکھی گئی گنجائش کے تحت اس ایکٹ کو مغربی بنگال میں نافذ کیا جا رہا ہے۔ اس ترمیمی ایکٹ میں وقف گمشدگی منظوری حاصل کئے بغیر وقف جائیداد منتقل کرنے والوں کے اور جن کے نام یہ منتقل کئے جائیں گے ان کے خلاف تعزیرات ہند کے تحت قانونی کارروائی کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ترمیم سے قبل اگرچہ ایسی اجازت حاصل کرنی لازمی تھی تاہم وقف گمشدگی منظوری یا اجازت کے بغیر وقف جائیداد منتقل کرنے والوں یا جن کے نام یہ جائیداد منتقل کئے گئے ان کے خلاف تعزیرات ہند کے تحت قانونی کارروائی کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وقف جائیداد کی منتقلی کی بابت مرتب کردہ قانون دیوانی میں اتنی بے چیدگیاں ہیں کہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف اقدامات باوقف جائیداد کی تعمیر، ازسیر و تعمیر یا تبدیلی کے کام کی روک تھام کرنا اہم محال بن چکا ہے یہاں تک کہ وقف سے وابستہ دیگر شعبے اور عوامی باڈیز جیسے شعبہ حاصل آرائشی، کارپوریشن ہیں منتقلی کی دستاویزات کے مطابق جائیداد کی منتقلی سے انکار کرنے میں دشواریاں محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے وقف ایکٹ کی دفعہ ۵۳ کے باوجود جس میں بے اجازت لینے کی گنجائش رکھی گئی ہے اور حقیقت جائیداد کی منتقلی کی روک تھام نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس ترمیم کردہ قانون کی تعزیراتی دفعہ کا مقصد یہ ہے کہ ایسی جائیداد منتقل کرنے کا کام کرنے والے لوگ بلا اجازت وقف جائیداد منتقل نہ کر سکیں۔ اس ترمیمی ایکٹ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ وقف گمشدگی اجازت حاصل کئے بغیر وقف جائیداد منتقل کرنے والے لوگوں کو واجب التعزیر سمجھا جائے گا اور انہیں چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی۔

ریاستی سطح پر بچوں کی رفاہ کے بورڈ کی ازسیر و تشکیل

۱۹۸۵ء میں سارے ملک میں بچوں کی رفاہ و بہبود کے لئے ایک قومی پالیسی کو اپنایا گیا۔ اس پالیسی میں مرکزی سطح پر بچوں کے قومی بورڈ کے اور ریاستی سطح پر بچوں کی ریاستی بورڈ کی تشکیل کی گئی تھی رکھی گئی ہے نیز ان مرکزی اور ریاستی بورڈوں کو یہ ذمہ داریاں سونپائی گئی ہیں کہ وہ بچوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے مرتب کردہ منصوبوں کا جائزہ لیں اور اس کام میں معروف عمل اداروں کی خدمات میں تال میل پیدا کریں۔

اس پالیسی کے پیش نظر ۱۹۸۵ء میں بچوں کے رفاہی بورڈ کی تشکیل کی گئی۔ اب اس بورڈ کی ازسیر و تشکیل کی جاتی ہے۔ یہ بورڈ مندرجہ ذیل اصول پر مشتمل ہوگا۔

صدر: وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

اعلیٰ چیرمین: وزیر اعلیٰ راج شعبہ امداد و رفاہ

ممبران: (۱) آفیسر ایچ راج شعبہ مالیات (۲) وزیر انچارج شعبہ محنت (۳) وزیر انچارج صحت عامہ اور پروگرام (۴) شعبہ صحت عامہ اور خاندان رفاہ (۵) وزیر انچارج ابتدائی و ثانوی تعلیم (۶) ریاستی منصوبہ بندی بورڈ کا نامزد کردہ اسی بورڈ کا ایک ممبر (۷) بچوں کی رفاہ کے کام میں معروف عمل رفاہ کار۔ اداروں کے پانچ ممبران تمام عزت مآب اسپیکر کے نامزد کردہ ریاستی اسمبلی کے مین ممبران (۸) بچوں کے ریاستی بورڈ کا ایک نمائندہ (۹) چیرمین، مغربی بنگال سماجی رفاہ مشاورتی بورڈ، نئے نئے نگران طالب اسٹریٹ سکولز (۱۰) بچوں کی رفاہ سے وابستہ مشہور و معروف ادارہ کا ایک نمائندہ۔

ممبر- سکریٹری: شعبہ امداد و رفاہ (رہنما سٹاف)

اس بورڈ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ بچوں کی رفاہ کی سرگرمیوں کو ایسے پروگرام میں اس کا جائزہ لے اور پروگرام کی تکمیل کے کام کی نگرانی کرے۔ نیز بچوں کی رفاہ کیسے پروگرام کی تکمیل میں وقف کردہ امداد پائونڈ ایلینوں کے درمیان تال میل قائم کرے۔

فالتا برآمدات پر ویسینگ علاقہ کی رفتارترقی

ریاستی حکومت کے وزیر صنعت و تجارت شری نزل بوس نے ۱۹ فروری ۱۹۸۶ء کو فالتا برآمدات پر ویسینگ علاقہ کا دورہ کیا اور وہاں کہنے جانے والے تعمیراتی کام کی رفتار ترقی کے سلسلے میں اپنی ترقی کا اظہار کیا۔

اب تک اس علاقہ میں ۱۸ صنعت کاروں کو اپنے اپنے کارخانے قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کارخانوں کے لئے ۳۰ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہوگی۔ اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ پانچ برسوں میں یہاں سے ۱۰۰ کروڑ روپے زر مبادلہ کی صورت میں نکالے جائیں گے۔ مرکزی حکومت نے اس علاقہ کی ترقی کے سلسلے میں تعمیراتی کام کا بجٹ ۵۵ کروڑ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس رقم میں سے آٹھ کروڑ روپے مارچ ۱۹۸۶ء تک تعمیراتی اخراجات کے لئے اس ویسینگ علاقہ کے حکام کو دئے گئے ہیں۔ ریاستی حکومت نے انڈسٹریل انفراسٹرکچر ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ذریعہ اس علاقہ میں سڑکوں کی تعمیر بھی کرائی، پانی کے نکاس اور دیگر ضروری خدمات پر ۶۲ کروڑ روپے خرچ کئے۔ اس علاقہ کو قائم کرنے کے لئے ۱۲۸۰ ایکڑ قطعہ آراضی کو حکومت نے اپنے اختیار میں لے لیا ہے۔ یہاں ایک گاؤں تھا، جہاں ۳۰۰ خاندان آباد تھے۔ گاؤں کی پوری آبادی کو پاس کے ایک گاؤں گوپال پور میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ گاؤں ۴۰ ایکڑ قبضہ آراضی پر محیط ہوا ہے اور اسے ایک ٹوئزنگ گاؤں میں تبدیل کرنے کے لئے یہاں ترقیاتی کام کا بجٹ شروع کر دئے گئے ہیں۔

شری بوس نے یہاں تعمیراتی کے سلسلے میں اپنی ترقی کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ مالی دشواریوں کے وجود میں ریاستی حکومت اس علاقہ کی ترقی کی خاطر ہر قسم کی مدد فراہم کرے گی۔ ایک پرائیویٹ فینڈ نے جو کمپنیز کے لئے ڈوٹ فیکس پر بننا شروع کیا ہے، اسے گزشتہ ڈیڑھ مہینے میں ۱۰ لاکھ روپے کی مالیت کی مصنوعات برآمد کی ہیں۔

سیلی گڑی میں ریاستی سطح کے مرکز اطلاعات کا افتتاح

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے زیر قیادت ۱۹ فروری ۱۹۸۶ء کو سیلی گڑی میں ریاستی سطح پر ایک اطلاعاتی مرکز کی افتتاحی تقریب منعقد کی گئی۔ اس موقع پر بیڈی ایمر کے وزیر ریاست شری تنگ داؤ آلاما نے کہا کہ یہ مرکز سیلی گڑی اور شمالی بنگال کے عوام کی درپز خواہش کو پورا کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس بات کی امید کرتے ہیں کہ یہ مرکز صحیح اطلاعات کی ایف جی کی بنیادی ذمہ داری نبھائے گا اور ثقافتی سرگرمیوں کا انتظام کرے گا۔ اس جشن کے سلسلے میں منعقد ایک جلسہ کی صدارت کرنے ہوئے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے وزیر ریاست شری پریمباشی پھوڑیکار نے اپنی تقریر میں کہا کہ تقریباً ۱۰۰ کروڑ روپے خرچ کر کے یہاں ایک عمارت تعمیر کی جائے گی۔ اس زیر تعمیر عمارت کے کچھ حصے کھولے گئے ہیں۔ پوری عمارت ایک سال کے اندر مکمل طور پر تیار ہو جائے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ عمارت ۱۰۰ نشستوں کی ایک بڑی ایئر کنڈیشنڈ ڈیوڑم، ایک لائبریری، ایک فائش ہال وغیرہ پر مشتمل ہوگی۔ انہوں نے یقین دلایا کہ یہ مرکز صحت مند ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوگا اور عوام کو صحیح اطلاعات فراہم کرے گا۔ انہوں نے ستھی لوگن اور ریس پر زور دیا کہ وہ اس مرکز کی سرگرمیوں میں اپنا تعاون پیش کریں۔

اس جلسہ میں جیاتی گوڑی ڈویژن کے کمشنر شری جاسکر شکوش، سیلی گڑی سب ڈیویژن کے جیٹر میں شری سوہن سکرار سیلی گڑی کے ایم ایل اے شری پرن بوس نے بھی تقریریں کیں۔

ذمہ داری سنبھالنے کی چھ بیماریوں کی مدت میں توسیع

صحتی ذیل بیماریوں کی ذمہ داری سنبھالنے کی مدت ۱۳ مارچ کو پوری ہونے جارہی ہے۔

Session Number 06167
Date 5.1.88

ہسپتال کھولنے کیلئے عطیہ

برلپور اور اس کے آس پاس کے غلوں میں رہنے والے لوگوں کے لئے مزید طبی سہولتیں فراہم کرنے اور زیادہ سے زیادہ مریضوں کے ہسپتالوں میں علاج کے سلسلے میں ریاستی حکومت نے برلپور میں ایک ریاستی عام اسپتال کھولنے کے لئے ۲۵۰۰۰ روپے بطور غیر مکرر عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔ اس ہسپتال میں مریضوں کے لئے ۱۲۵ بستروں کے اور آؤٹ ڈور میں بھی مریضوں کا علاج کیا جائے گا۔ مذکورہ ۱۲۵ بستروں میں سے ۱۰۰ بستروں مفت ہوں گے اور ۲۵ بستروں کے لئے فیس لی جائے گی۔

بقیہ : اقلیتوں کی تعلیم

کے مول کو جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور اس سے متعلق سہولتوں کے دیگر بہت سے مسائل کا ذکر وہیں ہے۔ اس میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے کہ تمام دھرموں کی بنیادی معاشی روٹیں مستحکم بنایا جائے اور اس طرح اس سے مسلمان کے بھی مفادات کو فروغ حاصل ہوگا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلمان شہریوں کے ساتھ مختلف طریقہ سے سلوک کیا جائے، جبکہ ہماری منزل مقصود متحدہ ہندوستان ہے۔ لیکن ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے لئے سماجی تحفظ کے انتظامات کیے جائیں گے، جو غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور اس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شامل ہیں۔

رفیق راہ بھی منزل ہر اک تلاش کے بعد
چھٹارے ساتھ تیرہ کی تلاش بھی نہ وہی
مولیٰ خادلی آئینہ ہر خراش کے بعد
جو پاش پاش ہوا اک خراش مجھ نہ ہی

قطعے

یونٹوں کے نام - ذمہ داری سنبھالنے - کی تاریخ کی تعداد

۱۱۹	۶-۹-۷۲	انڈین بنگلہ اینڈ کاسٹس لیگیشن
۵۳۲	۲۲-۷-۷۵	گھڑگوٹ لیگیشن
۵۳۲	۲۹-۳-۷۹	آکوٹھ لیگیشن
۲۵۳	۲۷-۷-۷۹	پلائی ووڈ لیگیشن
۳۸۶	۲-۹-۷۹	ریٹس (ریٹس) اینڈ کاسٹس لیگیشن
۳۱۲	۲۶-۵-۷۹	ایڈلبرگ لیگیشن
		ایڈلبرگ لیگیشن (ریٹس)

حکومت ہندوستان کے وزیر برائے تجارت و صنعت ترقی
زیر بوس نے مرکز کا وزیر برائے صنعت سے ایک خط میں گواہی کی ہے
کہ ذمہ دار بن جانے کی مدت کو مزید ایک سال کے لئے بڑھا دیا جائے۔
اس مدت کے اندر ایسے تمام بڑوں کے قومیانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔
مشری بوس نے مزید بتایا کہ تمام پروڈیم مصنوعات
جن میں پٹرول، اڈیزل، پگاز، گیس اور گراسن شامل ہیں، ان کی
قیمت میں اضافے کے سلسلے میں مرکزی حکومت کا تعاون سے نہ صرف تمام
لوگ بری طرح متاثر ہوں گے اور اس سے افزائش میں اضافہ ہوگا بلکہ
اس سے ریاست کی صنعتی ترقی بھی بری طرح متاثر ہوگی۔ صنعتوں کا
دار و دار زیادہ تر پروڈیم مصنوعات پر ہوتا ہے مگر پیداوار کی بہت
ساری خام اشیا کی قیمتیں ہیں یا ضابطہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ
اضافہ صنعتوں کے لئے مزید مسائل پیدا کرے گا۔



سندھ بن علاقے کی مزید ترقی کے سلسلے میں ۳۰ اور ۳۱ جنوری ۱۹۸۶ء کو مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو "سندھ بن علاقے" کا اسٹیٹس دورہ کرتے ہوئے۔



سندھ بن علاقے میں نیا ٹھونا گھمادی جیل میں جس کا مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۳۰ جنوری ۱۹۸۶ء کو افتتاح کیا۔

Postal Regd. No. WB/ CC-52
Vol—33 No.—4
PRICE—12 Paise

MAGHREBI BANGAL
15th February 1986



مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو مدنا پور میں دیدار گریونڈ سٹی کی نئی عمارت کا ۱۵ جنوری ۱۹۸۶ء کو افتتاح کرتے ہوئے۔



منزلی بنگال

بم ۱۳۳۳



پندرہ روزہ
مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پروستین بھٹا چاریج

مدیر : دھندراناتھ دت

مدیر معاون : مسعود اعظم

جلد نمبر ۳۰۰۰ + یکم مارچ ۱۹۸۶ء + شمارہ نمبر ۱۰۰۰۰

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے + اس شمارے کی قیمت، بائو پیسے

ترمیمی کارڈ کا پتہ:

پرنسپل
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۳۳-۱، کراؤن، سکری روڈ، کلکتہ ۷۰۰۰۰۱



صدر جمہوریہ ہند شری ذیل سنگھ نے فروری ۱۹۸۶ء کو لندن وال، انگلینڈ میں پریس کلب کے زیر اہتمام قومی یکجہتی پر مشفقہ ایک سیمینار میں۔۔۔
مغربی بنگال اسمبلی کے اسپیکر جناب باہم عبدالحکیم کو بھی تصویر میں دیکھا جاسکتا ہے
(تصویر از اجیت داس)

قلم السیر

میں رنگارنگ فلم تقریب

حیدرآباد کا افتتاح



روشنی کی چمک دیکھ، گیتوں کے لہرائے سروں
اور رنگین رقص کے درمیان حیدرآباد میں فلم اسٹوڈیو کا افتتاح
ہوا۔ اس اسٹوڈیو کا مشہور فلم آرٹسٹ شری اشوک کمار نے افتتاح کیا
اور جنوب کی ایک مشہور فلم اسٹار سرک دیوی نے روایتی چراغ جلہ
کو اس تقریب کا آغاز کیا۔

اس تقریب کے میزبان آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ شری
اینڈیٹا رامارادھ اس افتتاحی تقریب میں دیگر صحافیوں کے ساتھ موجود
تھے۔ یہ تقریب مرتیں "لیٹھا کلا تھورام" کے ڈائریکٹر پر منعقد ہوئی۔
اس تھورام کی تقریب کے لئے ۹۰۰ دنوں میں تعمیر کی گئی تھی۔ اس
موقع پر کنڈا کی ایک تقریبی فلم ۹۰۰ دن کھلی ہوئے آڈیو ٹریک کے
بڑے پردے پر پیش کی گئی۔

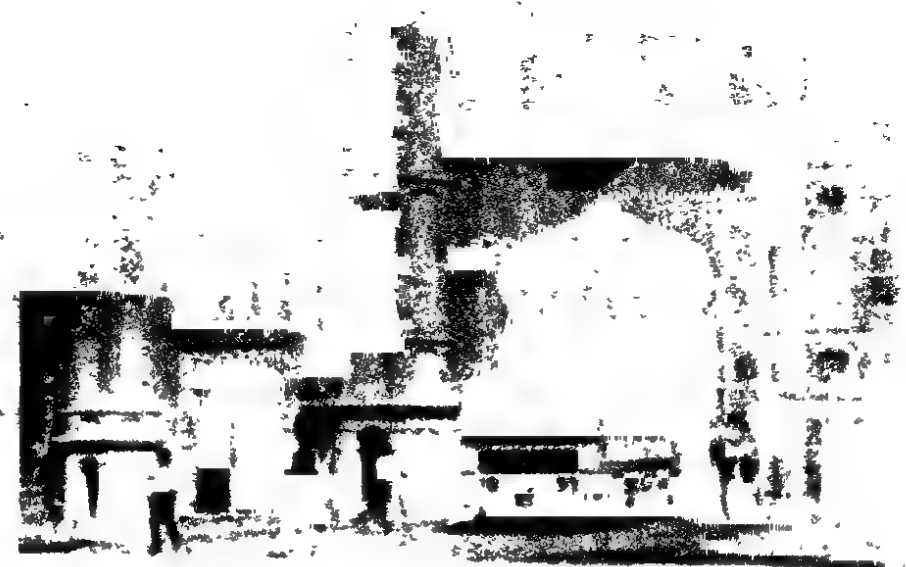
اس شاندار تقریب کے افتتاح کے بعد شام ۷ بجے
ہیرو گرام پیش کیا گیا۔ اس رقص کی ہدایت کار مشہور اداکارہ کشمی
ہیں۔ اس رقص میں عثمانیہ برنورسنی کی چالیس طالبات نے پانچ
فلم ایکٹریس رادھا، بھانو پریہ، اھالیہ، منگل گوری اور رانیہ
کرشنا کی سربراہی میں حصہ لیا۔ ان ایکٹریسوں نے اپنے رقص
کے ذریعہ ہندوستان کی ثقافتی اور جذباتی یک جہتی کو نمایاں کیا
اور اس کے ساتھ ساتھ مہانوں کو جنوب کے اس تاریخی شہر میں
خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد اس ایجنٹ میں لمبا ڈانچ پیش کیا گیا۔

راجستھان کے لمبیڈی قبیلہ کے نام پر اس ناچ کا نام لمبا ڈانچ رکھا گیا ہے
اس کے بعد ایک اور ناچ پیش کیا گیا، اس ناچ میں سروں کے بجائے
ڈھول کی آواز اور عورتوں کی چوڑیوں کی جھنکار نے پردے آڈیو ٹریک کو
بہت ہی لطیف انگیز سرور سے بھر دیا۔ آخر میں پانچ سو سال کا قدیم
ناچ "پیر منی شیو تھورام" پیش کیا گیا۔ یہ ناچ شیو دوتا کو بطور
خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ناچ کھٹک ناچ کا طرح ہے۔ اس
ناچ کا موسیقی کا وحن اور ٹریک جذباتی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔
اس سے قبل شری این۔ ٹی۔ رامارادھ نے مہانوں کا استقبال
کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بنیا کو کھلی ہوا کے اس شاندار آڈیو ٹریک
کا نام "ٹیلگو لیٹھا کلا تھورام" رکھا گیا ہے اور اسے عوام کے سپرد
کر دیا گیا ہے۔ اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ تھوار ساری
دنیا سے پہلے آنے والے آرٹسٹوں، فن کاروں اور فلم سازوں کے
لئے فلم سازی کے طرز اور نئے رجحانات سے بغضیاب ہونے میں
معاون ثابت ہوگا۔

شری اشوک کمار نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ
وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ فلم کا دنیا میں آنے کے بعد برسرِ ہوش
ہیں اور اس سال ان کی گولڈن جوبلی مناسبتی جا رہی ہے۔ اس عزت
افزائی کے لئے وہ سبوں کے مشکور ہیں۔

مرکزی وزیر ریاست برائے ثقافتی امور شری مرنی
مندر

حمید آباد
کا
ہندوستان
کے
تاریخ
کا
مجلد



ردہ چکی نے جو اس تقریب کی صدر بنیں، فلم سازوں سے اپیل کی کہ وہ سب ایک متحد اور یک جہت قوم کی حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ کو سینما کے پردے پر پیش کریں۔

مہمان خصوصی آنحضرت ایشیائی گورنمنٹ کے سرکاری کمشنر جوشی نے اپنی تقریر میں ان مشہور ڈائریکٹروں کا ذکر کیا جنہوں نے پردہ سیمین پر ہندوستان کی سہری تصویر کشی کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں نوجوان فلم ڈائریکٹروں اور اداکاروں سے اپیل کی کہ وہ ان ڈائریکٹروں کے نقش قدم پر چلیں۔

فلم اسٹوڈیو کے ڈائریکٹر مری ویرین وھرنے اپنی تقریر میں نائنسویں صدی کے عظیم اداسی علمی تہوار کی عظمت کی کوششوں کا ذکر کیا جن کی وجہ سے یہ تہوار کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ مہانوں اور نائنسویں صدی کی طرف سے شری دیپ کمار نے میزبانوں اور فلمی تہوار کی عظمت کا ملکا شکریہ ادا کیا کہ ان لوگوں نے بہت سی خلوص اور گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں شری اس۔ ٹی۔ انارڈ سے درخواست کی کہ وہ فلم صنعت کی ان مسائل کو جن سے یہ دوچار ہے دور کرنے میں رہنمائی کریں۔

ہندوستان کے فلم فیڈریشن کے صدر شری جی پی سہتی نے مہانوں کا شکریہ ادا کرنے کی تجویز پیش کرتے ہوئے حکومت سے درخواست کی کہ وہ اس صنعت پر ٹیکس کا جو بوجھ ہے ۱۰ فیصد ہٹا کر ۵ فیصد آئندہ ایشیائی فلم ترقیات کو پریشانی اور دیگر متعلقہ اداروں کی میزبانی کو ٹائمنڈوں نے کافی سراہا۔

اس تقریب کی افتتاحی فلم ۹۰ دن 'ہنسی مذاق' ایک تفریحی فلم ہے۔ اس سے کنڈاکے قومی فلم بورڈ نے پروڈیوس کیا اور جانیلس ڈاکٹر نے اسے ڈائریکٹ کیا۔ یہ فلم موجودہ دور کے دور جوانوں کی دل خوشی کی تلاش کی کہانی ہے۔ یہ نوجوان ایلیکسی اور بتو ہیں جنہیں ازدواجی زندگی کے لئے اچھی بولی کی ضرورت ہے۔ بتو ایک اچھی بولی کی تلاش میں ڈاکٹر فرسٹ کو چھان مارتا ہے، دوسری طرف ایلیکسی کو جیسے اس کی بولی گھر سے نکال دیتی ہے، ایک ڈاکٹر کا سہارا مل جاتا ہے جو اس کے پاس یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ وہ اس کے ایک موکل کے لئے ایک بچے کا باپ بن جائے۔ بتو اپنے دوست کی طرح باہمت نہیں ہے۔ اس لئے وہ ڈاکٹر سے ایک عورت کو چھن لیتا ہے اور اس سے شادی کر کے اسے اپنی زندگی

حیدر آباد میں
علم ضروری
تعمیل
کی تلاش
کے
سلسلے
تعمیل کر رہے
تعمیل ہوا
اسکرین



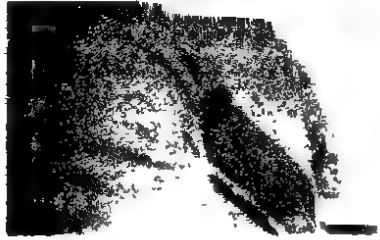
تعمیل کی۔

مغربی ممالک نے بہت ساری تعلیمیں اور برازیل نے چند
تعلیمیں لاس تھوار میں پیش کیں لیکن ان میں سے زیادہ تر تعلیمیں
مذکورہ ہندو مت کے موضوع کو اجاگر کیا گیا ہے اور نہ تکنیکی لحاظ سے ان
میں کسی بابت پائی جاتی ہے۔ ان میں اعلیٰ معیار کے اخلاقی اقتدار
اور جمالیاتی ترقی کا فقدان ہے۔ بین الاقوامی تہوار میں ایسی تعلیموں
کی تلاش کی قریب نہیں جا سکتی۔ ان باتوں کے اور غیر ملکی ممالک
کی اسٹینڈنگ انٹراب کے پیش نظر ایک شخص بھی مضمون پیش کیا
پر جو سکتا ہے کہ کیا تہوار کے حکام کا صحیح مضمون میں یہ ادارہ ہے
کہ ہندوستانی علم و صنعت کی ترقی ہو اور ملک میں علم اور کامیابی اور
علم و تکنیک کے آرٹ میں بہتری ہو۔ یہ بات بامعنی نہیں ہے کہ علم
و کھیلنے والے جمالیاتی قدروں کو پسند کرتے ہیں اور خاص طور پر
حیدر آباد کی طالبات نے جنس، جوڑم اور تہذیب کی تعلیم منتخب کرنے کے
لئے تہوار کے حکام کے خلاف مظاہرہ کیا۔

بہر حال سوویت اور چند مشرقی یورپ کے ممالک اور مغربی
دنیا کے ممالک کی پیش کردہ تعلیمیں اگرچہ مغرب کے مفاد کے لئے ہیں لیکن

کاسا جی بنا لینا چاہتا ہے لیکن اس کی ہونے والی بیرونی فرسکی ہوتی
ہے اس لئے اسے صرف ۹۰ دن کی چھٹی دی گئی کہ جس میں وہ
اپنی ہونے والی بیرونی کی بابت حسب ضروری معلومات حاصل کر لے
ورنہ ۹۰ دن کے بعد اس صورت کی ویزا کی تاریخ ختم ہو جائے گی۔
تسم گرانہ اور اسٹیفان وورڈیلوسکی نے ان دوستوں
کا کوئی بہت ہی شاندار طریقہ سے ادا کیا اور ایک پرانے کھیل
کرنے والے قوانین سے کھیلنے میں کوئٹہ میں پارک اور فرسٹ انڈیا میں
نے ان دوستوں کا ساتھ دیا۔ علم ۹۰ دن میں وائٹ بکس نے اس بات
کو چھان کوئے کی کوشش کی ہے کہ مجھے صرف وہ چہرے کا سننے کی فکر
ہوتی ہے، وہ انسانی تعلقات کی ترقی بھر پور نہیں کرتا اور آج اسی
وجہ سے مغربی دنیا میں انسان تعلقات نیستی کے وہ بے پھر ٹیڈ ہیں۔
حیدر آباد میں پہلی بار بین الاقوامی علم و تہوار منعقد ہوا۔
اس رنگین تہوار کے موقع پر ہندوستان کے ممالک اپنی چند تعلیموں
کی تلاش بھی کی۔ بڑے امدادیم سیکشن میں جو تعلیم و کھلائی تھیں، ان
کے سلسلے میں بہت سارے وظائف اور پرسے نے ایسی ہی کامیابیوں میں
سال اساتذہ تہوار میں تعلیم کے جمالیاتی نوع کی اجتری پر شدید

حیدر آباد فلم انسٹر
۱۹۸۷ء میں
پیش کردہ
بچہ منہم
"پروما"
کا ایک منظر
دو ستارے
اور تین اور
کون شہ



پیش کئے گئے ہیں اور نئی امنگ اور روشنی اور نئی امیدوں کی چٹگوئیاں
کی گئیں ہیں۔ چند فلموں میں سماجی مسائل کو اجاگر کیا گیا
ان فلموں میں سے چند یہ ہیں: "پرو لوگتہ نام"
(چکسو سواکیا) "میرر" (ایف آر جی) "ناسک" (یو ایس اے)
"دیلے رنگ سن" (جمہوریہ کویا) "اسلیکو" (اسپین) "نبو ماؤ نغین"
(روسی)۔

پہلی فلم بڑھاپے موت اور محبت کی بابت ایک المیہ مزاجیہ
نم ہے۔ اس فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح پیار محبت اور عزت
لا ملاج سرطان کے مریض پر قابو پانے کے لئے مریض کے دل میں امید اور
امنگ کی روشنی پیدا کر دیتی ہے۔ دوسری فلم میں ایک عزیز اور
ایماندار شخصیت مزدور اور اس کی بوی جو زمیندار کی جوس کا شکار بن
جاتی ہے کے درمیان نفسیات تنازعہ کی شکست کی گئی ہے۔

شہر اپنی عزت اور اپنی بوی کی آبرو بچانے کے لئے
اس زمین دار کو جو اس کے گھر میں گھس آتا ہے، جان سے مار ڈالتا
ہے اور اس کی لاش کو اپنے بیل کے گولال گھر میں لے جا کر دفن کر
دیتا ہے۔ بوی بہت خوفزدہ ہو جاتی ہے اور گھر کی حرکت سے
ناخوشی کا اظہار کرنے کے لئے بالکل خاموش ہو جاتی ہے اور اس

تاج پر رو بہ زوال آرٹ اور ثقافت کے ریگین میں غفلت
ثابت ہو گئی۔ مثال کے طور پر یہاں لکھوئی کہ "جیسی فلم کو پیش کیا
جاسکتا ہے۔ اس فلم کے ڈائریکٹر زرجوان پاپول چھوٹے
جس نے اس فلم کے ذریعہ اس حقیقت کو عیاں کرنے کی کوشش کی ہے
کہ نوجوان غلط راستہ پر گمزن ہو سکتے ہیں اگر اخلاق اور ایماندار کا
کے راستہ پر گمزن کرنے کے لئے مناسب اقدامات نہ کئے جائیں۔ اس
نم میں اس بات کو عیاں کرنے کی کوشش کی گئی کہ سماجی رفاہ کی مقبول
عام فلمیں بنا کر جاسکتی ہیں جن میں زندگی کی صدا کا اظہار کیا جا
سکتا ہے۔

ہنگری کی فلم "ولس و نام" "سز لھوک" (کیا وقت
ہر اسز لھوک) میں انسان کی زندگی کی ایک اہم تصویر پیش کی گئی
ہے۔ یہ فلم واقعی قابل تعریف ہے۔ فلم کے ڈائریکٹر پیر بوسکونے
ایک گھری ساز کی اس کہانی میں اس بات کو عیاں کیا ہے کہ بد نظمی
اور حملہ آور نادانوں کے وحشیانہ فلم پر قابو پانے کے عزم ہیں
مجاہدین کو آخر میں آزادی نصیب ہوتی ہے۔

ناتش میں بہت سی اچھی فلمیں ہیں پیش کی گئیں۔ ان
فلموں میں بدوجہ کرنے والے مریض اور عورتوں کی زندگی کے حقائق

فلم آئسو ۸۶
ہیو تیری
دنیا کی
عورتوں کی
فلم
تسللا اور
بھیڑ ہے
کا ایک
منظر



تہوار میں ۲۱ فیور فلمیں پیش کیں۔ یہ فلمیں گزشتہ سال تیار کی گئی تھیں اور
ابہیں نمائش کے لئے سرٹیفیکیٹس میں دئے گئے تھے۔ پہلی فلم 'مایدوری'
تھی جو تنگ فلم ہے اور جس کے ڈائریکٹر شری ایس سری واسا راتو ہیں۔
اس کے بعد چلی کردہ فلمیں جیسی 'اکٹیشن'، 'آسامی'، 'ڈائریکٹر جی۔
سیکیہ'، 'آدی اور عورت' (ہندی ڈائریکٹر تین سنہا) بہت ہی
عمرہ کر ایسی کی فلمیں ہیں۔ بنگلہ فلم 'ماچر' جس کے ڈائریکٹر این جی راج
ہیں، میں لوگوں کی ایک جماعت میں پیش کیا گیا ہے جو ایک تاریک گلی
میں ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہیں اور انہیں اپنے مائیں کا کوئی منطقی
حل نہیں ملتا۔ اس فلم کا گروچہ موضوع تو بہت اچھا ہے لیکن فلم میں اس
موضوع کو اچھی طرح اجاگر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح 'اگات' (گووند نہانی)
پرلما (پرناسین) کلنڈا بارہتا (اڈیبہ) ڈائریکٹر بن موہن مہاپاترا
'مشرط' (ڈائریکٹر کیتھن آندا) فلمیں بھی خصوصی ذکر کی مستحق ہیں۔
اس سیمار میں سب سے زیادہ ہندی فلمیں پیش کی
گئیں۔ ان کے بعد جنوبی ہند کی فلمیں آتی ہیں۔ گروچہ بہت ہی کم بنگلہ
فلمیں پیش کی گئیں تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیار ہار فلک اڑوں کی وجہ سے
آج بھی بنگلہ فلمیں ہندوستان کے دیگر علاقوں کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہیں۔

بات چیت بھی نہیں کرتی۔ ان لوگوں کا یہ بھی بیوی کا ساتھ دینا
ہے اور بے چینی کا اظہار کرتا ہے گویا وہ اس قسم کی خدمت کرتا
ہے۔ وہ شخص شور مچانے والے اس جانور کو مار کر اپنی بیوی کے
خاموش غم کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
ڈائریکٹر ایرٹون کیرل ان باتوں کو بہت ہی بہترین طریقہ
سے فلم کی شکل میں پردہ پر پیش کرنا ہے اور بیوی کی شکل میں نور سٹور
نے بہت ہی اچھی اداکاری کی ہے۔ ہم یہاں یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح
خاموشی پیچ سکتی ہے۔ اس فلم میں اس نقطہ کو بہت ہی بہترین
لریقے سے پیش کیا گیا ہے اور آرسٹوں نے بہت ہی نمایاں کردار ادا
کی فلم 'کوچے ہسٹو بے' (میشیا) 'این فزوم کوردا' (سوسینڈن) 'گولڈنڈ
سکا' (ردس) 'دین خاور مارا اولے اون بزنس' (یوگسلاویا) اور
جیسائن (میشیا) ٹنگ اور مقصد کے لحاظ سے بہت ہی عمدہ فلمیں ہیں
اور انہیں بہت بہترین طریقہ سے پردہ پر پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے ہفتے میں
ملکی اور بیگم لاط سے مغرب کی چند اچھی فلمیں بھی رکھائی گئیں، اس طرح
اس 'جرم' نشہ کی فلموں سے اکت جانے والوں کو کچھ راحت ملی۔
ہندوستانی فلمیں: ہندوستان کے فلم سازوں نے اس

تیسری دنیا کی صورت سنیں

نفس کہ دنیا و مافیہا سے تعلق نہ رکھتا ہے۔ اس کی ابتدا ایک رنگین فلم
• انڈیا کی ہے۔ (جہاں کا ناچ) سے کی گئی۔ اس فلم کو تیرا تیر
نڈا ٹریکٹ کیا۔ اس فلم کی عورتیں ایک نائٹ کلب میں کام کرتی
ہیں اور وہ سب ناچتے ناچتے اپنے جسموں سے لباس کو اتارتی
رہتی ہیں۔ اس طرح مردوں کی تفریح کی جاتی ہے۔ اس فلم میں
ان ناچنے والی عورتوں کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ فلم
اس بات کی جانچ کرتی ہے کہ ان ناچنے والی عورتوں کے خود اپنی
بابت کیا خیالات ہیں، کیوں کہ وہ جو کام کرتی ہیں وہ سماج
بدنامی سے وابستہ ہے۔ اس فلم میں جہاں سماج کی زندگی کی
چند اہم مسائل کا تنقید کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس فلم میں ان
لوگوں کے تناؤ اور امیدوں کو ظاہر کیا گیا ہے جو سماج کے
بذریعہ اخلاقی اصول کے ذریعہ قائم کردہ حدود کے باہر زندگی
گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اسی احوال کے سات مذکور میں اور بھی بہت سی
 لیلیں پیش کی گئیں جن میں "شیلڈ" اور "۳۶۰" چرنجی بین
 (ہندستان)، "ہوٹ فائرس" (برازیل)، "بروٹل" (فیلیپائن)
 "آور میرج" (جپان) اور "گول ان ڈریڈ" (چین) شامل ہیں۔
 "بروٹل" فلم کی نمائش کے سلسلے میں حیدرآباد کی مورقو نے
 احتجاج کیا کیوں کہ اس فلم میں صرف جنسی باتیں دکھائی گئی
 تھیں، اور حکام نے احتجاج کے پیش نظر اس فلم کی نمائش
 روک دی۔

پہلی بار اس فلم اتھو نے ہندوستان کی فلم
سوسائٹیوں کے فیڈریشن کے تعاون کے ساتھ دستاویزی فلموں کی
خاتش کے لئے ایک الگ سیکشن کا انتظام کیا۔ اس سیکشن کا
افتتاح کرتے ہوئے مشہور اور روبرال کرشنن نے اپنی تقریر میں
اتھو سے ایک دستاویزی فلموں کے تہوار کی ضرورت کی اہمیت
پر زور دیا۔ مشہور روبرٹ آرونسن، نیو یارک کے چیف اتھو ایڈیٹر اور
فلم سازوں کی ایسوسی ایشن کے ڈائریکٹر نے اس فیڈریشن کو

4

دستاویزی غلطیوں کے اہتوار کے لئے عبادت گاہ دی۔

اسی سے قبل اسی فیدائش کے جزل سکرٹری شری
اجے کو نے انہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ مختصر تصویریں سماج
کی صحیح تصویریں پیش کرتی ہیں، اس لئے ایسی فلموں کے ذریعہ
سماجی مسائل کے سلسلے میں عوامی بیداری پیدا کی جاسکتا ہے۔
انہوں نے مزید کہا کہ ہندوستان میں خود مختار دستاویزی فلموں کی
نہایت کمی ہے۔ انہوں نے انہار کا انتہام کرتے ہوئے کہہ دیا کہ شیش کی جانی
پاؤں۔

نہم اتوں ۸۶ کے ڈاکٹر یکدم وزیر یکتا نے فلم
سازوں سے یہ درخواست کا کردہ منظر فلموں کی غریب کوئٹہ
رکھیں۔

آسٹریلیا، چیکوسلوواکیہ، فنلینڈ، ایف آر جی،
ہندستان، اسپین اور ملائیشیہ متحدہ امریکہ کی منتخبہ ۶۵ دواؤں کی
فہرست اس نمائش میں پیش کی گئی ہے۔ آئندہ چور دھن، لوسین لالہ دانی،
کاگنی کھل، پراویپ، دکشت، اور پریم ویر نے ہندوستانی دواؤں کی
فہرست پیش کی ہے۔

بیرونی ضامین

غم اس ۲۶ کی پرانی غلوں کے سیکشن نے ۱۹ امریکی اور
 ۶ استوز ابر کی غلیں پیش کیں۔ زہو کی غلوں میں غم بیوں کی کافی پھیڑ
 بھیڑ ہوئی اور اس کی تقریر: میفترہ غم بہت مقبول ہوئی۔
 ہندستان کی پرانی غلوں میں اینو پھیڑہ اشوک کھار اور
 ایناٹ آر کی غلوں نے خاص طور پر نو پھیڑہ کی غلیں کافی مقبول ہوئیں۔
 اس ہوار میں ایک غم بازار کا جس انتظام کیا گیا تھا
 جس میں مختلف ملکوں کی تقریباً ۲۰ غلیں رکھی گئی تھیں ۱۹۴۴

از: دهریندرا ناتھ دت



تو چودہ برس کی حقین اذرا میں سے پہلے سے ہی شعر کہہ
ہی تھیں۔ انہوں نے انگریزی ہی میں فرانسیسی شاعر کی تخلیقات کا
ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ فرانس کو ابھی ابھی شکست ہوئی تھی۔ اس
کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا:

یہ ٹوٹی ہوئی ایک شمشیر ہے
فقط یہ نہ سمجھو کہ پٹنے لگی ہے
نگاہوں میں اس کی ہیں آتش کے شعلے

خبردار رہنا! خبردار رہنا!

ایٹاک کے فتح خانے، سبکدوشیو!

فقط ایک گھنٹے کے بے جا سے وقفے میں 'اف'

یہ دلیری تمہاری!

فرانس! اور تمہاری انہی کاٹ! ز!

یہ ٹوٹی ہوئی ایک شمشیر ہے

وہ دیکھو وہ پھر اٹھ رہی ہے

بڑے حصے اور ہمت کے بل پر، لڑائی کی خاطر

چمکنے لگا! اس کی روشنی جیسے کستارا

نہانے کو پڑنا نہ کرنے کی خاطر

جبکہ اس کے آگے زمانے کی قوما!

تمہاری یہ پھر سہرا ہ کرے گا

♦♦

اس کے علاوہ نظم 'سوتری' کے یہ سطور ملاحظہ ہوں!

میں ہے یہ جنگ! سویرے سویرے

میں ہے یہ جنگ! بھری دو پہر کو

مگر ام کو یہ تو سب سے میں ہے

کہ جب ڈوب جاتا ہے موجد

شفیق اور نئے چاند کی روشنی

بدل دیتے ہیں سبھی کھر در می صورتیں

اور رنگوں کے چہرے

بہاں جاننے سے بچے نیلے پردے کی تہ میں اتر جاتے ہیں

اور دھڑکتے اس پہاڑی کے نزدیک

اور وادی کے اندر جہاں
اوس میں بھیجے، مسکراتے شگوفے
سبک خوشبو میں چھوڑتے ہیں
وہاں ایک شومرا، و خادار پوری
لئے ہاتھ میں ہاتھ، دیکھو
گھنے جنگلوں کی طرف
برہے جا رہے ہیں۔

♦♦

وہ نازک نہ تھی، وہ نہ کمزور تھی

قوی تھا ہر اک انگ، اگر کیا، چلتے ہوئے حسن کا

بھرا، ابھرا سینہ

ادائیں بڑی روح افزا

پہلائی یہ، لٹاس کی

نقاب کی دیوی، سبک گام خرگوش جیسی

ارے۔ اس کا چہرہ، گھرا بہائی ہوئی زلف کے بادلوں میں

کسی دست فنکار کو اتنی فرصت کہاں؟

کہ اس حسن و شوکت کی تصویر کھینچے

اسے راہ جاتے، تعجب بھری نگہ عزت سے دیکھیں

وہ آنکھیں بڑی نرم، لیکن

چمکتی ہوئی اک کرن جو کہیں ان میں لہرا سی جائے

شبستانہ بھی کوئی ان کی اطاعت سے منکر نہ ہو

('جگدھا اما' ہے)

♦♦♦

کئی سال گزرے، گزرتے گئے.....

مگر موت..... جس سے مغربی نہیں ہے

اور حیران پہنچی ریشمی راج کو لے کے جانے کی خاطر

وہ ہرئی وہاں، ان کے پسوں میں تھی

لئے سوگ میں ڈبڈبا سسی آنکھیں

کہ کچھ چہرے کوئی اپنے ابا کے لمحات آخر پہ نظریں جاتے

بھری آنکھوں کا دھندلہ سہ تہوں ہے

رشی راج بھی مکتھے دیکھنے میں اسے
مادر! اپنے انجام کی آہٹوں سے
بڑے ناز سے پالی ہر فنا سے آخر
بچھڑنے کے لمحات کے دکھ بہت تھا انہیں
اس کی طرف سب خیال ان کا مرکوز تھا
بے خزانے حال اور فدا کی پرچائیوں سے
(راج رشی اور ہرنی)
++

دھرو!
رہزوم بن کر عقیدت کے پتے
کر مقصود ہے بس بھلائی کی کوشش
بشار اور خدا ہی کی ذی جس خدا کی خاطر
رہو منکر!
یہاں اٹھارہ بشار اترتے ہیں خوشحالیوں کے ہولے
کہ جیسے ڈھلاؤں کی جانب ہی بہتا ہے پانی۔
(نظم "دھرو کی داستان ہے")
++

نہ آتش سے خائف از شمشیر سے
میں حضور میں بھی کو دجاؤں گا، اے میرے والد!
ادھر ایک جتنا
ادھر میں ایک لکھی
نہ لے لوں گا بھر میں کہ میرا خدا ہر جگہ ہے
(پس ہلا خٹھے)
+++

ایڈمنڈ گاس نے ان کی تخلیقات میں تازگی اور دہی ماحول
کی منتظر کشی کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا اور ان کی بار میں معنوں میں کھا
س کے اختتام پر انگریزی کے ایک شاعر کے یہ الفاظ تھے:
"تمہارے یہ بچپن! مجھے دل کی نعمت
جوانی کی زندگی میں فراہم ہیں پھر بچپن
ابھی ان میں سرمت نظر آ رہی ہے"

گزرتے ہوئے حالت بچگی سے
مگر م جو کچھ رہے ہیں
ڈیو کو قسم،
کئی تائیوں کی گراں بار شیر نیوں میں
انہیں تو یہ مدہم کئے جا رہے ہیں
تمہارے یہ بچپن! مجھے دل کی نعمت!

تو اور آدھو معذرت دق کے عارضہ سے وفات پا گئیں۔ آدھو تو تھوڑے ہی
بسی۔ ارو کی موت پر تو نے تیری کر لکھا،
"مالک نے پیاری لڑکوں سے چین لیا ہے۔ ہمارے لئے یہ دونوں کوشش
ہے لیکن اس کی دنیا پوری ہو گئی۔ یہی معلوم ہے کہ وہ بھلائی کے لئے کرتا ہے۔
جب تو بیدار ہو گئیں تو ان کے والد نے لکھا:
وہ بولی سسی، کمزور لڑکی
وہ بکھرے ہوئے بالوں والی
دکھڑیلی، اپنی ہی مرضی کی مالک
پکاروں جو میں تو توجہ نہ دے
پرندے سے ابلی سے وہ
بڑی نرم و نازک سی باتوں کے درپے
مگر وہ بہت ہی سمجھدار تھی!
++

جب کھانسی اور پیچہ کا مدد نہ ہوتا تو تو جی سنکرت
لازمی بیسی ڈکشنریز آف مانسٹر لٹریچر کا مطالعہ کیا کرتی تھیں۔ اکیس
برس کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ پرستی سین گپتا نے ٹھیک ہی کہا
ہے۔

"کھادی نودت کی بے وقت رحمت سے ہیں محسوس
ہوتا ہے کہ انہیں شاعری کے لگاتار پروان چڑھتے معیاروں تک پہنچنے
کے سدا بہار اسکانات سے محروم کر دیا گیا۔ وہ انگریزی، فرانسیسی
اور سنسکرت میں کافی عبور رکھتی تھیں اور ان میں بچے کی عمر کی روح
تھی۔"
+++



یہ کتاب انجیل کا ترجمہ ہے۔

مرکز اخذات ایکٹ (۱۹۵۲ء) کی دفعہ ۸ کے تحت تفصیل درج ذیل ہیں :

۱۔ رسالہ کا نام "مغربی جنگلات"

شیڈیولڈ کاسٹ طلبہ کے لئے وقفہ

۵۰ تا نشر
۵۱ میر
۵۲ صاحب
۵۳

بیاضی طبی فیکشن کو عطیہ

دہر میں دہرائاتہ دت
میر: سفری جگال

مغربی بینک گال کے اضلاع میں منصوبہ بندی

از: ڈاکٹر اشیم داس گپتا : ریڈر شعبہ معیشت، کلکتہ یونیورسٹی۔ اور سمبسر ریاستی منصوبہ بندی بورڈ

مغربی بینکال میں بائیں محاذ حکومت کی منصوبہ بندی کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے پورے طریقہ کار میں۔ منصوبہ مرتب کرنے سے لیکر منصوبہ کے پروجیکٹوں کی تکمیل تک۔ منظم طریقہ سے عام لوگوں کو شریک کیا جائے۔ کیونکہ منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ عام لوگوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر مضافاتی علاقوں میں پنچایتوں کو مرکز اور نمائندہ تنظیم تصور کیا گیا ہے، ان تنظیموں کے ذریعہ ہی عام لوگوں کو منصوبہ بندی کے کام میں شریک کیا جائے گا۔ اس طرح ان پنچایتوں کو منصوبہ مرتب کرنے اور اصلاحات آراضی کے اقدامات، قومی مضافاتی روزگار پروگرام، مضافاتی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام، جامع مضافاتی ترقیاتی پروگرام وغیرہ جیسے پروگراموں کے ذریعہ سماجی اور پیداواری اثاثے کی تعمیر کے چند اہم پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی جامع ذمہ داریاں سونپا گئی ہیں۔ ان پروگراموں کے سلسلے میں پنچائیں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ پنچایتوں نے عام لوگوں میں ایک جوش و خروش پیدا کر دیا ہے اور وہ سب ان پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے کام میں مصروف مل چکے ہیں۔ اس طرح منصوبہ کی اسکیموں کو بہت ہی کم خرچ پر پایہ تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں بہت ساری نمایاں پیشگامیاں جاسکتی ہیں۔ سرگرمیوں کی تعمیر اور چھوٹی آبپاشی پروجیکٹوں کو بھیجے۔ متعلقہ شعبوں کے تحت ان پروجیکٹوں پر جتنا خرچ ہوتا تھا، پنچایتوں نے اس کے نصف خرچ پر ان پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس سماجی بہت کی ایک اور اہم وجہ یہ ہے کہ ٹھیکہ داروں کی جگہ پنچایتوں کی رہا کار اندازگی ہو گئی ہے۔

بہر حال اب ایک نئی بات کی ضرورت ہو چکی ہے۔ ایک طرف ان مخصوص پروگراموں کو مرتب کرنے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے

کے کام میں پنچایتوں کے ذریعہ عام لوگوں کو شریک کیا گیا تو دوسری طرف بہت سارے اہم شعبوں کے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ذمہ داریاں متعلقہ شعبوں کو سونپی گئیں اور پنچایتوں کو الگ کر رکھا گیا۔ اس طرح بہت سارے مشترکہ پروگراموں جیسے چھوٹی آبپاشی، سرنگوں کی تعمیر و مرمت وغیرہ کی تکمیل کے کام میں، شعبوں کے درمیان کی تال میل میں کمی پائی جاتی ہے۔ نیز مختلف شعبوں کے پروگراموں کی تکمیل کے کام میں شعبوں کے درمیان متعلقہ میل کا فقدان نظر آتا ہے نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ منصوبہ بندی کے طریقہ کار میں ناکافی تعداد میں عام لوگوں کو شریک کیا جاتا ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے منصوبہ کے ایک بنیادی مقصد کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ (۱) پنچایتوں کے زیر انتظام پروجیکٹوں اور شعبوں کے پروجیکٹوں کے اور مختلف شعبوں کے پروجیکٹوں کے درمیان بہتر تال میل پیدا کیا جائے اور (۲) تال میل کے اس کام میں مضافات میں پنچایتوں اور شہری علاقوں میں میونسپلٹی کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں عام لوگوں کو شریک کیا جائے۔

حکومت اپنے فراسی کی انجام دہی میں مختلف سطحوں پر تال میل قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ریاستی سطح پر مختلف شعبوں اور ریاستی منصوبہ بندی بورڈ کے درمیان تال میل کی شکل میں وزیر اعلیٰ کی سربراہی کے تحت ایسی کوششیں کی جاتی ہیں۔ نیز ضلع سطح اور ملک سطح پر منصوبہ مرتب کرنے کے کام میں عام لوگوں کو شریک کیا جاتا ہے۔

م ترجیحات کو نمایاں کر کے ضلع کاؤنسل اس کے قبل کی ضلع سطح
 پائل میں کمیٹی کی جگہ قائم کیا گیا ہے۔ اس ضلع کاؤنسل کے ریاستی
 حکومت کے اس ضلع کے وزیر چیئرمین ہوں گے (اگر ایک ضلع کے کئی
 وزراء ہوں تو وہ یکے بعد دیگرے چیئرمین ہوں گے) اس ضلع کے
 ضلع پر مشد سبھا و صحتی اس کاؤنسل کے وائس چیئرمین ہیں۔ اس
 ضلع کے ممبران پارلیمنٹ اور ممبران اسمبلی ضلع پر مشد کے کراہیہا کا سس
 نام بنیادیت کمیٹیوں کے سبھا پتی اس ضلع کے پرنسپل کے چیئرمین
 نام شعبوں کے ضلع سطح کے انفران اس ضلع میں قانونی اداروں کے ایکٹ
 ممبر نمائندے اس کاؤنسل کے ممبر ہیں۔ ڈویژنل گنر کو اس کمیٹی میں مدعو
 کیا جائے گا، ضلع مجسٹریٹ اس کاؤنسل کے ممبر سکرٹری ہیں۔

ضلع منصوبہ اور پائل میں کاؤنسل (ڈی پی سی) ضلع
 منصوبہ بینکا میں ایک عام ادارہ کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتے ہیں
 اور اس کی ایک عملی شاخ ضلع منصوبہ بندی کمیٹی (ڈی پی سی) ہے۔
 اس ڈی پی سی کے چیئرمین ضلع پر مشد کے سبھا و صحتی ہیں اور اس
 ضلع کے تمام بنیادیتوں کے سبھا و صحتی، ضلع کے پرنسپل کے چیئرمین،
 تمام شعبوں کے ضلع سطح کے انفران اور ضلع میں قانونی حکام کے ایک ایک
 نمائندے اس کے ممبر ہیں۔ سب ڈویژنل انفران اس کمیٹی میں مدعو کیا
 جائے گا۔ ضلع مجسٹریٹ اس کمیٹی کے ممبر چیئرمین ہیں۔ ڈی پی سی کا
 ماہرین اور تکنیکی افراد کی خدمات فراہم کی جائے گی۔ ان افراد میں ایک
 ماہر معاشیات، جو قرض کے لئے بھی منصوبہ تیار کریں گے، ایک ماہر دیہی
 معاشیات ایک ماہر ریشیات / علاقہ کا منصوبہ تیار کرنے اور ایک
 انجینئر ہوں گے۔

ایک ضلع میں ہر بلاک کی سطح پر ایک بلاک منصوبہ بندی
 کمیٹی (ڈی پی سی) قائم کی جائے گی۔ اس کمیٹی کے بنیادیت کمیٹی کے سبھا پتی
 چیئرمین اور بنیادیت کمیٹی کی مختلف عملی کمیٹیوں کے کراہیہا، اس
 بلاک میں واقع تمام گرام بنیادیتوں کے پرنسپل اور تمام شعبوں بلاک
 سطح کے انفران ممبر ہیں۔ بلاک (رقباتی انفران کمیٹی کے ممبر سکرٹری
 ہیں۔ اس کمیٹی کو کبھی ماہرین معاشیات، انجینئر اور ماہرین دیہی معاشیات
 کی خدمات فراہم کی جائیں گی۔

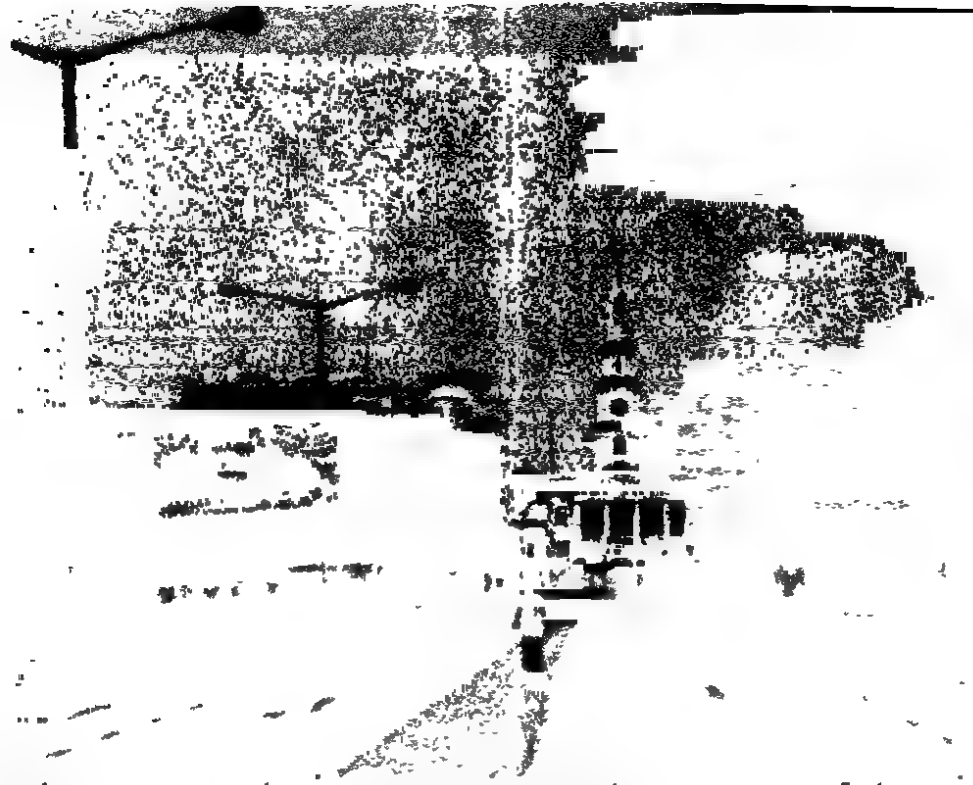
یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب ضلع اور بلاک سطحوں پر

منصوبہ تیار کرنے کے کام میں عوام کے نمائندوں کی اکثریت شامل ہوگی تو
 اس کے معنی یہ ہونے کہ مقامی لوگوں کو کبھی منصوبہ بندی کے کام میں حصہ
 لینے کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔

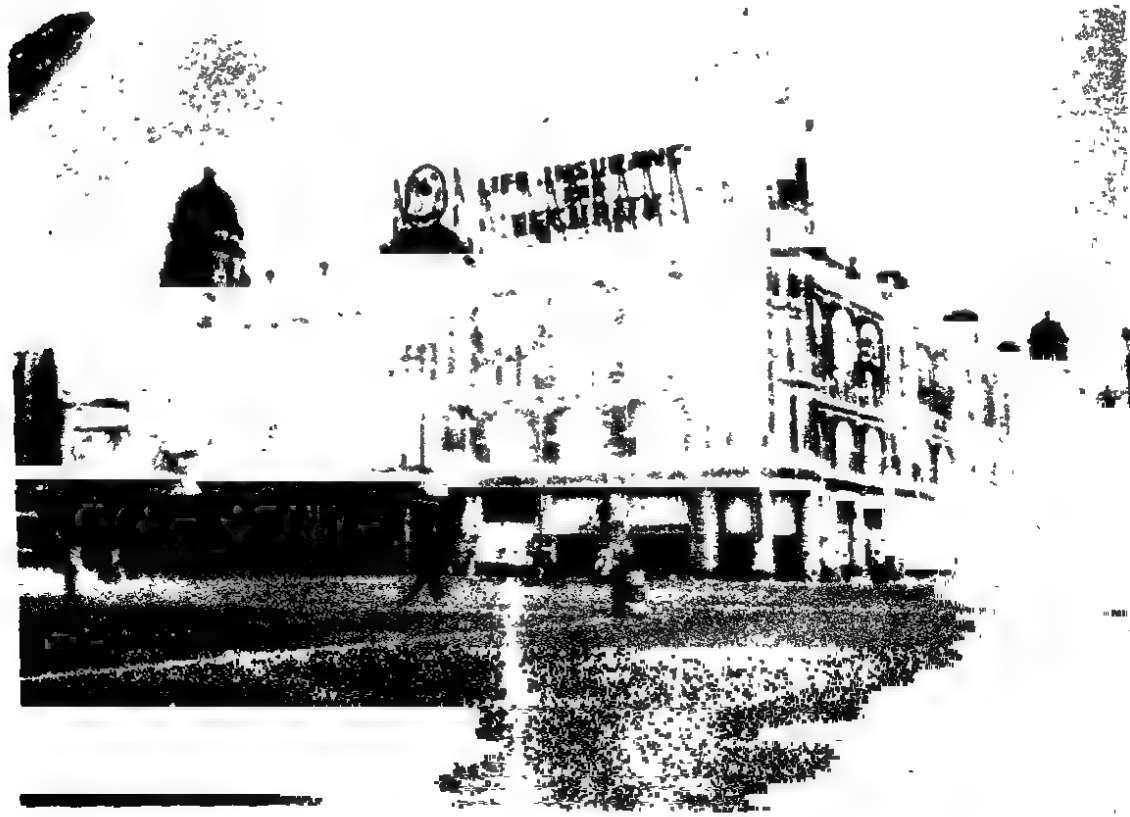
منصوبہ بندی ریاستی سطح سے، وزیر اعلیٰ کی سربراہی کے تحت
 اور مختلف شعبوں اور ریاستی منصوبہ بندی بورڈ کے مابین تفاعلی
 کے ذریعہ، ضلع کے شہری اور مقاماتی علاقوں میں منصوبہ مرتب کرتے
 وقت جن ترجیحات کو اہمیت دی گئی، انہیں مقرر کر لیا گیا ہے۔ ان
 ترجیحات میں دیگر باتوں کے علاوہ اصلاحات آراضی، آبپاشی، خصوصاً
 جھڑی آبپاشی، زراعت میں ٹکنالوجی کی اہمیت، زراعت سے وابستہ
 سیکٹروں کے لئے پروگرام، مقامی صنعت، مصنوعات کی بازار میں فروخت،
 سڑکیں، شہری ترقی میں لامرکزیت، تعلیم کی مختلف سطحوں کی اہمیت،
 جتنی طرح کا دیکھ بھال کا پھود وغیرہ شامل ہیں۔ ان وسیع ترجیحات اور
 ریاستی حکومت کے وسائل کی فراہمی کے سلسلے میں دشواریوں کے پیش نظر
 ریاستی اور ضلع سطح کے اراکین کے درمیان گفت و شنید ضروری تاکہ ہر ضلع
 کے ہر سیکٹر میں جیسے سڑکیں، آبپاشی وغیرہ کے لئے مالیاتی رقوم محقق
 کی جاسکیں۔ نیز شعبہ جاتی بجٹوں میں ان باتوں کی گنجائش دیکھ جائے
 گی اور ہر بلاک کے لئے قومی مضافاتی روزگار پروگرام، جامع مضافاتی
 ترقیاتی پروگرام وغیرہ کے تحت خصوصی پروگرام فنڈ فراہم کئے جائیں۔
 وقت کی کمی کی وجہ سے اس سال ضلع سطح پر کافی گفت و شنید کئے
 بغیر اضلاع کے لئے مالی رقوم محقق کی جائیں گی۔ آئندہ سال سے گفت
 و شنید کے طریقہ کار کو ردوبدل عمل لایا جائے گا۔

ضلع میں ہر سیکٹر کے لئے عام ترجیحات کو ردوبدل عمل لانے کے
 لئے حسب ضروری فنڈ فراہم کئے جائیں گے۔ نیز ہر ضلع میں ضلع منصوبہ
 بندی کمیٹی (ڈی پی سی) بھی ہے جو ہر سیکٹر میں سیکٹروں کے انتخاب کی
 بابت ضلع بلاک اور پرنسپل کے درمیان تال میل برقرار رکھتی ہے۔
 ایسی اسکیمیں تین اقسام کی ہو سکتی ہیں:-

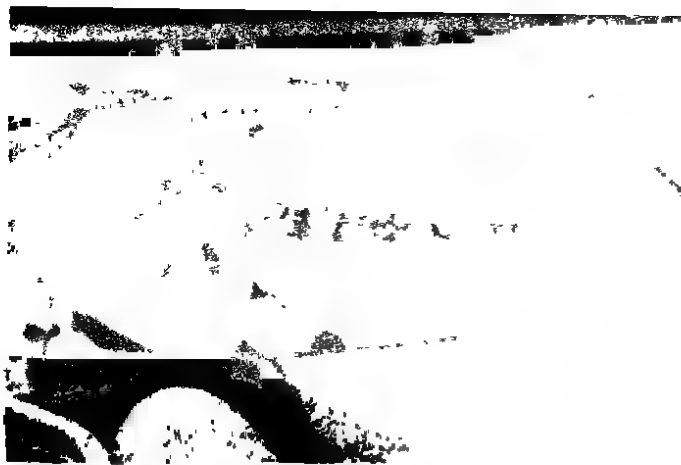
(۱) ایسی اسکیمیں جو متعدد دیہی بلاکوں اور شہری علاقوں کو
 اپنے احاطے میں لے لیتی ہیں (۲) ایسی اسکیمیں جو صرف دیہی بلاکوں تک
 محدود رہتی ہیں اور (۳) ایسی اسکیمیں جو صرف شہری علاقوں تک
 جاتی ہیں۔ انہیں علی الترتیب ضلع اسکیم، بلاک اسکیم اور شہری اسکیم کہا جائے



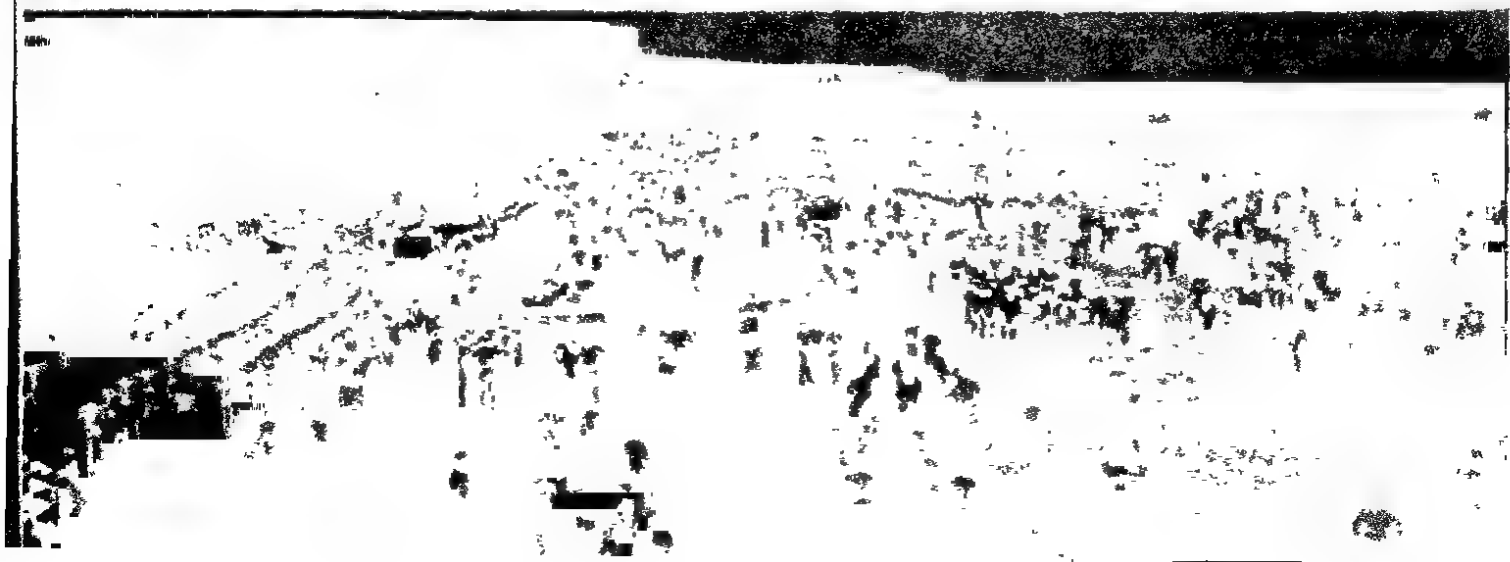
بڑے اور دیگر ضروری چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کے لئے مرکزی حکومت کے فیصلہ کے خلاف اے آر وائی سینٹر کو دہرا احتجاج سارے سرکاری ہنگاموں میں گھنٹے کا ہڈنٹا لگایا۔ اس ہڈنٹے کے دن حکومت کے بی بی ٹی باغ (اوپر) اور چورنگی (نیچے) کے علاقوں کے مناظر (تصویر از اجیت داس)۔



مشرقی بنگال



১৯৭১ সালের ১২



مغربی بنگال

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے * اس شمارے کی قیمت : ۱۲ روپے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳-آر، این، سکریٹری روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۱

مدیر اعلیٰ : پروتین بہن شاہ ارمیہ
مدیر : دھرمیندر رازا تھاکر
مدیر معاون : م۔ س۔ احمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ کر * ۱۵ مارچ ۸۶ * شمارہ نمبر ۶



وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور، شری پروجیکشن پھولیکار، کلکتہ انٹرنیشنل سنٹر میں حال ہی میں منعقدہ "چارو کلارا اری جیت" (فنون لطیفہ کی نمائش) میں۔



ہر ایک روح میں اک غم چھپا لگے ہے مجھے
یہ زندگی تو کوئی بد دعائے لگے ہے مجھے
جو آنسوؤں میں کبھی رات بھیک جاتی ہے
بہت قریب وہ آواز پانے لگے ہے مجھے
دیا کے آٹی ہے سینے میں کون سی آہیں
کچھ آج رنگ تراسا نولا لگے ہے مجھے
میں سوچتا ہوں کہ ٹوٹوں گا اجنبی کی طرح
یہ میرا گھر تو پہچانتا لگے ہے مجھے
نہ جانے وقت کی رفتار کیا دکھاتی ہے
کبھی کبھی تو بڑا غور ساتھ لگے ہے مجھے
بکھر گیا ہے کچھ اس طرح آدمی کا وجود
میرا ایک فرد کوئی سا نچا لگے ہے مجھے
اب ایک آدمی قدم کا حساب کیا رکھئے
ابھی تلک تو وہی فاصلہ لگے ہے مجھے
حکایت غم دل کچھ کشش تو رکھتی ہے
زمانہ غور سے سنتا ہوا لگے ہے مجھے

غزل

جاں نثار اختر



اس ریاست میں صنعتی سرمایہ کاری کی فضا کافی سازگار ہے

مرکز کی طرف سے سٹرولیئم کی مصنوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی اضافے کی تائید نہیں کی جا سکتی

گھریلو اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی رفتار تشفی بخش ہے۔

اوہاشنکر دکشت، گورنر مغربی بنگال

مغربی بنگال کے گورنر شری اوہاشنکر دکشت نے ۳ مارچ ۱۹۶۶ء کو ریاستی قانون ساز اسمبلی کے بجٹ سیشن کا افتتاح کیا۔ اپنے افتتاحی خطبہ میں گورنر نے کہا کہ مسلسل نگرانی کے سبب اس سال ریاست میں امن و امان کی صورتحال بالکل اطمینان بخش رہی۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ریاست میں صنعتی سرمایہ کاری کی فضا کافی اچھی ہے اور یہاں نئی صنعتیں قائم کرنے کے لئے کاروباریوں میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ریاست میں صنعتی فضا بہتر ہونے کے باوجود مرکزی عوامی سیکٹر میں سرمایہ کاری معمولی ہوتی ہے۔ گورنر موصوف کا افتتاحی خطبہ کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

کرتا ہوں۔

سال رواں میں مسلسل جو کسی کی وجہ سے اس ریاست میں امن و امان کی صورتحال مجموعی طور پر تشفی بخش رہی۔ پارٹی جبر میں سیاسی قتل اور زرعی تھادم کے واقعات گزشتہ سال کے مقابلے میں بہت ہی کم رونما ہوئے۔ اس سال وسیع پیمانے کے فرقہ وارانہ فساد کا اور انتہا پسندوں کے ظلم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ اس ریاست میں شدید دلڑ کا سٹ اور ٹرائب اور سماج کے دیگر کمزور طبقے کے لوگوں پر ظلم ڈھانے کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

نقہ ۱۹۸۵ء میں امن دھان کے پودوں کی روپائی میں تاخیر ہوئی کیوں کہ اگست مہینے کے شروع میں ناکافی بارش ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں اختلا ع ۲۴ پر گھنٹہ اور دنا پور کے ساحلی علاقے طوفان اور اندھی سے بری طرح متاثر ہوئے اور سمندر میں طوفان کا وجہ سے یہ علاقے زیر آب بھی ہو گئے۔ اس حادثے میں ۱۴-۱۵ افراد

نئے سال کے پہلے اجلاس میں آپ لوگوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے مجھے کافی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ میں آپ لوگوں کو اور مغربی بنگال کے عوام کو نئے سال کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں یہاں سال رواں میں اپنی حکومت کی اہم سرگرمیوں اور کامیابیوں کا اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس سال کے لئے چند بڑی اسکیموں اور پروجیکٹوں کا جنہیں پائیہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا، اختصار کے ساتھ ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اسی سیشن میں ۸۶-۸۷ء کے لئے بجٹ کا تخمینہ بھی آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

میں اس ریاست کے سابق وزیر اور سابق امپیرلر پارلیمنٹ، سابق ممبران اسمبلی اور سابق ممبران ریاستی کونسل اور موجودہ ریاستی اسمبلی کے ممبران اور شہر شاعروں کو جو گزشتہ سال اسی دارناتی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے، اپنا دلی خراج عقیدت پیش

ہلک ہوئے۔ ۷۰ اعلیٰ کے ۶۱ جاکسی متاثر ہوئے۔ ۱۵۸۰۰۰
 افراد کو محفوظ جگہوں پر منتقل کر دیا گیا اور انہیں امداد فراہم کی گئی۔
 ۱۹۱۱ء ۳۱۱۹۰ رہائشی مکانات بائبل برباد ہو گئے۔ اس طوفان کی
 وجہ سے ساحلی پٹی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے اور انکی مرمت کر دی
 گئی۔ میں یہاں تین اور حادثات کا ذکر کروں گا جو عالیہ جیلوں میں
 رونما ہوئے۔ یعنی دسمبر میں ہونے والا مارکٹ اور ٹھکانہ کے نوٹاریٹ
 میں آگ لگنے کے واقعات۔ اس سال جنوری میں گنگا گریڈ
 کے دوران حادثہ۔ آڈھ طوفان کی وجہ سے ۹۲۰۰۰ ہیکٹارس
 کی امن دھان فصل کو کافی نقصان پہنچا۔ اس کے علاوہ تقریباً
 ۴ لاکھ ہیکٹارس کی امن دھان فصل جاؤں کے کیڑوں کے حملہ سے
 بڑی طرح متاثر ہوئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود ۴۰ لاکھ ہیکٹارس
 کھیتوں میں امن دھان کی کاشت کی گئی۔ حالانکہ اس سلسلے
 میں ۱۲ لاکھ ہیکٹارس کا متحدہ اس بات کی امید کی جاسکتی
 ہے کہ اس سال امن دھان کی پیداوار گزشتہ سال کی پیداوار
 یعنی ۶۱ لاکھ ٹن سے کم نہ ہوگی۔ ۸۶-۸۷ء کیلئے کل غذائی
 اجناس کی پیداوار کا نشانہ ۹۷ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔ گزشتہ
 سال بات کی قیمت کچھ زیادہ تھی۔ اس سال کانوں میں اوس
 دھان کے کھیتوں میں پاٹ کی کاشت کی اور اس طرح پاٹ کے زیر
 کاشت علاقوں میں ۸ فیصد کا اضافہ ہوا۔ بدقسمتی سے پاٹ
 اگانے والوں کو اس سال بہت کم قیمتوں سے دوچار ہونا پڑا اس
 سال بھی نیل کے بیج کی پیداوار میں اضافہ کی رفتار کو برقرار رکھا جائے
 گا۔ آلو اور سبزی کی پیداوار کافی نشافی بخش ہے۔ شمالی بنگال
 میں ترائی کے پس ماندہ علاقے میں زرعی ترقی کے لئے خرچ کی امداد سے
 ایک نئے پروگرام کو رو بہ عمل لایا جا رہا ہے۔ غلہ بیمہ کے تحت اس
 سال ان تمام کانوں کو لایا جا رہا ہے جنہیں غلہ قرض فراہم کئے گئے
 ہیں۔ اس سے ایک نام نہاد یہ ہو گا کہ اچھی فصل نہ ہونے پر بھی انہیں
 قرض حاصل کرنے میں دشواری حاصل نہیں ہوگی۔
 آبپاشی کے سیکٹر میں متور انکشی ریزروائر ڈیویژن
 کی تعمیر کام مکمل ہو چکا ہے اور گنگا تہہ ریزروائر اود داود
 دیوی کڈ پوریشین (بیریزیا اور آبپاشی) پروجیکٹ کی تعمیر کام

قریب الاختتام ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ سال
 تینتا بیرج سے محدود پیمانہ پر آبپاشی کے لئے پانی فراہم کیا جاسکے
 گا۔ اس پروجیکٹ کی تعمیر پر ۵۰۰ کروڑ روپے خرچ ہوئے اور
 مرکز سے اس کام کے لئے خصوصی امداد نہیں ملی، صرف ۱۹۸۳ء میں
 ۵ کروڑ روپے مرکز نے اس مقصد کے لئے فراہم کئے تھے۔ ہلوگ بار
 بار بار مرکز کا امداد کے لئے درخواست کر رہے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر
 موجودہ مضر بہ کے عرصہ میں اس پروجیکٹ کو مکمل کرنا ممکن نہیں۔
 اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ مرکزی حکومت شمالی بنگال میں
 اس کام پر پروجیکٹ کو امداد فراہم کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرنے
 گی۔ آبپاشی کے بڑے پروجیکٹوں کے ساتھ ساتھ درمیانی درجے
 کی آبپاشی کے ۱۸ پروجیکٹ پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس
 بات کی امید کی جاتی ہے کہ ۸۶-۸۷ء میں مزید ۲۲۰۰۰ ہیکٹارس
 قطعات آراضی کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جاسکیں گی۔ سیداب
 کے کنٹرول سیکٹر میں تقریباً ۵۵۰۰۰ ہیکٹارس قطعات آراضی
 کو سیلاب کی زد سے محفوظ رکھا جاسکے گا۔ آبپاشی کے بڑے
 اور متوسط پروجیکٹوں کے ساتھ ساتھ سیلابوں میں چھوٹی آبپاشی
 کے وسیع پروگرام کو رو بہ عمل لایا گیا اور اسکی وجہ سے عالمی بینک
 کی امداد کی وجہ سے تقریباً ۳۸ لاکھ ہیکٹارس قطعات آراضی
 کے لئے چھوٹی آبپاشی کی تنصیبات سے پانی فراہم کیا جاسکے گا۔
 گنگا تہہ اود دیوی اور متور انکشی کے کمانڈ علاقے یعنی وہ
 علاقے جہاں ان پروجیکٹوں سے آبپاشی کے لئے پانی فراہم کیا جاتا
 ہے، کے ساتھ ساتھ تین آبپاشی کمانڈ علاقہ میں بھی ایسی
 سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔
 اطلاعات آراضی منطقات ترقی کے جزو لا ینفک ہیں۔
 ۸۱ لاکھ ایکڑ منطقات آراضی ۱۹۸۵ء تک ۱۹۲۷ لاکھ فرب
 اور مستحق کانوں کے درمیان تقسیم کئے گئے۔ مستحق ہونے والوں
 میں سٹیڈ لڈ کاسٹ وٹرائب کے لوگوں کی تعداد نصف سے کچھ
 زیادہ تھی۔ گزشتہ سال کے ستمبر کے آخر تک ۳۳ لاکھ
 برگمانوں کے نام ریکارڈ میں درج کئے گئے۔ زرعی مزدوروں میں
 کاغذ اور ماہی گیروں کی دلکشی کے لئے منطقات آراضی کی معمولی

کے مغربی بنگال ایکٹ ۱۹۷۵ء کے تحت ۲۰۲ لاکھ افراد کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے تاکہ انہیں رہائشی قطعہ مل سکے فراہم کئے جاسکیں۔

سہ رخی پنجائی راج کے لئے دوسری بار انتخابات ہوئے اور یہ ادارے دیہی ترقی کے لئے مستحکم اور محسوس ایجنسیوں کی طرح مزید پانچ برس تک خدمات انجام دیتے رہیں گے۔ قومی دیہی روزگار پروگرام اور دیہی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام جیسی اہم اسکیموں کو پانچ تیس بائے فکسل تک پہنچاتی ہیں اور اس کام میں مقامی لوگوں نے سرگرم شرکت کی۔ دیہی بے زمین روزگار ضمانت پروگرام کے تحت نومبر ۱۹۸۵ء تک کام کرنے کے ۶۳۰۶ لاکھ دن پیدا کئے جاسکے۔ دیہی مکانات اسکیم کے تحت ۳۱۶۶۴۹ لوگوں کو مستحق قرار دیا گیا اور ان میں ۲۷۶۲۶ افراد کو قطعہ آراضی دئے گئے اور ۸۳۲۳ افراد کو مکانات تعمیر کئے کیلئے امداد فراہم کی گئی۔

ساتویں منصوبہ کے درمیان معارف کے لئے ۴۱۲۵ کروڑ روپے کی اور ۸۶۰-۸۷۰ کروڑ کے سالانہ منصوبہ کے لئے ۷۷ کروڑ روپے کے معارف کو تسلیم کیا گیا ہے۔ منصوبہ کار سائنس متین کرنے کے لئے کاشتکاری، آبپاشی اور سبب کنٹرول، اعلیٰ تعلیم اور معاشاتی ترقی کو پسے کی طرح ترجیح دی گئی ہے۔ اس بات پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کہ سماج کے غریب لوگوں جن میں بے زمین کھیت مزدور، برگدار، جھوٹے کسان اور کلاسی گمشدہ ہیں، اس منصوبہ کے تحت کئے گئے اقدامات سے مستفید ہوں۔ لامرکز منصوبہ بندی کے مقصد کی کامیابی کے لئے ضلع اور ہلک سطحوں پر منصوبہ مرتب کرنے کے نظام کو رائج کیا گیا۔ ضلع اور ہلک دونوں سطحوں پر منصوبہ تیار کرنے والی مشنری کو مستحکم بنادیا گیا ہے۔ قومی دیہی روزگار پروگرام کے تحت کل اخراجات کی ۱۰ فیصد رقم ایسے اسکیموں کے لئے مختص کر دی گئی ہے جن سے شیڈولڈ کاسٹ وراثت کے لوگ مستفید ہوں گے اور ۲۰ فیصد رقم سماجی جنگلات اور علاؤں کی لکڑی کے لئے جنگل کاری کے واسطے مختص کی گئی ہے۔ جامع دیہی ترقیاتی پروگرام میں حالیہ برسوں میں تیزی لائی گئی ہے۔

میں اس پروگرام کے تحت ۲۷۵۲۰۶ خاندانوں کو سہولتیں فراہم کی گئیں اور یہ سال کے لئے موروثی نہ سے کہیں زیادہ ہے۔

شیڈولڈ کاسٹ وراثت کی رفاہ کے لئے مرکز کوششیں جاری رکھی گئی ہیں۔ ان کی تعلیم اور تربیت کے پروگراموں جن میں ہاسٹلوں کی تعمیرات ہیں خریدنے کے لئے عطیات اور اسکالرشپ وغیرہ شامل ہیں، کے علاوہ موجودہ مالی سال میں خصوصی مساوی منصوبہ اور مقامی مختص منصوبہ کے تحت خاندان کیلئے آمدنی پیدا کرنے کی اسکیموں کے ذریعہ ۱۸۱۲۹۳ شیڈولڈ کاسٹ اور ۶۵۶۷۷ شیڈولڈ وراثت مجبوروں کو معاشی امداد فراہم کی گئی۔ مغربی بنگال شیڈولڈ کاسٹ اور وراثت ترقیاتی اور مالیاتی کارپوریشن نے موجودہ سال میں ۵۹۵۴ شیڈولڈ کاسٹ اور ۹۷۷۰ شیڈولڈ وراثت درخواست کنندگان کو جائیداد رقم فراہم کیں تاکہ وہ بنکوں سے قرض حاصل کر سکیں۔ گزشتہ مالی سال میں کام کرنے کے ۷۵۰۰۰ دن پیدا کئے گئے۔ ۲۵۵۷۷ شیڈولڈ وراثت خاندانوں کو چھوٹی چھوٹی جنگلاتی پیداوار کے سلسلے میں مراعات دی گئیں اور ان کے درمیان ۳۰۰ لاکھ روپے کی مالیت کے سامان تقسیم کئے گئے۔ زرعی آبادی کی ترقی میں امداد باہمی ادارے بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کل قرض کے تصور کو روپہ عمل لائے ہوئے اس سلسلہ میں ایک اسکیم مرتب کی گئی ہے کہ ساتویں منصوبہ کے دوران ۲۰۰۰ پرائمری زرعی قرض سوسائٹوں کو از سر نو منظم کیا جائے تاکہ یہ اپنے مختلف النوع فرائض انجام دے سکیں۔ ۱۰۷۲۱ میٹرک ٹن غلوں کو اچھی طرح رکھنے کے لئے گودام ہیں، نیز ۲۸۰۰۰ میٹرک ٹن غلوں کو رکھنے کے لئے گودام تیار کئے جائیں گے۔

پناہ گزینوں کے لئے معاشی، سماجی اور راہ راست بحالی پروگرام کے جزو کے طور پر ہوس، یکمپ اور کھیتی بھرتی جھونپڑیاں کے رہنے والے بے گھر پناہ گزینوں کے ۲۱ خاندانوں کے مالی وسائل میں بحال کر دیا گیا۔ جسر و محل کالونیوں میں ۱۲۶۴ بھون کو دیہی اور شہری علاقوں میں حکومت کے زیر اہتمام کالونیوں میں حقوق کے ۲۶۷۹۸ بھون کو جسر و محل دیے گئے۔

ماحول کو اچھی حالت میں برقرار رکھنے اور جنگلی جانوروں کو محفوظ رکھنے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ سماجی جنگلات پروجیکٹ کے تحت گزشتہ چار برسوں میں یعنی ۸۲-۸۸ء سے ۸۵-۸۶ء تک ۴۶۰۰۰ ایکڑ سرسبز کی جنگ ۶۲۰۰۰ ایکڑ سرسبز قطعات آراضی پر مشتمل جنگلات سے معاشی فوائد حاصل کئے گئے۔ شہر واد کے تحفظ کے لئے ایک اور جوہر برکھری سلا منڈر میں دو پناہ گاہیں قائم کی گئیں اور اس طرح کل جنگلاتی علاقوں کے ۳۰ فیصد علاقے جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے پناہ گاہ بن چکے ہیں۔ فضا کو پرانگندہ کرنے کی روک تھام کرنے والے ریاستی ورڈ نے ان بڑی صنعتوں کی شناخت کی ہے جو فضا کو دھواں اور دیگر گیسوں اور ندی کے پانی کو گندہ کر دیتے ہیں۔ یہ بعد اسی آلودگی کو دور کرنے کے لئے اقدامات کر رہا ہے۔ گنگا علی منہویر اب زیر تکمیل ہے جس کے ذریعہ ندی کے پانی کو اور ساحلوں کو گندگی سے عاف کر کے پانی کی کوالیٹی میں بہتری لائی جائے گی۔ ۱۰

اس بات پر خصوصی زور دیا گیا ہے کہ ہر گاؤں میں پنے کا پانی فراہم ہو۔ اس سال ایسے ۱۴۰ گاؤں میں پانی کی سپلائی کا انتظام کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ سال رواں میں پانی کے ذریعہ پانی سپلائی کرنے کی ۱۷۵ اسکیموں کو چالو کر دیا گیا ہے۔ پانی کی سپلائی کی بڑی بڑی اسکیمیں جن میں ہلدیر، الوبڑیا اور کلپنگ کے لئے پانی کی سپلائی کی اسکیمیں شامل ہیں زیر تکمیل ہیں۔

صنعت کاری کے لئے فضا میں شاندار بہتری رونما ہوئی ہے اور اس ریاست میں صنعتیں قائم کرنے کے لئے کاروباروں میں دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں جائے جیسی روایتی صنعتوں نے کافی بہتری کا اظہار کیا ہے۔ گزشتہ مشترکہ سیکٹر کے اہم معاہدے ہوئے۔ ہلدیر پٹرولیم سیکٹر کے مشترکہ سیکٹر کی ایک نئی کمپنی نے کام کرنا شروع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں غیر ملکی کمپنیوں اور مشینوں کے ساتھ تکنیکی تعاون اور ٹکنس کے لئے معاہدے ہوئے ہیں۔ مختلف انواع مصنوعات تیار کرنے کے لئے ایک ریجنل ٹیلرنگ کمپنی ہے۔ مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن مشترکہ سیکٹر کے کئی ایک پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک

پہنچا رہا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ موجودہ سال کے دوران ان میں سے تین پروجیکٹس کاروباری پیمانہ پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ بدھان ٹنگلکھت کے ایکٹرو ٹکنس کمپنیکس کے پنے دور کے علاقوں میں کئی ایک یونٹوں نے پیداواری کام شروع کر دیا ہے۔ اس علاقہ میں دوسرے دور میں ۱۹۳ ایکڑ قطعات آراضی کی ترقی کا کام جاری ہے۔ نانا میں برآمدات پروسیسنگ علاقہ نے کافی ترقی کی ہے اور یہاں ۱۸ یونٹوں کے قیام کی منظوری دی جا چکی ہے۔ ان یونٹوں کے پروجیکٹوں کے لئے تقریباً ۳۰ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن مرکزی عوامی سیکٹر کے لئے مغربی بنگال میں بہت ہی کم سرمایہ کاری کی گئی ہے۔ درگاپور اسٹیل، الیکٹرو اور ہلدیر آئل ریفائنری کی جدت کاری اور توسیع جیسے اہم پروجیکٹوں کے لئے اب تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ اس ریاست میں ایکٹرو ٹکنس کمپنیکس اوریل کے ڈبے بنانے کا کارخانہ اور جہازوں کی مرمت کا پارڈ جیسے نئے پروجیکٹس قائم کرنے کے لئے ریاست کے بلے طرے کے مطالبہ کو اچھی بن مرکزی حکومت کی رضامندی کا انتظار ہے۔ عزت مآب ممبران اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اس طرح کوئلہ، لوہا اور اس بات کی مصنوعات کے لئے مساوی کرایہ کی غیر مساوی پالیسی سے اسی ریاست کے مفادات کتنی بڑی طرح سے متاثر ہوئے۔ ہم ضرور ازم سے اس بات کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ یا تو اس پالیسی کو ختم کر دیا جائے یا کم از کم پٹرولیم مصنوعات، کیمیاوی مصنوعات وغیرہ کو اہمیت کی دیگر خام اشیاء کو بھی اس پالیسی کے تحت لایا جائے لیکن ابھی تک ہمارے اس مطالبہ کی بابت صاف صاف طور پر کچھ کیا نہیں گیا۔

صنعت (زراعت اور ضابطگی) ایکٹ ۱۹۵۱ء کے تحت ۱۳ بند اور مہار صنعتی یونٹوں کے انتظامیہ اور ملکیت پر کنٹرول حاصل کر لیا گیا ہے۔ ان یونٹوں میں برسریر روزگار لوگوں کی تعداد تقریباً ۱۲۸۵۰ ہے۔ ان میں دو یونٹیں یعنی ایسٹرن ڈسٹریکٹس اور انوکس یوڈوگ ڈسٹریکٹ پلائی وڈ کمپنی لمیٹڈ نے ۱۹۸۵ء میں نفع کمائے۔ ان سیکٹرو میں سے چار یونٹوں کو اب تک قومیا لیا گیا ہے۔ ہم باقی

نوٹوں کو بھی تو مینا چاہئے تھے لیکن قومبانے کے سلسلے میں قومیا
کے قبل بنکوں اور مالی اداروں کے دسے تھے قرض کے تحفظ کے لئے
حکومت ہند کالیہ فیصلے کے پیش نظر ہم ایڈن کر سکے۔ اس
سلسلے میں حکومت ہند بابت جیت کی جاری ہے۔ میری حکومت
۴۷ نوٹوں کی ہیں ۳۶۰۰۰ سے زیادہ افراد برسرِ کار ہیں
اور جنہیں ۱۰ امداد ارارہ ۱۰ قرار دیا گیا ہے نوٹنیر کے کام میں
شرکت بھی کی ہے۔

گھریلو اور چھوٹے بازار کی صنعتوں کی
رفتار ترقی کافی نشانی بخش ہے۔ ۱۹۸۲-۸۵ء میں بڑھاوا کے
طور پر ۵۳ لاکھ روپے تقسیم کئے گئے اور ۸۵-۸۶ء
میں اس سہ کے تحت ۲۴۰ لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے۔ ۸۵-۸۶ء
میں چھوٹے بازار کی صنعت کی ۳۳ نوٹیں تھیں اور ۸۵-۸۶ء
کے لئے ۳۷ نوٹ تھے۔ ان میں ۱۷۴۰۰ افراد کے لئے
روزگار فراہم کئے جائیں گے۔ کھادی اور دیہی صنعت جلد کے پروگرام
سے مضامانی علاقوں میں ۵۵۰۰۰ لوگوں کے لئے روزگار فراہم کئے
جائے گی امید ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے روزگار پروگرام کے
تحت ۸۵-۸۶ء میں ۲۳۰۰ بے روزگار نوجوانوں کے لئے روزگار
فراہم کئے جا سکیں گے۔ ۸۲-۸۵ء میں اس پروگرام کے تحت
۲۳۰۰ بے روزگار نوجوانوں کو بارہ روزگار بنا دیا گیا۔ ریشم سازی کے
سیکٹر میں شینڈلڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کے مفاد کیلئے
۸۵-۸۶ء میں تین منظر پر قیام قائم کئے جائیں گے۔ اسی طرح
لکھنؤ اور دیر کی کاشت سے شینڈلڈ کاسٹ و ٹرائب کے تقریباً
۶۰۰ افراد مستفید ہوں گے۔

بھلی سیکر کی طرف حکومت خصوصی توجہ دیتی ہے۔
۸۵-۸۶ء میں ریاستی بھلی بورڈ کے کولگٹات تھریل باورلینشن
میں ۲۱۰ میگا واٹ پوانٹ کو مستحکم بنا لیا گیا ہے۔ کولگٹات میں
۲۱۰ میگا واٹ کا ایک اور پوانٹ کی دسمبر ۸۵ء میں تعمیر کا کام مکمل
ہو گیا۔ کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن نے ٹین کوٹھ میں ۶۰
میگا واٹ کی اپنی چھٹی پوانٹ کو چالو کر دیا ہے۔ ۸۵-۸۶ء میں
ڈیبلو ایس ایس ایس کی نے مجموعی طور پر ۵۰۰ مہر ۴۰

پوانٹ۔ بھلی پیدا کی اور امید کی جاتی ہے کہ ۸۵-۸۶ء میں ان کی مجموعی
پیداوار ۶۹۰ کلو پوانٹ بھی ہوگی، اس طرح بھلی کو پیداوار میں
بندہ فیصلہ کا اضافہ ہوا۔ دہلی پور پروجیکٹس پارڈسٹیشن کی ۱۱۰
میگا واٹ کی چھٹی بھی پوانٹ مارچ ۸۶ء سے چالو ہو جائے گی۔
یہ بات باعث مسرت ہے کہ آئی ڈی بی آئی نے افغانستان کا قرضہ کرنے
کے بعد کولگٹات تھریل پروجیکٹ کے لئے ۳۲ کلو پوانٹ بلور قرض
دینے کی منظوری دی ہے۔ نیز مزید بھلی پیدا کرنے کے سلسلے میں کئی
یکسپریز بھی ہیں جب ضروری منظوری کے لئے مرکزی حکومت کے
زیر غور ہے۔ ان میں شاگرد بھلی میں ۲۰۰۰ میگا واٹ پروجیکٹ،
برکھور میں ایک ۶۳۰ میگا واٹ پروجیکٹ اور ڈی پی ایل کی ۲۱۰ میگا
واٹ کی ساتویں پوانٹ شامل ہیں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ
مرکزی حکومت ان بڑے پروجیکٹوں کے لئے جلد از جلد اپنی منظوری
دے دے گی۔ ڈیبلو ایس ایس ایس ۸۶-۸۷ء میں ۱۸۰۰۰ بج
سیٹوں کے لئے اور ۲۴۰۰ صنعت میں بھی سپلائی کرنے کے پروگرام
کو دوبارہ عمل لائے گا۔ شینڈلڈ کاسٹ و کاسٹ اور دیگر کمزور
طبقہ کے لوگوں کے گھروں میں بھلی فراہم کرنے کی اسکیم ہے ۲۰۰۰
خانہ ان مستفید ہوں گے۔ اس اسکیم کے تحت مستفید ہونے والے
لوگوں کے گھروں میں بھلی کے تار مفت لگا کے جائیں گے۔

سال رواں میں صنعتی تعلقات میں کافی بہتری ہوئی۔
بونس کے سلسلے میں بہت سارے تنازعات کا دورانی سطح پر سمجھوتہ
ہو گیا اور ان تمام تنازعات کی تعداد، جہاں ریاستی حکومت کی معاونتی
مشینز کا مداخلت کوئی پڑی، ۸۵ء میں ۶۸۰ تھی جو کم ہو کر
۸۵ء میں ۲۹۳ ہو گئی۔ لاک آؤٹ کے تحت بند ۲۰ پاٹھوں
میں ۱۶ پاٹھوں کو دوبارہ کھول دیا گیا ہے لیکن پاٹھ صنعت کر
بہت سارے شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان مسائل میں جبر
کاری کے لئے سربراہ کی کمی، مالی بد نظمی، بین الاقوامی بازاد کی کمی،
خام پاٹھ کی غیر مستحکم قیمت اور مالک۔ مزدور تعلقات شامل
ہیں۔ معنوی پاٹھ سے اس پاٹھ صنعت کو دشواریوں کا سامنا
کرنا پڑا ہے۔ پرانے پاٹھ بچنے بچنے کیلئے کرنے کے سلسلہ
میں مرکزی حکومت کی پالیسی نے گھریلو مالک کو اور بھلی

ہے اور اس صنعت کی اجیار نو کے لئے اس پالیسی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ معیشت اور درگروں دونوں کے مفادات کی خاطر بیمار صنعتی یونٹوں کی اجیار نو اور مناسب انتظام کے لئے عوامی سیکٹر کے اداروں اور مالی اداروں کو مرکز طور پر لگاتار کرنے چاہئیں۔ فیکٹری ایکٹ کے تحت قوانین میں ترمیمات لائی جا رہی ہیں تاکہ مزید حفاظتی اقدامات کی اس میں گنجائش رکھی جاسکے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ کارخانوں کی نظامت کے تحت ایک کمیٹی ونگ قائم کیا جائے تاکہ مسلسل بنیاد پر حفاظتی اقدامات مرتب کئے جاسکیں اور اپنی رو بہ عمل لایا جاسکے۔

سال رواں میں اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ اس ریاست میں مجموعی طور پر ۱۶۰ کیمو میٹر لمبی سڑکیں چننے بڑے اور چھوٹے پلوں کی تعمیر کا کام مکمل ہو جائے گا۔ شاہراہوں کی موڑ پر ۶ پلوں اور ۴ بڑے پلوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ اس بات کی تجویز پیش کی گئی ہے کہ آئندہ سال نئی سڑکیں تعمیر کی جائیں گی جن کی مجموعی لمبائی ۵۰ کیمو میٹر ہوگی۔

نقل و حمل کے سیکٹر میں بھی بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں۔ نقل و حمل کے سلسلے میں لوگوں کو مزید سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں نئی بسیں اور ڈرام گاڑیاں حاصل کی گئی ہیں انڈیا اور وکٹاپ تعمیر کئے گئے ہیں اور ٹرانک انجینئرنگ اسکیموں کو رو بہ عمل لایا گیا ہے۔ ریاستی حکومت نے مرکزی وزارت ریل سے بار بار درخواست کی ہے کہ وہ اس ریاست میں کئی جگہوں میں نئی دیرے ٹائن بجائے یا ان کو توسیع کرتے تاکہ اہم اہم علاقوں کو دیہان آندورفت کی سہولتیں فراہم ہوں۔ بد قسمتی سے ان تجویزوں کو نامٹو کر دیا گیا۔ اب پھر اس موضوع پر حکومت ہند سے بات چیت ہو رہی ہے۔

سال رواں میں ۲۵۰ نئے جوڑے لائی اسکول کھولے جائیں گے اور ان کے لئے ۵۰۰ اساتذہ کی تعینات ہوگی۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ۱۹۸۱-۸۲ میں مزید ۲۵۰ جوڑے لائی اسکول اور ۲۰۰ نئے پرائمری اسکول کھولے جائیں۔ غیر رسمی تعلیم مراکز میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ۱۹۸۰-۸۱ میں ۴۹۰۰۰ سے بڑھ کر ۱۹۸۱-۸۲ میں ۵۲۱۰۰

ہو گئی۔ ۸۶-۸۷ میں ۳۰۰۰ نئے غیر رسمی تعلیمی مراکز کھولے جانے کی امید کی جاتی ہے۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ ایسے مزید ۳۰۰۰ مراکز کھولے جائیں اور سال کے آخر تک ایسے مراکز میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ۶۲۶۰۰۰ ہو جائے گی۔ چھٹے منصوبے کے عرصہ میں تسیم شدہ لائی اسکولوں کے کلاسز کھلا اور ۱۱ میں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد ۶۷۸۰۰۰ سے بڑھ کر ۹۰۰۰۰ ہو جائے گی۔ اس سال ۵۰ نئے ہائر سکینڈری اسکول کھولے جائیں گے اور ایک تجویز یہ ہے کہ آئندہ سال مزید ۵۰ سکینڈری اسکولوں کو ہائر سکینڈری اسکولوں میں تبدیل کر دیا جائے۔ ۵۱ جنوری ۱۹۸۱ کو دیرا گورنور سٹی کا رسمی طور پر افتتاح کیا گیا۔ مرکزی حکومت کی ایک تجویز یہ ہے کہ کلکتہ میں ایک کینڈر ریسنکرت و دیاسٹھ قائم کیا جائے اور اس کے لئے دو ایکڑ قطعیت آراضی منتخب کئے جائیں گے۔ ہالیدی میں ایک سرکاری کالج کی تعمیر کا کام جاری ہے اور سترہ نئے غیر سرکاری کالج کھولنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔

صحت عامہ اور خانہ انی رنہ کے پروگراموں کو دیہاتوں میں لے جایا گیا۔ ۱۲۳۲ صحت رہنماؤں کو تربیت دی جا چکی ہے اور اب ۱۰۵ اپنے اپنے گاؤں میں کام کر رہے ہیں۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سال رواں میں سالٹ بیک کلکتہ میں ایک ریاستی عام اسپتال کھول دیا جائے گا۔ اس اسپتال میں مریضوں کے علاج کیلئے ۱۰۰ بستر ہوں گے، اینڈروائڈ الٹی مراکز صحت، ۱۳ معاون مراکز صحت اور دو مضامانی اسپتال کھولنے کی منظوری دی جا چکی ہے۔

اس ریاست میں فروڈ کارپوریشن آف انڈیا بہت ہی کم اناج اسٹاک میں رکھتا ہے۔ اس ریاست میں اناج اور چینی کی سپلائی مسلسل جاری نہیں رہتی ہے اور سپلائی کردہ چینی اور اناج مقدار میں نا کافی ہوتا ہے۔ نیز اس ریاست کے تمام علاقوں میں دستیاب غذائی اجناس کی تقسیم کے کام کو ایف سی آئی خیر خوبی سے انجام نہیں دیتا۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود اس ریاست میں عوامی تقسیم کے نظام کو بلا روک ٹوک جاری رکھا گیا ہے۔ ۱۹۸۵ میں عوامی تقسیم کے نظام کے ذریعہ ۷۶ لاکھ میٹرک ٹن اناج تقسیم کیا گیا۔ جلانے کے کوئلے سپلائی میں کافی کمی کی وجہ سے کراچی میں کافی کمی کی حالت

اسپورٹس ڈے

سالٹ لیک کلکتہ میں کھیل کود اور ثقافتی تقریب

گزشتہ ۲۲ فروری کو سارے مغربی بنگال میں اسپورٹس ڈے (کھیل کود کا دن) بڑی شان و شوکت سے منایا گیا۔ چونکہ یہ افتتاحی سال ہے اس لئے اس موقع پر اپنی نوعیت کا سب سے بڑا اور شاندار جلسہ نکالا گیا۔ اس جلسہ میں مختلف اسکولوں کے ہزاروں طلبہ اور طالبات نے، نیز اسپورٹس اور دیگر تنظیموں اور کلبوں کے جموں نے حصہ لیا۔ اس جلسہ میں پرانے کھلاڑیوں اور اسپورٹس مین جیسے سبیل منشا، جتی گوسوامی، سر (بدی) بنرجی، پی کے بنرجی اور دیگر افراد نے حصہ لیا۔ یہ بہت ہی لمبا جلسہ تھا۔ طلبہ اور طالبات رنگین جھنڈے لہراتے ہوئے اس جلسہ کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ان کے بعد ٹیل بجانے والوں کا قافلو تھا۔ پھر جلسہ میں شامل ہونے والے لوگ تھے در سب سے آخر میں جہاں کھیل پیش کی گئیں جن میں کھیل کود کے جذبہ اور نئی ایک جہتی کا اظہار کیا گیا۔

شری کل بوس، مونسٹر کلکتہ کارپوریشن نے پریکٹک سپرٹڈ گراؤنڈ میں دن کے دیرپہ بجے جھنڈا لہرا کر جلسہ کا افتتاح کیا۔ شری دس نے اس جلسہ کی سربراہی کی۔ ان کے ساتھ شری جتین چکورتی، وزیر تعمیرات، عامہ و مکانات، شری کانتی مواس وزیر ابتدائی تعلیم، شری رادھیکا بنرجی، وزیر خوراک و رسد اور شری سباش چکورتی وزیر ریاست برائے کھیل کود اور خدمات نوجوان بھی تھے۔ یہ جلسہ کلکتہ کی مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے پلازم بجے سہرہ کو سالت لیک اسٹیڈیم میں پہنچا۔

اولمپیا کی جڑ سے مشر ایل ڈاؤنپیک اور ان کی اہلیہ محترمہ

ڈانا ڈاؤنپیک بھی اس جلسہ میں شرکت کرنے والے تھے، لیکن ان کا ہوائی جہاز دہلی سے کلکتہ ذرا دیر سے پہنچا اس لئے ان لوگوں کو دم ہوائی اڈہ سے سیدھا سالٹ لیک اسٹیڈیم میں پہنچا دیا گیا۔ اس اسٹیڈیم میں شام کے پانچ بجے سے بہت ہی رنگین جشن شروع ہوا۔ اس میں مشر ڈاؤنپیک اور ان کی اہلیہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کیا۔ رقص کے ساتھ گیت، برانا چاری ناچ، ڈریل، پنڈ باجے اور آتش بازی نے اس جشن کو مزین کر دیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مشر ڈاؤنپیک نے کہا کہ اس ریاست کے اسپورٹس پریچوں کے جوش و خروش سے انہیں بہت زیادہ مسرت حاصل ہوئی۔ وزیر ابتدائی و ثانوی تعلیم شری کانتی مواس نے کہا کہ مغربی بنگال کے عوام نے اسپورٹس کے لئے اپنی محبت کی کئی ایک مثالیں قائم کی ہیں۔ یہاں بھارتی کیرنگنگ (اسٹیڈیم) ان مثالوں میں سے ایک ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگر مختلف سطحوں پر عوام خود بخود اپنی محبت اور کوششوں کا اظہار نہیں کرتے تو شاید یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔ انہوں نے اس ریاست کے ہر گوشہ سے زیادہ اسپورٹس کے دلدادہ لوگوں کا پیغام محبت مشر ڈاؤنپیک اور ان کی اہلیہ محترمہ کو پہنچایا۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ ان کی مثال اس ریاست کے لوگوں کے لئے مشعل راہ ہوگی۔

اس تقریب میں دیگر لوگوں کے علاوہ کھاری بی بی اوشا نے اور ان کے کوچ مشر بنیش اور ملک کے دیگر مشہور اسپورٹس مین نے اس جشن میں شرکت کی۔ اس جشن میں ۱۹ پرانے کھلاڑیوں کو ریاستی حکومت نے استقبال دیا

مغربی بینگال کے اضلاع

میں

منصوبہ بندی

افراڈ اکٹراشیما داس گپتا - بیڈ شعبہ معیشت، کلکتہ یونیورسٹی
اور منسبہ ریاستی منصوبہ بندی بورڈ

(دوسری اور آخری قسط)

سرکوں کے سیکٹر میں ضلع - سطح کی سرکیں ضلع اسکیم،
وہی سرکیں، وہی اسکیم اور میونسپل سرکیں شہری اسکیموں کی
مثالیں ہیں۔ اس بات کی کوشش کی جانی چاہئے کہ ایک سیکٹر کیلئے
ایک جامع منصوبہ کے جزو کے طور پر سرسیکٹر میں ضلع، بلاک اور
شہری اسکیمیں مرتب کی جائیں۔ سرکوں کی یہ مثال لیجئے۔ من
مال طور پر مختلف اقسام کی سرکیں تعمیر کرنے کی جگہ اس بات کی کوشش کی
جانی چاہئے کہ سماجی ضروریات کے پیش نظر اضلاع کے لئے ایک جامع
شرک منصوبہ مرتب کیا جائے اور منصوبہ میں مختلف اقسام کے سرکوں
کو اس منصوبہ کے جزو لا ینفک کے طور پر نمایاں کیا جائے۔ ہر سیکٹر کیلئے
ضلع، بلاک اور شہری اسکیموں کی شناخت کی جانی چاہئے اور وسائل
کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح کی ہر اسکیم پر جو مالی اخراجات ہوں
گے ان کا ذکر کرنا چاہئے۔ سرکوں کی یہ مثال کو لے لیجئے۔ ضلع سرکوں
کی تعمیر کے لئے شعبہ جاتی فنڈ میں گنجائش رکھنی چاہئے اور زیادہ تر
وہی سرکوں کی تعمیر کے لئے نوکیلی ہی روزگار پروگرام یا دیہی بے زمین
روزگار ضمانت پروگرام کے لئے فراہم کردہ رقوم سے خرچ کی گنجائش
رکھنی چاہئے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ضلع سطح پر ہر سیکٹر کے لئے ضلع
اسکیمیں ہوں گی۔ ان اسکیموں کو غائر خورد و خوراک کے بعد مرتب کیا جائے
گا۔ نیز ایسی اسکیموں کو ڈی پی سی منظور کر لے گی اور ڈی پی سی
اس کی تصدیق کرے گی۔ اس طرح ہر بلاک ہر سیکٹر کے لئے بلاک

اسکیموں سے اور اپنی پائپ لائن تک پہنچانے کے لئے اخراجات سے
واقف ہو جائے گا۔ بلاک سطح پر اپنی اس سے پہلے سکھ پر بات
چیت کے بعد بلاک منصوبہ بندی کمیٹی (ڈی پی سی) کی منظور کردہ اسکیموں
کو ڈی پی سی کے پاس بھیج دیا جائے گا جو اسے اپنی منظوری دے گا۔ اس
کے بعد ڈی پی سی سی اس منظوری کی تصدیق کر دے گی۔ اسی طرح
شہری اسکیمیں بھی میونسپلیٹیوں کی سطح پر مرتب کی جائیں گی اور اپنی منظوری
اور تصدیق کے لئے ڈی پی سی اور ڈی پی سی کے پاس بھیج دیا جائے
گا۔ اس طرح ضلع منصوبہ بنام سیکٹرل کی ضلع اسکیموں کو بلاک
اسکیموں اور شہری اسکیموں کا مجموعہ ہوگا۔

ہر ضلع کے لئے ضلع منصوبہ کو ریاستی سطح پر عام منظوری

کے لئے بھیج دیا جائے گا۔ ضلع منصوبوں میں وہی ترجیحی اقدامات کو رو بہ عمل
لانے میں قعد آ کوتاہی یا غلطی کرنے سے ریاستی سطح پر ضلع منصوبہ بند
رو بہ عمل لانے سے روک دیا جاسکتا ہے۔ ہر حال پانی کے نکاس کی وسیع
اسکیمیں، بجلی پروجیکٹس، بڑے پیمانے کی صنعت کے پروجیکٹس وغیرہ جیسے
پروجیکٹس جو کئی یک ضلعوں پر پھیلے ہوئے ہوں گے، صرف ریاستی سطح
پر مرتب کیے جائیں گے۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ منصوبہ بندی اسکیمیں،
خاص طور پر بلاک اور اس سے پہلے سطح پر مرتب کرنے وقت اس بات
کی کوشش کی جانی چاہئے کہ پنجابوں اور میونسپلیٹیوں کے ذریعہ عام
لوگوں کو ان اسکیموں کے عمل درآمد لانے کے کام میں شریک کیا جائے۔ اس
مقصد کے پیش نظر عام جیسے عام لوگوں سے باضابطہ بات چیت عام
بحث و مباحثہ ضروری ہیں۔

اسکیموں کی مکملید : بلاک، شہری اور ضلع
سے وابستہ ضلع منصوبہ مرتب کرنے کے بعد ہر سیکٹر کے لئے اسکیموں
کو مندرجہ ذیل طریقوں سے رو بہ عمل لایا جائے گا۔ ان اسکیموں کو جن
کے لئے پنجابوں کے ذریعہ مالی رقوم فراہم کی جائیں گی، پنجابوں کے ذریعہ
پائپ لائن تک پہنچایا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے پنجابوں کے
اسٹاف سے کام لیا جائے گا نیز ڈی پی سی اور ڈی پی سی کے تحت
مزید اسٹاف فراہم کیا جائے گا۔ قومی مضافاتی روزگار پروگرام دیہی
بے زمین روزگار ضمانت پروگرام، جامع دیہی روزگار پروگرام، دیہی

منصوبہ اسکیپیں و دیگر کے تحت جواسکیپیں میں انہیں پنپا تیروں کے تحت پائے تشکیل تک پہنچایا جائے گا۔ اسی طرح ان اسکیپوں کو جن کیلئے میونسپلٹیوں کے ذریعہ مالی رقم فراہم کی جائے گی میونسپلٹیوں کے ذریعہ اور ان اسکیپوں کو جن کے لئے متعلقہ شعبوں کے ذریعہ مالی رقم فراہم کی جائے گی، اس شعبہ کے ذریعہ پائے تشکیل تک پہنچایا جائے گا۔ چند اسکیپیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جنہیں پنپا تیروں اور متعلقہ شعبے مشترکہ طور پر پائے تشکیل تک پہنچائیں گے۔ مثال کے طور پر چند سڑکوں کی تعمیر کے سلسلے میں کچی سڑک کی تعمیر کے اخراجات قومی دیسی روزگار پروگرام کے فنڈ سے پورے کئے جائیں گے اور اس سڑک کو پختہ بنانے کے اخراجات شعبہ تعمیرات عامہ (سڑک) پورا کرے گا۔

اس بہت کی اہم ضرورت ہے کہ ان منصوبہ اسکیپوں کا جنہیں رو بہ عمل لایا جا رہا ہے جائزہ لیا جائے۔ تعمیراتی کام کی باضابطہ دیکھ بھال کی جائے۔ اسکیپوں کے پیش نظر ریاستی سطح، ڈی پی سی سطح یا جی پی سی سطح سے ان ذمہ داروں کو نبھایا جائے گا۔ ان جائزوں کے نتائج کے پیش نظر آئندہ سال کے لئے متعلقہ منصوبوں کے لئے حسبِ خواہ رقم مختص کی جائیں گی۔

اس سال (۸۵-۸۶) میں ملک منصوبوں پر مشتمل ضلع منصوبہ ہر ضلع کے لئے لامرکزی طور پر مرتب کیا گیا۔ پہلی بار اس ریاست میں اور شاید پہلی بار سارے ملک میں ایسے اقدامات کئے گئے۔ اب ان منصوبوں کو رو بہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ان کے ساتھ آئندہ سال کے لئے منصوبہ بھی مرتب کئے جا رہے ہیں۔

منصوبہ بندی کے نظام اور طریقہ کار کے سلسلہ میں یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی قسم کی خوش فہمی اجاگر نہ کرنے کے پیش نظر ان منصوبوں کے ذریعہ ریاستی حکومت کے محدود اختیارات کے تحت عام لوگوں کی مدد کے لئے اقدامات کئے جاسکتے ہیں۔ اضلاع میں نئے منصوبہ بندی کے نظام کے ذریعہ احاد کے کام کو اور بھی اچھے طریقے سے مربوط اور منظم کیا جاسکتا ہے۔ محکمہ میں شرکت کو جو ہے عام لوگوں پر معیشت کے مختلف شعبوں میں حاشیہ بندیوں اور بدعنوانیوں کی جانچ لگی اور ان بدعنوانیوں پر عوام کو مستقبل میں تیار کیا جائے گا۔

بقیہ : اکوڑا

اگلے تعلیمی سال یعنی آئندہ اپریل سے کانتی، کھلیانی اور مدیا ساگر دیو سٹیوں میں ماہی گیری و ماہی پروری کی تعلیم کے لئے ڈیپو ما اور دیگر کی کورس چالو کر دئے جائیں گے۔ شعبہ اعلیٰ تعلیم کے وزیر شری تمبھوگوش نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مچھلیوں کی پرورش و پرورش کے لئے تعلیم اور تربیت دونوں کی اہم ضرورت ہے اور اس سلسلے میں یہ کوششیں کی جانی چاہئیں کہ طلباء کو مشترکہ طور پر تعلیم و تربیت دی جائے۔ مہان خصوصی وزیر ماحولیات شری بھوانی مکھو یا دھیر نے اپنی تقریر میں بتایا کہ تخمیناً ۵۰۵۰ ہیکٹر کرسس پر پھیلے تالابوں میں چارہ مچھلیوں کی پرورش کی جائے۔ اس تخمینہ کو پورا کر لیا گیا ہے اور اب ۵۰۵۰ ہیکٹر کرسس میں پھیلے تالابوں میں چارہ مچھلیوں کی پرورش کی جا رہی ہے۔ میرنپل علاقوں میں زمین دوزنا لے سے نکلنے والے گندے پانی میں چارہ مچھلیوں کی پرورش کا انتظام کیا گیا ہے۔

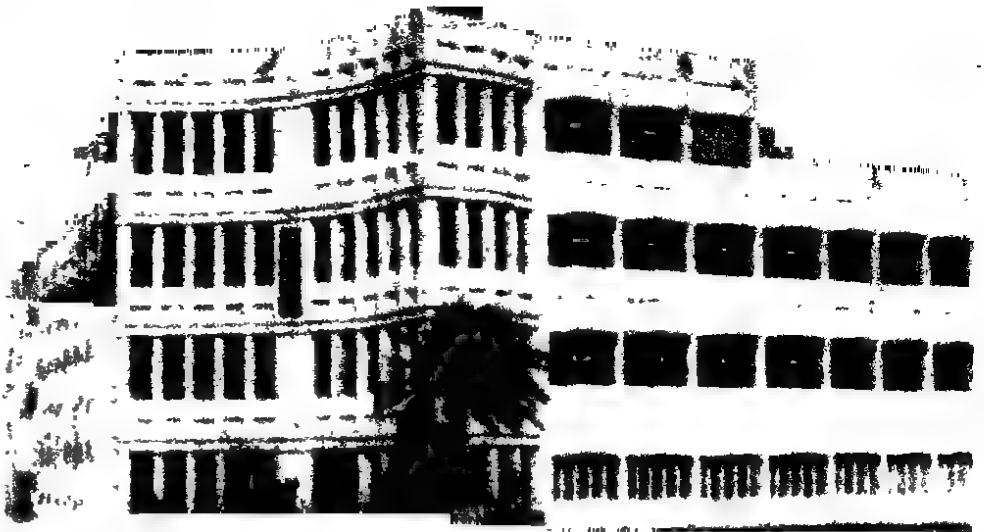
اس تقریب کے اختتام میں ضلع ماہی امسر شری امل کمار محمد نے مہانوں کا شکریہ ادا کیا۔ چارہ مچھلیوں کی پرورش و پرورش کے سلسلے میں سمینار منعقد ہوا۔ اس میں مختلف مقرروں نے اپنی تقریروں میں ماہی گیری و ماہی پروری کے مختلف پسندوں پر روشنی ڈالی۔

اس مچھی بھون اکوڑا کی حالت کی تصویر ۱۷ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ یہاں ماہی گیری کئے گئے تھے تربیتی مرکز بھی قائم کیا گیا ہے۔

بقیہ : گورنر کا خطبہ

عزت آف میروں کو جو چھ سیشن میں ان تمام باتوں اور دیگر مسائل پر بحث و مباحثہ کرنے کا موقع ملے گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اس سیمینار کے ختم میں آپ لوگوں کو نمایاں سے ہنگامہ ملے گا۔

ماہی بھون اکوٹا



میں نڈیوں، تالابوں اور سمندر کے ساحلی علاقوں میں مچھلی کی پرورش و برداشت کے کام کو برعکس دیا جا رہا ہے۔ چارہ پھیلانے کی پودش کرنے والوں کی موجودہ افزائش جاری ہے اور اس سلسلے میں انہیں اندر اہل فراہم کی جاتی ہے۔ ماہی گیروں اور خاص طور پر عزیز بہائی گیروں کا سماجی حالت سدھارنے کے لئے ریاستی حکومت کی طرف سے بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں۔ ان ماہی گیروں کو ماہی پروری کی سائنسی تربیت دی جاتی ہے۔ انہیں پھلے پکڑنے کے جال انشیاں اور ماہی گیری کے دیگر ساز و سامان بھی دئے جاتے ہیں۔ نیز انہیں آسان شرطوں پر قرض بھی فراہم کئے جاتے ہیں۔ ریاستی حکومت نے ماہی گیروں کے لئے حادثہ بیمہ اسکیم بھی رائج کی ہے۔ نیز ریاستی حکومت پھیلانے کی پرورش پر داشت کے لئے مختلف علاقوں میں تالابوں کی تعداد میں بھی اضافہ کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں مالی بینک کی امداد کی فراہمی سے اس کام کو اور بھی تیز کر دے اور عمل لایا جا رہا ہے۔ چارہ فراہمی گیروں کی رہائش کے لئے مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔ سمندر میں ماہی گیری کے لئے ضلع ہوگی کے ماہی گیروں کو ۹۶ ہزار روپے سرکاری امداد کے طور پر دئے جائیں گے جن سے وہ سڑ سے چلنے والی کشتیاں، ٹائیپوں کے جہاز خرید سکتے ہیں گے۔

شہری شعبہ ہرن گھوش اور بر شعبہ اعلیٰ تعلیم حکومت مغربی بنگال نے گزشتہ ۴ مارچ کو ضلع ہنگی کے کھلونا اور پرنو انجیر پھلی بھون، اکوٹا کا افتتاح کیا۔ اس افتتاحی تقریب میں ریاستی وزیر ماحولیت شری بھوانی مکھو بادیہ نے یہاں مصروفیت کی حیثیت سے شرکت کی۔ ان کے علاوہ اس تقریب میں ہنگی ضلع پرنو کے سجاد و جیتی شری شیر پشاد سکھو پادھیہ اور ضلع مجھڑیٹ شری سید ساجی سین نے بھی شرکت کی۔ جلسہ صدارت وزیر شعبہ ماہی گیری و پروری شری کون مو کے ہندو نگی۔ سب سے پہلے اس تقریب میں شعبہ ماہی گیری پر ورگی سکریٹری شری ایشم برمن نے اپنی تقریر میں یہاں کو خوش آمدید کہا۔ صدر جلسہ شری کون مو نے مذکورہ اپنی تقریر میں کہا کہ پھلی بنگالیوں کی خوراک کا لازمی جز ہے۔ اس لئے یہ شعبہ پھیلانے کی زیادہ سے زیادہ فراہمی کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جن کو پھیلوں کی کمی کو دور کرنا ریاست کے لئے فی الحال مشکل ہے اس لئے ریاستی حکومت کو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دیگر ریاستوں سے بیس جا بیس ہزار ٹن پھیل درآمد کرنی پڑتی ہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ پھیلوں کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر پروگرام بنائے گئے ہیں۔ ریاست کے مختلف علاقوں



معز بنکال کے وزیر
ابتدائی و ثانوی تعلیم شری
کاشی بسواس اور وزیر
ریاست برائے ابتدائی تعلیم
شری عبدالجباری، طلبہ
کے کھیل کود اور تفریحی
تفریب کے موقع پر کشتا نگر
اسٹیڈیم میں۔
(تصویر از: مونس پیرزادہ)



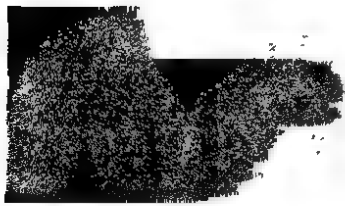
کشتا نگر اسٹیڈیم
میں حال ہی میں منعقدہ
طلبہ کے سالانہ اسپورٹس
اور تفریحی تقریبات۔
ابتدائی اور ثانوی اسکول
کے طلبہ کے پیش کردہ
رد توجہ کارنامہ



ابتدائی اور ثانوی
اسکولوں کی طالبات
کا پیش کردہ دلچسپ



وزیر خوراک و رسد شہر کا رادھیکا رتن بنرجی، باکجور میں حال ہی میں منقذہ ایک تقریب
میں پناہ گزینوں کو قطعیت آراضی کے لئے تقسیم کرتے ہوئے۔



نئی ترقیاتی کارپوریشن کے زیرِ نگرانی سرکاری وادج سسٹم کو منقذہ کلکتہ میں منقذہ
”نم کے فروغ میں حکومت مغربی بنگال کا ادارہ سیدید میں تقریب کرتے ہوئے۔

میری ننگال

پرتی بکاشا دے
 دھر پتھر لانا شوق
 میر معاوند
 مستعد اعظم

جلد نمبر ۲۳ * یکم اپریل سنہ ۱۳۶۹ء شمارہ نمبر ۷

میری ننگال

میرا نام ۳۰۰ روپے ہے اس کی طرف سے
 تر میل زر و صفایا
 برقعہ بکرا

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
 ۲۳- آر این، مکھڑی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

وزیر اعلیٰ شری جی رتی باسو اور استواریت ۸۶-۸۷ء پیش کرنے کیلئے ریاستی اسمبلی میں جانے چکے۔
 وزیر اعلیٰ کی بی بی عرف شری پر دشا نو خود وزیر تعلیمات و شہری ترقی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔



غزل

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی یہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی یہی

زہن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی یہی

کیسی طرح توجھے بزم مسیکدے والو
نہیں جو بادۂ وسعہ عزتو ہاؤ ہو ہی یہی

مگر انتہا رکشن ہے توجہ تنک اے دل
کسی کے وعدہ فدا کی گفتگو ہی یہی

دیارِ غیر میں محرم اگر نہیں کوئی
تو فیضِ ذکرِ وطن اپنے روبرو ہی یہی

فیض احمد فیض

مغربی بنگال کا بجٹ برائے ۱۹۸۶-۸۷ء

ٹیلی ویژن پر منعقد ہونے والی نشست ختم۔ کھیل تماشے، اسپورٹس، اسکوٹر ٹورسائیکل وغیرہ میں ٹیکس کی شرحوں میں کمی
نئے بجٹ میں ۵۳ روپے کی بچت۔ عوام کے لئے راحت بخش بجٹ

ریاستی حکومت کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی بامو نے ۱۲ مارچ ۸۶ء کو ریاستی اسمبلی میں ۸۶-۸۷ء کا بجٹ پیش کیا جس میں ۵۳ روپے کی تخفیف شدہ بجٹ دکھائی گئی ہے۔ بجٹ پیش کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ نئے بجٹ میں ۱۴ کروڑ روپے کی آمدنی (اس رقم میں ابتدائی طور پر باقی شان ہے) اور ۶۱ کروڑ روپے کے اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ریاست کی معیشت میں نام سوار اور خامیوں کو دور کرنے میں پیش رفت ہوئی ہے اور زرعی اصلاحات پر زور دیا گیا ہے۔ سسٹم کام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۸۶-۸۷ء میں چھوٹے پیمانے کی صنعت کی روزانہ کی تعداد ۳۳ ہزار تک پہنچ گئی ہے اور اس سے ۲۰۰ روزگار مل سکے گا۔ وزیر اعلیٰ کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

محترم جناب اسپیکر صاحب! آپ کی اجازت سے
میں اس ایوان میں مالی سال ۸۶-۸۷ء کیلئے حکومت مغربی بنگال
کا بجٹ اور سال رواں کے لئے نظر ثانی کردہ تخمینہ پیش کرتا ہوں۔
اس ایوان میں ۸۶-۸۷ء کے لئے معاشی جائزہ بھی
پیش کیا گیا ہے۔ اس جائزہ میں حالیہ عرصہ میں اس ریاست میں
رہنے والی معاشی رجحانات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ شدید خشک سالی
کی وجہ سے ۸۱-۸۲ء اور ۸۲-۸۳ء میں شدید دشواریوں کے
باوجود گزشتہ پانچ برسوں میں فی کس آمدنی کی شرح سارے ہندوستان
کے مقابلے میں بہت ہی اونچی ہے۔ ہمیں بہت ساری معاشی نا اہلیوں
اور رکاوٹوں کو جن سے ریاست کی معیشت بری طرح متاثر ہوئی
ہے دور کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

مضافاتی سیکٹر میں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے
پیداواری اصلاحات آراضی پر زور دیا گیا ہے۔ انتہائی حد سے
زیادہ نا اہل قطعات آراضی جن پر حکومت کو حق ملکیت حاصل
ہو گیا ہے، میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی غریب
اور بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ ملک
کے کسی بھی علاقے میں اتنے قطعات آراضی کی از سر نو تقسیم نہیں

ہوئی۔ ریکارڈ سسٹم میں ۱۳ لاکھ سے زیادہ برگرڈ اوروں کے نام درج
کئے گئے ہیں۔ اصلاحات آراضی کے اقدامات کے تحت غریب اور
کام کر سنے والے کسانوں کو ان کے کھیتوں کی آبپاشی کے لئے
پانی میں سہولتیں پیدا کی جارہے ہیں۔ ان تمام کوششوں میں ضلع اور
بلاک سطحوں پر کام کو زور دیا گیا ہے۔ زرعی مزدور کو ملنا پورا
کیا گیا ہے اور ان تمام طریقہ کار میں منتخب پناتیوں کے ذریعہ عام
معاشرے کو شریک کیا گیا ہے۔ ان تمام اقدامات کی وجہ سے
گزشتہ چند برسوں سے زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا اور
اجناس کی اس شرح کو برقرار رکھا جا رہا ہے۔

یہ بات باعث مسرت ہے کہ خریف کی پیداوار گزشتہ
برسوں کی طرح ۸۶-۸۷ء میں بھی کافی بہتری ہوئی لیکن اس بات
سے کہ کئی اونی کو خام باٹ کے لئے بہت ہی کم قیمتیں ملیں۔ ریاست
حکومت کو کافی تنویریں لاحق ہو گئی۔ شعبہ زراعت کے تخمینہ کے
مطابق دسمبر ۸۶ء کے آخر تک اس ریاست میں باٹ کی پیداوار
کا نصف حصہ کم سے کم تازہ قیمت سے کم قیمت پر فروخت کر دیا گیا
باٹ کی پیداوار اور قیمتوں میں استحکام کے لئے ایک جامع پالیسی
نئی، جو مشرق اور شمال مشرق علاقے میں معاشی سرگرمی کے ایک

جزوئے مرکزی حکومت کی کوٹاہی کی حکاسی کرتی ہے۔ یہ امر لفظی ہے کہ ہندوستان کے پارٹ کو پبلکیشن عریب پارٹ کا شکاروں کے ملک کی خاطر تمام پارٹ کی خریدار کا کے سلسلے میں اپنے اختیارات کو بروئے کار لائے اعداد و سیانی لوگوں کو نکال باہر کرے۔

مسوا کی کوٹاہی کی اسکیم کو رد عمل لانے سے قائم بڑی اور متوسطہ و جبر کی صنعتوں میں پیدا ہونے والے جمود امر کوئی حکومت کی لائننگ پالیسی یا نیز صنعتوں کی تجدید سے غفلت نے صنعتوں کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اس بابت میں بڑی اور متوسطہ درجہ کی صنعتوں کے لئے مرکوزی سرملیکاری کے لئے اور خاص طور پر پٹرول کیمیکلس میں مشترکہ مرکزہ ریاست سرملیکاری کے لئے ہلدی درخاست پر حکومت ہند نے لیک نہیں کیا۔ اس لئے ہیں اپنے حدود میں اس کا سہارا لینا پڑا اور ہم مشترکہ سیکٹر کے ذریعہ اس ریاست میں صنعتوں کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ریاستی صنعتی ترقیات کارپوریشن اور الیکٹرانکس صنعت ترقیات کارپوریشن گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اس کے ساتھ ہی ریاستی حکومت نے ویسٹ بنگال انڈسٹریل انفراسٹرکچر ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ذریعہ صنعتی علاقوں اور صنعتی انفراسٹرکچر کے مرکزوں کی ترقی کے لئے بڑی بڑی سہولتیں جیسے پختہ سڑکوں کی تعمیر، پانی اور بجلی کی فراہمی وغیرہ فراہم کی ہیں۔ یہاں برآمدات پر دس فیصد معاف کے لئے بھی حکومت کی طرف سے کئے گئے ایسے اقدامات کو بروئے عمل لانے کے کام کارنتار ترقی کافی تشنگی بخش ہے۔

چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی رفتار ترقی کافی تیز ہے۔ چھوٹے پیمانے کی نئی صنعتی یونٹوں کی تعداد ۱۹۵۰-۸۴ میں ۱۲۷۸۱ تھا جو بڑھ کر ۱۹۶۰-۸۵ میں ۳۳۰۰۰ ہو گئی۔ یونٹوں کی تعداد میں اضافہ ۱۹۶۲-۸۵ افراد کی جگہ ۷۳۰۰۰ افراد کے لئے روزگار فراہم کیا جاسکے گا۔ نیز اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ پیداوار ۱۹۵۰-۸۴ میں ۳۷ کروڑ میٹر سے بڑھ کر ۱۹۸۵-۸۶ میں ۸۷ کروڑ میٹر ہو جائے گی۔ دیشیم کے کپڑوں میں کوئی کمی بدوشیا کے لئے شہتوت کے باغات کے درجہ میں ۱۹۶۰-۸۵

میں کافی اضافہ کیا جائے گا۔ پیداوار میں اضافے کے ان اقدامات سے شہری اور ریفائنائی علاقوں میں روزگار کے کافی مواقع پیدا ہوں گے۔

بجلی کے میدان میں بھی رفتار ترقی کافی تشنگی بخش ہے اور بجلی کی مجموعی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ کوئلہ گھاٹ اسکیم ۱ پروجیکٹ کے لئے ہندوستان کے صنعتی ترقیات بینک اور دیگر مالیاتی اداروں سے ۲۳۲ کروڑ روپے بطور قرض ملنے کی امید ہے۔ آج اس پروجیکٹ کے لئے ۷۰۰ کروڑ سے زیادہ روپے کی ضرورت ہے۔ آئی ٹی کے آئی اور دیگر مالیاتی اداروں سے فراہم کردہ وسائل کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت کو اس پروجیکٹ کے اخراجات کے لئے کثیر رقم فراہم کرنی ہوگی۔ برکثور میں مجوزہ تفریل پاور اسٹیشن کی بابت ہیں حکومت ہند نے اس بات سے مطلع کیا کہ اس سے متعلق میں داخل کرینگے کوئی گنہائش نہیں ہے۔ اس کے بعد حکومت ہند نے ہم لوگوں سے یہ کہا کہ ہم ماحسبہ سے اس سلسلے میں تعاون حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بات کے پیش نظر چند غیر ملکی اداروں کی پیش کش مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کے زیر غور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بجلی پروجیکٹس کے لئے ہلدی کئی ایک تجاویز مرکزی حکومت کی منظور کی منتظر ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۵۰-۸۴ کے دوران بجلی سیکٹر میں ریاستی حکومت نے سرمایہ کاری میں ۲ کروڑ روپے کا اضافہ کیا۔ نیز دیگر پورے پروجیکٹس لینڈ کے لئے مزید ۵ کروڑ روپے فراہم کئے گئے۔ سارے ملک کے ساتھ ساتھ مغربی بنگال میں بے

روزگاری کا مسئلہ بہت ہی شدید ہے۔ تباد کہ روزگار کے دفاتر کے ذریعہ روزگار کے متقاضیوں کی تعداد سارے ملک میں ۵۲ کروڑ اور چارہ ریاست میں ۱۰ لاکھ ہے۔ گزشتہ سال جیسا کہ بجٹ تقریب میں کہا گیا تھا تباد کہ روزگار کے دفاتر میں رجسٹرڈ بے روزگاریوں کو روزگار فراہم کرنے کے سلسلے میں ہم لوگوں نے جو لگائی ۱۹۸۵ سے ایک نیا اسکیم رائج کی تھا۔ اس اسکیم کے تحت "جیسے" مغربی بنگال میں رجسٹرڈ بے روزگاریوں کے لئے خود روزگار

جسے رقم ۲۰۶ کروڑ روپے حاصل کیے تھے۔ پھر سالہ وار ایسی
محکمہ حکومت کے تحت چیت کر کے ایک بار میں رقم کی۔ افسوس
میں کہ انیسویں کے نزدیک باقی رقم کو چار سالہ قرضوں کی شکل میں بدل دیا
گیا۔ اس طرح ۲۰۶ کروڑ روپے جو بطور قرض حاصل ہو گئے
وہ چار سالہ کی مدت میں ادا کر دینے چاہیے۔ مگر یہاں
میں سے چار سالہ جو نا انصافی کی گئی، اس کی بابت ہم نے
حکومت ہند کی توجہ مرکوز کی تھی۔ اگر ۳۲۰ کروڑ روپے، جن کی
بابت آج بھی مالیاتی کمیشن نے سفارش کی تھی، اس ریاست کو دے
جاتے تو ہم بعد ذرا نٹ کی رقم واپس کر دیتے۔ یہاں ہی ہمارے
پاس سالہ ایک آفر میں کچھ ماضی رقم بھی چوتھی۔ لیکن اس رقم کی جو
ماحولیات جاری ہے، کی منتقلی کی جگہ، اس کی صورت ایک جزو قرض کی
شکل میں چھین فراہم کیا گیا۔

میں نے خاص طور پر یہ باتیں منصوبہ بندی کی تھیں کہ علم میں لائیں کہ

عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہوں کہ

دستِ حق پر شدید دباؤ اور منصوبہ کے لئے ہم ممکن طریقہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹک رکھنے کی ضرورت کا احساس سے تیار کردہ اثاثوں کو اچھی حالت میں رکھنے کی طرف اکثر حسب خواہ و حیا نہیں دیا جاتا۔ سال ۸۶-۸۷ء کے دوران عظیم تر کلکتہ (رقبائی علاقہ) میں تعمیر کردہ اثاثوں کو بہتر حالت میں رکھنے کے لئے ۶ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ یہ اثاثے خاص طور پر پانی کی سپلائی، سڑکوں کی تیز آمد و رفت کی ذمہ داریاں اور دیگر امور پر مشتمل ہیں۔

4

اور ان کی عمارتوں کو ان میں حالت میں برقرار رکھنے کے لئے مختص
کردہ رقم میں ۵ کروڑ روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔

نیشنل پروجیکٹ اس ریاست کا بہت ہی اہم پروجیکٹ
ہے جو زیر تعمیر ہے۔ اس پروجیکٹ کو جلد از جلد پائے تکمیل
تک پہنچاتے ہیں۔ جس میں دشوا دیاں کا سامنا کرنا پڑا
ہے، ان سے ہم عزت و کرامت کو رشتہ کرنا چاہتے ہیں۔
۱۹۵۰ء کے آخر تک اس پروجیکٹ پر ۱۶۰ کروڑ روپے
خرچہ کئے گئے۔ اس رقم میں سے صرف ۵ کروڑ روپے حکومت
ہند نے خصوصی امداد کے طور پر دیئے۔ ہم حکومت ہند سے یہ
درخواست کر رہے ہیں کہ وہ اس خصوصی امداد کی رقم کو،

ساتویں منصوبہ کے عرصہ میں برصا کر ۲۰ کروڑ روپے سالانہ
کودے ایکوں کو یہ پروجیکٹ کافی قومی اہمیت کا حامل ہے۔

اب تک حکومت ہند کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ ریاستی
حکومت کو آبپاشی کے بڑے اور متوسط درجہ کے لئے منصوبہ
کے تحت جو رقم مختص کی ہیں ان کی ۶۰ تا ۷۰ فیصد رقم صرف
اس پروجیکٹ پر خرچ کر رہی ہے۔ اس سے زیادہ ہم اور کیا
کر سکتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر ۱۹۶۰-۱۹۶۱ء کے دوران اس
پروجیکٹ سے کسانوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں۔ ہم
نے سالہاں میں نیشنل پروجیکٹ کے لئے ۲۱ کروڑ روپے
کی جگہ ۲۸ کروڑ روپے مختص کئے۔ کوہگات اسٹیج آف
پروجیکٹ کو جلد از جلد پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے میزوس
بھارت ہیری ایکسٹریکٹس لمیٹڈ کی درخواست پر ہماری یہ
تجزیہ ہے کہ سال رواں میں اس کمپنی کو مزید ۲۵ کروڑ روپے
دئے جائیں تاکہ وہ اس پروجیکٹ کے لئے ضروری تعمیراتی چیزیں
خرید سکیں اور ریاست کے اس میلی گٹر کی تعمیر کے کام کو جلد از جلد
پائے تکمیل تک پہنچا سکے۔

۱۹۶۰-۱۹۶۱ء کے لئے منصوبہ کے تحت مجموعی مصارف
۱۷۲ کروڑ روپے ہے۔ اس میں ۵۸ کروڑ روپے ریاستی
وساں سے حاصل کئے جائیں گے۔ اور ۲۱۸ کروڑ روپے مرکزی
امداد کے طور پر فراہم ہوں گے۔

اس منصوبہ کے مصارف میں ملکی یک باؤن کو نظر
انداز کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک ۱۰۰ صرف شہر ٹھکانہ ترقیاتی
مقررہ جگہ دیگر شہری علاقوں میں ہی دی گئی سہولتوں
جیسے شہر اہلوں کی تعمیر پانی کی سپلائی وغیرہ میں بہتری لانے کی ضرورت
ہے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ اس منصوبہ کے لئے بجٹ میں
رکھی گئی رقم کے علاوہ مزید ۸ کروڑ روپے فراہم کئے جائیں۔ اس
رقم کا کچھ حصہ برصا کر، جنرل ودم اور ودم علاقوں میں سطحی پانی
سپلائی اسکیموں کے سلسلے میں سال رواں میں ابتدائی کام کا جگہ
لئے دستیاب ہو گا۔

اس موقع پر میں بیان اختصار کے ساتھ اس ایوان
میں اس سے قبل پیش کردہ بجٹ تخمینہ سے مالیہ سال کے لئے
نظر ثانی کردہ تخمینہ میں چند اہم فرق کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ بجٹ
تخمینہ میں ٹیکس محاصل ۱۲۲۲ کروڑ روپے کا تھا، لیکن اب اس
مے کے تحت تقریباً ۱۴ کروڑ روپے زیادہ محاصل ہوں گے۔ اس
غیر ٹیکس محاصل کا نشانہ تقریباً ۱۷ کروڑ روپے مقرر کیا
گیا تھا لیکن اب اس مے کے تحت تقریباً ۹ کروڑ روپے کم وصول
ہوں گے۔

اخراجات کی منظر ثانی کردہ تخمینہ میں محاصل
امونٹ میں تقریباً ۹ کروڑ روپے کا اضافہ ہوا۔ اس کی ایک
وجہ مزید ہنگامی بجت جسے سال رواں میں دینے کی منظوری دی
گئی ہے۔ یکم اپریل ۱۹۵۰ء کو حکومت ہند نے اپنے لازمی کے لئے
ہنگامی بجت کی جتنی قسطیں منظور کی تھیں ریاستی حکومت اس
سے ۱۳ قسطیں پیچھے تھی۔ ۱۹۵۰-۱۹۶۰ء میں ہم لوگوں نے ۱۲ قسطیں
منظوری دی لیکن سال کے آخر میں ہم لوگ حکومت ہند سے ۵
قسط پیچھے رہیں گے۔

آنے والے سال ۱۹۶۰-۱۹۶۱ء کے لئے بیلک اکاؤنٹ
کو چھوڑ کر حالیہ لین دین پر بجٹ تخمینہ میں ۶۲ کروڑ روپے
کی کمی ہے۔ اگر قوانین کی بنا پر سامان کی بین ریاستی
منتقلی پر حکومت ہند عبورہ قانون نافذ کر دیتی تو آج میرا کام
بہت حد تک ہلکا ہو جاتا۔ لیکن وزیر اعلیٰ کی اتفاق رائے

سے سفارتات اور منصوبہ بندی کمیشن کی تائید کے باوجود اس قانون کو اب بھی جیسے کی روشنی دیکھنی ہے۔ دریں اثنا ہیں ہمارے زرمقاتی منصوبوں اور پروگراموں کی بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر تشکیل کے لئے اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے غیر منصوبہ بند اخراجات میں اضافہ کو برا کرنے کے لئے مزید وسائل کی تلاش کرنی ہے۔ اس لئے میں ۱۹۶۷-۶۸ کے لئے مندرجہ ذیل ٹیکس۔ اخراجات کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

میں سیس ٹیکس سے شروع کروں گا۔ یہ اسی ریاست میں حاصل کا سب سے بڑا واحد ذریعہ ہے۔ سیس ٹیکس حاصل میں کافی اضافہ ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت نے بہت سارے انتظامی اخراجات اور لیبٹ و فعل کے خلاف اقدامات کئے۔ عزت مآب ممبران کو یہ بات یاد ہوگی کہ گزشتہ چھ سیشن میں حکومت نے بہتر اور موثر انتظامی اخراجات کے ذریعہ مزید ٹیکس حاصل حاصل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ان اخراجات میں سڑکوں کی جانچ چوکیں کو مستحکم بنانا، مغربی بنگال میں سامان لے کر آنے والی گاڑیوں کی جانچ کرنا، اس ریاست میں داخل ہونے والی ٹرانسپورٹ گاڑیوں کی جگہ جگہ جانچ کرنا اور کسٹمز، ٹکٹ پورٹ ٹرسٹ اور ریلوے حکام کے مابین قریبی تعاون اور تال میل شامل ہیں۔ اس میدان میں ہمیں کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر ریاست کو ریلوے حکام کا مکمل تعاون حاصل ہوتا ہے تو ہمیں اور بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوتی۔ عزت مآب ممبران اس بات سے واقف ہیں کہ سیس ٹیکس قوانین کے تحت سیس ٹیکس پرمٹ کے بغیر اعلان کردہ تجارتی اسٹیمر کو ریلوے کے ذریعہ بھیجنے منع ہے۔ ہم لوگ ریلوے حکام سے اس بات کی درخواست کر رہے ہیں کہ وہ ایسی اسٹیمر کو مناسب پرمٹ کے بغیر بذریعہ ریل لے جانے کے لئے قبول نہ کریں۔

عزت مآب ممبران اس شدید دشواریوں سے واقف ہیں جن سے ریاستوں کو مزید وسائل اکٹھا کرنے میں دو چار ہونا پڑتا ہے۔ نیز اعلان کردہ چیزوں اور برآمد کے لئے چیزوں پر سیس ٹیکس

پر عائد شدہ پابندیوں اور بندشوں سے اس سلسلے میں مغربی بنگال میں چاری صحت کو اور بھی محدود بنادیا گیا۔ اسی میں ہم لوگوں نے کوششیں کیں کہ چنگی بنیاد پر اس ریاست کو حکومت ہند کی طرف سے کوئٹہ پر راٹھڑی حاصل ہو۔ لیکن ہماری اس تجویز کا کوئی خاطر خواہ رد عمل نہیں ہوا حالانکہ حکومت ہند نے ہمیشہ اس بات کو واجب سمجھا ہے کہ بار بار کوئلہ کی انتظامی قیمتوں پر نظر ثانی کیا جائے۔ اس ریاست میں زرمقاتی اخراجات کو روکنا عمل لانے کا ضرورت کو برا کرنے کے لئے مزید وسائل کے سلسلے میں ہماری ضرورتوں کے پیش نظر ہمارے پاس کوئٹہ پر زکوٰۃ بڑھانے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ ہماری یہ تجویز ہے کہ مغربی بنگال ابتدائی تعلیم ایکٹ کے تحت کوئلہ کی شرح کو ۳ فیصد سے بڑھا کر ۵ فیصد اور مغربی بنگال منجھاتی روزگار اور پیداوار ایکٹ کے تحت کوئلہ کی شرح کو ۷ اسی صد سے بڑھا کر ۲۰ فیصد کر دیا جائے، میں یہاں ذکر کر سکتا ہوں کہ ہمارے پڑوس کا ایک ریاست میں کوئلہ کی شرح ۳۰ فیصد ہے۔ یہاں سے باہر بھیجنے والے کوئلہ پر عائد کر سے مزید ۲۰ کوڑ روپے حاصل ہوں گے۔ انتظامی قیمتوں میں حکومت ہند کے لئے اضافہ سے عوام پر کافی عبثیہ بوجھ برداشت کرنا پڑا ہے۔ اس بات کے پیش نظر مزید وسائل اکٹھا کرنے کے لئے ہماری مالیاتی کوششیں متوسط درجہ کا ہے۔ اس لئے میری تجویز میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ لوگوں کو جہاں کہیں ممکن ہو سکے کچھ راحت پہنچائی جائے اس کے ساتھ ساتھ کاروبار اور تجارت میں اضافہ کو کے اور بہتر انتظامی کوششوں کے ذریعہ حاصل میں اضافہ کیا جائے۔ ان باتوں کے پیش نظر میری تجویز یہ ہے کہ غیر روٹی اور غیر اوتی موڑنے اور بنیان میں ٹیکس کی شرح ۴ فیصد سے کم کر کے ایک فیصد کر دی جائے تاکہ ریاست میں چیزیں بھی ساقبتی میدان میں مقایمہ کر سکیں۔ مغربی بنگال سے دیگر ریاستوں میں ان چیزوں کی فروخت میں اضافہ کرنے کے لئے ان چیزوں پر بین ریاستی ٹیکس کم کر کے ایک فیصد کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک ہوشاک کا تعلق ہے ان کی قیمتوں سے وابستہ سیس ٹیکس کی شرحیں ۴ فیصد اور

۸ فیصد ہے۔ ان سٹروں کو کم کر کے ۲ فیصد کر دیا جائے گا۔
 مقامی صنعت اور تجارت کو مزید فروغ حاصل ہو۔ اسی طرح
 مغربی سسٹم پر جس اور پرکری ویز فیسز پر سسٹم ٹیکس کی
 شرح ۱۵ فیصد ہے کم کر کے ۸ فیصد کر دیا جائے گا۔
 اور اس کے لیے کرنسی پر ہی ان مالی بنگال ٹائیٹنس پر سسٹم ٹیکس
 ایکٹ ۱۹۵۷ کے تحت سسٹم ٹیکس کی شرح ۸ فیصد ہے۔
 اس ان پر مغربی بنگال سسٹم ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۷ کے تحت
 سسٹم ٹیکس کی شرح کم کر کے ۶ فیصد کر دی گئی ہے۔ ٹیکس
 کی سٹروں میں کمی کی وجہ سے ان چیزوں کی فروخت میں کمی
 کی وجہ سے ان چیزوں کی فروخت میں کافی اضافہ ہوگا۔ اس طرح
 حاصل کی صورت میں جو رقم وصول ہو اگر وہ نہیں اب ان
 سے کہیں زیادہ رقم حاصل ہوں گا۔ پڑوس کی ایک ریاست
 ہے جہاں انعام کی گاڑیوں پر سسٹم ٹیکس کی شرح کم کر کے
 ۵ فیصد کر دی گئی ہے۔ ہر سکتا ہے کہ یہ وصول کا رخ مغربی
 بنگال سے دوسری طرف پھرنے لے۔ اسی مسئلہ کو حل کرنے اور
 اس ریاست کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہمارے سامنے
 کاروباری گاڑیوں پر سسٹم ٹیکس کی شرح کو ۱۱ فیصد سے کم کر کے
 ۶ فیصد کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا اسی طرح موٹر
 اسکوٹر اوجیٹ اور موٹر سائیکل وغیرہ پر سسٹم ٹیکس ۸ فیصد
 سے کم کر کے ۶ فیصد کر دی جائے گی۔ اسی طرح ان تمام چیزوں کی
 بنی ریاستی فروخت پر بھی سسٹم ٹیکس کی شرح کم کر کے
 ۶ فیصد کر دی جائے گی۔ میری تجویز یہ ہے کہ جسٹریڈ ٹیروں
 کے ذریعہ موٹر گاڑیوں کی بنی ریاستی فروخت پر ٹیکس کی شرح کم
 کر کے دو فیصد کر دی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ مغربی بنگال میں
 اسی گاڑیوں کی فروخت میں اضافہ ہو۔ اسی طرح ان ٹیروں
 کے اجودہ چیزیں بھی یا صاف بن کے یا تھوڑے موٹر گاڑیوں کی بنی ریاستی
 فروخت پر سسٹم ٹیکس کی شرح کم کر کے ۸ فیصد کر دی جائے گی۔
 ٹیکس کی سٹروں میں کمی کی وجہ سے ہمارے وسائل میں کمی نہیں
 ہوگی بلکہ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ ان اقدامات کی وجہ سے
 ریاست میں ان گاڑیوں کی فروخت میں اضافہ ہوگا اور اس طرح

میں تقریباً ۵۰ کروڑ روپے بطور فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔

مغربی بنگال میں واقع گاؤں میں کون کئی امر اس
 سے متعلق آلات و سامان کی فروخت پر سسٹم ٹیکس کی
 رعایتی شرح ۱۵ فیصد ہے۔ مقامی صنعت کے تحفظ کے لئے
 اور ان چیزوں کی فروخت میں اضافہ کرنے کے لئے میری تجویز یہ ہے
 کہ ٹیکس کی اس رعایتی شرح کا اطلاق ہو لیا جائے و تو
 تمام گاؤں پر کر دیا جائے۔ آلات و سامان کی فروخت
 میں اضافہ ہوگا اور اس سے ریاستی حکومت کو تقریباً ۲ کروڑ روپے
 کے مزید محاصل حاصل ہوں گے۔

مارچ سٹروں میں ریاستی حکومت نے عوام کے مفاد
 میں ایک عام اطلاع جاری کیا تھا جس کے تحت یکم اپریل سٹروں
 سے ۱۳ مارچ سٹروں تک مغربی بنگال میں تیار کردہ رنگین ٹی وی
 سیٹ، وی سی آر اور رنگین ٹی وی مونٹر کی فروخت پر ٹیروں کو
 کوئی ٹیکس ادا کرنا نہیں ہوگا۔ چون کہ ایسی سپریمیتیں برسوں
 سے جاری ہیں اس لئے میری خواہش یہ ہے کہ ایسی سہولتوں کو
 ٹیوی سٹی ڈیمو شکل میں جاری رکھا جائے۔ میری تجویز یہ ہے
 کہ یکم اپریل سٹروں سے مغربی بنگال میں تیار کردہ تمام ٹی وی سیٹ
 ٹی وی مونٹر اور وی سی آر کی فروخت پر ۳ فیصد کی شرح
 سے سسٹم ٹیکس عائد کیا جائے۔ اس سے ہمیں پانچ کروڑ
 روپے بطور محاصل حاصل ہونے کی امید ہے۔

میں نے اس بات کو زیر غور رکھا کہ ٹی وی سسٹم پر
 ٹیکس جو رقم حاصل ہوتی ہیں ان سے اس ٹیکس کی معمولیابی
 کے لئے انتظامی اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ اس لئے میری
 یہ تجویز ہے کہ ٹی وی سیٹ پر عائد ٹیوی ٹیکس کو یکم جنوری
 سٹروں سے ختم کر دیا جائے۔ جن لوگوں نے سال سٹروں کے
 لئے ٹی وی ٹیکس ادا کر دیا ہے انہیں یہ رقم واپس کرنے کیلئے
 ایک انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے محاصل میں ۵ ساڑھے
 روپے کی کمی ہوگی۔

عالیہ برسلو میں وی سی آر اور وی سی ٹی کے ذریعہ

فلوں کی کھیتی بڑی فائدتوں میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح ان کے ذریعہ فلوں کو باغیچوں کی کھیتی جتنی بھی چاہئے کرنا ممکن ہے۔
 فروغ پر محو اس امر پر توجہ ہے۔ یخچل میں سے چند غلے جو بکوار
 نوجوانوں کی بڑی طرح شہرت کرتی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان
 واسطوں کے ذریعہ فلوں کی کھیتی بڑی فائدتوں میں کافی اضافہ ہو سکے۔
 اور ایسی کھیتی کو ضابطہ کے تحت کرنے کے لیے جامع قوانین
 مرتب کئے جائیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ وہی سی آر اے کی سی پالی
 کی فلوں کی عام کھدو باری فائدتوں پر ہی ہفتہ ۵۰۰ روپے کے ٹیکس
 عائد کئے جائیں۔ شہر کے اندر کھدو باری کے لیے جو زمینیں ہیں ان کو
 دیگر مروجہ زمینوں پر جہاں الگ سے داخلہ ٹیکس نہیں لیا جاتا ایسی
 زمینوں کی کھدو باری پر وہی ٹیکس سالانہ ۲۵۰ روپے کے ٹیکس عائد
 کئے جائیں۔ ان اقدامات سے سالانہ ۲۰ لاکھ روپے بطور محاصل
 حاصل ہوں گے۔

۱۹۲۲ء تک فلوری ٹیکس ایکٹ ۱۹۲۲ء میں رکھی
 گننانش کے تحت فرسینائی تقریبات جیسی موسیقی کی فصل ٹیکسی
 فائٹس، ٹانگ، سندھو، اسپورٹس، ٹیکس، کوہ وغیرہ کے لئے رستہ
 روپے کے ٹیکس تک کوئی ٹیکس عائد نہیں تھا۔ اب اس حد کو مٹا
 کر ۱۰ روپے سے ۵۰ روپے کر دیا گیا ہے۔

مغربی بنگال میں یکم اپریل ۱۹۲۲ء سے اسرار مارچ
 ۱۹۲۲ء کے درمیان تعمیر کردہ نئے سینما ہال کے مالکوں کو سینما
 کے چاروں طرف کے پچیس سال میں اجتنائی رقوم بطور تقریری ٹیکس
 موصول ہوتی تھیں۔ وہ سینما کے مالکوں کو بطور لہ ادا اس کو دی
 جاتی تھیں تاکہ تقریری اخراجات کے لیے حصہ کو بردا کیا جاسکے۔
 میری تجویز یہ ہے کہ یکم اپریل ۱۹۲۲ء سے آئندہ زمین پر ہونے والے
 اس سلسلے میں ایک نئی اسکیم بنائی جائے جس میں اسکیم کے تحت
 نئے سینما کے مالکوں کو اصل کو تقریری ٹیکس کی رقوم اپنے پاس
 رکھ سکیں۔ اس لیے امید ہے کہ اس نئی اسکیم سے نئے سینما
 ہال کی تعمیر کے کام کو فروغ حاصل ہوگا۔

۱۹۲۲ء کی رقوموں کو جو سے وصول ہونے لگی ہوئی
 ہے۔ صاحب دکن میں اس کی تفسیق کے بعد ٹیکس کو اس سے

۵۰۰ م کروڑ روپے بطور محاصل حاصل ہوئے۔ اس میں ۱۰۰ م کروڑ روپے
 بات کا اہم حصہ ہے جو محاصل کے لیے اسات کے لیے ایک
 پوسٹ کے کام کو ج سے وابستہ انتظامی اخراجات اور پوسٹل
 میل کے ذریعہ مزید ۱۰۰ م کروڑ روپے حاصل ہوں گے۔ نیز عام
 کو روڑ روپے کی مالیت کے تحت اصل اکٹھا کئے جائیں گے۔ اس
 طرح محاصل کا وقت ۵۰۰ م کروڑ روپے ہوں گے۔ اس
 طرح ۱۰۰ م کروڑ روپے کا اصل بھرت ہوگی۔ اس رقم میں
 ۵۰ م کروڑ روپے کا اصل باقی بچا ہے۔ نیز اس رقم
 کے عظیم تر شہر کے زرفیات علاقہ اور شہر میں سڑکیں و رسائل
 جیسی بڑی بڑی کھدو باری کی فراہمی کے لئے بجٹ میں رکھے گئے
 رقوم کے علاوہ مزید ۸۰ کروڑ روپے منجھوتہ کے تحت خرچ کئے
 جانے کی گنجائش رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ میں مزید مہنگائی
 بھرت کی قسطوں کو بردا کرنا ہے۔ اس طرح یہ محاصل رقوم ان میں
 کے تحت خرچ کیا جاسکے گا۔

میں نے عزت سب ممبروں پر مصیقت بیان کر دیا ہے
 کہ کتنی شدید مالیاتی اور دیگر بندشوں کے تحت ہیں ریاست
 بجٹ مرتب کرنا پڑا۔ ہر ایک کو سب سے بڑی اور بڑی کھدو باری
 جو کہ چار بندشوں کے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے اپنی منزل
 مقصود تک پہنچنے کے لئے کام کرنا کرنا ہے۔ لیکن اس میں
 اس عظیم منزل تک پہنچنے کے لئے ہم ہر ایک کی ریاست کو شہر
 و پیو میں دلچسپی لینے والے تمام لوگوں کے تعاون کے منتظر
 ہیں۔

ضیاء گنج میں پانی کی سپلائی

ضلع مرشد آباد کے ضیاء گنج۔ عظیم گنج میں پانی
 میں پانی کی سپلائی کا اسکیم کو روپہ ملانے کے لئے موجودہ سال
 میں ریاستی حکومت ۱۱۵۰۰ روپے دینے کا منظور کر دیا ہے۔
 اس مقصد کے لئے اب تک کل ۸۰۰ م ۲۰ روپے بطور عطیہ
 ملے گئے ہیں۔

سرکاری خبریں

سفرِ حج

جناب ایس اے ایم حبیب اللہ، وزیر اعلیٰ وائس امیر مغربی بنگال نے ۱۸ مارچ ۱۹۵۹ء کو نجی واپسی میں منقطع ہو کر حج کی گنجی کی نشست میں جو گفت و شنید ہوئی اس کی بابت مندرجہ ذیل پریس نوٹ جاری کیا ہے:

نئی دہلی میں ۱۸ مارچ کو مرکزی حج کمیٹی کی ایک نشست ہوئی۔ اس نشست میں اس سال حازمین حج کے لئے جو انتظامات کئے گئے ہیں ان کا جائزہ لیا گیا لیکن عزت آبدوزی کے ساتھ امور خارجہ شہری بی آر بھگت سنگھ کی تقریر سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ آئندہ سال سے جہاز کے ذریعہ حج کے سفر کو آسان کیا جائے گا لیکن مشرقی ہندوستان کے نمائندوں نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ جہاز رانوں کے انتظامات جاری نہیں کیونکہ مشرقی ہندوستان کے زیادہ تر حازمین ایسے ہیں جو برائی جہاز کو ایریا جو جہاز کے گواہ سے تین گن زیادہ ہے، اس میں سفر کر سکتے ہیں مشرقی ہندوستان سے ہوائی جہاز کے ذریعہ سفر کرنے والے حازمین حج کا تعداد میں کمی اور مغربی ہندوستان میں ایسے حازمین کی تعداد میں اضافے کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم نے یہ کہا کہ یہ ہوائی جہاز اور پانی کے جہاز کا سوال نہیں ہے بلکہ یہ تو مشرقی ہندوستان کے جن میں مغربی بنگال، اڑیسہ، بہار، آسام اور دیگر ریاستیں ہیں، ملک کو مشرقی اتر پردیش میں شامل ہیں، حازمین حج کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کا سوال ہے میرے خیال میں شاید مغربی اور شمالی ہندوستان کے حازمین حج کا مرکزی حج کمیٹی اور حکومت ہند پر نسبتاً کچھ زیادہ اثر ہے۔ میرا یہ مطالبہ ہے کہ یا تو جہاز کے انتظام کو جاری رکھا جائے یا ہوائی جہاز کے کرایہ کو اتنا کم کر دیا جائے کہ جس سے مشرقی ہندوستان سے حج کو جانے والے لوگ حج کے حقوق سے محروم نہ رہیں۔ مرکزی حج کمیٹی کے چیئرمین نے جس امداد کا یقین دہایا ہے کہ حکومت ہند سے اس کو منسوب ہر بات چیت کریں گے۔

ٹاؤن ہل سے بنگلہ سروس کمیشن کے دفتر کی منتقلی

مغربی بنگال بنگلہ سروس کمیشن کے دفتر کے امتحان سیکشن کو ٹاؤن ہل، اسپینڈ رو (ویٹ) کلکتہ سے ۱۹۵۹ء سے شیڈ جی، جوانی بھون، علی پور، کلکتہ ۲۰ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

وشودھانند ہسپتال کے لئے سرکاری عطیہ

ریاستی حکومت نے شری وشودھانند ہسپتال اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو سالانہ رعا کے اخراجات کی تکمیل کے لئے ۳۰ ہزار روپے غیر منکر عطیہ کے طور پر دینے کی منظوری دی ہے۔

جھاڑ گرام کی سڑکوں کی بہتری کیلئے ۵۱۸ لاکھ روپے

ضلع منڈا پور کے جھاڑ گرام سب ڈویژن میں واقع سنگرائیل کھٹی کھٹی ریلوے کی بہتری کے لئے ریاستی حکومت نے موجودہ مالی سال کے دوران ۵۱۸۵۹۰ روپے دینے کی منظوری دے دی ہے۔ اس اسکیم کو ایکویٹی میٹرو انجینئر منڈا پور ہائی وے ڈویژن ۱ پی۔ ڈیو (ریوٹ) کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

جھاڑ گرام کے لئے ترقیاتی اسکیم

ضلع منڈا پور کے جھاڑ گرام سب ڈویژن کے نیا گرام بلک پیر واقع نکر اسول بند کی بہتری کے لئے ریاستی حکومت نے ۸۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ اس اسکیم کو نیا گرام پنچایت کمیٹی کے ذریعہ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔

بقیہ: ہتھ کر گھا صنعت ہفتے ۸۶

ہتھ کر گھ کے کپڑے کی فروخت سے ۴۰ کروڑ روپے ماہ ملے ہوئے۔

تنو شری کے چیرمین ہرو موہن سنگھ نے بتایا کہ اس ریاست کی ہتھ کر گھا صنعت کی فروخت کی راہ میں اہم خاص اسٹیمپ یعنی دھاگے کی کمی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جنوبی اور مغربی ہندوستان کی ریاستوں سے ۴۰ فیصد دھاگے برآمد کئے جاتے ہیں۔ مغربی بنگال میں بھی دھاگے کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے ۲ کارخانے ایک بانکھڑا میں اور دوسرا مذہابور میں قائم کئے گئے۔ ان میں سے ہر کارخانے میں سو تھکنے کی ۲۵ ہزار ٹکڑے ہیں۔ ہر کارخانے کے قیام پر تقریباً ۸ کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔ اس کے علاوہ سری رامپور میں امداد باہمی سوسائٹیوں کے تحت دھاگے کے قائم کارخانے ہیں۔ ٹکڑے کی تعداد ۱۲ ہزار سے بڑھا کر ۲۰ ہزار کر دی گئی ہے اور اس ملت کی امید کی جاتی ہے کہ آئندہ جون تک ٹکڑے کی تعداد کو بڑھا کر ۲۵ ہزار کر دیا جائے گا۔ ان کارخانوں میں تیار کردہ دھاگے ریاست کی کل مانگ کا ۳۰ فیصد حصہ پورا کریں گے۔ شری سنگھ نے مزید بتایا کہ تنو جا اور تنو شری کے تیار کردہ کپڑوں کی برآمدات کے امکانات کافی روشن ہیں۔

ہتھ کر گھ اور سوتی کپڑے کی نظامت کے ڈائریکٹر شری چمن رائے چودھری نے مہانوں اور حاضرین جلسہ کو خوش آمدید کہا۔

مغربی بنگال کی دیہی اور چھوٹی صنعت کے شعبے کے سکریٹری شری پردیپ بنرجی نے اس جلسہ کی صدارت کی۔

ضلع مذہابور کے مجاڑ گرام میں واقع اسٹورڈنس ہتھ ہوم کی عمارت کی تعمیر کے لئے ریاستی حکومت نے ۲۶۵۰ روپے کی منظوری دی ہے جو دوسری سند ہے۔

شمالی بنگال کے دستی ٹیوب ویں کی تنصیب

کے لئے ۱۰ لاکھ روپے کی منظوری

شمالی بنگال ترائی ٹریڈنگ بورڈ کے تحت دستی ٹیوب ویں کی تنصیب کے لئے ۱۹۸۵-۸۶ کے دوران ریاستی حکومت نے مزید ۱۰ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

مغربی بنگال ہائی مدرس کا امتحان ۲۸ اپریل ۸۶ سے

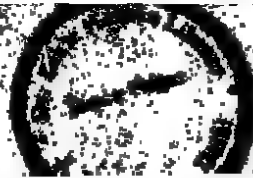
مغربی بنگال کے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے صدر خباب مسطفیٰ ابن قاسم نے یہ اطلاع دی ہے کہ ہائی مدرس امتحان برائے ۱۹۸۶ جو مئی ہو گیا تھا اب نئے سرے سے ۲۸ اپریل ۱۹۸۶ سے شروع ہوگا۔ جن پرچہ کا امتحان پہلے شروع ہو چکا تھا اس میں بھی ناگزیر مصلحت کی بنا پر رد کر دیا گیا ہے۔

ہائی مدرس امتحان کے نتائج اس سال ٹھیک وقت پر نکالے جائیں گے تاکہ امتحان دینے والے طلبہ کو ہائرسکنڈری کے درجن میں داخلہ لینے کے سلسلے میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے۔ پہلے ہونے والے امتحان کو رد کرنے کی وجہ سے طلباء اور ان کے گارجین کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اس پر مغربی بنگال مدرسہ ایجوکیشن بورڈ نے گہرے تاسف کا اظہار کیا ہے۔ امتحان کے پروگرام چند ہفتوں کے اندر ہی مع مراکز امتحان تمام تھما روزناموں میں شائع کئے جائیں گے۔

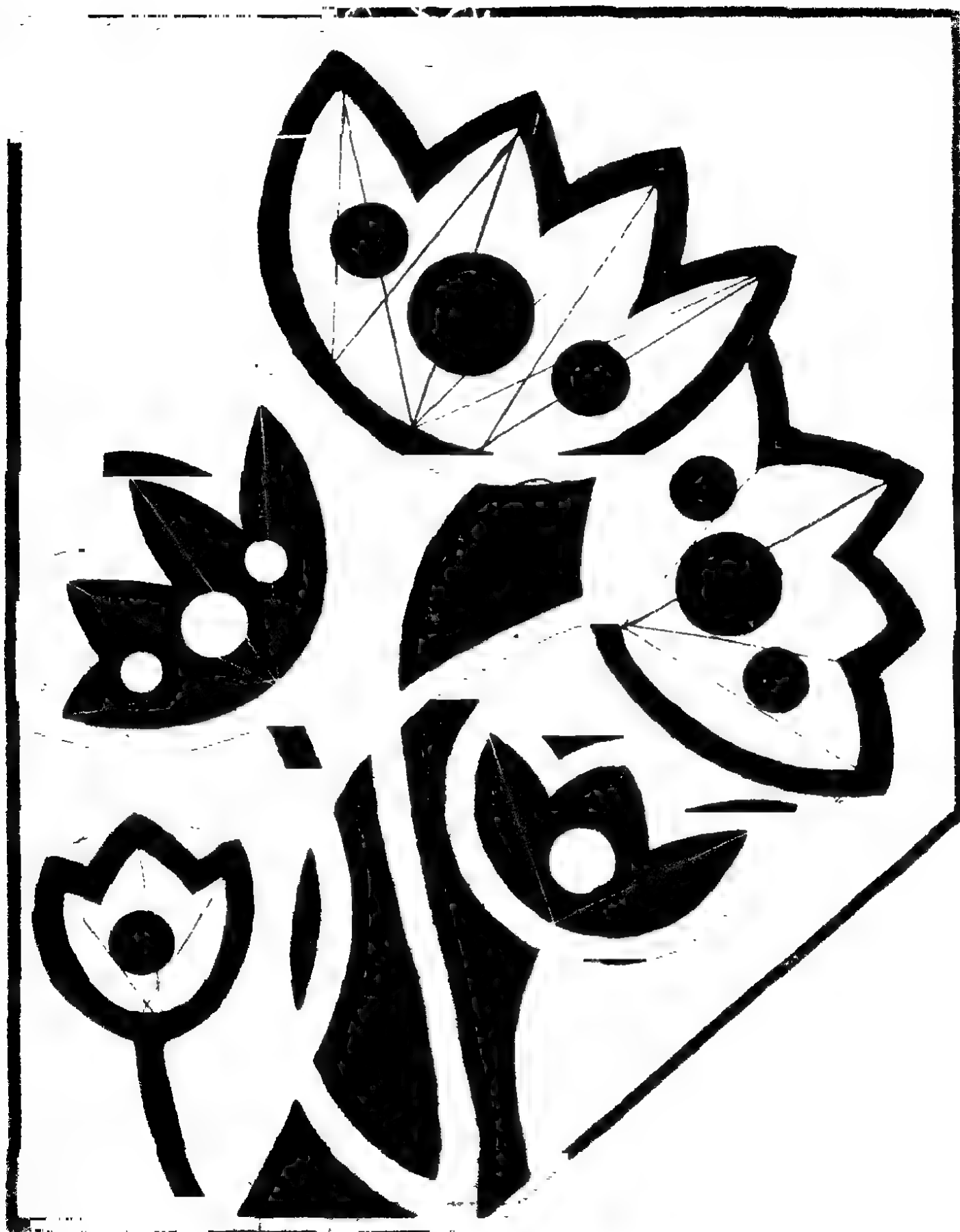


شری شমبھوگوشی، وزیر اعلیٰ تعلیم، ۵۰ مارچ ۱۹۵۷ء کو کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں آرکائیو یں کیا گیا
نامہ فی دستاویزات پر سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے۔

Chief Editor : Pritishan Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Datta, Associate Editor : M. A. Azam,
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by M/s.
G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampukur Street, Calcutta-700 004.



مرکز حکومت کی نئی تعمیراتی کامیابی کے خلاف حکومت کے سربراہان کے خلاف
اعمالیہ کارروائی کے اثر پر شہر کیل کمر اور زوال کی رونا مٹا کر سماجی و اقتصادی ترقی کے لئے



شرح خریداری

سالانہ: تین روپے * اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:

بزنس ٹیمر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- آرائیں، انکریڈوڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۱

مغربی بنگال

مسلمین اعلیٰ: پر تین چھٹا چار یہ

مسلمین: دھرم پرائیڈ

مسلمین و معاون: مسند اعظم

جلد نمبر ۱۵۱۵ * شمارہ نمبر ۸



وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور مشرقی بھارت پیمار نے ۲ اپریل ۱۹۶۶ء کو مشرقی بھارت
میں مسند ایک تقریب میں شریا دینے کا مقصد پارہیہ کو ناکہ انعام دینا بتایا ہوا ہے۔
تقریر از: مسند مسند بن گھوٹ



بھاگ متی

پیار سے آنکھ بھسراتی ہے کنول کھلتے ہیں
جب کبھی لب پہ ترانہ دفن آتا ہے

دشت کی رات میں بارات یہیں سے نکلی
راگ کی رنگ کی برسات یہیں سے نکلی
انفکات کی ہر بات یہیں سے نکلی
گنگائی ہوئی ہر رات یہیں سے نکلی

دھن کی گھن گھر گھٹائیں ہیں نہ ہن کے بادل
سوئے چاندی کے گلی کو ہے نہ سپروں کا محل
آج بھی جسم کے اقبال ہیں بازاروں میں
خواجہ شہر ہے یوسف کے خیزاروں میں

شہر باقی ہے محبت کا نشان باقی ہے
دلسبری باقی ہے دلدار کی جاں باقی ہے
سرفرازیت نگار ان جہان باقی ہے
تو نہیں ہے تری چشم نگراں باقی ہے

منزل و کم محی الدین

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور نے زندگی کے ہر طبقہ کو گوں سے قریب رکھا ہے

شرعی پروا شش چند رجودیکار، وزیر ریاست، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

وزیر ریاست، شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور شری پروا شش چند رجودیکار نے سہ ماہی ۱۹۸۶ء کو ریاستی اسمبلی میں شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کا سالانہ بجٹ برائے ۸۶-۸۷ء پیش کیا۔ اس موقع پر بجٹ تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے شعبہ کی کارگزاریاں کا ذکر کیا۔ وزیر موصوف کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کو حکومت اور

لوگوں کے درمیان تال میں برقرار رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اس شعبہ کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حکومت کے شعبوں کی مجموعی پالیسیوں، اپنی نئے پروگراموں اور رفتار ترقی کی بابت مختلف واسطوں سے لوگوں کو معلومات فراہم کرے اور لوگوں کے رد عمل اور خیالات کا مناسب و برسطانہ کرنے کے بعد عوام کے اعتقاد اور سرگرم تعاون حاصل کرے حکومت کے پروگراموں کی تکمیل کے کام میں مدد کرے۔

انتظامیہ میں ملاقاتی زبانوں میں جگہ کو رائج کرنا، آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنا، آثار قدیمہ کی کھوج کرنا اور ثقافت کے میدان میں ترقیاتی سرگرمیوں کو جاری رکھنا۔ یہ تمام اس شعبہ کی ذمہ داریاں ہیں۔

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے کام کا ج کون الحلال پانچ ساخن یعنی اطلاعات، ثقافت، علم، آثار قدیمہ اور زبان میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

اطلاعات و شاخ

عوام کی وسیع تائید سے مغربی جگہ میں بائیں محاذ

حکومت کے قیام کے بعد سے ہی اس بابت پر خصوصی زور دیا گیا ہے کہ حکومت کے بیانات، پالیسیوں اور پروگراموں سے اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں کے نام طبقات کے لوگوں کو باخبر رکھا جائے۔ لیکن اس سلسلے میں ہماری وسعت محدود ہے کیوں کہ وہ اہم واسطے — ٹیلی ویژن اور ریڈیو — مرکزی حکومت کے زیر انتظام ہیں۔ جہاں تک ان دونوں واسطوں کے ذریعہ خبروں کی نشر کا تعلق ہے، یہ ہمارا دردناک تجربہ ہے کہ اس ریاست سے وابستہ بہت سارے اہم مسائل اور خفاقی کو ریڈیو، ٹیلی ویژن میں جبکہ کہیں نہیں ملتی یا شاید ذرا دور ملتی ہے، اگرچہ اس کے برعکس ہماری حکومت کے جلات بیانات کو نشان و شوکت کے ساتھ نشر کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم لوگوں کو ان دونوں واسطوں کے ذریعہ ناسان سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ اپنے کلام کو طویل بنانے بغیر میں، مثال کے طور پر یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں کہ نئی دہلی کے بعد شاید کلکتہ ہی میں یوم جہوریہ کے موقع پر شاندار پیریز اور رنگین پروگرام کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس سال بھی اسی پروگرام میں اسیٹرن کنٹیننٹ کی ترقیاتی بحری امداد والی انوائج نے حصہ لیا۔ لیکن بڑے اصول کی بابت ہے کہ عوامی جہوریہ کے سونچیر کلہ نہ نئی کامٹ کے دوران لکھ کے اس میں نے کوئی شک نہیں کیا۔

چھٹے منصوبے کے دوران اصلاح اور ترقی کے کام کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ یہ منصوبہ کیا گیا ہے کہ ساتویں منصوبہ کے عرصے میں ملک سطح پر بھی مراکز اطلاعات کھولے جائیں۔ دریں اثنا ہدیہ میں ایک مرکز اطلاعات کا افتتاح کیا گیا۔ نیز کلکتہ، بومبور اور سندھ میں سب ڈویژن کی سطح پر مراکز اطلاعات قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے۔ سٹی گوڑی میں مرکز اطلاعات کی عمارت کی تعمیر کا کام قریب الاختتام ہے۔ اس عمارت میں ایک اوڈیٹوریم بھی ہوگا۔ اس عمارت کی تعمیر شدہ حصے میں سٹی گوڑی مرکز اطلاعات نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

اصلاح میں فی الحال ۴۴ سبھی۔ بھری یونٹیں کام کر رہی ہیں۔ نیز اصلاح میں ریڈیو تقسیم کرنے کے پروگرام کو دوبارہ عمل لاتے ہوئے اب تک ۳۸۹۰ ریڈیو سٹ تقسیم کئے گئے اور اجتماعی نمائش کے لئے ۳۱۵ ٹی۔ وی سٹ نصب کئے جا چکے ہیں۔ اس طرح کے اور ۳۲ سٹ اس ریاست میں نصب کئے جائیں گے ایک تجویز یہ ہے کہ آئندہ سال اس پروجیکٹ کے تحت اور ۲۰۰ ریڈیو سٹ اور ۵۰ ٹی۔ وی سٹ تقسیم کئے جائیں گے۔ مضامانی علاقوں میں اجتماعی ہدیہ پر لوگوں کے لئے ٹی۔ وی سٹ کی سہولت کے لئے مال اخراجات کو پورا کرنے کی سلسلے میں ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے پاس ایک تجویز داخل کی تھی، لیکن مرکزی طرف سے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں ملا۔

گزشتہ مالی سال میں نمائش سیکشن نے ۹۲ نمائشوں کا انتظام کیا۔ ان میں ۱۲ نمائشیں باہر کے علاقوں میں منعقد کی گئیں۔ اس کے علاوہ اس سیکشن کی مدد سے ضلع اور سب ڈویژنل دفاتر اطلاعات نے ۱۰۲ چھوٹی نمائشیں اور بہت ساری پوسٹرس سبٹ نمائشیں منعقد کیں۔ اس طرح "رینڈر آف انڈیا کی سائنسی بیداری"، "نندمل کی زندگی اور خدمات"، "مغربی بنگال ترقی کی راہ پر"، "بنگلہ منگ کی ارتقاء"، "تعمیری نمائشیں"، "نیز مسائنس کی پیش قدمی"، "عوام کا رفاہ میں بائیں محاذ حکومت کا کردار" اور "انڈیا کی ترقی" (کیا ریڈیشن) جیسے پوسٹرسٹیوں کی بھی نمائشیں

گزشتہ سال منعقد کی گئیں۔

نئی دہلی کے راگتی میدان میں مستقل یو بی این کی تعمیر کے چارے دور کے کام کو مکمل کر لیا گیا ہے۔ باقی کام سال رواں میں مکمل کر لیا جائے گا۔ کلکتہ، روتھرسٹر، آٹلی، میا، تحریک آزادی کی تاریخ کی مستقل نمائش اب بہت مقبول بن چکی ہے۔ نمائش سیکشن کو مزید مستحکم بنانے کے لئے ایک پروجیکٹ زیر غور ہے۔ ایک رنگین تصویر تجربہ گاہ قائم کرنے کی ایک تجویز زیر غور ہے۔ بائیں محاذ حکومت کی آٹھویں سالگرہ کے موقع پر اس

ریاست میں سب ڈویژن سطح پر ہر جگہ اور تامل نادو، حیدر آباد، بنگلور، بومبیسور اور جزائر انڈمان میں تقریبات اور نمائشیں منعقد کی گئیں۔ باہر کے علاقوں میں ایسی تقریبات منعقد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ متعلقہ علاقہ کے لوگوں کو مغربی بنگال سے روشناس کرایا جائے، مختلف ریاستوں کے لوگوں کے درمیان تبادلہ خیالات کے مواقع فراہم کئے جائیں اور قومی اتحاد اور یک جہتی کو مستحکم بنایا جائے۔ ایسے جشنیں نمائشوں کے ذریعہ ریاستی حکومت کی طرف سے کئے گئے بہت سارے رفاہی پروجیکٹوں کو عیاں کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ قومی یک جہتی پر بہت سارے سمپوزیم بھی منعقد ہوئے۔ مختلف ریاستوں سے ماہرین تعلیم، دانشوروں، سیاست دانوں اور ممبروں نے ویسے سمپوزیم میں شرکت کی۔ ایسی تقریبات میں اس ریاست سے ثقافتی جشن، فلم شو کے بھی انتظامات کئے گئے۔ انہوں نے یہ قومی یک جہتی کے فروغ میں معاون ثابت ہوں گے۔ سرکاری پالیسی اور پروگراموں اور اعلیٰ تعلیم کی

بابت اطلاعات کا اشتہارات بہت اہم واسطہ ہے۔ اشتہارات کے سلسلے میں جاری پالیسی بے لاگ جمہوری اصولوں پر مبنی ہے۔ حقیقت تحقیق کیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں ریاستی حکومت نے بڑھ، متوسط درجہ کے اور چھوٹے اخباروں کے درمیان اشتہارات کی تقسیم کی پالیسی کو آخری شکل دی ہے۔ بلاشبہ ریاستی حکومت کے اشتہار کی پالیسی سے چھوٹے اخباروں کو کافی فائدہ پہنچا ہے۔

یہ شعبہ چھ زبانوں میں ریاستی حکومت کے چھ زبانے

شائع کر رہے۔ رسالہ 'پہنچا جی راج' بھی اسی شعبہ سے شائع کیا جاتا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں ۲۸ پلیسیٹی پبلشنگ کی مختلف زبانوں میں ۲۳۰۸۲۳۰ کاپیاں شائع کی گئیں۔ نیز فرنگیہ چھ رسالوں کا بھی ۲۳۱۵۰۰ کاپیاں شائع کی گئیں۔ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں اور ہندوستان کے باہر کے ملکوں میں بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لئے ان جریدوں اور رسالوں کی زیادہ سے زیادہ کاپیاں شائع کی جارہی ہیں۔ نیز مختلف موقعوں پر ان رسالوں کے خصوصی نمبر بھی شائع کئے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں آٹھویں سالگرہ کے موقع پر مختلف زبانوں میں شائع کردہ کتابچے اور پمفلٹس کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں انتظامات کئے گئے ہیں کہ ماہر دانشوروں، مورخوں اور مجاہدین آزادی کے تیار کردہ مرتبین اہم سستی قیمت پر اس شعبہ سے تقسیم کئے جاسکیں اس اہم میں جاری جدوجہد آزادی کی بابت بہت سارے حقائق بھی درج ہیں۔ اس سال یوم مئی کی صد سالہ سالگرہ بڑے بڑے ترک و احتیاط سے منائی جائیگی شعبہ محنت کے ساتھ مل کر ہمارا شعبہ مختلف تقریبات، نمائشیں پوسٹر سیٹوں کے ذریعہ یہ یوم منائے گا۔

زنجادے:

اس شعبہ کے زبان سیکشن کے ذریعہ فرانسیسی دئے گئے ہیں: سرکاری کام کاج میں بنگلہ اور نیپالی زبانوں کو رائج کرنا، اردو کا زیادہ سے زیادہ استعمال۔

سرکاری کام کاج میں بنگلہ کو جلد از جلد رائج کرنے کے پیش نظر اس سلسلے میں فیصلہ کیا جا چکا ہے کہ اس ریاست کے اضلاع میں ہر جگہ کو ایک بنگلہ نائب راسر مشین سپلائی کی جائے۔ اس مقصد کے لئے مختلف جگہ دفنوں میں کم از کم ایک بنگلہ نائب راسر مشین سپلائی کی گئی ہے اور ان دفنوں میں آئسے اور ۲ مشین سپلائی کرنے کے لئے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ نیز اس شعبہ سے ۲۰۰ بنگلہ نائب راسر مشینیں مختلف سرکاری دفنوں (معدہ کھنڈ) میں سپلائی کی گئیں۔

ضلع دار جنگ کے پٹاری سب ڈویژنوں۔ دار جنگ

کرسچنگ اور کھیرنگ میں ضلع مجسٹریٹ کے تحت ایک نیپالی سیل قائم کیا گیا ہے۔ ایک خصوصی افسر کو اس سیل کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ نیز نیپالی افسروں کے لئے دار جنگ، کرسچنگ اور کھیرنگ سب ڈویژنوں میں واقع نیپالی تربیتی مراکز میں نیپالی زبان کی تقسیم دینے کا کام جاری ہے۔ نیز دار جنگ میں نیپالی نائب راسر مشین سنٹر میں انگریزی ٹائپسٹوں کو نیپالی ٹائپ رائٹنگ میں تربیت دی جاتی ہے۔

اس ریاست کے ان علاقوں میں جہاں اردو بولنے والوں کی ابھی خاصی تعداد آباد ہے حکومت کے کام کاج میں اردو کے زیادہ سے زیادہ استعمال کے لئے اس شعبہ کے تحت تین 'اردو سیل' قائم کئے گئے ہیں۔ یہ سیل اسلام پور اور آسنول کے سب ڈویژنل دفنوں میں قائم کئے گئے ہیں۔ بنگلہ میں اس سیل کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ ان تمام سیلوں میں اردو میں لکھے خطوط کا اردو میں جواب دینے کے انتظامات کئے گئے ہیں۔

فلم:

مغربی بنگال میں فلم صنعت کے بحران کو دور کرنے اور ان کی ترقی کے لئے ریاستی حکومت عرصہ دراز سے کوشش کر رہی ہے۔ حکومت کی کوششوں میں اپنی پروڈکشن یونٹ سے فلمیں تیار کرنا، پرائیویٹ اداروں کے ذریعہ تیار کردہ فلموں کے لئے عطیات دینے کی منظوری دینی، سنیما ہال کی تعمیر کے لئے مالی امداد فراہم کرنا، انٹین فلم تجربہ گاہ کی تعمیر، مغربی بنگال فلم مرکز کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں بھی ان پروڈیکٹوں کے لئے رقم مختص کی گئی۔

زیادہ سے زیادہ فلمیں بنانے کے لئے ریاستی حکومت نے اپنی عطیہ اسکیم پر نظر ثانی کی ہے اور اس معرہ معاد کی بنیاد پر مغربی بنگال میں تیار کردہ مکمل اور سنسزڈ فلموں کو مالی امداد فراہم کرنے کے لئے پروگرام کو اپنایا ہے۔

اپنی فلمیں تیار کرنے کے لئے حکومت مغربی بنگال کا پروڈیکٹ سروس میں اپنا حصہ کے علاوہ سے لگا رہے۔

اس پروجیکٹ کے ایک طرف تو فنی اور صحت مند تعلیم تیار کر کے ہندوستان کی علمی صفت میں ایک شاندار مثال قائم کی ہے تو دوسری طرف اس نے نوجوانوں اور بزرگوں کے علم سادوں کا مدد بھی کیا ہے۔ ۸۵ء میں ریاستی حکومت کی تیار کردہ نیچر ٹیم کو فنی علم تھوار کے موقع پر ایک تقریب میں صدر ہند کی طرف سے بہترین فیلم کا "سہرا کنول" بطور پہلا انعام ملا۔ اس فیلم میں سماج پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس میں صحت مند تفریح کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سے قبل ۲۲ دستاویزی فلمیں تیار کرنے کی تجویز کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر فلمیں مکمل ہونے کو ہیں۔ گزشتہ سال کا اعلیٰ عالمی فلمیں چوں کی ۹ میں سے ۷ فلمیں مکمل کی جا چکی ہیں۔

۸۵-۸۶ء میں ریاستی حکومت مرکزی حکومت کے ساتھ مل کر مختلف زبانوں میں تیار کردہ فلموں اور چین و پولی لینڈ کی فلموں کے تھوار کا انتظام کیا تھا۔ نیز حکومت کے زیر انتظام تیار کردہ نیچر ٹیموں کی نمائش منعقد کی گئی تھی۔ گزشتہ سال حکومت کی تیار کردہ فلموں کی نمائشیں مختلف اضلاع میں منعقد کی گئیں۔ سلی اردان میں ٹیگور کی ۱۲۵ ویں سالگاہ کے موقع پر، اس سلسلے میں منصور برہت کیا گیا ہے کہ شاعر کی تحریر پر مبنی فلموں کا تھوار منعقد کیا جائے۔

مغربی بنگال کی اور بلاشبہ سارے مشرقی ہندوستان کی فلم صفت کے مواد کی خاطر ریاستی حکومت نے سائٹ لیک ٹھکانے میں ایک رنگین فلم تحریر نگاہ قائم کیا۔ یہ حکومت کا ایک اور اہم پروجیکٹ ہے۔ یہ پروجیکٹ مغربی بنگال فلم ترقیات کا پوریشن کے تحت زیر تعمیر ہے اور تعمیر کا کام بہت جلد مکمل ہو جائے گا۔ اس کی تعمیر تقریباً ۲۷ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ ۸۶-۸۷ء سے یہ پروجیکٹ چالو ہو جائے گا۔

علمی ثقافت کے لئے مغربی بنگال فلم مرکز "مندن" کا رسمی افتتاح گزشتہ سال کا ایک اہم واقعہ ہے۔ افتتاح کے موقع پر اس ہال "مندن" میں فلم تھوار سمینار اور نمائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ "مندن" کے انتظامیہ کے لئے ۷ اہمیر پردہ پر مشتمل

در کنگ مجیدی، اور ۳۹ ممبروں پر مشتمل مشاورتی بورڈ کی تشکیل کی گئی ہے۔ فلم صفت سے وابستہ نمایاں افراد کو ان دونوں کمیٹیوں میں نامزد کر دیا گیا۔ ان کمیٹی کے چیئرمین شری ستیہ جیت رے ہیں۔ علاقائی فلم ٹیکنیشن کو مالی امداد فراہم کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے ایک فنڈ قائم کیا ہے۔ ۸۶-۸۷ء میں اس فنڈ کے لئے ۲۵ ہزار روپے منظور کئے گئے تھے۔ اس سال بھی اس فنڈ کے لئے رقم مختص کرنے کی تجویز رکھی گئی ہے۔

ثقافتی امور:

بنی نوع انسان کی ثقافتی ترقی کا انسانی زندگی کے معیار میں بہتری سے بہت ہی قریبی رشتہ ہے۔ اس لئے اس شعبہ کے تحت ثقافتی امور کے لئے ایک الگ سیکشن قائم کیا گیا ہے۔ تمام لوگوں کی، بلا لحاظ ذات، فرقہ اور زبان روایتی ثقافتی میراث کی ترقی اور اسے محفوظ رکھنے کے لئے، اس سیکشن کے ذریعہ بارہک لوگ مختلف پروگراموں کو رو بہ عمل لایا جا رہا ہے۔ یہ ایک لامتناہی واقعہ ہے۔ یہ شعبہ ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مختلف زبان بولنے والے، ہندو، اردو، سنٹالی، نیپالی کے لوگ اپنی ثقافتی سرگرمیوں کو جاری رکھیں اور صحت مند طریقے سے اپنی تخلیقی سرگرمیوں کو جاری رکھیں۔ خاص طور پر حرف ایک سکھائی مشنری کے ذریعہ ایسی جامع اور اہم اسکیم کو رو بہ عمل لانا ممکن نہیں۔ اس لئے ثقافتی امور کی مختلف شاخوں میں ممتاز دستوں کے مشورے اور تجاویز کی روشنی میں اور ان کی سرگرم مدد کے ذریعہ تمام تسلیم شدہ پالیسیوں اور پروجیکٹوں کو ہم پائے تشکیل تک پہنچا رہے ہیں۔

بنگال کی مختلف مختلف النوع تخلیقات کی اپنی ایک شاندار روایت رکھتی ہے۔ لیکن حالیہ برسوں میں ثقافت کی دنیا میں سرمایہ دارانہ طاقت کے ارادے سے تخلیق کے طریقہ کار کو غلط فہمی لاحق ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے صحت مند ثقافتی مذاق کو برقرار رکھنے کے معاملہ میں ایک بحران نمودار ہو گیا۔ اس لئے مختلف النوع شاندار اور صحت مند تخلیقات کو محفوظ رکھنے اور انہیں فروغ دینے کیلئے

مختلف طریقوں سے ڈرامہ یا تراویح موسیقی، رقص، لوک ثقافت، پینٹنگ اور سنگ تراشی کے میدانوں میں تنظیموں کی بہت افزائی کی جاتی ہے اور انہیں مختلف طریقوں سے عطیات جن میں سیکرٹری سپر لوڈ کو کھینچنے والے کے اصول کی بنیاد پر مالی عطیات کی منظوری شاعری میں بھی دے جاتے ہیں۔ آرٹس جو اپنی حوالی میں مقبولیت کے پام عروج پر تھے بڑھاپے میں معاشی بد حالی کے شکار ہو گئے اس لئے یہ شعبہ ایسے شعبت زدہ آرٹسٹوں کو مالی امداد دے کر انکی مدد کرتا ہے۔ ان میں ضعیف لوگ۔ فنکار بھی ہیں جو اکثر زرخیز مزدوری کیا کرتے، نیز ان میں چند نمایاں آرٹسٹ بھی ہیں جو سینما، ڈرامہ اور موسیقی سے وابستہ تھے۔ مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں بھی بہت سارے ایسے منعقد کئے جاتے ہیں ان میں بہت سارے ایسے بنگال کی روایتی ثقافت کے فروغ کے نہ صرف مرکز ہیں بلکہ یہ سب ہی تمام طبقوں کے لوگوں کی ایک جہتی کمی شلندہ بنیاد بھی ہیں۔ ثقافتی دنیا کے بہت ساری امر شخصیت کے نام پر ایسے میوں کے نام رکھے گئے ہیں۔ ایسے یہ شعبہ ان میوں کو معاشی عطیہ دے کر اور سرگرم تعاون کے ساتھ کامیاب بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں جلدی گوڑی کا "جلیپیش مسیہ" اتانی ٹیکنی کا "کینڈولی مسیہ" پروڈیا، برودان کا "نڈلا مسیہ" اندیا کا کوئی باس مسیہ، ہورہ کا بھرت چندر مسیہ، بانی تراش کا سرت مسیہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔

بنگلہ ادب کو اپنی وسعت اور معیار کے لحاظ سے ساری دنیا میں افتخار کا مقام حاصل ہے لیکن بہت سارے ادیب پبلشروں کے تعاون کے فقدان کی وجہ سے اپنی تعریف کو شائع نہیں کر سکتے۔ اس گزشتہ چھ برسوں سے یہ شہر لاہور، ناول نگاروں، ڈرامہ نویسوں، محقق کو بل لحاظ سیاسی شناخت، مالی امداد فراہم کر رہا ہے تاکہ وہ اپنی تخلیقات کو شائع کر سکیں اس اسکیم کی کامیابی کے ساتھ ہمیں سے نہ صرف بوڑھے اور جوان تخلیقی مصنفین مستفید ہوتے بلکہ بڑھتے والے بھی کیوں کہ انہیں مناسب قیمتوں پر اعلیٰ معیار کی کتابیں فراہم کی گئیں۔

منشی پریم چند کے منتخب مضامین (بنگلہ ترجمہ) کی

پہلی ہندو موجودہ مالی سال میں بڑھتے والوں کے لئے دستیاب ہوئی۔ بنگلہ زبان، قواعد اور حرفت کی بابت بچہ دلوں کا سینکڑوں منعقد ہوا جس میں مشہور اسکالروں اور ماہرین نے حصہ لیا۔ اس سیمینار میں جو مضامین پڑھائے گئے، انہیں کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے اور بہت ہی جلد اسے عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

موجودہ مالی سال میں ایک بنگلہ اکیڈمی قائم کی جائے گی اور اس ریاست میں رہندہ رجسٹری کے موقع پر اس کا افتتاح کیا جائے گا۔

جامنی رائے آرٹ گیلری کو سائنسی لحاظ سے محفوظ رکھنے کے انتظامات کئے گئے اور سال رواں میں جام لوگوں کے لئے یہ گیلری کھول دی جائے گی۔ کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں آرٹ گیلری کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کو ہے اور بہت ہی جلد اس کا افتتاح کیا جائے گا۔

راجہ سنگیت اکیڈمی (ریاستی موسیقی اکیڈمی) قائم کی گئی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ رقص اور موسیقی کو فروغ دیا جائے۔ یہ اکیڈمی بہت سارے پروگراموں کو رو بہ عمل لاد رہی ہے۔

اس بات کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس ریاست کو قضا کی شکار لوک ثقافت میں ہی روح بھونکنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب تک ضلع، ڈویژن اور ریاستی سطحوں پر ۳۸ فیسٹیول منعقد کئے جا چکے ہیں۔ پہلی بار آسنول کے کوئلہ کے علاقہ میں لوک ثقافت پر تھوار اور ورکشاپ منعقد کیا گیا ہے۔ اس تھوار میں مختلف زبانوں جیسی بنگلہ، پنجابی، چھتیس گوامی، گجراتی کے مقامی لوک آرٹسٹوں نے نیز اتر پردیش کے لوک آرٹسٹوں نے حصہ لیا۔ بہالہ میں لوک ثقافت کے لئے ایک مرکز قائم کیا گیا ہے۔ لوک ثقافت سے وابستہ بہت ساری چیزیں ہلا محفوظ رکھی گئی ہیں۔ نیز لوک ثقافت میں بھی اچھی اور نایاب کتابیں ہیں جو سرگز کی لائبریری میں ہیں۔

موسیقی ڈرامہ، ثقافتی اور سنگ تراشی میں نمایاں

خدمت کے لئے علی الترتیب ملازمین دینا بند ہو اور قیصر رانا تھ کے نام میں عین الغنایات دئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈرامہ اور یا تھرا کے میدانوں میں بھی ٹھکانے کی بہت افزائی کرنے کے لئے ہر سال بہت سارے ایوارڈ ملے جاتے ہیں۔

دارجلنگ کے چھاری علاقے میں نیپالی ایکٹائی بحسن و خوبی اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔ یہ ایکٹائی نیپالی زبان میں لکھی ہیں اور پولیشن شائع کرتی ہے۔ جنگلات میں چند کھانوں اور نادوں کا نیپالی ترجمہ شائع کیا گیا۔ یہ قومی ایک جہتی کسٹرونگ ایک اچھی مثال ہے۔

ریڈر رانا تھ نیگور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ اسی سال میں ہے۔ اس ریاست کے لوگوں کے لئے بہت ہی پاک دن ہے۔ مشہور آرٹسٹوں، ماہرین تعلیم اور ذی شعور لوگوں پر مشتمل ایک مقامی کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ اس کمیٹی کے سربراہ عزت مآب وزیر اعلیٰ ہیں۔ بڑی شان و شوکت سے اس قومی ایوارڈ کو منانے کا ذمہ داری اس کمیٹی کو سونپی گئی ہے۔ ماہرین کے مشورے کے مطابق حکومت اضلاع اور کلکتہ میں نیگور ثقافت کو فروغ دینے کے پروگرام کو روپ عمل دہی ہے۔ اس پروگرام کے تحت سال ہر سینارائٹس، میڈیکل بون کا شاعت کا انتظام کیا گیا ہے۔

اخلاقی پیمانہ:

گزشتہ سال شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے تحت نظامت آثار قدیمہ نے پانڈورا جاؤں کے ٹیپوں کی کھدائی کی۔ نیز کلکتہ جی دلوئی علاقہ میں بھی آثار قدیمہ کے لئے تحقیقاتی کام کئے جا رہے ہیں، نیز سوئیہ کے بڑی علاقوں میں کھدائی کا کام جاری ہے۔ اس کے نتیجہ میں بنگال کی قدیم تاریخ سے وابستہ بہت ساری چیزیں دریافت کی گئیں۔ بنگال کے آثار قدیمہ کی بابت ایک مستند کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس شعبے نے آثار قدیمہ پر ضلع دار ایک تاریخی کتاب شائع کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس سے قبل پانچ اضلاع کے آثار قدیمہ کی بابت کتابیں شائع کی جا چکی ہیں۔

تقسیم ہند سے قبل بنگال کی حکومت نے گنڈ اور پانڈورا کے آثار قدیمہ پر بہت ہی اچھی کتاب شائع کی تھی۔ موجودہ حکومت اب اس کتاب کو دوسری بار شائع کرنے کے لئے اقدامات کئے ہیں۔

آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کے لئے لوگوں کی رائے سمجھانے کے لئے اس سال ایک نئے پروگرام کو روپ عمل لایا گیا۔ آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنے کی تحریک، وسیع پروگرام کے ذریعہ مغربی بنگال کے مختلف اضلاع میں آثار قدیمہ پر نمائش اور سینما ر منفذ کئے گئے۔ کلکتہ کے "نیشنل اسٹیڈیم" میں تین روزہ نمائش اور سینما ر منفذ کئے گئے۔

اس سال بھی بہت سارے پرائیویٹ عجائب خانوں کو مالی امداد فراہم کی گئی۔ بہت سارے آثار قدیمہ کا نادر چیزوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اس سال حسب ضرورت اقدامات کئے گئے۔

بلاشبہ آپ لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہے کہ موجودہ حکومت نے گزشتہ آٹھ برسوں میں شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے بجٹ میں نہ صرف بار بار اضافہ کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کے کام کا بج کی وسعت میں اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیابی نے ہر شعبہ میں ایک نمایاں مثال قائم کی ہے۔ نشر و اشاعت اور ثقافتی امور میں اس شعبہ کی کامیابی زندگی کے ہر شعبہ کے لوگوں کے قریبی رشتہ کو برقرار رکھنا اور ایک مجموعی ثقافتی پالیسی کو اپنانا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا آثار قدیمہ کو محفوظ رکھنا۔ نمایاں اقدامات ہیں۔ مغربی بنگال کی مجموعی ترقی کی تصویر نے ہندوستان کا دیگر ریاستوں میں دلچسپی پیدا کر دی اور ان ریاستوں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کی۔ موجودہ سماج کی معاشی و سماجی ڈھانچہ نے عام لوگوں کے روزگار اور ثقافتی زندگی میں مسائل کو اور بھی شدید بنا دیا ہے۔ لیکن ہمارے محدود مالی وسائل کے باوجود ہم امید کرتے ہیں کہ ہم مرام کی اس سلسلہ میں موثر طور پر مدد کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی پیچیدہ صورت حال میں بھی صحت مند ثقافت کی راہ میں آگے بڑھ سکیں۔

نئی تعلیمی پالیسی : ایک انحطاطی قدم

از: فرمل بوس

تعلیمی نظام کا از سر نو جائزہ لینے اور اس کی
ترتیب کے طریقہ کار میں تیزی لانے کے لئے، تاکہ یہ مستقبل کی ضرورتوں
کو پورا کر سکے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی وحدت اور کوالیٹی کو
اور بھی بہتر بنانے کے لئے، کسی بھی تحریک کو ہم خوش آمدید کہتے
ہیں اور اس نقطہ نظر سے حکومت ہند کی حال ہی میں شائع کردہ دستاویز
بعضاً "تعلیم کی پالیسی" تناظر کی پالیسی کا بھی ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔
لیکن ہمارے ملک میں تعلیم کے میدان میں جو سیدہ حال ہے، وہ
تعلیم کے لئے کسی پالیسی کی کمی کی نہیں، بلکہ یہ اس پالیسی کو پایہ
تکمیل تک پہنچانے میں حکام کی کوتاہی ہے اور یہی بات تعلیم
میں تقاضا کی ذمہ دار ہے۔ تعلیم کمیشن (۱۹۶۴ء) جسے
عام طور پر کوٹھاری کمیشن کہتے ہیں، کی رپورٹ اور اس کمیشن کی
سفارشات کا بہت سیارہ پر مرتب کردہ قومی تعلیمی پالیسی میں جس کا
سنہ ۱۹۶۸ء میں اعلان کیا گیا، ملک کی تعلیمی ترقی کے لئے کافی مواد
موجود ہیں لیکن یہ ہماری بد تقبلی ہے کہ کبھی بھی انہیں پایہ تکمیل تک
پہنچانے کے لئے شدید کوشش نہیں کی گئی۔

ملک کے نئے تعلیم کے سلسلے میں ایک نئی پالیسی
مرتب کرنے سے قبل مرکزی حکومت کو اس بات کی وضاحت کر دینی
چاہئے تھی کہ وہ کیوں اپنی سنہ ۱۹۶۸ء کی پالیسی کو پایہ تکمیل تک نہ
پہنچا سکی

ہم ہندوستان اور بیرونی ممالک کے ممتاز ماہرین تعلیم
اور فطنین کے نام سے رات ف میں جنہوں نے اس تعلیم کمیشن (۱۹۶۴ء)

کی رپورٹ تیار کی تھی۔ لیکن کئی لوگوں نے موجودہ دستاویز تیار کی؟
کیا یہ مرکزی وزارت تعلیم کے چند ضابطہ پرست حکام کے دماغ کی
ایجے ہے؟ کیا اس دستاویز کو قابل اعتبار سمجھا جاسکتا ہے جبکہ
ایک بھی ماہر تعلیم اس سے وابستہ نہیں ہے۔

ایک طرح سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم کا چیلنج پر
یہ موجودہ دستاویز ایک اقبال نامہ ہے جس میں مرکزی اور ریاستی
حکومتوں اور دیگر متعلقہ اداروں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ تعلیم کے
میدان میں وہ سب بالکل ناکام ہوئے۔ اس دستاویز میں اس بات
کا ذکر کیا گیا ہے کہ آزادی کے ۳۸ سال کے بعد بھی ہماری آبادی کا
۹۴ فیصد افراد ان پڑھ اور جاہل ہیں (پیرا ۷، ص ۷)۔

ابتدائی تعلیم کے فروغ کی ضرورت کو ہم تسلیم کرتے
ہیں۔ نیز اس سلسلے میں ایک تاریخ بھی مقرر کی گئی کہ اس تاریخ
تک ہندوستان کے تمام بچوں اور بچوں کو کم از کم ابتدائی تعلیم سے
مفتیاب کیا جائے۔ لیکن اب تک ایسی کوئی ٹیم جس تجویز پیش نہ
کی گئی کہ کسی طرح اس کام کو انجام دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس
مقصد کے لئے وسائل اکٹھا کرنے کی ضرورت کی نشاندہی کی گئی
پوری آبادی کو علم سے مفتیاب کرنے کے بغیر، نہ ہی تکنیکی انقلاب
نہ ہی ملک کو ۲۱ ویں صدی میں لے جانے کے جویش سے پروگرام کو
کامیاب بنانا ممکن ہو سکتا ہے۔ اس دستاویز میں تکنیکی
سے ترقی یافتہ، مغربی ممالک کے نئے انتظامی نظام میں رائج
انٹے سید سے طریقوں کے علاوہ مضبوطی اور آہستگی اور پیش

کی جگہ۔ یعنی ایسی تجویزیں جو وقت کی ضرورت کے پیش نظر تعلیمی نظام کے لئے مستحکم بنیاد تیار کرنے میں ہماری معاون ہو سکتی ہیں۔

اس دستاویز میں درج نئی تعلیمی پالیسی کے خلاف چند اعتراضات درج ذیل ہیں :

(۱) نیا تعلیمی نظام فرعبیت میں چسپہ ہوگا۔ یہ طلباء کو مختلف جماعتوں میں تقسیم کر دے گا اور جبکہ ایک چھوٹی سی جماعت کے طلباء کو حکومت کی نائیڈ سے بہتر سہولتیں فراہم ہوں گی تو دوسری طرح ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے خاص طور پر دیہی علاقوں میں اور غریب خانہ انوں کے بڑی کثیر تعداد میں طلباء کے لئے ایسی سہولتیں فراہم نہیں ہوں گی۔ اس طرح انہیں کم تر درجہ میں رکھا جائے گا اور ان کے لئے تھوڑی بہت سہولتیں فراہم ہوں گی۔ دستاویز میں یہ کہا گیا ہے کہ "بقا کے لئے جدت کاری کی اشد ضرورت اسکول اور اعلیٰ تعلیم کی سطح پر ایک اعلیٰ درجہ کے ادارہ کا قیام ہے" (پیرا ۳۹)۔ دستاویز میں مزید بتایا گیا کہ ہر ضلع میں ایک کینڈریہ ودیا لایہ یعنی موڈل اسکول ہوگا جس اسکول کی مالی ذمہ داریاں مرکزی حکومت سنبھال لیگی اور ضلع میں دیگر اسکول، جن کی تعداد کم و بیش ایک سو ہوگی، پرائیویٹ انتظامیہ کے تحت ہوں گے۔ ایسے کینڈریہ ودیا لایہ مرکزی حکومت کے زیر انتظام ہوں گے اور تعلیم انگریزی میں دی جائے گی۔ اس بات کا اعلان کیا گیا کہ ۱۹۸۶ء کے آخر تک ایسے ۱۰۰ اسکول قائم کئے جائیں گے اور ساتویں منصوبہ کے ایسے اور ۵۰۰ اسکول قائم کئے جائیں گے۔ مرکزی حکومت کی یہ خواہش ہے کہ چند اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو "مرکز جوہر" کی طرح فروغ دیا جائے گا (پیرا ۴۰)۔ ایسی صورت حال میں قدرتی طور پر دیگر اسکول غفلت کے شکار رہیں گے۔ "صدیوں سے آکسفورڈ اور کمبریج اقداب دنیا میں ہمارے دار و درویش اور اسٹین فورڈ یونیورسٹیوں نے اپنے معیار اور کوالیٹی کے ذریعہ دیگر اداروں کو متاثر کیا ہے۔ تعلیم کی مختلف شاخوں میں تمام سطحوں پر تعلیم دینے کے لئے ایسے اداروں کو قائم کرنا چاہئے" (پیرا ۴۱)

اسی طرح اس سے برہات عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلم بھریونیورسٹیوں کے علاوہ "جو مراکز انصافیت" ہوں گی، ملک کی زیادہ تر یونیورسٹیوں کو "ہیمن" حیثیت حاصل ہوگی۔ مراکز جوہر کا تصور یعنی دیگر اداروں کو پرے پھینک کر ایک دو اداروں کی ترقی ہمارے ملک میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل ہندوستان کے لئے میکو کے کی بھی ہیں خواہش تھی "جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ تمام لوگوں کو تعلیم دینا ممکن نہیں، لیکن یہ بات ممکن ہے کہ ان میں سے چند سیکھ چکے لوگوں کو، جو خون اور رنگ کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں گے لیکن مذاق، خیالات اور اقلیات اور کچھ بوجھ میں انگریز ہوں گے، انگریزوں کے ذریعہ تعلیم دی جائے، پھر ان کے ذریعہ تمام ملک تعلیم پور پچائی جائے۔"

مرکز میں کانگریسی حکومت کے سربراہ اب میکو تے کی آواز میں بول رہے ہیں، حالانکہ جدوجہد آزادی کے دوران ہمارے قومی سربراہوں نے میکو کے کی اس تجویز کو بالکل رد کر دیا تھا۔ جبکہ کوٹھاری کمیشن نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ "پڑوسی اسکول" یا عام تعلیم کے لئے عام اسکول قائم کئے جائیں (پیرا ۱۰۳۸) یعنی بلا لحاظ جنس، گھرانہ، جائیداد، تعلقات و غیرہ تمام طلباء کے لئے ایک خاص علاقہ میں ایک عام اسکول قائم کیا جائے۔ برخلاف اس کے "مرکز جوہر" چند افراد کے لئے حکومت ہند کی نئی تعلیمی پالیسی ہے۔ پرائیویٹ انتظامیہ کے تحت نام ہندوستانی اسکول کے روایتی انگریزی نظام کے خلاف شدید تنقید کرتے ہوئے کوٹھاری کمیشن نے کہا تھا: "اس سے متاثرہ ایک نظام انگریز ناظرین نے ہندوستان میں رائج کیا تھا اور ہم اب تک اس سے چپکے رہے کیوں کہ یہ ہمارے سماج کی روایتی اور مورثی ساخت کی طرح ہے۔ اس کے معنی کی تاریخ کیسی ہی کہوں نہ ہو اس سے اس نئے جمہوری اور اشتراکیتی سہجہ میں، جس کی تخلیق کے ہم خواہاں ہیں، کوئی جگہ نہیں مل سکتی" (پیرا ۱۰۳۸)۔ کمیشن کا یہ خیال تھا کہ تعلیم عام کے لئے عام اسکول ہی نظام، جس کی اس نے سفارش کی تھی، عام طور پر قومی ترقی کے لئے اور خاص طور پر سماجی اور قومی یکجہتی کے لئے ایک زبردست آلہ بن جائے گا۔

(۱۲) تعلیم - تعلیم کی بنیادی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ دیگر
 کیا گیا ہے۔ جدید آلات رابطہ کے پیش نظر اس امر کو مدنظر
 رکھا جاتا ہے کہ بہت سارے طلباء کو فاصلے سے لے کر وی اور
 ریڈیو کے ذریعہ ساتھ ہی خلاہ کنایت کے ذریعہ جس کے لئے کھلی
 یونیورسٹی قائم کی جا چکی ہے، تعلیم دی جائے۔ ہم ان تمام رابطوں
 سے تعلیم میں ان کے مناسب استعمال کے لئے، خیر مقدم کرتے ہیں۔
 نیز کھلی یونیورسٹی کے نظام کو سراہتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی غیر رسمی
 تعلیم کو رسمی تعلیمی نظام کا شتم ہونا چاہئے، اور یہ غیر رسمی تعلیمی
 نظام اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں باضابطہ کلاسوں کے
 ذریعہ دی جائے والی رسمی تعلیم کے نظام کا مبادلہ اور قائم مقام نہیں ہو
 سکتا۔ بدستختی سے اب مرکزی حکومت اسی بنیاد پر ابتدائی
 سے لے کر یونیورسٹی سطح تک غیر رسمی تعلیم رائج کرنے کی کوشش
 کر رہی ہے۔ چارے مستقبل کی تعلیم کا زیادہ زور غیر رسمی تعلیم پر
 دیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسمی تعلیم کو مزید وسیع نہیں بنایا
 جائے گا۔ یہ بات بہت قابل اعتراض ہے۔ ہم اس غیر رسمی تعلیم
 کے خلاف ہیں جو رسمی تعلیم کی معاون نہیں بلکہ جسے مبادلہ سمجھا
 جاتا ہے۔ ایک طالب علم جو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں
 میں باضابطہ کلاس میں شام ہو کر تعلیم حاصل کرتا ہے اور امتحانات
 میں کامیاب ہوتا ہے اور ایک اور طالب علم منورہ اوقات میں
 لے کر وی اور ریڈیو کے تعلیمی پروگراموں کو سن کر اپنی تعلیم مکمل کرتا ہے،
 ان دونوں طلباء میں تعلیمی معیار کے لحاظ سے کافی فرق ہونا چاہئے۔
 مرکزی حکومت تعلیم کے بعد الذکر طریقہ کار کو رد عمل لانے کی کوشش
 کر رہی ہے۔

(۱۳) تعلیم کے سلسلے میں مالی اخراجات اور تعلیم کے انتظامیہ
 دونوں کے لئے پرائمری سے یونیورسٹی تک تمام سطحوں پر مرکزی حکومت
 جزیرہ کاری اور لوگوں پر بھروسہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس
 کے لئے اس نے تعلیمی فیس لینے کی بھی گنجائش رکھنے پر اپنی رضا
 مندی کا اظہار کر دیا ہے۔ (پیرا-۱۰۸۹)۔ نمایاں طور پر اس بات
 کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جہاں ممکن ہو، اس بات کی کوشش کی جانی
 چاہئے کہ نوجوانوں اور بالعموم کی مدد اور غیر رسمی تعلیم کی ذمہ داریاں

مناسب رہنمائی کیلیں کو موثر بنائے۔ (پیرا-۱۰۸۱) اور پیشہ
 ورانہ تعلیم کے لئے مرکزی حکومت کو طور پر معنی اور ان کے اہتمام
 کرنا چاہتی ہے۔ جب ملک میں تمام درجوں کے اساتذہ مقرر کیے گئے
 یہ ہے کہ تعلیم میں پرائیویٹ انتظامیہ کو ہمیشہ کے لئے ضم کر دیا
 جائے، مرکزی حکومت اس سمت میں اس کے برعکس قدم اٹھا رہی
 ہے۔ تعلیم کے لئے خاص طور پر نیشنل ٹیچنگ ایجنسیوں کو ابتدائی
 تعلیم سے فیض یاب کرانے کے لئے مالی ضرورتوں کے سلسلہ میں مرکزی
 حکومت کی ذمہ داری کو نبھانے میں ایچ کپا ہٹ نو پرائیویٹ انتظامیہ
 کے سامنے کھٹنے ٹیک دینے کے برابر ہے۔

(۱۴) اگرچہ مرکزی حکومت تعلیم کے لئے مالی بوجہ برداشت
 کرنا نہیں چاہتی تاہم یہ تعلیم پر پورا کنٹرول رکھنے کی خواہش ہے۔
 ایمر مبنی کے کالے دونوں میں دستور کی ۴۲ ویں ترمیم کے ذریعہ تعلیم
 کو دستور ہند کی ریاستی فہرست سے مشترکہ فہرست میں منتقل
 کر کے بھی مرکزی حکومت کو خارج خواہ تشفی حاصل نہیں ہوئی بلکہ مرکزی
 حکومت کو تو مزید اختیارات کی ضرورت ہے۔ ضلعوں میں ماڈل
 اسکولوں پر کنٹرول کے باوجود، مرکزی حکومت سارے ملک میں
 ایک قومی مرکزی نصاب یعنی ایک ہی نصاب رائج کرنے کی خواہش
 ہے (پیرا-۱۰۸۶)۔ اگر مریاست میں یکساں قومی مرکز نصاب
 رائج کرنے کی کوشش کی جائے تو ایسی حالت میں مقامی معاملات
 تعلیمی اور ثقافتی۔ میں مرکز کی مداخلت کا خدشہ ہمیشہ لاحق
 رہے گا۔ ہماری ثقافت میں تنوع کی بنیاد کا نوعیت کو درم برہم
 کر دے گا اور ان کا کو مستحکم بنانے کی جگہ انتشار کی طاقتوں کی مدد
 کرے گا۔ اس بات کی بھی تجویز پیش کی گئی ہے کہ یہ جی بستی جائزہ
 کمیٹی اور انس چانسلروں کی کمیٹیوں کی سفارشات کے حوالے
 سے تمام یونیورسٹیوں کے لئے انتظامیہ کی شکل ایک جیسی ہو۔
 یونیورسٹی کے ادارے جوڑے ہوں گے اور ایک جیسے ہوں گے اور
 ان میں ایکسی-افیشیو اور نامزد ممبران ہوں گے اور ان باتوں کے
 پیش نظر ایک جامع قانون پارلیامنٹ میں پاس کیا جائے گا۔
 تعلیم میں اتنی مرکزییت کی جگہ یہ ضروری ہے کہ تعلیم کو
 ریاستی فہرست میں لایا جائے۔

(۵) پیشہ ورانہ تعلیم پر زور دیا گیا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اور میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔ لیکن ڈگری کو کام سے الگ رکھنے کی تجویز موجودہ حالت میں ایک لڑکے یا لڑکی کو نہ روزگار فراہم کر سکے گی اور نہ ڈگری۔ تعلیم میں پیشہ ورانہ تربیت کے نظام کے رائج ہوجانے اور روزگار کے چند اور مواقع پیدا کرنے کے بعد ہی مذکورہ باتوں پر غور کیا جاسکتا ہے۔

(۶) دستاویز میں اس بات کی تجویز پیش کی گئی ہے کہ روایتی طریقے کے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی مزید توسیع کے کام کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا جائے (پیرا۔ ۱۲۳)۔ غیر منصوبہ بند طریقے سے ادھر ادھر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے قیام کی روک تھام کی جانی چاہئے کیوں کہ اب بھی دیہی اور پسماندہ علاقوں میں کالج اور یونیورسٹی قائم کرنے کا کافی امکانات ہیں۔ فی الحال ہندوستان میں ۵۱۷ سال کی عمر کے نوجوانوں کے صرف ۸۸ فیصد کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جبکہ فلپائن اور جنوبی کوریا جیسے ترقی پذیر ملکوں میں ایسے نوجوانوں کی تعداد ۲۵ فیصد ہے۔

(۷) تعلیم کو سیاست کے دائرہ سے باہر رکھنے کے نام پر مرکزی حکومت ایک طرف تو تعلیمی اداروں کے احاطے میں طلباء اساتذہ اور غیر معلم ملازمین کے جمہوری حقوق کو جھین لینے کی کوشش کر رہی ہے تو دوسری طرف یہ یونیورسٹی کے انتخاب کو منتخب افراد کو دہان سے الگ کر کے غیر جمہوری بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ اساتذہ کی تنظیموں کے کام کا ج ک بھی تنقید کی گئی ہے۔ دستاویز میں یہ کہا گیا ہے کہ گزشتہ چند دہائیوں سے پارٹی سیاست میں اساتذہ کی شرکت سے حاصل ہونے والے غریب اور اس کی وجہ سے اساتذہ کی تنظیمیں کتنی مددگار سیاسی بن چکی ہیں، ان باتوں سے چشم پوشی نہیں کر سکتے ڈسپن پر اس کا کیا اثر ہوا؟ اساتذہ کی توجہ کو مختلف سمت موڑنے جیسا میں نے کیا کردار ادا کیا۔ ان تمام باتوں پر غور کرنا چاہئے (پیرا۔ ۱۳۰)۔ اس دور کو اپنا مرکزی حکومت نے ایک جمہور اساتذہ کی جمہوری غریب کے حقوق ایک طرف کی جگہ کر

اعلان کر دیا ہے۔ یہ ایک خطرناک رجحان ہے اور ہر طرح سے اس کی مزاحمت کی جانی چاہئے۔

آج تعلیم میں ہمارے سامنے جو چیلنج ہے وہ درحقیقت ٹیکنیکی انقلاب کا چیلنج نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک چیلنج ہے جہالت کو دور کرنے کا، سماج کے سماجی، معاشی اور سیاسی ڈھانچے میں پیداوار، روزگار اور تغیرات کی ضرورتوں سے تعلیم کو سماجی طور پر وابستہ کرنے کا۔

سندھ بن علاقہ کی ترقی

سندھ بن ترقیاتی بورڈ کے تحت ساگر اور بستی بلاکوں میں مختلف اسکیموں کے لئے ۸۵-۸۶ لاکھ روپے کی منظوری دی گئی ہے۔

اس مالی سال کے لئے ساگر بلاک میں سوکھی دتا کھال کی از سر نو کھدائی کے لئے ۱۵ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس کھدائی کے کام پر تقریباً ۳۳۰۴۳ روپے خرچ ہوں گے۔ اسی بلاک میں سوکھی مہیشا ماری کھال کی از سر نو کھدائی کے لئے ۱۰ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس کھدائی کے کام پر تقریباً ۲۳۶۴۸۹ روپے خرچ ہوں گے۔ موجودہ سال میں بستی میں سوکھی بھوماری کھال کی از سر نو کھدائی کے لئے ۱۵ لاکھ روپے اور آٹ کھال کھال کی از سر نو کھدائی کے لئے ۵ لاکھ روپے کی منظوری دی ہے۔ ان کھدائی کے کھدائی پر علی الترتیب ۲۹۴۲۳۹ روپے اور ۲۱۷۲۱ روپے خرچ ہوں گے۔

ان تمام اسکیموں کو سندھ بن ترقیاتی بورڈ پائے نیکیل ایک پونچارم ہے۔



تمہارے کارگیستان

تمہارے کارگیستان اب تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ اگر اس میں مہاراجہ لاہری اور گجراتی ایسے ریگستانوں سے متاثر کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمہارا ریگستان جہاں پہرہ دے جانور اور سنی نوع انسانی کی آباری پائی جاتی ہے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ راجستھان میں مٹی کی طرح پڑتی ہے اگر اس کے استعمال کا کوئی طریقہ نکال دیا جائے تو تمہارے پورے ملک کی بجلی کی ضروریات کے لئے یہ کافی ہوگا۔ چارے ملک کا ۲۴ لاکھ مربع کلو میٹر علاقہ ریگستان پر مشتمل ہے جو ملک کے مجموعی رقبے کا ۱۴ فیصد ہے۔ تقریباً ایک کروڑ نو لاکھ افراد تمہارے ریگستان میں رہتے ہیں اور ریگستان زیادہ گنجان آباد ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ یہاں ایک مربع کلو میٹر میں ۶۱-۱۰ افراد بستے ہیں جبکہ دیگر ریگستانوں میں ایک مربع کلو میٹر میں صرف تین افراد رہتے ہیں۔ تمہاری سرحدیں جنوب کی تعداد ۱۹۵۱ میں ۲۰۲ لاکھ تھا اب بڑھ کر ۲۴ لاکھ ہو گئی ہے۔ ۱۹۵۰ کے دہے میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ تمہارے ریگستان ایک سال میں آدھے میل کے حساب سے سکڑ رہا ہے۔ انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نے ریگستانی علاقوں کے سائنس انتظام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اس پر توجہ دیتے ہوئے ریگستانی علاقوں کی ترقی سے متعلق رییسکو کی صلاح کار کمیٹی کی مندرشات کے مطابق حکومت ہند نے ۱۹۵۲ میں جوہر میں ریگستان کو جنگل میں تبدیل کرنے سے متعلق اسٹیشن قائم کیا ہے۔ ۱۹۵۹ میں اس ادارے نے غیر علاقوں کی تحقیق سے متعلق انسٹی ٹیوٹ کی شکل اختیار کر لیا ہے۔ آج دنیا میں اس ادارے کی ریگستان کے بارے میں مطالعہ کرنے کے کام میں بان کی حیثیت حاصل ہے۔ اس ادارے نے ریگستان کی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے بہتر سمجھ، امداد، شہرت وغیرہ کی اقسام دریافت کی ہیں جن کی اس علاقے میں کاشت کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح انہیں بھی دریافت کیا گیا۔ اس طرح ریگستان میں کاشت کئے ہوئے پکپکسی کی قسم بھی دریافت کی گئی جو

ایک اہم خام مال کی حیثیت رکھتا ہے۔ ریگستان میں نشوونما پانے والے بعض بھروسوں کی اقسام دریافت کی گئیں۔ ان بھروسوں سے حاصل ہونے والی اون کی مقدار کو بڑھانے اور اسے بہتر بنانے کے لئے مطالعہ کا کام جاری ہے۔ بھڑک ایک اور قسم "پریت سر" میں دودھ دینے کی کافی صلاحیت موجود ہے۔ ریگستان کے جہاز اونٹ اور جنگلی گدھوں پر بھی سائنس دان کافی توجہ دے رہے ہیں۔ وہاں رہنے والے لوگوں کو رقبے علاقے میں کاشت کرنے کی تکنیکی سہولت سے واقف کروایا جارہا ہے۔ مکمل ترقی کے معقد کے حصول کے لئے دیہی سماج کے گروہ رقبے سے متعلق رکھنے والے وہ سوزر می کمیٹیوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ لوگ جوہر پور کے پانچ دیہات میں رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو بھڑک اور ٹپکاؤ کے ذریعہ سسٹائی جیسے کاموں کی تربیت دی جاتی ہے۔ غیر علاقوں کی تحقیق سے متعلق ادارہ سورج کی توانائی کو استعمال میں لانے کے لئے آلات تیار کرنے میں معروف ہے۔ یہ ادارہ ہزاروں کوکر و بڑو پیسے ہی تیار کر چکا ہے جو سورج کی توانائی سے کام کرتے ہیں۔ راجستھان کی جتنی ہوئی ریت مذکورہ ادارے کے سائنس دانوں کیسے کوئی پریٹان کا باعث نہیں ہے۔ چلی، متحدہ عرب امارات، ایران، عراق، اسرائیل، قطر، نايجيريا اور فلپائن جیسے ملک اپنے جوئے اور بڑے ریگستانوں پر قابو پانے کے لئے اس ادارے کی مدد حاصل کر رہے ہیں۔

چھوٹی آبپاشی اسکیم کے لئے عطیہ

ریاستی حکومت نے شمالی جھنگل کے تیراکی ترقیاتی پروجیکٹ کے تحت دینا لٹ II بلک میں چھوٹی آبپاشی پراجیکٹ پر عمل درآمد کرنے کے لئے ۱۹۸۵-۸۶ کے مالی سال میں ۵۰ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

حال ہی میں
 رہتہ راستہ
 منعقدہ لوک
 ثقافتی تقریب
 میں پیش
 کردہ سماجی
 پردیش کا لوک
 ناچ :



WEST BENGAL, No. WN/ CC-12
Vol-33 No.- 8
PRICE-12 Paise

MAGHEE BANGAL
15th APRIL 1946

شکرپور ضلع ۲۲ پرگنہ میں ماہی گیری
تصراز: اجیت داس

Chief Editor: Kishor Chandra, Editor: Dilip Kumar, Assistant Editor: Md. Anwar,
Publisher: Kishor Chandra, 2, Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by M/s.
D. K. Ghosh, 10, Seagram Street, Calcutta-700006

مغربی بنگال



مشرقی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتین بیٹا چدر
 مدیر : دھرم بند رانا دت
 مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * یکم مئی ۱۹۸۶ * شمارہ نمبر

شرح خریداری

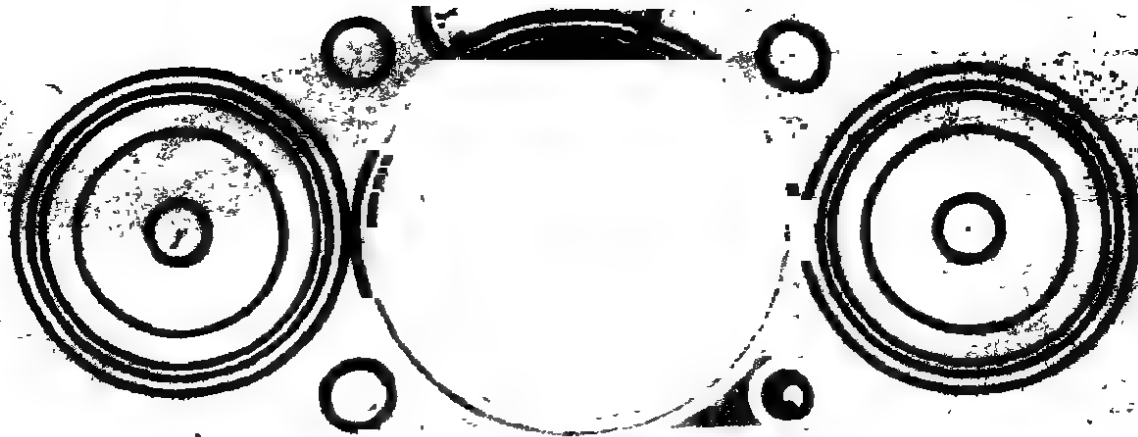
سالانہ: تین روپے * اس خصوص شمارے کی قیمت: ۴۰ روپے

ترسیل زر کا پتہ
 بزنس نیچر
 شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور - حکومت مشرقی بنگال
 ۲۳- آر، این، مگر جی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

یوم مئی نمبر



۱۹۸۶ میں شکارگو میں یوم مئی کا جلوس



حالی گورکھ پوری

جب ظلم جڑ گیا تو کھلی صبر کی زباں
پھر نعرہ انقلاب کا اُبھرا جہاں تہاں
ذروں سے خوف کھانے لگے ماہ و کھنکشاں
ہر سمت سے جیلے اٹھے بن کے آندھیاں

جو بے خبر تھے خواب سے بیدار ہو گئے
اپنی بے باکی کے واسطے تلوار ہو گئے
ابنِ ستم چڑھانے لگے اپنی آستیں
شمشیر بے نیام ہوئی گولیاں چلیں
تھی تر بہ تر کہہ میں شکا گو کی سر زمین
پھر بھی جھکا سکے نہ وہ مزدور کی جبین

نعرے ہر اک زبان پہ تھے انقلاب کے
گو بھول جلا رہے تھے عین میں انقلاب کے
ہم ان کی روشنی میں ابھی ہیں رواں دواں
تاریکوں سے رک نہ سکے گا یہ کارواں
اک دن قدم کو جو سننے آئے گا آسمان
اوپر چار ہے کا دھبہ میں مزدور کا نشان

چمکا تھا خون سے جو سویرا اسلام لے
سہرا تھا جو شہرِ چھوڑا اسلام لے

چاروں طرف جہاں میں اندھیرن کا راج تھا
ظالم حکومتیں تھیں تو عیارِ سماج تھا
قبضے میں ظالموں کے ہر اک تحت و تاج تھا
آواز حق ہی تھی نہ کوئی احتجاج تھا

پہرے لگے ہوئے تھے زبان و بیان پر
سہو سوسرے کے ظلم تھے انسان کی جان پر
سربراہ کی زبان ہو سن بے لگام تھی
ہر صبح مفلسوں کے لئے غم کی شام تھی
وہ بے بسی کا دور تھا کہ بھوک عام تھی
محنت کشوں کے واسطے روٹی حرام تھی

تقریباً ہفتہ میں ہزاروں کا جشن تھا
اعیش و طرب تھے ازہو نگاروں کا جشن تھا

چڑھتے رہے صلیب پر مزدورِ عمر بھر
پہنچا سر فلک نہ کبھی آہ کا اثر
کوئی شریکِ درد تھا نہ کوئی عیاور
کوٹھن کے زخم کھلتے تھے محنت کی پشت پر

انہوں میں غصے کی آگ تھی جھالے جیسے ہوئے
الغاف کی زباں پہ ستم نالے پڑے ہوئے

عالمی فتح مزدور طبقہ کی جدوجہد اور یوم مئی

اس سال ساری دنیا کے مزدور یوم مئی کا
مید سالہ جشن منا رہے ہیں۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو امریکہ میں
۸ گھنٹے کام کرنے کے دن کے مطالبے کو لے کر مزدور طبقہ نے جو
منظم اور وسیع ہڑتال اور جدوجہد شروع کی تھی اس سال
اسی کی صدی منائی جائے گی۔ وہی دن تاریخ یوم مئی کہلاتا
ہے اور یکم مئی ۱۸۹۰ء سے جو یوم مئی منایا جانا شروع
ہوا اسے بین الاقوامی یوم مئی کہا جاتا ہے۔

آج کل یوم مئی کے سنی ہیں بین الاقوامی مزدور طبقہ
کہن ہے۔ اس ایک ہی دن میں دنیا بھر کے مزدور اس یوم کو شاہکار
مزدور طبقہ کے بین الاقوامی اتحاد کو ظاہر کرتے ہیں اور سرمایہ داری
کے شکنجہ سے خود کو آزاد کرنے اور مشترکہ اقتصادی نظام
قائم کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

گزشتہ ایک سو سال سے پوری دنیا کے مزدوروں
کی جدوجہد کا بے شمار یادی اس یوم مئی سے وابستہ ہیں
مزدوروں کی جدوجہد، انقلابی تحریکات، فسطائی طاقتوں کی مخالفت
جنگ کی مخالفت اور قومی آزادی کی تحریک کے سلسلے میں ساری
دنیا میں جو منظم متحدہ طاقت ابھری ہے یوم مئی کی جدوجہد اسی
کے ساتھ وابستہ ہے۔ لہذا مزدوروں کی جدوجہد کے سلسلے میں
یوم مئی۔ کبھی نہ ختم ہونے والی ایک پرجوش جنگ ہے۔

۸ گھنٹوں کی حد و جہد :- سرمایہ داری کے دور
اول میں کام کے لئے گھنٹوں (وقت) کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ ۱۳۱۱ء
۱۸۰۲ء میں تک کہ ۲۰ گھنٹے میں مزدوروں کو کام کرنا پڑتا تھا۔ لہذا
۸ گھنٹے نام ۸ گھنٹے آرام اور ۸ گھنٹے کی فطرت کا نعرہ
مزدور طبقہ کی ہمداری کی علامت ہے۔ اسی ہمداری کے شور

کے نتیجے میں دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ گھنٹے کے کام کے فائدے کے مطالبے پر ہڑتالیں اور جدوجہد شروع ہوئیں۔

ہم جانتے ہیں کہ آٹھ گھنٹے کے مطالبے کے سلسلے میں اولین ہڑتال ۱۲ اپریل ۱۸۸۵ء کو ایک دن کے لئے آسٹریلیا میں ہوئی تھی جس کی تفصیلات یہیں "روزانہ کسمبرگ" کی "یوم سٹی کی جنم کہانی" اور "ایگزیکٹو ٹریڈ یونینز کی تاریخ یوم سٹی" نامی کتابچہ میں ملتی ہیں۔

اس مطالبے کے سلسلے میں دوسری ہڑتال اسی مغربی بنگال کے ہوڑہ اسٹیشن میں ۱۸۷۸ء کے مئی میں ہوئی تھی۔ ۱۲۰۰ ریلوے مزدوروں نے کئی دنوں تک اس ہڑتال کو جاری رکھا تھا۔ لیکن یہ سب ہڑتالیں خاص کر ملک کی سرحدوں کے اندر ہی رہیں اور بین الاقوامی مزدور تحریک پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ بعد کے دور میں امریکہ کے مزدوروں نے ہی پوری دنیا میں ایک پہلی پیداگرتے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ حالانکہ اس جدوجہد کی کامیابی میں بنیادی کردار مزدوروں کی پہلی بین الاقوامی تنظیم نے ادا کیا۔

تحریک و مطالبے : ۲۰ اگست ۱۸۶۶ء کو امریکہ کے بالٹی مور میں قومی مزدور یونین کے قیام کے دن ۸ گھنٹے کے مطالبے کی مشہور تجویز کو قبول کیا گیا۔ جس میں کہا گیا کہ "اس ملک کے مزدوروں کو سرمایہ داروں کی غلامی کے ہاتھوں سے آزاد کرانے کے لئے موجودہ صورت حال میں اولین اور اہم ترین ضرورت ہے ایک ایسے قانون کو نافذ کرنے کی جس کے نتیجے میں متحدہ امریکہ کی تمام ریاستوں میں ۸ گھنٹے ہی عام طور پر کام کرنے کے دن کا وقت مقرر ہو سکے جب تک کہ یہ غریب طبقہ حاصل نہ ہو سکے تب تک ہم اپنی تمام قوت اس جدوجہد میں لگا دینے کا عہد کرتے ہیں؟"

غور طلب بات یہ ہے کہ سرمایہ داری کی کذخیزوں سے نجات پانے کی لہکار اسی تجویز میں پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد سے ہی امریکہ میں ۸ گھنٹے کی لڑائی رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی اور تاریخی یوم سٹی اسی کا نتیجہ ہے۔

کارل مارکس کا کردار : ۱۸۴۸ء میں مارکس اور

اینگلس نے کپولسٹوں کی تاریخ میں پہلی بار یہ اعلان کیا کہ دنیا کے مزدور ایک ہونے والے ہیں۔

امریکہ کی مزدور تحریک پر بھی اس کا بڑا دست اثر پڑا لیکن صرف پکار کر ہی مارکس خاموش نہیں رہے۔ ۱۸۶۴ء میدان کی کوششوں سے اور ان کی ہم رہائی میں پہلا بین الاقوامی مزدور یونین وجود میں آیا اور اسی کے نتیجے میں امریکہ کی مزدور تحریک پوری دنیا میں پھیل جانے میں پوری طرح کامیاب ہوئی۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگست ۱۸۶۶ء میں بالٹی مور

میں تجویز قبول کرنے کے بعد کے چھینے میں ہی یعنی ستمبر میں پہلا بین الاقوامی جنیوا کانگریس منعقد ہوا جس میں اس مطالبے کو ساری دنیا کے مزدوروں کے عام مطالبے کے طور پر شائع کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ اسی طرح امریکہ کے باہر ساری دنیا میں ۸ گھنٹے کی لڑائی پھیل گئی۔ کارل مارکس نے نہایت ہی دور اندیش اور سائنٹفک طور پر اشتراکیت نظام کو قائم کرنے کی اس طرح مضبوط بنیاد ڈالی تھی۔

صرف یہی نہیں دو سو سال یعنی ۱۸۶۶ء میں مارکس کی تصنیف "کپیتل" (Capital) کی پہلی جلد شائع ہوئی جس میں انہی ۸ گھنٹے کی تحریک اور تجویز کو مناسب مقام دیا گیا۔

لیکن یکم مئی ۱۸۸۶ء کا انقلاب مارکس دیکھ کر نہیں جاسکے۔ اس کے تین سال قبل ہی ۴ اپریل ۱۸۸۳ء کو وہ اس دیر غانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔

مذاہمت کی تیاری :

اس دور میں ۱۲ گھنٹے تا ۱۴ گھنٹے روزانہ مزدوروں کو کھانا کمر بستہ معمولی اجرت دے کر امریکہ کے سرمایہ دارانہ نظام کا جنم ہوا تھا۔ فورڈ، مارگن، روکفلر وغیرہ بڑے بڑے سرمایہ دار اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ ایسا کوئی ظلم اور ایسی کوئی نا انصافی نہیں تھی جو ان منافع خوروں نے ہمیں کی ہو۔ یہاں تک کہ کنگ کارٹن ایجنسی نامی ایک کمپنی کوئی تھی جس

کام تمام ہونے پر نوڈا اور ہڑتالیوں پر غم دھنا اور اس حد تک کہ اس سوٹ کے گھٹا (Railway) جہاں ہل ہڑتالیوں وہاں ان کوئی مزدور شہنوں کو قتل کیا جاتا۔ ریوے کے ساتھ (Railway) کے مالک جے۔ گونڈ نے حکم لکھا کہ ہڑتالیوں کو مزدور میں سے آدھے کو گراہیہ پر لے سکیں ہوں باقی آدھوں کو قتل کرنے کے لئے۔
ایسے ہی ماحول میں آٹھ گھنٹے کی لڑائی جاری تھی۔
۱۸۸۶ء میں کنڈا اور ریات اپنے مفاد ہر یک کی منظم ٹریڈ اور مزدور یونین کا دفاع (۱۸۸۶ء) میں جس کا نام جل کر مزدور کا امریکی نشان لگایا لے یہ تو بڑا مندرجہ کی کو ۱۸۸۶ء پہلی مئی سے سارے ملک میں ۸ گھنٹے کام کے لئے سارے مزدور متحدہ طور پر جدوجہد کریں۔

فائنٹس آف لبرٹ نامی مزدور انجمن بھی اس وقت کافی طاقت ور ہوا تھی تھی۔ صرف ایک سال کی مدت میں اسکے ممبروں کی تعداد ایک لاکھ سے سات لاکھ ہو گئی اور ان میں ۸ گھنٹے کی جدوجہد وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔ جن جوتوں کے کارخانوں میں ۸ گھنٹے کی تحریک کامیاب ہوئی ان جوتوں کے نام ۸ گھنٹے کے جوتے، پڑتے، ۸ گھنٹے کے جوتے، پہن کر اور ہونٹوں میں ۸ گھنٹے کے سکار، دبائے مزدوروں کے جلوس نعرے لگاتے ہوئے گزرتے جاتے تھے۔

تاریخی صورت: آخر یک مئی ۱۸۸۶ء کا تاریخی دن آیا۔ حالانکہ ہڑتالیوں کا مرکز شہر شکاگو تھا لیکن پورے امریکہ میں ہڑتالیوں کی تحریک پھیل گئی تھی۔ پانچ لاکھ سے بھی زیادہ مزدوروں نے اس تحریک میں حصہ لیا اور گھبراتے ہوئے مالکان نے محسوس کیا کہ مزدوروں کی مشترکہ طاقت کیا ہوتی ہے۔ فوری طور پر اگر حکومت کی مشترکہ طاقت کے خلاف استعمال نہ کیا جائے تو پھر ان (مالکان) کے لئے فراہم کوئی راستہ نہیں۔ لہذا ۳۳ مئی کو میگزین ہاربر کارخانے میں ہڑتالی مزدور پر پولیس کا حملہ شروع ہوا۔ نتیجہ کے طور پر چھ مزدور مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ اس کے خلاف ہم رتھی کو جیڑے مارکیٹ

اسکا آخری مزدور دن کا ایک انتہائی غلبہ مستعد ہوا اور پھر شروع ہوئی پولیس کی بربریت۔ مجمع میں ایک بم پھٹا اور اس سے ایک سر جٹ مر گیا۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہ کر یہ پولیس ہی کا سبزش تھا۔ پچیس پولیس اور مزدوروں کے درمیان کھلی شاہراہ پر ایک جنگ سی جھڑپیں۔ چند غٹوں ہی میں سات پولیس والے اور ۱۴ مزدور مر گئے۔ بے شمار زخمی اور گھٹائی ہوئے۔ شکاگو کے اس فوجی تحریک کے بعد ہی سے مزدور رہنماؤں کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور ان پر ظلم کا بدلہ ڈالنے لگا۔ اور پھر جوئے سمجائے ہوئے مصلحت کا سلسلہ عدالتوں میں شروع ہوا۔

انصاف کے نام پر:

جن لوگوں نے مزدور رہنماؤں کو پھیلے چھوٹے انجمن "گروہ" انا تھا انہی لوگوں کو لے کر انصاف کی جیوری سمجائی گئی تھی۔ ۱۲ جون کو جے جوزف۔ ای۔ پارک کی عدالت میں سمجائے ہوئے مقدمے شروع ہوئے۔ لیکن سب ہی لڑوا رہنا بہادر اور نڈر تھے۔ ان کے حوصلے بلند تھے۔ عدالت کے ڈال میں ان کی تقاریر کے وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ صرف چند مزدور رہنا ہی نہیں بلکہ پورا سماج وہاں آن موجود ہوا ہے۔ یہاں ذیل میں دو جہاز امتیازات پیش کرنا غالب نامناسب نہیں ہو گا:

۱۔ دیگر کی تقریر تھی اور طنز سے بھرپور تھی۔ میں نے دیکھا تھا کہ اس شہر میں روٹی والوں کے ساتھ کتوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ میں نے ان کو متہہ ہونے میں مدد کا بھی یہ ایک بڑا قصور تھا۔ ۱۴ یا ۱۵ گھنٹے کے بدلے لوگ اب دن میں ۱۰ گھنٹے کا کام کر رہے ہیں۔ یہ ایک اور الزام ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر قصور میں نے کیا ہے۔ صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلنے وقت میں نے دیکھا کہ شکاگو شہر کے شراب کے کارخانے میں کام کرنے والے رات کے ۸ بجے کام پر جاتے ہیں اور وہ لوگ رات کے ۸ بجے گھر لوٹتے ہیں۔ ان لوگوں نے دن کی روشنی میں کبھی گھر والی یا بچوں کی صورت نہیں

دیکھی میں ان لوگوں کو متحد کرنے کی تھا
اور عزت مآب حضور والا! میں نے ایک اور تصور بھی کیا ہے
میں نے خودی خانے میں کام کرنے والے اور اس شہر کے دیگر
مزدوروں کو ۸ اور ۱۰ بلک رات کے گیارہ بجے تک کام کرتے
ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے انہیں آواز دی
وہ شام کے ۷ بجے تک کام کرتے ہیں اور ان کو کام نہیں کرتے۔
یہ بھی میرا ایک بڑا تصور ہے حضور!۔

اپنی مستقل مزاجی کے ساتھ ایک شعر کے ذریعہ
یارسنس نامی ایک رہنما نے یوں کہنا شروع کیا کہ
غلامی 'عربی اور خوف کو دھول میں ملا دو
روٹی ہی آزادی ہے، آزادی بھی روٹی ہے

دودنوں تک مزدوروں کی کہانی سناتے رہے جو ہڑتالیوں کے
خلافت تشدد، مشتعل کرنے والے اخباروں کے ادارے، مزدوروں
پر کنگ کارشن کی لائنیں برسانے والی فوج، ایوٹس کے مظالم، فوج
کے حملوں، اگونی کے شکار، معصوم مزدوروں اور ان کے قتل وغیرہ کے
واقعات سے بھری پڑی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ماسکوں کی طاقت
کے استعمال کے جواب میں طاقت استعمال کرنے کے علاوہ میں
نے کبھی تشدد کو کالت نہیں کی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ
امریکہ کی زندگی سے ۸ گھنٹے کی لڑائی کو مٹانے کے لئے صنعت
کاروں نے "پے مارکیٹ" میں بم بھینکنے والے کو فریاد کیا۔ انہوں
نے یہ بھی کہا کہ "..... ہڑتالیوں پر ڈائنامیٹ بم بھینک
کر دوسروں کو چاروں طرف دھنسا کر دینا۔ کیا یہ بات انہوں (اجارہ
داروں) نے پیے نہیں کہی تھی؟۔ انہیں (ہڑتالیوں) کا زہر
دے دو۔ یہ بات کیا شکاکو ٹریبون" نامی اخبار نے
نہیں لکھی تھی؟ اور وہی انہوں نے کیا ہے ان
ہی لوگوں نے بم بھینکا ہے اور "پے مارکیٹ" میں بم بھینکا کو
جو بم بھینکا گیا تھا وہ ایک اجارہ دار شریک کے ہاتھوں
بڑبڑک سے بھیجا گیا تھا۔ ۸ گھنٹے کی تحریک کو دھول میں
مٹانے کے لئے جی حضور سب سے گھناؤنا اور
ذلت آمیز جو شریک چال چلی تھی ہے ہم اس کی بات کر رہے

ہیں۔

اسپانز کی تقریر بہت ہی دلورہ انگیز تھی۔
۶۔ عربی اور ٹیکسٹ سے کچھ ہوئے لاکھوں لوگوں کو اس تحریک
میں اپنی نجات کی امید نظر آئی ہے۔ اگر آپ لوگوں نے یہ سوچ
رکھا ہے کہ مجھے بھانسی دے کر اس مزدور تحریک کو اکھاڑ بھینکیں
گئے۔ اگر آپ لوگوں کی یہی مشاعرہ ہے تو مجھے بھانسی پر
لٹکاؤ دیکھئے۔ یہاں اس جنگاری پر آپ پر رکھیں گے، لیکن میں
سے آپ لوگوں کے پیچھے، سامنے اور سبھی جگہ اس کی لپیٹاں
لپٹیں پھیل جائیں گی۔ یہ پاتال کی آگ ہے۔ آپ اسے بھانسی
پائیں گے سچ بات کہنے کی ہمت دکھانے کیلئے
اگر آپ لوگ انسان کو بھانسی پر چڑھانا چاہتے ہیں تو فخر اور
لا پرواہی کے ساتھ میں یہ قیمت چکاؤں گا۔ اپنے جلاوطن کو
بلائیے۔ سفر آٹھ، غیبی، آگیا، روانوں، برتو، میتس، گیلیلیو وغیرہ
کو جس سچ کے لئے بھانسی پر چڑھایا گیا تھا وہ آج بھی زندہ
ہے۔ ان لوگوں اور ان کے جیسے دوسروں کا ایک بڑی
جماعت ہم سے پہلے اس راہ پر چل چکی ہے۔ ان کے راستے
پر چلنے کے لئے ہم تیار ہیں۔

یہ ساری باتیں سننے کے باوجود بھی برج پاری نے
۹ ستمبر ۱۸۸۶ء کے دن بھانسی کی سزا سنائی۔ نیویارک
ٹائمز کے رپورٹر نے لکھا کہ "رج کا منہ زخموں سے کانپ
اٹھا اس کے "بھانسی کی سزا دی جاتی ہے" بولتے
وقت اس کا گلا زندہ اٹھا اور وہ بولا جب تک آپ کی موت نہیں
ہوتی نہ آخر کے الفاظ کی نہیں پڑے۔"

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سپریم کورٹ نے
مقدمہ کے بارے میں ہر جے خود کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۱ نومبر
۱۸۸۶ء کو بھانسی دینا طے پایا۔

امریکہ کے ولیم ڈیٹن، ہادیس، انری ڈیورنٹیہ
نویڈ، جان براؤن، شکاگو کے سیکڑوں ممتاز شہریوں، سینٹ
پیتس اور دیگر ٹریڈ یونین کے لیڈروں اور ہزاروں اتناؤنڈ نے
اعلان کیا کہ سیاسی وجوہات پر انہیں بھانسی کی سزا دی

بین الاقوامی کانگریس میں انجلیس کی موجودگی میں جو نیا ویز پاس ہوئیں وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں : حرف آف گنٹھ کے کام کے دن کے لئے ہی یوم مٹی نہیں ہے بلکہ سماج میں تبدیلی لاکر طبقاتی فرق کو مٹا دینے کے لئے مزدور طبقہ کے اعلیٰ عزم میں مزید استحکام پیدا کرنا لازمی ہے اور اسی طرح سے اس راستہ پر آگے بڑھنا ہوگا جو سبھی طبقوں کے لئے شائستگی کا راستہ ہے، بین الاقوامی امن کا یہی ایک واحد راستہ ہے۔

اس کے بعد سے الگ الگ ملکوں کے مزدور طبقوں نے مزدور طبقہ کی فکر اور بیداری میں یوم مٹی سے متعلق علیحدہ علیحدہ انقلابی مفہوم پیدا کئے۔ لیکن کی رہنمائی میں روس میں یوم مٹی مزدور طبقہ کے انقلابی جدوجہد کا ایک مضبوط اختیار بن گیا تھا۔ یوم مٹی کی ہڑتال، احتجاجی جلوس، جلسے، اشتہارات وغیرہ سب کچھ کو انقلابی بیداری اور تنظیم کو بڑھاوا دینے کے لئے بڑے حسن و خوبی سے لیٹن نے استعمال کیا تھا۔ یوم مٹی کے لئے لکھے گئے لیٹن کے بہترے اشتہارات آج بھی ہماری ہمت افزائی کرتے ہیں۔ ان کی ان شک کوکشتوں کے پر معنی نتائج ۱۹۱۷ء کے نومبر انقلاب میں ظاہر ہوئے تھے۔

سازش و ہتھکنڈے : یوم مٹی کے دور رس مفہوم اور انقلاب کو ادارہ کو امریکہ کے ظالم حکمران سمجھ گئے تھے۔ امریکہ کے صدر ہونتر کے عہد میں اس دن کو بھلا دینے کی کوشش کی گئی۔ ایک عجیب طریقہ اپنایا گیا جیسے یکم مٹی کو بچوں کا کھٹکے منے کے طور پر منڈنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مزدوروں کی امریکی ایسوسی ایشن کے ۱۹۲۵ء میں ہونے والی کانفرنس کی ایکریکیوٹیو کمیٹی

(Executive Committee) کے بیانہ سے بیانات صاف ہو گئی : کمیونٹ آج بھی یکم مٹی کو مزدور کے دن کے طور پر منانے ہیں۔ چونکہ کانگریس کی ایک تجویز میں یکم مٹی کو بچوں کی صحت کا دن کے طور پر منانے کے لئے امریکہ کے عوام سے اپیل کرنے کیلئے صدر کو کہا گیا ہے اس لئے اب سے یکم مٹی بچوں کی صحت کا دن کہلائے گا۔ پورے سال کو بچوں کی صحت کے

تحفظ کے لئے ذہنیت تیار کرنا ہی ہمارا مقصد ہے۔ یہ ایک عظیم مقصد ہے۔ اس کے ساتھ ہی اب سے یوم مٹی ہڑتال یا کمیونٹ یوم نہیں کہلائے گا۔

جو مزدوروں کی انجمن تاریخی یوم مٹی کو منظم کرینوال انجمنوں میں تھی، آج کل کو اسی کے رہنماؤں نے مزدور طبقہ کو بھلا دے میں ڈالنے کی کوشش کی۔

مزدور طبقہ کی بیداری کی گہرائی میں یوم مٹی نے ایک دائمی مقام بنالیا ہے۔ اس بات سے ہٹ کر بھی واقف تھے اس لئے ۱۹۳۲ء میں اس نے یوم مٹی کو قومی یوم مزدور اور چھٹی کا دن قرار دے کر شیطانی رجحانات کا ثبوت دیا۔ ہزاروں قیدیوں سے آراستہ برلن کے ہوائی اڈے میں ایک لاکھ مزدوروں کے جلسے میں آئٹرن نے اپنا تقریر میں کہا کہ جرمن مزدوروں کے سماج میں صدیوں تک یوم مٹی منایا جائے گا۔ یہ شیطانیت سے برا وعدہ کبھی بھی پورا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے اگلے دن ہی سارے ملک کے مزدور رہنماؤں کی گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا اور ان کی اہلک کو ضبط کر لیا گیا۔

شہنشاہی اردوایت : پچھلے ایک سو برسوں کے دوران ساری دنیا کی مزدور تحریک نے سرمایہ دارانہ نظام شہنشاہیت اور فسطائیت کے خلاف جدوجہد میں اور قومی آزادی کی تحریک میں بہترے ہمت افزا واقعات اور تجربوں کے ذریعہ یوم مٹی کی جدوجہد کی شاندار روایت قائم کی ہے۔ اسی کے نتیجے کے طور پر ہر سال یوم مٹی کے موقع پر مزدور طبقہ کے دل و دماغ میں نئی امید کی روشنی دکھائی دیتی ہے، نئی شکائت ابھرتی ہیں اور نئی لگن پیدا ہوتی ہے۔

خاص خاص تاریخی موقعوں پر اس کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً خانہ جنگی اسے پہلے اسپین کے دارالسلطنت میڈرڈ کی سڑکوں پر ۱۹۳۶ء کے یوم مٹی کے موقع پر بڑا بھاری جلوس ہیں اسی بات کی یاد دلاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے آخری دنوں میں ۱۹۴۵ء میں ٹیک یوم مٹی کے قبل شہر فوج کا برلن پر قبضہ کرنے کی کوشش میں وہی احساس و جذبہ منظر ہے۔

۱۹۷۵ء میں دیت نام کی ملکی سبنا بھی یوم ملی کو پیر طوفانی
رفتار سے دشمن سے گھرے سنگین میں داخل ہوئی تھی اور
امریکینوں کے خوفناک قبضہ سے دیت نام کو آزاد کرادیا تھا۔
تمام حکمرانوں کی ساری سازشوں، غوام دشمنی،
پالیسیوں کو چکن چور کرتے ہوئے یوم ملی کی پیش قدمی جاری
ہے۔ یوم ملی انقلاب بیداری کا ایک نہ ختم ہونے والا
سرچشمہ بن چکا ہے۔

ہندوستان کا دین : ۱۹۵۴ء میں بنگال میں
ریلی کی آمد وقت شروع ہوئی۔ اس کے ۸ سال بعد ہی ۱۹۶۲ء کے
مئی کے مہینہ میں ہوا۔ اسٹیشن نے ۱۲۰۰ مزدوروں سے روٹوں
۸ گھنٹے کام کرنے کی مانگ پر ہڑتال کی تھی۔ ان دنوں کے
زبردست انتہا پسند سیاسی معاشی ہفتہ روزہ "نوم پرکاش" (جنگ)
(۲۳ بیکہ ۱۲۶۹) کے شمارہ میں اس ہڑتال
کو رپورٹ بھی تھی۔ افسروں سے کہا گیا تھا کہ وہ مزدوروں کا
"انجینئرنگ کیم" مانگیں سیم دی گئیں تو ریل میں کام کرنے کیلئے
آدمی نہیں ملیں گے۔ ددار کا مائدہ دیا جوشن اس اخبار کے مدیر
تھے اور ایٹور چندر دیتا ساگر کے منصوبے کے تحت یہ اخبار
نکل تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستان کے صنعتی مزدوروں
کی پس پس ہڑتال تھا اور آٹھ گھنٹے کی مانگ سے یہ عہد دنیا کا دوسرا
ہڑتال تھا۔

بنگال کے مزدور طبقہ کے یہ شاندار کارنامے آج
بھی ہندوستان کے لئے باعث فخر ہیں۔ مختلف ملکوں میں مزدور
تحریک جو حمایت نام کر رہی ہے اس میں ہمارے ملک کی دین
قابل ذکر ہے۔

ہندوستان میں یوم ملی : ہندوستان کی
سرمین پر پہلی بار یوم ملی ۱۹۶۲ء میں دراسا کے ساحل پر
مزدور ہڑتال نگار انجیلو چناری کی صدارت میں منائی گئی۔ اس
تقریب میں دنیا کے مزدور طبقہ کے اسی مشترک دن کو سرکاری
جٹی کا دن قرار دینے کی سرکار سے گزارش کی گئی۔ یہاں ایک

بات قابل ذکر ہے کہ اس تقریب میں آس پاس سرخ جھنڈا نہ ہونے
کی وجہ سے کمر پٹ چناری نے اپنی بیٹی کی سرخ خدی پہن کر
اپنے گھر پر سرخ جھنڈا لہرایا تھا۔ یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ
۱۹۶۲ء کے کانپور پولیٹیکو سلاش مندے کے آپ خاص ملزم
تھے۔

۱۹۲۵ء میں یوم ملی کے موقع پر دی ہزار عورتیں
مرد اور بچے جلوس نکال کر لندن کے ہائیڈ پارک میں جمع ہوئے
تھے۔ ہندوستان کو آزاد کرو نہیں تو ہماری جگہ آجائے۔ یہ
نعرہ لگا ہوا جھنڈا لے کر ایشیائی لوگوں کا ایک جمہور ہوا
تھا۔ ۱۹۲۶ء کے یوم ملی میں اسی ہائیڈ پارک میں ہندوستان
جہاز یونین کے نمائندے شامل ہوئے تھے۔

۱۹۲۶ء میں یوم ملی کے جلوس میں میونسپلٹی کے
مزدور بھی شامل ہوئے تھے اور ان کے سامنے تھے مزدور لیڈران
این۔ ایم۔ جوشی، ایس۔ ایس۔ میر جیکو، ایس۔ بی۔ گھٹے وغیرہ۔
اس کے علاوہ پشاور سازش کیس، کیونٹ سازش کیس
اور میرٹھ سازش کیس کے خاص ملزم میر عبدالحید کی رہنمائی
میں اسی سال تانگے والوں نے لاہور میں پوسٹروں اور سرخ
جھنڈوں کے ساتھ یوم ملی منایا تھا۔

۱۹۲۷ء میں کل ہند ٹریڈ یونین کانگریس کے اعلان
پر کلکتہ، الہی، مدراس وغیرہ شہروں میں بڑے ترک و احتشام
کے ساتھ یوم ملی منایا گیا۔ اس سال کا یوم ملی صرف جدوجہد
ہی میں نہیں بلکہ ثقافت کے میدان میں بھی آہٹا نشان چھوڑ گیا۔
بنگلہ ہفتہ وار گزائی کے مئی کے شمارے میں مزدور طبقہ کے
بین الاقوامی ترانے کا بنگلہ ترجمہ کر کے انقلابی شاعر قاضی
نذیر اسلام نے "انٹرنیشنل سنگیت" کے نام سے سر کے
ساتھ شائع کروایا۔ اتنا ہی نہیں "گزائی" کے اسی شمارہ میں
انہوں نے ایک اور ترانہ "ارکوتیا کارگان" (خون آلود پرچم کا
گیت) لکھا۔

لہراؤ لہراؤ، لال پرچم : ارٹو، ارٹو، غننا لودن شان
لہراؤ، لہراؤ، لال پرچم : ہسراؤ، لہراؤ، لال پرچم

اس طرح جدوجہد کے ساتھ ثقافت کی آمیزش سے بنگال کی مزدور تحریک کو ایک نیا راستہ ملا۔

اس کے بعد سے ہر سال بے شمار کاوٹوں، ڈنکائیوں اور ہڑتالوں کی پروا کئے بغیر یوم مٹی منایا جاتا ہے لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد ۱۹۴۶ء کو یوم مٹی کا ایک یادگار واقعہ پیش آیا۔ انقلابی نوجوان شاہ عسکرتو بھٹا چاریہ نے 'پونکھ مٹی' (یکم مٹی) ۱۹۴۶ء نامی نظم لکھی۔ اس میں مظلوم انسانوں سے کہا گیا کہ:

سرخ آگ پھیل چکی ہے اس اور سے اس اور تک
کئے کئی سہی زندگیاں مگر ارنے سے کیا حاصل

کب تک بھلائے رکھو گے پیٹ کی بھوک اور نگہ کی زنجیر
کب تک ہلاتے رہو گے دم
اس سے بہتر ہے کہ اس کی وفاداری سے انکار کرو
غلامی کا نامنتظوری

زنجیر کے داغ کو چھپاتے ہوئے آگ آئیں گے
شیر بر کا یاں ہر ایک کی گردن پر

اسی سال کلکتہ میدان کے عظیم انشان یوم مٹی کے اجتماع میں مشہور برٹش کمیونسٹ رہنما جینی پام دت نے تقریر کی تھی۔ سارا مجمع بین الاقوامی بیداری سے سرشار ہوا اٹھ اٹھا۔
مستند ۵: محاذ حکومت کا دور: ۱۹۶۷ء میں

مغربی بنگال میں متحدہ محاذ حکومت کے اقتدار میں آنے سے قبل ذکر باتیں رونق ہوئیں۔ اسی وقت سے مغربی بنگال کے سبھی سرکاری اور غیر سرکاری تنظیموں اور صنعتوں میں سرکاری طرز پر یوم مٹی کو بھی کا دن تسلیم کیا جا رہا ہے۔

ایمر جینی اور دہشت: ۱۹۷۲ء سے مغربی بنگال میں بارے پانے پر دہشت کا راج شروع ہوا تھا۔ مزدور طبقہ

کا ٹکڑی سرکار اور مائیکو کا مشترکہ حملہ ہونے لگا تھا۔ اسی ماحول میں ۱۹۷۲ء میں سارے ہندستان کے ریلوے مزدوروں کی سب سے طویل اور بڑی ہڑتال ہوئی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ریلوے مزدوروں کی مانگوں میں ۸ گھنٹے کی مانگ بھی شامل تھی۔ ۱۹۶۲ء کے مٹی کے ہیسٹ میں ہڑتال اسٹیشن کے مزدوروں نے بھی ۸ گھنٹے کی مانگ کے لئے ہڑتال کی تھی۔ ۱۹۷۲ء میں سارے ہندستان کے ریل مزدوروں نے دنیا کو بتل دیا کہ ایک سو بارہ برسوں کے بعد بھی ان کی مانگ پوری نہیں ہوئی ہے۔ اس ہڑتال کے وقت سامراجیت کی حمایتی، عوامی حکومت کی مخالف اور مزدوروں کی دشمن سربراہ داری کا صرف بد صورت چہرہ ہی سامنے نہیں آیا بلکہ اس کی بے رحمی اور دہشت پسندی کا ثبوت بھی ملا۔

۱۹۷۵ء میں ایمر جینی نافذ کی گئی جوبس، جلسہ ہڑتال ویزو میٹر قانونی قرار دئے گئے۔ سارے جمہوری اختیارات سلب کر لئے گئے۔ اخباروں میں شائع ہونے سے پہلے مواد حکومت کو دکھا کر شائع کرنے کا قانون (Censorship) لاگو ہو گیا۔ یہاں تک کہ ٹریڈ یونینوں کی چھپی رپورٹ اور ریپورٹ بھی اس کی لپیٹ میں آگئیں۔ دوسری طرف مائیکو کو بے روک ٹوک استعمال کرنے کا حق مل گیا۔ آخر ۱۹۷۷ء میں ایمر جینی کا دور ختم ہو گیا۔

بایاں فحاذ اور مزدور طبقہ: ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں طوائف الملوکی کا خاتمہ کر کے عوام نے بائیں محاذ حکومت کو اقتدار میں لایا۔ مزدوروں، کسانوں اور عام لوگوں نے ٹریڈ یونین اور جمہوری حقوق کو دوبارہ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ریاستی سرکاری ملازمین کو بھی ٹریڈ یونین کا حق ملا۔ مزدور طبقہ کی ہر مناسب جدوجہد کو حکومت کی عملی حمایت ملتی ہے۔

اس کے علاوہ کسانوں کے لئے برگز زمین کا حق دیا گیا غریب کسانوں اور کمیت مزدوروں میں پنپا بیت کے ذریعہ زمین کی بٹائی، مکان کی معافی اور جمہوریت کی تبلیغ وسیع پیمانے پر ہوئی۔ بنگال کے گاؤں گاؤں میں نیا بیداری کی لہر پیدا ہوئی ہے تعلیم کے میدان میں اس حکومت نے نمایاں خدمات انجام

جئے ہیں۔ اور نئے ثانوی درجوں تک کی تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔
 اور کی زبان کا اثر ہو کر علم پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ بلندی
 تعلیم کو وسیع پیمانے پر عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔
 طبکار کے لئے محنت کشاں اور نفع فراہم کیا جاتا ہے۔
 ساری ریاست میں نئے نئے اسکول کھولے جا رہے ہیں۔
 اس سے عوام میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے اور ان پر اس کا
 ایک اچھا اثر پڑ رہا ہے۔

۱۱

مرکزی حکومت کی امتیازات تفریق کے نظریوں
 اور اسے محدود معاشی ذرائع کے باوجود بھی ریاستی حکومت
 صنعتوں کی ترقی کے لئے لگانا کوشش کرتی جا رہی ہے۔ علاوہ
 ان میں اس سلسلے میں دیگر اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں۔ کہنے
 کی مطلق ضرورت نہیں ہے کہ حکومت نے غریبوں پر انحصار
 ٹیکس کا بوجھ لا دینے کا کوشش نہیں کی ہے۔ ان باتوں
 کی وجہ سے بائیں محاذ حکومت کو قائم و دائم رکھنے کا بیدار
 کوششیں مزدوروں، کسانوں اور عوام میں نمایاں ہیں۔
 کلکتہ کے ریاستی و انہورٹ ملازمین اور بجلی کے ملازمین میں بھی
 یہی جذبہ کارفرمانہ آتا ہے۔ عوام میں بھی بلاتاملی اس سیاسی
 بیداری کا اظہار پایا جا رہا ہے۔ برسوں کی بے شمار تکلیفوں
 اور قربانیوں کے بعد بائیں محاذ حکومت وجود میں
 آئی۔ لگاؤں اور شہروں کے بے شمار مزدوروں کی حمایت
 کے زور پر بائیں محاذ حکومت قائم ہے۔

یہاں اب بھی سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ نہیں
 ہوا ہے۔ اس کی نظام کے درمیان اس حکومت کو کام کرنا
 پڑ رہا ہے۔ حکومت نے جو نمایاں قدم اٹھایا ہے اس کا وجہ
 سے ایک طرف جس طرح مظلوم لوگوں کے دلوں میں امید کی
 قدیمیتیں جن اٹھی ہیں تو دوسری طرف اس طرح مفاد پرست
 افراد حکومت پر لگاتار تنقیدیں کرتے رہتے ہیں۔ ریاست کے
 مسائل کے بارے میں اختیار اور تفریق کی باتیں بڑھتی جا رہی
 ہیں۔ سرمایہ داروں کے حایوں کے درمیان طبقاتی جدوجہد
 کی روشنی میں مرکز اور ریاست کے درمیان تعلقات نئے طور سے زیادہ

ہی پڑ معنی بنتے جا رہے ہیں۔ یعنی ایک پہ چہ صورت حال
 اختیار کر رہے ہیں۔ بیدار و متحد مزدور طبقہ کو آگے چل
 کر اس کا مقابلہ کرنا ہو گا۔

تانا شاہی اور سرمایہ دارانہ نظام کے استحصال
 کے خاتمہ مزدور طبقہ کے ہاتھوں ریاستی اقتدار کی منتقلی اور
 اشتراکیتی نظام کے قیام کے بغیر مزدور طبقہ اور انسانی سماج
 کا بقا ممکن نہیں ہے۔ مزدور تحریک کی اس بیداری کو فروغ
 رفتہ مزید ٹھوس اور واضح شکل دینے کی ضرورت ہے۔

جنگ عظیم کا فوری خلافت : سرمایہ دارانہ
 غلامی کی زنجیر سے نجات اور اشتراکیت کے قیام کے لئے دنیا کی
 مزدور تحریک نے جو ان تک جدوجہد شروع کی اسی کے نتیجے
 میں آج دنیا کے ایک تہائی سے زیادہ حصہ کے لوگ سرمایہ دارانہ
 ظلم سے چھٹکارا پا کر اشتراکیتی نظام میں زندگی گزار رہے ہیں۔
 بھوک، غریبی، بے کاری، انا تو اندکی دینے ہمیشہ کے لئے مٹا دی
 گئی ہے لیکن ساری دنیا کو ابھی تک تانا شاہی اور سرمایہ دارانہ
 نظام سے آزاد نہیں کیا جاسکا ہے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب تک سرمایہ دارانہ
 نظام قائم رہے گا اس وقت تک اشتراکیت کے لئے مزدور
 طبقہ کا جدوجہد جاری رہے گا۔ آج جب اشتراکیت کو مٹا
 دینے کے لئے امریکی سرمایہ داری عالمگیر پیمانے پر جنگ
 عظیم کی تیاری کر رہی ہے، انسانی سماج اور تہذیب کو بربادی
 کی طرف لے جا رہا ہے تو ایسی صورت حال میں بیداری اور
 متحد مزدور طبقہ کبھی بھی خاموشی کا شائق کارول ادا نہیں
 کر سکتا ہے۔ اس لئے عالمی امن کی بجائی کے سلسلہ میں اعلیٰ
 پیمانے پر جدوجہد کرنا ساری دنیا کے مزدور طبقہ کے لئے ایک
 بہت اہم فرم بن چکا ہے۔ اسی فوری مقصد کے پیش نظر ہی
 دنیا کے مزدور ایک ہوجاؤ، کانفرنس آج بے شمار جلسوں اور
 شاندار پیش قدمیوں میں ساری دنیا کے مزدوروں لوگوں کی زبان
 سے بلند ہو رہا ہے ۛۛۛ

ہزاروں سال ہیں گئے ہوئے دنیا کے دامن میں،
 اسی میں ایک ستارہ سوچا اسی کا سال آیا!
 مٹی کا پہلا سورج جگمگایا تھا شمس کا گو میں
 عجیب دن تھا!
 یہ دن تھا کامگاروں کا،
 یہ دن تھا دل فگاروں کا،
 یہ دن تھا اہل ثروت کی رعونت کا!

قطار اندر قطار آئے دریدہ دامنوں والے،
 سفید ان کے تھے جھنڈے،
 اک تہا تھی نگاہوں میں
 "انہیں جیسے کا حق مل جائے،
 کبھی تو خاک کر لیں وہ،
 کبھی تو اتنی فرصت ہو کر نیچے گود میں آئیں،
 ہنسیں کھیلیں اور اٹھ لائیں!
 غلامی کے ذرا اوقات کم ہوں،
 صورت محنت سنور جائے۔"

یہی نعرے لبوں پر تھے!
 یہاں ایک اہل ثروت کی پوس کے رافضی گونجے،
 معاً محنت کشوں کے سینوں پر نقش و نگیں ابھریں،
 شفق گوں ہو گئے دامن!

لبو داکیں
 لبو بامیں
 لبو ہر سو
 لبو سے ہوئی شہر شاہ گوی زمیں رہیں!
 وہ بیٹے تھے، وہ بھائی تھے، وہ شوہر تھے!
 لبو سے سرخ رو ہو کر
 لبو سے باوجود ہو کر
 وہ مگرتے جا رہے تھے، بڑھتے چلتے تھے!
 خاک اک جیا لے نے

اتھا یا اپنا پرچم،
 اور سفید وئی کے لبو سے اس کو رنگ ڈالا،
 اسی دن شرف جھنڈے نے حیات جلودن پائی،
 سلام اے پرچمِ احمر!!!

امریکین

ولی رضوی



یوم ممیٰ

صد قندیلوں کی روشنی میں

از: بھبتوش رائے

ہندوستان میں برطانوی دور حکومت میں ساجی

مبادیات کی متقاضی جو خود مصدقہ ہندی ہوئی اس میں بیہوشی، مدراس اور کلکتہ میں قدرتی بندرگاہ ہونے کی وجہ سے جمہوریت اور مدراس اور کلکتہ شہر آباد ہوئے اور ان تینوں شہروں کے نواحی علاقوں میں صنعتی پیشیاں پھیل گئیں۔ بنگال میں پٹ سن کی وجہ سے جوٹ سلیس کھپیں۔ جائے باغات وجود میں آئے، کوٹے اور ابرق کی کابینہ کو بچ نکال گئیں، سول سلیس بنیں اور ریلوے کے نظام نے تمام صنعتی پیداوار کو ایک نظام کے تحت پہنچانے میں کلیدی رول ادا کیا۔ سمندری جہازوں کے ذریعہ برطانوی حکومت نے ہندوستان اور انگلستان کے مابین تجارت میں اضافہ کیا لیکن دونوں طرف کی تجارت کا فائدہ انگریز تاجروں کو ہی زیادہ ہوا کرتا تھا جس کی وجہ سے بنگال میں اجرت کی سطح ہمیشہ کم رکھی گئی اور اسی چیز نے مزدوروں کو ٹریڈ یونین قریب تک طرف مائل کیا۔

برطانوی دور حکومت میں مزدوروں کے کام کے گھٹنے یکساں نہیں تھے۔ نہ پراویڈنٹ فنڈ یا گریجویٹ کا انتظام تھا۔

کی ادائیگی بھی برطانوی دور کے آخری زمانے میں کی جانے لگی جس کے لئے کافی تحریکیں چلیں۔ کام کے دوران زخمی ہو جانے یا موت کا شکار ہو جانے پر کوئی معاوضہ نہیں ملتا تھا۔ بیماری کی جیٹی نہیں تھی اور ملازمت کی سہولت کے نام پر کوئی چیز نہیں تھی مزدوروں کے رہائشی حالات غیر انسانی تھے جو اب تک ہیں۔ یہ حیثیت غیر عادی ان کی زندگی بہت کرب ناک اور مصیبت زدہ تھی۔

۱۹۲۶ء میں انڈین ٹریڈ یونین ایکٹ پاس ہوا اور مزدوروں کی تنظیم بنانے کا حق قانوناً تسلیم کر لیا گیا لیکن عملاً کارخانے دار یونین بنانے پر بہت ناراض ہوئے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ مزدوران کے کارخانے میں یونین میں منظم ہوں۔ بنگال کی جیل صنعت میں صنعت گیر یونین جیل مزدور یونین کا جنم ۱۹۳۷ء کی ہڑتال کے اندر سے ہوا۔ یونین بنانے کے جرم میں ان گنت مزدوروں کو اپنی روزی سے محروم ہونا پڑا اس کے باوجود ٹریڈ یونین تحریک آگے بڑھتی گئی۔

۱۹۴۷ء میں ملک کو مسیحہ سماج آزادی حاصل ہوئی اور

انگریزی دور حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۹۴۸ء میں صنعتی تنازعات ایکٹ اور فیکٹری ایکٹ جیسے قوانین بنے جن کے لئے ٹریڈ یونین غریب بہت سرگرداں تھی۔ ان قوانین میں مزدوروں کے چند حقوق تسلیم کئے گئے۔ کارخانوں کی انگریزی ملکیت تیزی سے ہندوستانی ملکیت میں تبدیل ہونے لگی جس کے ساتھ ہی مزدوروں کے کام کے حالات بہتر ہونے لگے۔ استحصال کی شرح میں روز افزوں اضافہ ہونے لگا۔

بنیادی اصلاحات آراضیات نہ ہونے کی وجہ سے پورے ملک میں غریب اور درمیانی کلاؤں کی حالت بگڑتی گئی۔ کھیت مزدوروں اور بٹائی داروں کی تنگ دستی انہیں شہروں کی طرف ڈھکیٹے لگی اور دیہاتوں میں بسنے والے ۷۰ فیصد لوگوں کی قوت خرید میں برائے نام بھی اضافہ نہ ہونے کی وجہ سے ملک کی صنعت بندی کو زبردست نقصان پہنچا۔ نئے کل کارخانے بہت کم بنائے گئے۔ خاص کر مغربی بنگال میں ۱۹۵۶ء کے بعد کوئی ایک جدید کارخانہ نہیں بنا۔

ان حالات کے تحت مغربی بنگال کے مزدور اور کسان اپنے حقوق اور جمہوری مطالبات کے لئے لڑتے رہے۔ ان تحریکوں کی ہی دین ہے کہ ۱۹۶۷ء میں اس ریاست میں ایک سیاسی تبدیلی آئی۔

اس کے بعد کے دس سال کا دور نہایت نشیب و فراز کا دور تھا لیکن اس ریاست کے عوام کی سیاسی بیداری میں اضافہ ہوتا گیا اور ۱۹۷۷ء میں مضبوط بنیادوں پر پھر بائیں محاذ کی وزارت بن گئی۔ ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

بائیں محاذ نے اپنے انتخابی منشور میں ریاست کے عوام کو سبز باغ نہیں دکھایا تھا بلکہ موجودہ تاریخی حالات اور محدود اختیارات کے تحت عوام کو جس حد تک راحت پہنچائی جاسکتی ہے ۳۶ نکاتی منشور میں اسی کا وعدہ کیا اور باغ سال کے اندر ان وعدوں کو پورا کر دکھایا۔ جوش و خروش کے ساتھ سنجیدگی میں بھی اضافہ ہوا۔ زندگی نے ایک نئے تجربے کا موقع فراہم کیا۔

اس منشور میں مزدوروں کے لئے مکمل ٹریڈ یونین حق کی ضمانت دینے کا وعدہ تھا۔ یہ وعدہ بھی پورا کر دیا گیا۔ مزدوروں اور باغیچوں سرکاری ملازمین کے لئے جو ضرورتیں تو انہیں تھے انہیں بدل دیا گیا اور تمام صنعتوں میں مزدوروں نے ہڑتالوں کے ذریعے اور کہیں کہیں بغیر ہڑتالوں کے اپنی تنخواہ مہنگائی بھتہ اور مکان کے کرایہ میں اضافہ کرنے پر کارخانہ داروں کو مجبور کیا۔ مزدوروں کی جائز تحریک کو بائیں محاذ حکومت کی ناپید مٹی رہے۔ بائیاں محاذ یہ جانتا ہے کہ نوے فیصد ووٹ دینے والے غریب اور درمیانی طبقے کے لوگ ہیں۔ انہیں متحد کئے بغیر سماجی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی چنانچہ ان کے مفادات کی حفاظت کی جائے تو اس کام میں مدد ملے گی اور سماجی تبدیلی کے اس عمل میں ہر موڑ پر ان کی حمایت بھی برقرار رہے گی۔ اسی نقطہ نگاہ کے تحت مزدور پالیسی مرتب کی گئی تھی۔

محاذی دور حکومت میں کسی کارخانے یا صنعت میں ہڑتال ہونے کی صورت میں ٹریڈ یونین لیڈروں کو گرفتار کرنا تو دور کی بات ہے کارخانے کے گیٹ پر پولس جاتی ہیں نہیں ہے۔ محاذی حکومت کی اس پالیسی نے مزدوروں کو بہت کچھ سمجھا دیا۔ ۱۹۸۲ء کے الیکشن میں بائیاں محاذ دوبارہ کامیاب ہوا اور دوسرے دور کی حکومت کا یہ آخری سال ہے۔ ان ۹ برسوں میں پورے ہندوستان کا معاشی بحران بہت بڑھ گیا ہے جس سے مغربی بنگال بھی باہر نہیں ہے۔ اس بحران کی بہت سی فوٹنگ

علامتیں صاف دیکھی جا رہی ہیں۔ یعنی بے کاری میں بے پناہ اضافہ اور فرو ریات زندگی کی قیمتوں میں تیز رفتار چڑھاؤ۔ مغربی بنگال کا محنت کش طبقہ اس کے خلاف مسلسل جدوجہد کر رہا ہے جلسہ جلوس، احتجاج، اجتماع، ہڑتال اور بند کا سلسلہ جاری ہے۔ اس معاملے میں یہ ریاست ملک میں سب سے آگے ہے۔ بیکاری اور مہنگائی دونوں مسئلے جڑواں ہیں اور سرکاریہ دارانہ نظام زندگی کے ساتھ ان کا جوں دامن کا تعلق ہوتا ہے۔ ریاستی حکومت کی پالیسی کے دائرے میں یہ مسائل نہیں آتے اس لئے ماہرین اقتصادیا نے ان مسائل کے لئے ریاستی حکومت کو قہور وار نہیں ٹھہرایا بلکہ

لکھ ۱ سے مرکزی حکومت کی پالیسی سے منسوب کیا ہے۔ ریاستی حکومت نے ان مسائل کو جنم دیتی ہے اور نہ انہیں حل کر سکتی ہے۔
 بائیں محاذ حکومت نے چھوٹی چھوٹی صنعتوں کا جال پھیلا
 وکسی لاکھ مزدوروں کی روزی کاسالان جیا کیا ہے جس کی وجہ سے
 مسکے کی سنگینی میں کچھ راحت پہونچی ہے۔ اسی طرح ۲۴ لاکھ
 بیگھا زمین پر قبضہ کر کے اسے بے زمین کسانوں میں مفت تقسیم
 کر کے ملک میں اولین مقام حاصل کر لیا ہے جس سے اناج کی پیداوار
 میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

۱۹۸۴ میں چٹیل کے مزدوروں نے ۸۴ دنوں کے لئے
 جوہر ٹیل کی تھیں اس کی وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے کھنکھن کر حمایت کی تھی
 اور ٹریڈ یونین مسبروں کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اس ہڑتال کی کامیابی
 اور مطالبات کے تصفیے میں بائیں محاذ حکومت نے ایک فیصلہ کن
 کردار ادا کیا تھا۔ یہ ہڑتال بڑے صبر آزار حالات میں ہوتی تھی اور
 اگر بائیں محاذ کی حکومت مغربی بنگال میں نہ ہوتی تو ہڑتال کی کامیابی
 مشکوک تھی۔ تنخواہ مہنگائی بھڑکانے کے کرایے میں اضافہ کئے
 جانے کے علاوہ گریڈ سکیل کا نفاذ عمل میں آیا جو ایک نمایاں کامیابی
 ہے۔

بائیں محاذ کی حکومت مغربی بنگال کے مزدور طبقے
 کے بنیادی مسائل حل نہیں کر سکتی کیوں کہ ان مسائل کا تعلق
 بنیادی سماجی تبدیلی سے ہے۔ ہندستان میں سرمایہ داری کی
 تعمیر ہو رہی ہے اور ملک کو ارتقار کے سرمایہ دارانہ راستے پر
 چلا یا جا رہا ہے۔ بائیں محاذ کا کہنا یہ ہے کہ یہ راستہ عوام کے
 مفاد کی حفاظت کی طرف نہیں لے جائے گا بلکہ مسائل میں روز
 افزوں اضافے کی طرف لے جائے گا۔ اس لئے اس راستے کو
 ترک کر کے ایک ایسے راستے پر قدم رکھنا ہوگا جو ملکی اور غیر ملکی
 کثیر الاقوام کارپوریشنوں کی معاشی لوٹ سے ملک کو نجات
 دلا کر بنیادی اصلاحات آراہنی کی بدولت اسے اپنے پاؤں
 پر کھڑے کرنے کی طرف لے جائے۔

ملک کے عوام کی اکثریت کی کچھ میں اب تک یہ بات
 نہیں آئی ہے۔ باباں محاذ ان حالات میں بہت سوچ سمجھ کر

ریاستی حکومت کی قیادت کر رہا ہے اور محاذی حکومت مغربی
 بنگال کے معاشی میدان میں نئی اسکیموں کے ذریعہ مزدوروں کا
 کسانوں کو جس قدر ممکن ہو سکے راحت پہونچانے کے ساتھ غریب
 عوام کے اتحاد پر غیر معمولی زور ڈال رہی ہے۔

یہ بات محض اتفاقی نہیں ہے کہ جب پنجاب سے
 آسام تک فرقہ پرست ملیحدگی پسند طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں
 ان حالات میں بھی مغربی بنگال میں بسنے اور کام کرنے والے ان مزدوروں
 کو کوئی آنکھ نہیں دکھا سکتا جو بنگالی نہیں ہیں اور جن کی تعداد
 ملکی مزدوروں کی تعداد کی ساٹھ فیصد ہے۔ بلاتحیہا زہد،
 زبان، رنگ اور نسل کے باباں محاذ تمام مزدوروں اور محنت کشوں
 کو یکساں عزیز رکھتا ہے اور سب کے لئے پُر امن ماحول میں روزی
 روٹی حاصل کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔

جب مختلف ریاستوں سے فرقہ وارانہ فسادات کی
 رپورٹیں مسلسل آرہی ہیں ان حالات میں مغربی بنگال میں مکمل سکون
 ہے اور فرقہ وارانہ امن کو بھائی چارگی قائم ہے۔ اسلئے اقلیتوں
 کو سکون قلب حاصل ہے۔ مسلمان مزدور رات کو بے فکر ہے سوتے ہیں
 اور اگر کسی مزدور علاقے میں مشرپنڈ عناصر کو کوئی فتنہ انگیزی
 کرتے ہیں تو علاقے کے جمہوریت پسند انضام پسند لوگ بھی
 حرکت میں آتے ہیں اور سرکاری انتظامیہ اور عوام کے چمچے ہر کے
 نمائندے بھی مستعدی سے حالات کو سنبھالتے ہیں۔

ملک کی دیگر ملوں کی طرح مغربی بنگال میں بھی کچھ
 کارخانے بند ہیں جن سے لاکھوں مزدور پریشان ہیں۔ بائیں محاذ
 کی حکومت بار بار مرکزی حکومت سے مطالبہ کر رہی ہے کہ ان
 کارخانوں کو سرکاری انتظام میں لے لیا جائے اور چٹیل صنعت
 اور سوتی میوں کو تو میا میا جائے۔ اس مطالبے پر بنگال کی پوری ٹریڈ
 یونین تحریک کو فعال ہونا پڑے گا۔ محاذی حکومت ایسی ہر
 تحریک کی بھرپور حمایت کرتی ہے اور کرے گی ۱۹۹۵



یوم مئی کی پیکار

از: شکیلہ باسودے



ارنٹ فیئر اپنے معنوں "مارکس" - اپنے الفاظ میں " (پنگوئن، سنہ ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۴۷) میں یوں رقم طراز ہیں،
 "برٹش ٹریڈ یونین تحریک کی ابتداء ۱۸ویں صدی میں ہوئی اور اسی وقت سے اجرتوں اور کام کرنے کے حالات کی بابت قوانین کو رد کر دینے کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ سنہ ۱۷۹۹ء سے لیکر ۱۸۲۲ء تک ٹریڈ یونینز پر پابندی عائد کر دی گئی، لیکن اس کے بعد کے عرصہ سے ٹریڈ یونین تیزی سے ترقی کرنے لگی۔"
 (سلا ٹریڈ یونین کانگریس سنہ ۱۸۶۹ء)
 سنہ ۱۸۴۸ء کے کمیونٹ منسٹر کے بعد ۲۸ ستمبر ۱۸۶۳ء میں محنت کشوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن میں مارکس کا افتتاحی خطاب ہے۔ یہی اسی بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ مارکس اور اینجلز نے سماجی ترقی کے لئے سائنسی نظریہ کیا بنیاد پر بین الاقوامی مزدور تحریک کے تصور کو اجاگر کیا تھا۔
 (پنگوئن، سنہ ۱۹۸۱ء، صفحہ ۱۴۷)
 مارکس نے کام کے دن کے مختصر اوقات کے لئے محنت کشوں کی جدوجہد کو کافی اہمیت دی۔ اپنے امتحان فیصلے میں انہوں نے کہا،
 "کام کرنے کے اوقات کو قانونی طور پر محدود بنادینے کی بابت اس جدوجہد نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ سرمایہ دارانہ

جیسے یوم مئی سنہ ۱۹۸۶ء ہے۔ ایک صدی ختم ہو گئی۔ محنت کش طبقہ یوم مئی کی دوسری دہائی میں قدم رکھنے والا ہے۔ گزر جانے والی صدی نے سرمایہ دارانہ دنیا میں بہت ساری بنیادی تبدیلیاں دیکھیں۔

یوم مئی تحریک ۸ گھنٹہ کام کے دن کی تحریک تھی۔ سرمایہ دارانہ نظام کے اوائل و درمیان کام کرنے کے اوقات معقول نہ تھے۔ مزدوروں، جن میں عورت اور بچے مزدور شامل تھے، کو دن میں مکمل ۱۸، ۱۶ اور ۲۰ گھنٹوں تک کام کرنا پڑتا تھا، اس وقت کے تمام سرمایہ دارانہ ملکوں میں یہ سرمایہ دارانہ نظام رائج تھا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غریب محنت کشوں کے خون سے سرمایہ داری کی پرورش ہوئی۔

برسوں گزر گئے۔ مزدوروں میں بیداری پیدا ہونے لگی۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ کام کرنے کے دن مختصر ہونے چاہئیں اور اجرتیں زیادہ ہونی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں یہاں محنت کشوں کا شاندار طبقاتی جدوجہد "چارلسٹ تحریک" (۱۸۳۲-۳۸ء) کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس تحریک کو برطانیہ نے مستعظم کیا تھا۔ یہ تحریک کمیونٹ منسٹر کے ظہور سے قبل شروع ہوئی تھی۔ تاریخ میں پہلی بار اس کمیونٹ منسٹر میں اسی پکار کو "دنیا کے مزدور ایک ہو" درج کیا گیا۔

مصلح کو خوف و ہراس لاحق ہو گیا۔ جو شاید اس نے سچائی اور مانگ کے اندر سے قوانینِ امن کا دھج سے متوسط طبقہ کی سیاسی معیشت کی تشکیل ہوتی ہے اور معاشی دورانیہ کی زیرِ انتظام سماجی پیداوار جو محنت کش طبقہ کی سیاسی معیشت کی تشکیل کرتی ہے۔ اس کے درمیان عظیم مسابقت کو اجاگر کیا۔ اس لئے دس گھنٹے کا دن نہ صرف ایک عظیم سیاسی کامیابی تھی بلکہ یہ تو اصول کی منہج تھی۔ مارکس نے پہلی بار بالکل عیاں طور پر محنت کش طبقہ کی سیاسی معیشت کے سامنے متوسط درجہ کی سیاسی معیشت نے گھنٹے نمک دئے

یہیں ہم سرمایہ دار طبقہ کو دیکھ سکتے ہیں۔ دو سال بعد یعنی ۱۸۶۶ء میں انٹرنیشنل کے صیواکامنگس میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کا مطالبہ کیا گیا اور ٹریڈ یونینوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ تو سرمایہ کی مرکز سماجی طاقت کا مقابلہ کرنے کے ذرائع ہیں۔ اس طرح پہلے انٹرنیشنل نے ۱۸۶۶ء میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کی بیکاری۔ اس کے بعد محنت کش طبقہ کی غریبیں بھی بڑھتی اور بھیسلی جا رہی تھیں۔ مارکس نے محنت کش طبقہ کی غریب میں مختلف رجحانات کو دیکھتے ہوئے مزدوروں کو اس بات سے خبردار کیا کہ محنت کش کے عام جذبات اور رجحانات ان حالات سے جن سے وہ سب دوچار ہیں سے روٹنا ہوتے ہیں۔ یہ بات اس طبقہ کے لئے عام ہے اور مختلف شکلوں میں رد و نما ہونے والی غریبیں اس بات کی عکاسی کرتی ہیں۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ پسند انٹرنیشنل ہی تھا جس نے ۱۸۶۶ء میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے آواز اٹھائی۔ اس کے بعد سے محنت کش طبقہ کی غریب میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ مارکس نے محنت کش طبقہ کی غریب کے اندر مختلف رجحانات کی بابت جن سے اس طبقہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے محنت کشوں کو ہوشیار کرتے ہوئے کہا کہ محنت کش طبقہ کا عام حواشات اور رجحانات تو ان حالات سے جن میں یہ طبقہ خود کو سمجھتا ہے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ بات تمام طبقوں کے لئے عام

ہے اور اس طبقہ کی غریب، بہت ہی مختلف شکلوں میں اس کی عکاسی کرتی ہے۔ ہادی آنکھوں کے سامنے جاری طبقاتی جدوجہد کی گہرائیوں کو سمجھنے والے یعنی کمونسٹ نظم و نسق کی ایسی عقلی شاید ہی کر سکیں۔ (پال لوزگو کو ملر کس کا خط ۱۸ مارچ ۱۸۸۵ء)

(۲)

کام کے دن کسے کہتے ہیں؟ محنت کش طبقہ کی غریب سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ جیسے کہ انجمن نے اپنے سفر ہسٹری کی بابت کارل مارکس کے خیالات میں کہا:۔ کام کرنے کے وقت کو جہاں مزدور اپنی محنت، طاقت کی قدر کو از سر نو پیدا کرتا ہے اے سرمایہ کار نے 'غزوری محنت' کہا ہے۔ اس کے بعد کام کے جانے کے وقت کو اور جس دوران فاضل قدریں تیار کی جاتی ہیں، انہوں نے فاضل محنت کہا ہے۔ غزوری محنت اور فاضل محنت دونوں ہی کام کے دن کی تشکیل کرتے ہیں۔ کام کرنے کے دن میں غزوری محنت کے لئے جتنے وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ دے دیا جاتا ہے۔ لیکن فاضل محنت کتنے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اسے کسی بھی معاشی قانون کے تحت اجاگر نہیں کیا گیا ہے۔ یہ ایک محدود اثر کے اندر رہا ہو سکتا ہے اور مشرعی، لیکن یہ کبھی بھی صفر کے برابر نہیں ہوتا۔ چیزوں کے بنادے کے قوانین کا مطالبہ یہ ہے کہ کام کرنے کے دن کی لمبائی کسی بھی حالت میں مزدور کی حسب معمول فرسودگی کے لئے ناموافق نہیں ہوتی ہے۔ لیکن حسب معمولی فرسودگی کیا ہے؟ روزانہ کتنے گھنٹے کی محنت سے اس کی مناسبت ہے؟ یہاں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے خیالات میں بہت فرق ہے۔ چونکہ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے کوئی اعلیٰ حاکم نہیں ہے اس لئے یہ سوال طاقت سے حل کیا جاتا ہے۔ کام کرنے کے دن کی لمبائی تعین کرنے کی تاریخ اجتماعی سرمایہ داروں اور اجتماعی مزدوروں کے درمیان کام کرنے کے دن کی حد کی بابت جدوجہد کا تاریخ ہے۔

سرمایہ نے فاضل محنت ایجاد نہیں کی۔ جب بھی سماج کا ایک طبقہ پیداوار کے ذرائع پر بلا شرکت غیرے اجارہ دار ہو جاتا ہے، وہاں مزدور۔ غلام یا آزاد کو اپنے بسر ادقات کے لئے حسب ضرورت محنت کے ساتھ ساتھ اپنی

محنت میں اضافہ کرنا پڑتا ہے تاکہ بسر اوقات کے مزید ذرائع پیدا کئے جاسکیں اور مزدور کی یہ دونوں محنت ایک دوسٹر میں گھل مل جاتی ہے۔

پیداوار کے طریقہ کار اور جدید ترین ٹیکنالوجی کا کام کرنے کے دن کے سوال پر براہ راست تعلق ہے۔ وہ کہتے ہیں: "پیسے تو قانون کا پہلا مقصد ہے کہ مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ عرصہ تک کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ مزدوروں کے پیسے قانون (۱۹۲۳ء اور ڈسٹرکٹ ۱۹۳۹ء) سے لے کر انکار ہوئے صدی تک حکمران طبقے مزدوروں کی محنت، جہاں تک ہو سکے، حاصل کرنے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن بجاب اور جدید مشینوں کے رائج ہونے کے ساتھ ساتھ صورت حال بالکل مختلف یا برعکس ہو گئی۔ عورت مزدوروں اور بچہ مزدوروں کی اتنی تیزی سے کام کا ج فراہم کئے گئے کہ اس نے کام کرنے کے اوقات کی تمام حدود کو توڑ کر رکھ دئے۔ اس طرح مزدوروں کو مد سے زیادہ وقت تک کام کو انے کی اسکیم ۱۹۰۱ء میں صدی کے شروع سے ہی رائج ہو گئی اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اور اس بات کے پیش نظر ۱۹۰۳ء میں ہی قانون سازوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ کام کرنے کے اوقات کو محدود بنانے کے لئے قانون نافذ کریں۔

مارکس نے محنت کش طبقہ کی توجہ اپنی طرف مرکوز کرتے ہوئے کہا، "مشینیں اور بجاب براہ راست یا بلا واسطہ مد سے زیادہ کام کراتی ہیں۔ صنعت کی ایسی شاخیں ہیں، جہاں مشینیں استعمال نہیں ہوتیں، مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ وقت تک کام لیتی ہیں، کیوں کہ انہوں نے براہ راست پیداوار کے طریقہ کار کو اپنا لیا تھا۔ کارخانوں میں عورتوں اور بچوں کو بطور مزدور کام کرنے کی اجازت دینے سے مزدور انفرادی طور پر انفرادی مزاحمت کرنے سے محروم ہو جاتے ہیں اور اس طرح اسے اجتماعی مزاحمت کا سہارا لینا پڑتا ہے یعنی طبقہ کے خلاف طبقہ کی، اجتماعی سربراہ داری کے خلاف اجتماعی مزدوروں کی جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔

سربراہ دار مزدور کا استحصال کرتا ہے۔ کام کرنے کے نسبتاً لمبے دن میں اسے کام کرنے پر مجبور کرتا ہے، کارخانوں میں مشینوں میں اس سے مرکوز طور پر کام کراتا ہے۔ نیر غورت اور بچوں کو بھی کام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ پیداوار میں اضافہ بھی ایک اور طریقہ ہے جو محنت کی قدر کو کم کر دیتا ہے اور غوری محنت کی مدت کو مختصر بنا دیتا ہے۔

غوری کام کرنے کے دن کے اوقات میں کمی کرنے کے سلسلے میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے دن کے لئے جدوجہد محنت کش طبقہ کی ایک عام جدوجہد بن چکی تھی، اور جدید ترین ٹیکنالوجی کو رائج کرنے سے ایسی جدوجہد لازمی بن گئی۔

اس کے بعد پریس کمیون میدان عمل میں ظاہر ہوا۔ مارکس نے اس کمیون کے مزدوروں کی پادری ان کی قربانیوں اور پروتہ ریت کی پسلی ڈکٹر شپ کے قبضے کو بلند رکھنے کے لئے ان کے عزم کو سراہا لیکن بہت ساری وجوہ کی بنا پر یہ کمیون زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ یورپ کے برٹش واروں۔ جائیدادوں کے مشترکہ حلقے کے سامنے فرانس کا محنت کش طبقہ آگے بڑھ نہ سکا اور اسے پیچھے رہنا پڑا۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں محنت کش طبقہ کی نجات کے لئے جدوجہد نہیں ختم ہو گئی۔

۱۸۴۳ء میں فرسٹ انٹرنیشنل کو توڑ دیا گیا۔ محنت کش طبقہ کی تحریک کی رفتار وقتی طور پر سست ہو گئی لیکن ۱۸۴۲ء کے دہچکے کے بعد سے یہ تحریک آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی۔ کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کا مطالبہ زور پکارتا ہے۔

۱۸۴۹ء میں انجلیس نے یوں لکھا: "محنت کش طبقہ کی تحریک مستحکم ہوتی جا رہی ہے اور روزمرہ کی سیاست میں پیش پیش رہتی ہے۔ (بین الاقوامی محنت کش طبقہ کی تحریک۔ مسائل تاریخ اور تھیوری، ماسکو ۱۹۶۱ء، صفحہ ۲۰۹)۔ گزشتہ صدی کی ساتویں دہائی کے آخری دور سے سربراہ دارانہ استحصال کے خلاف عوامی ہڑتال جدوجہد ایک طاقتور ہتھیار بن گئی۔ ایسی ہڑتال لمبے عرصہ تک جاری رہیں اور وسیع پیمانہ پر ہوئیں۔

محنت کشوں کی ہڑتال - جدوجہد: ۱۸۴۵ء - ۱۸۹۳ء

سال - مقام - صنعت - ہڑتال کرنے والے مزدوروں کی تعداد - ہڑتال کرنے کی وجہ

۱۸۴۵ء	فال ریور ممالک متحدہ امریکہ	سوتلی کپڑے	۱۵۰۰۰ - ۸ ہفتے	(۱) کم اجرت
" "	پنسلوانیہ	کان	۷ - ۲ ہفتے	(۲) کام کرنے کی اور ہائش کی ناگفتہ بہ حالت
۱۸۴۶ء	لنکاشائر برطانیہ	سوتلی کپڑے	۳۰۰۰۰ - ۱۰ ہفتے	(۳) انتظامیہ اور سرمایہ داروں کا ظلم
۱۸۸۷ء	ڈیلاویئر وائس (فرانس)	کان	۲۰۰۰ - ۵ ہفتے	ہڑتال کرنے والے مزدوروں کے مطالبات
۱۸۸۸ء	برلن	معماری اور برقی گھڑی	۲۵۰۰۰ - ۲ ہفتے	(۱) اعلیٰ اجرت
۱۸۸۹ء	لندن	لوک اور چار سازی (ڈوگر ہجاری اسٹرکچرز)	۶۰۰۰۰ - ۵ ہفتے	(۲) کام کرنے کے ۱۰ گھنٹے کے دن
	جرمنی	کان	۱۵۰۰۰ کان مزدور - ایک ہفتہ سے زیادہ	(۳) بیماری اور معذوری، صحتی، بیمہ
۱۸۹۰ء	فرانس	رویکس سوتلی کپڑے	۲۴۰۰۰ - —	(۴) عورتوں اور بچوں کے روزگار پر پابندی
۱۸۹۱ء	ممبر جرمنی - فرانس	کان - شیشہ سازی	۲۰۰۰۰ کان مزدور - تمام مزدور	(۵) مزدوروں کے تحفظ کے قانونی اقدامات
۱۸۹۲ء	سارا جرمنی	کان	۲۵۰۰۰ - — (کان مزدور)	(۶) صنعتی حادثات کی روک تھام
۱۸۹۳ء	آئینزس - ممالک متحدہ امریکہ	—	—	(۷) جرمانے کے نظام کو ہمیشہ کے لئے اٹھالینا
		—	—	(۸) بہتر رہائشی سہولتیں
۱۸۹۶ء	جرمنی	—	—	—
		—	—	—

ہڑتال کرنے والے مزدوروں کو مایکوں اور حکومت طاقت کے ظالمانہ طریقے سے دبا دیا۔ ۱۸۷۵ء کی پنسلوانیا کان مزدوروں کی ہڑتال کو توڑنے کے لئے مایکوں نے ظلم کے بازو کو گم رکھا۔ ان لوگوں نے چوکسی کے لئے بد معاشوں کو کرایہ پر رکھا اور انہیں ہتھیاروں سے لیس کر دیا اور انہیں اس کارپوریشن کے کوئڈ اور لومہ پولس کے حملہ میں داخل کر دیا۔ یہ ہڈر اور ہسار کان مزدوروں پر راستہ میں حملہ کرتے ان کا اغوا کر لیتے اور انہیں جان سے مار ڈالتے تھے۔ انکے ساتھ ہی سب سے سبائے مقدمے میں ہڑتال کرنے والوں کے ۱۹ سربراہوں کو موت کی سزا ملی اور انہیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

(۴)

پہلی پس منظر تھا۔ ممالک متحدہ امریکہ کے محنت کش طبقہ کی تحریک میں مئی ۱۸۸۶ء ایک سنگ میل ہے۔ یہ عظیم تحریک بہت ہی جلد دنیا کے تمام ملکوں میں سرمایہ کے استحصال کے خلاف مزدوروں کی بین الاقوامی طبقاتی تحریک بن گئی۔ مورخین نے ۱۸۸۶ء کے واقعہ کو یوں درج کیا ہے :

”امریکہ میں نیویارک سے لیکر سان فرانسسکو تک سارے ملک میں مظاہرے کی ایک لہر دوڑ گئی مزدوروں کا اہم مطالبہ کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کا دن تھا۔ اس جدوجہد کا مرکز شکاگو تھا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو عام ہڑتال ہوئی۔ اس ہڑتال کے دن ۴۰۰۰۰ مزدور کام چھوڑ کر سڑکوں پر آ گئے۔ مزدور مشعل اور پر امن تھے۔ ہڑتال اور مظاہرے مزید دو دن تک جاری رہے لیکن سارمئی کو ایک کورنگ نارم شینری پلانٹ میں ہڑتال کرنے والوں اور ہڑتال توڑنے والوں کے درمیان جھڑپ کا بہانہ بنا کر پولس نے مزدوروں پر فائرنگ کر دی جس سے چھ مزدور مارے گئے اور ۵۰ زخمی ہوئے۔

اس کی وجہ سے وسیع پیمانہ پر لوگوں نے احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ امریکی کونسلرل اسکوائر شکاگو میں مزدوروں کا وسیع اجتماع ہوا۔ سازش کرنے والوں کے ایک ایجنٹ نے اس مجمع پر ایک بم پھینک دیا۔ اس کے بعد پولس نے کوئی چلائی شروع کر دی۔

مزدوروں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا، انہیں بری طرح زدو کوب کیا گیا۔ بعد میں آٹھ سربراہوں کو گرفتار کیا گیا۔ ایک دکھاوے کا عدالتی کارروائی کرنے کے بعد عدالت نے سات سربراہوں کو پھانسی دے دی اور ایک کو بیٹھ اور سگریٹ کو ۱۵ سال کی قید کی سزا دی۔ وسیع پیمانہ پر احتجاج کی وجہ سے ایلیگزینڈر کے گورنر لینڈو اور اسکوٹ کی پھانسی کی سزا کی جگہ قید یافتہ کی سزا دی۔ ۱۰ نومبر ۱۸۸۷ء کو لارڈ سنگ نے قید خانہ میں خودکشی کر لی۔ ۱۱ نومبر ۱۸۸۷ء کو البرٹ پارسنس، اگست اسپائس، جارج انجیل، اڈولف فیشر کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ یہاں میں کھانا چاہا ہوں کہ محنت کش طبقہ اسپائس کے آخری الفاظ کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ وہ الفاظ یہ تھے :

”ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب ہماری خاموشی

ہماری آواز سے بھی تیز اور واضح ہو جائے گی۔“

فیصلہ ۱۸۸۶ء اسکوٹ اور بیٹی کو ۱۵ سال کی قید کی سزا دی

گیا۔ بعد میں یہ بات معلوم ہوئی کہ انہیں کسی طرح بھی مجرم ثابت

نہیں کیا جاسکا۔ مئی ۱۸۸۶ء کے بعد کے عرصہ میں ہڑتال کا سلسلہ

بلاؤک ٹوک جاری رہا۔ پروتاریہ استحکام رٹھ اور یقیناً ہی

گیا۔ ۵ ستمبر ۱۸۸۶ء کے درمیان عرصہ میں ۸ گھنٹہ کام کے دن

کے لئے جدوجہد نے عوامی نوعیت اختیار کر لی۔ ممالک متحدہ

امریکہ میں شکاگو، نیویارک، یونیک، ایلسی اور اسٹینسلا کے بڑے

صنعتی مراکز کے مزدوروں نے بڑے عزم اقدامات کئے۔ نیز یونٹن

پٹسبرگ اور شنگلن اور سینٹ لائوس کے مزدوروں نے اپنے

عزم معکم کا اظہار کیا۔

اس دہائی کے آخر میں اور خاص طور پر ۱۸۹۰ء کے

عرصہ میں یورپ میں کام کرنے کے ۸ گھنٹے کا دن مزدوروں کا ایک

اہم مطالبہ بن گیا۔ ۱۸۹۰ء کے ۶ مہینوں میں ہڑتال کی تعداد میں کافی

اضافہ ہوا۔ مزدوروں کے مطالبات میں معاشی اور سیاسی

مطالبات بھی شامل تھے۔ پروتاریہ کے طبقاتی بیداری اور

بہتر تنظیم کے یہ راہ راست نتیجہ بنتے ہیں۔

اس سلسلے میں مزدوروں کے انٹرنیشنل سوشلسٹ

۲۱

انفرنس کی ۴۲ جولائی ۱۸۸۹ء میں پیرس میں ایک نشست ہوئی
 میں میں یورپ امریکہ اور جاپان کے پیش منکوں کے ۳۹۰ نمائندوں نے
 شرکت کی۔ پٹرل ہال کے چاروں نشست منہ ہوئی تھی
 ڈوٹیرم میں دیوار پر ایک بڑے جھنڈے سے تمام منکوں کے مزدور
 بپ ہو کر آویزاں کیا گیا تھا۔ سٹرپال نفری نے اس کانفرنس
 افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے کہا کہ "یورپ
 امریکہ کے نمائندے جو اس ہال میں بیٹھا ہوئے ہیں وہ کسی سرنگی
 دیگر قومی جھنڈے سے تھے متحد نہیں ہوئے ہیں بلکہ وہ سب لالہ برجم
 بین الاقوامی پروتاریہ کے برجم تھے متحد ہوئے ہیں۔ اس کانفرنس میں
 مزدور جو ذیل قراردادوں منظور کی گئیں۔

- ۱۔ قانون کے تحت آٹھ گھنٹے کام کرنے کا دن متاثر کیا جائے
- ۲۔ بچہ مزدور کی ضمانت کر دی جائے
- ۳۔ نوجوانوں اور عورت مزدور پر پابندی عائد کر دی جائے
- ۴۔ رات سکام اور حان جو کم کے کام کے لئے خصوصی قانون مرتب
 کئے جائیں
- ۵۔ قانونی طور پر ہفتہ میں آرام کا دن متاثر کیا جائے
- ۶۔ اجناس یا کارخانوں کے زیر انتظام دکانوں کے کام کے لئے
 اجرت کی ادائیگی کو ممنوع قرار دیا جائے
- ۷۔ کارخانہ انسپکٹر کا ریاستی ادارہ قائم کیا جائے
- ۸۔ مرد اور عورتوں کے لئے بلحاظ قومیت مساوی کام کے لئے
 مساوی تنخواہ دی جائے
- ۹۔ بلا روک ٹوک یونین کی مکمل آزادی

ایک دوسری قراردادوں میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۸۹۰ء سے
 یکم مئی کو سارے منکوں میں یکم مئی ۱۸۸۹ء کی یاد میں منایا جائے۔
 آج تمام منکوں میں۔ اشتراکیتی اور سرمایہ دارانہ دونوں منکوں
 میں آزاد مزدور اور اجرتی مزدور بڑے ترک و احتشام سے
 یکم مئی کی صد سالہ تقریبات منا رہے ہیں۔
 گزشتہ صدی کی فوس دہائی نے سرمایہ دار کا
 افزائش میں بڑی تبدیلی دیکھی۔ جب تک لیٹن نے اپنے مضمون
 "سامراجیت۔ سرمایہ داری کا اعلیٰ ترین مقام" میں کہا:

صنعت کی شاندار افزائش اور ترقی اور بڑے بڑے اداروں میں
 پیداوار کی مرکزیت کا نیز طریقہ کار سرمایہ داری کی ایک اونچی
 خصوصیت ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالنے ہوئے
 لیٹن نے اختتام میں یہ کہا "سابقہ آخر میں اجارہ داری میں
 تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہم کرنے کے طریقہ کار کو اشتراکیت بنانے
 میں اس کی وجہ سے کافی ترقی ہوتی ہے۔ خاص طور پر ٹکنیکی ایجادات
 اور ترقی کے طریقہ کار اشتراکیت کا رنگ نکھرتا ہے۔ پرانے قسم
 کی اشتراکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اجارہ داری کو فروغ حاصل ہوتا

ہے۔ وہ تیزی سے غیر متاسب طور پر ترقی کرتے ہیں۔ اب
 چھوٹی اور بڑی صنعتوں کے درمیان یا ٹکنیکی لحاظ سے ترقی یافتہ اور
 پسماندہ صنعتوں کے درمیان کوئی مسابقت ہو سکتی نہیں۔ یہاں
 ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اجارہ داران لوگوں کا کلر گھونٹ دیتے ہیں جو ان
 کی اطاعت نہیں کرتے اور ان کی ہال میں ہل نہیں مارتے " لیٹن
 نے جابرہ داروں کے اس دعوے کو رد کر دیا کہ کارٹلس بحران کو
 دور کر دے گا۔ برصغیر اس کے جب صنعت کی مخصوص شاخوں
 میں اجارہ داری رونما ہوتی ہے تو نہ مجموعی طور پر سرمایہ دارانہ
 پیداوار میں جیل طوائف السلوکی کو بڑھاتی ہے بلکہ اسے اور
 بھی مرکز بنادیتی ہے۔ صنعت اور زراعت کی ترقی کے درمیان
 تفریق جو سرمایہ داری کی خصوصیت ہے بڑھ جاتی ہے۔
 مالی سرمایہ کو سب سے زیادہ اہم مقام حاصل ہوتا ہے سرمایہ
 کی برآمد قانونی بن جاتی ہے سرمایہ دارانہ منکوں کے درمیان
 دنیا کی تقسیم کا کام مکمل ہو جاتا ہے سامراجیت کا دور شروع ہوتا
 ہے۔

سامراجیت کا دور پروتاریہ انقلاب کا بھی دور
 ہے۔ پیداوار کے طریقہ کار میں بہتری اور نئی ٹکنالوجی، نئے
 انتظامیہ اور نئی انتظامی تنظیموں کو مدعو کرتی ہے۔ دوسری عالمی
 جنگ کے بعد بحال اور بحالی کے ساتھ ساتھ خود کار مشینوں کا بھی
 اضافہ ہوا۔ پیداوار کی نظام زیادہ سماجی بن جاتا ہے لیکن جو
 دولت پیدا کی جاتی ہے وہ ابھی زیادہ تر چند ہاتھوں میں مرکوز ہو جاتی
 ہیں۔ مزدوروں کی ارجو میں کمی ہوتی جاتی ہے اور مٹھی بھر اجارہ دار

امیر سے امیر تر بنتے جاتے ہیں

ممالک متحدہ امریکہ کے اجارہ داروں نے بہ بانگ
دہل کہا: ہم سب ایک سنہرے ستیجی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔
مزدوروں کو باامید نہ کیا خوف انتظار کرنا چاہیے۔ خود حرکتی
ایک جادوئی کھنی ہے جو دولت کے خزانے کا صندوق کھول دیتی ہے۔
یہ تباہی کا ایک خام آگ نہیں ہے۔ مزدوروں کی تعلیم اور فوج کو،
خود کار مشینوں کی لکھی اور انتھک سرگرمیوں، جنہیں ایک ٹرونگ
آلات کی رجحانی حاصل ہوگی، سے آنے والے شاندار دور میں،
انعامات و اکرام سے مالا مال کیا جائے گا۔ ہماری آزاد معیشت کا
جلوئی قالین ایسے افق کی طرف اڑ رہا ہے جس کی بابت ہم نے
کبھی سوچا بھی نہ تھا: (آٹومٹک جیوں۔ ورسمان از ہنر کے
گوشش، فرنٹ ایڈیشن، ستمبر ۱۹۵۱ء صفحات ۱۵۱-۱۵۰)۔
ہانگ کم مزدوروں کے امریکی فنڈ ریشین نے، جس کا طبقاتی جدوجہد
پر اعتقاد نہیں ہے، بھی یہ کہا: "تنہا مشینیں لوگوں کو بندھا شکا
اور یکاں نوعیت کی محنت سے آزاد کر دیں گی۔ لیکن اس کے ساتھ
بہ انسان کو کام اور اجرت سے محروم بھی کر دیں گی۔ یہ معیار زندگی
میں خاطر خواہ حد تک بہتری لاسکتی ہیں اور سرادانی پیدا
کوسکتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ فاضل مزدوروں کی تعداد
میں اضافہ کرنے میں معاون بھی ہوسکتی ہیں، فاضل مزدوروں کو
بروئے کار لایا نہیں جاسکتا کیوں کہ صارفین میں حسب ضروری
خرید و بیع کی طاقت کا فقدان ہوگا۔ فی الحال یہ کہنا ناممکن ہے
کہ کیا خود کاری سے پیداوار میں کثرت ہوگی یا اس کے برخلاف
غریب میں اضافہ ہوگا؟ اے۔ ایف۔ ایل۔ سکریٹری برائے انٹرنیشنل
ٹریڈ یونٹ، ڈیلائے، کی رپورٹ صفحہ ۳۵۱۔ پروٹیسٹنٹ برٹ
ریٹز، مشہور ماہر علم ریاضی اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں: یہ
بات بالکل حیاں ہے کہ اس کی وجہ سے بے روزگاری کا ایک
ایسی صورت حال رونما ہوگی، کہ جس کے سامنے ۳۰ واکا سرد بازار
بجہ دم نظر آئے گا۔

محنت کشوں کی تحریک نے بھی ایک نئے دور میں قدم
رکھا۔ یکم مئی ۱۹۸۸ء کے بعد ایک دہائی کے عرصے میں یا یوں

کہتے کہ دوسرا انٹرنیشنل کے افتتاحی سیشن میں محنت کش طبقہ
کو سرمایہ داری کی اعلیٰ ترین شکل کا سامنا کرنا
پڑا۔ سرمایہ دارانہ ادارے، رو بہ عمل لائی گئی ٹکنک اب پیسے
کی طرح نہیں رہی۔ سرمایہ داری نے بھی سرمایہ داری کی پرانی اور
نئی ضدوں کو عیاں کر دیا اور سرمایہ داری میں سرمایہ داری
ناگزیر بن گیا۔ اس طرح کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے نئے
جدوجہد ایک نئے دور میں داخل ہوگی جہاں محنت کش طبقہ۔ اگر
منظم ہو جائے تو ایک ملک یا ملکوں میں سرمایہ داری
کا خاتمہ کوسکتا ہے، اور اس طرح محنت اور سرمایہ کے
درمیان تضاد کو دور کر سکتا ہے۔ محنت کش طبقہ کے لئے وقت
آچکا ہے کہ وہ خود کو پروتاریت کی۔ حکمران طبقہ کی ڈکٹیٹر شپ
میں تبدیل کر دے اور یہ کامیابی اشتراکیت کو جلا بخشنے گا۔

اس لئے محنت کش طبقہ آج سیاسی تحریک کے دور
میں بھی داخل ہوتا ہے۔ سرمایہ داری کے قانون نے اسے غیر
مساوی ترقی کا سبق سکھایا ہے۔ جرمنی میں کسی نوکری جنگ کے تجربہ
اور پیرس کمیون نے اسے مزدور۔ لسان کے اتحاد کی تعلیم دی ہے۔
لیٹن نے مارکس اور اینجلس کی مارکسزم کی تعلیمات
کو عملی جامہ پہنا کر محنت کش طبقہ کو نظریاتی تنظیمی اور فوجی
لحاظ سے بھی تیار کیا کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرے، محکوم کی جنگی حاکم
بن جائے اور نئی نوع انسانی کی آخر میں کیونزم کی طرف تغیر کے
لئے تمام طبقوں کو مہدم کرنے کے لئے میدان تیار کرے۔

یہی وجہ ہے کہ روس میں بولشویک پہلی عالمی جنگ
میں مداخلت کر سکے۔ زار سرمایہ داروں اور زمین داروں کو
ہمیشہ کے لئے مغلوب کر دیا گیا۔ سرمایہ داری نے ہوا کے رخ کو
موڑنے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس
دن جہنوں نے دنیا کو ہل کر رکھ دیا، نے اس دنیا میں اشتراکیت
لائی۔

سرمایہ داری — اجارہ دارانہ سرمایہ داری
مزدور ہوتی گئی۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد ساری دنیا سن ۱۹۱۴ء
کے معاشی بحران سے دوچار ہو گئی۔ سرمایہ دارانہ افواہ آبادیاتی

ملکوں میں مزدوروں کو بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑا، انکی
اجرتوں کو محدود کر دیا گیا۔ سرمایہ داری کے مینڈی بھون، مستقل
بحران میں مبتلا ہو گئے۔ سامراجیت نے ہیب فاشزم کو جنم دیا۔
دوسری عالمی جنگ چھوڑ گئی۔ یہ جنگ سامراجیت اور فاشزم
کے مابین ہوئی۔ فاشسٹوں نے بعد میں روس پر حملہ کر دیا، لیکن آخر
میں اشتراکیت کی فتح ہوئی فاشزم کو شکست فاش ہوئی۔
سامراجیت بھی کمزور تر بن گئی۔ اسے اپنی کامیابیوں سے ہاتھ
دھونا پڑا۔ یکم مئی ۱۹۱۷ء کے بعد جب برلن کے رجسٹار میں
ہال فوج نے ہال جھنڈا لہرایا تھا، اسے دس برسوں میں اشتراکیت میں
تغیر کر دیا اور دوسرے ہوا۔ اشتراکیت دنیا بھر میں
خدا کا ملک آزاد ہو گئے۔

جس طرح قبل ذکر کیا گیا ہے کہ ٹکنکی انقلاب اسے
عام حربہ پر ایسی آئی۔ آرہے تھے ہیں، جس نے نام پیداوار کی نظام اس
کے اختلاقیہ اس کی خدمات اور اس کے نظم و نسق کو اپنے قبضہ
میں کر لیا ہے، محنت کش طبقہ کو بھی تبدیل کر رہا ہے۔ اس کی آواز
کا یہ مطالبہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی تمام ضدوں کو ہمیشہ کیلئے
ختم کر دیا جائے۔ محنت کش طبقہ کی تحریک کو اس حقیقت کے پیش
نظر رکھنا چاہئے۔

سرمایہ دارانہ بحران بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ یہ بحران ہم
میں درست میں اور گہرائی میں بڑھتا جا رہا ہے۔ پورا نظام گریبا
سکڑا کر رہا ہے۔ سرمایہ داری کا ان بحرانوں کو حل
کرنے میں ناکام رہا اس لئے اب وہ تیسری عالمی جنگ خلائج جنگ
چھڑانے کا منصوبہ تیار کر رہا ہے تاکہ وہ اشتراکیت کی نظام کو اور
سب سے پہلے سوویت یونین کو ختم کر سکے۔
یوم مئی کی بین الاقوامی روایت جسے یوم مئی ۱۹۲۵ء
نے اور اس سے متاثر بنا دیا، اس بات کا مطالبہ کرتی ہے کہ آج کے
محنت کش طبقے کو اشتراکیت دنیا کی امن کی اور سرمایہ دارانہ
ملکوں میں مزدوروں اور عوام کے حقوق کی دفاع کے لئے تیار
کرنا چاہئے اور رائے عامہ کو بھوار کرنا چاہئے۔
یوم مئی کی دوسری صدی کی یہی سچ کو محنت کش

طبقہ جدید سرمایہ داری یا سامراجیت کے سامنے کھڑا ہے۔
ظاہر فریٹ طاقتور بن چکا ہے کیوں کہ اس کے پاس ایس ٹی آر
یعنی ایک روٹ ہے جو اس کے حکم کا ظلم ہے۔ لیکن روٹ
طبقہ جدید کو دافرا اور متروک نہیں بنا سکتا ہے بلکہ اس کی
وجہ سے جدید جہاد بھی تیز اور مرکز بن جاتی ہے۔

محنت کش طبقہ کو اس بات کا احساس ہونا چاہئے
کہ برزوا، جب تک اس کے ہاتھوں میں پیداوار کے ذرائع ہوں گے،
اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ مزدوروں کو پیداوار کے
ذرائع سے فائدہ پہنچے۔ برخلاف اس کے مزدوروں کے رہائشی
اور کام کرنے کے حالات ابتر ہوتے جاتے ہیں گے۔

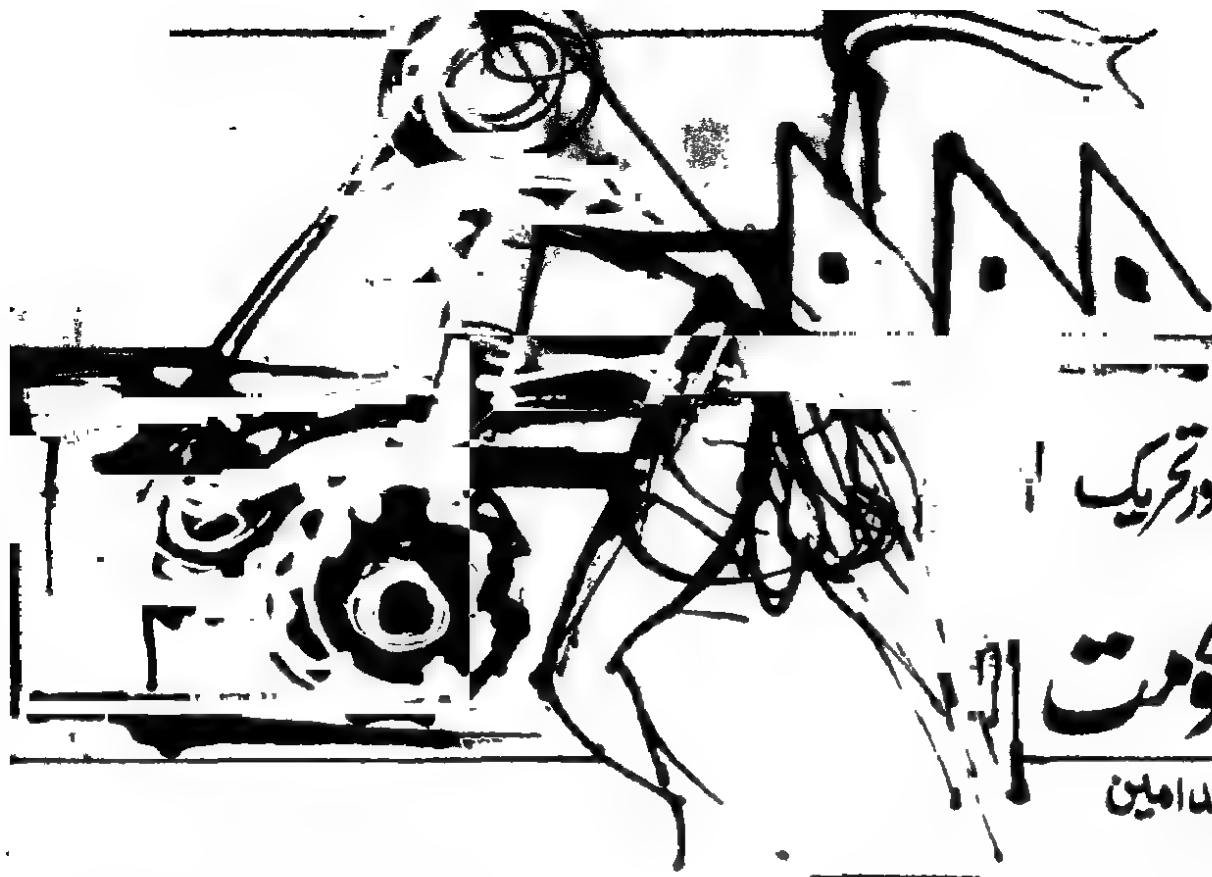
آج ہندستان میں نجات کے لئے اس عظیم طبقہ
جدید میں ٹریڈ یونین تحریک کو اپنے فرض کی (دائیگی) سے کوئی
بہتر کرنا چاہئے۔ اس جدید کے دوران، جمہوری تحریک میں
شرکت کر کے اس کی تحریکوں میں خود کو شامل کر کے،
ٹریڈ یونین کے لئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ وہ ہندستان کے
جمہوریت پسند لوگوں کو اشتراکیت کے راستہ پر گامزن کر دے
یوم مئی کے جذبہ کے پیش نظر ہم تقیاب ہوں گے۔



یومی

قابض عظیم آبادی

آج سے سو سال پہلے
شہر شکاگو کے نیے مارکیٹ میں
کامگاروں کا ہوا تھا اجتماع
مالکوں کے استحصال و جبر کے خلاف
گو بچ اٹھے نئے نعرہ دے احتجاج
آٹھ گھنٹے یومیہ محنت کا تھا مطالبہ
اور اگر زیادہ ہو کام
یومیہ سے ہر ایک اس کا شمار
مالکوں کو جو کہ نامنظور تھا
سینکڑوں محنت کشوں کو
قتل و خوں کے سکوت میں اجرت ملی
دار پر جانبازوں کو گھینپا گیا
موت کے منہ میں انہیں جھونکا گیا
لب کن!
حق اور استحصال کی اس جنگ میں
سامراجی طاقتوں کی ہار ہوئی
محنت کش (مزدور) فتح مند ہوئے
محنت کش (مزدور) فتح مند ہیں
اور سدایں ہی رہیں گے فتح مند
آج بھی تاریخ کا وہ واقعہ
باعث مدافعت و باعث مہم احترام
دست محنت زندہ باد و الحمرا پریم سلام



مغربی بنگال میں مزدور تحریک

اور

بائیں محاذ حکومت

محمد امین

یہ سال یعنی ۱۹۸۶ء یوم مئی کی صد سالگرہ کا سال ہے۔ محنت کش لوگ خاص طور پر مزدور طبقے کے لوگ ساری دنیا میں اس سال کا جشن منائیں گے اور اس موقع پر ان شہیدوں کو بہت ہی احترام سے یاد رکھیں گے جنہوں نے ایک سو سال قبل کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے لئے جدوجہد کی اور اپنی اپنی جان عزیز کی قربانیاں دیں۔ ہمارے ملک میں بھی ٹریڈ یونینیں اس صد سالگرہ کو بڑی توجہ سے منانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔

شکاگو امریکہ میں ہے۔ مارکیٹ اسکوائر کے واقعہ کے بعد سے بنی نوع انسان سو برسوں تک زمانے کے اتار چڑھاؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے سال ۱۹۸۶ء میں قدم رکھا ہے۔ مارکیٹ اسکوائر کے واقعہ کے بعد سے یوم مئی کو اجرتی غلامی کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے بین الاقوامی استحکام کے دن کے طور پر منانے کا منصوبہ کیا گیا۔ اس موقع پر یہ مناسب ہوگا کہ ہم ماضی کی تاریخ کو دہرائیں۔

یہ مارکیٹ اسکوائر کا واقعہ ۱۸۸۶ء میں رونما ہوا۔ ۱۸۸۶ء کے بعد سے پہلا اہم واقعہ روس میں اشتراکیتی انقلاب کی تاریخی فتح اور دی۔ آئی۔ لیٹن کی سربراہی کے تحت پہلی سوشلسٹ ریاست کا قیام ہے۔ اس واقعہ کی اہمیت اس حقیقت سے عیاں ہو جاتی ہے کہ روس میں اشتراکیتی انقلاب کے ذریعہ انسان کا استعمال سے پاک سماج کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا، اور ملی طور پر ایسا سماج قائم کیا گیا۔

اس عرصہ نے دو عالمی جنگیں دیکھیں۔ پہلی عالمی جنگ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک اور دوسری عالمی جنگ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک۔ ان دونوں جنگوں کی وجہ سے بنی نوع انسان کو وسیع پیمانے پر تباہی اور بربادی اور لاکھوں آلام و معائب کا سامنا کرنا پڑا۔ نیز ان جنگوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی جنگ پیدا کرنے والی میراث خصوصیت کو عیاں کر دیا اور یہی خصوصیت آج بھی ساری دنیا میں اپنا پرچم لہرا رہی ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں فاسٹ طاقتوں کو شکست دی گئی۔

مشکت سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں اشتراکیتی نظام کی برتری میں ہوجاتی ہے۔ اور ناسٹزم کی کوئی طاقتوں پر جمہوریت اور اشتراکیت کی طاقتوں کی فتح کے ساتھ ساتھ یورپ کے کئی ایک ممالک اشتراکیت کے دائرہ عمل میں آ گئے۔ ۱۹۴۹ء میں چین اشتراکیتی ملک بن گیا اور اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ کیمپ کے مقابلے میں ایک طاقتور سوشلسٹ کیمپ کی تشکیل کی گئی۔ دنیا میں طاقتوں کا ایک نیا توازن قائم کیا گیا۔ سامراجیت اب عالمی واقعات میں تعین کرنے والی واحد طاقت نہیں رہی۔ آج پوری دنیا کی ایک تہائی آبادی سماج کے اشتراکیتی نظام کے دائرہ عمل میں آ چکی ہے۔ آج جب ساری دنیا یوم مئی کی سالگرہ منا رہی ہے وہاں عالمی صورت حال میں جو تغیر ہے، یعنی ۱۹۴۷ء میں کیا تھی اور ۱۹۸۷ء میں کیا صورت حال ہے، اسے بھی زیر غور رکھنا چاہئے اور اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ انسان اور حرف انسان ہی نے ان تک محنت کرنے کے بعد یہ تبدیلی لائی۔

ایک اور بھی فرق ہے۔ ۱۹ویں صدی کے آخری دو میں سائنس اور ٹکنولوجی کی ترقی سرمایہ دار کی کافرانش اور فروغ میں معاون ثابت ہوئی تھی اور آج ۲۰ویں صدی کے آخر میں سائنس اور ٹکنولوجی اتنی زیادہ ترقی کی راہ میں آگے بڑھ چکی ہے کہ اب انہیں سرمایہ دارانہ نظام کے طبقاتی رشتوں کے دائرہ میں رکھنا مشکل ہے۔

اب سماج میں نئی ضدیں رونما ہوئی ہیں اور انہیں سماج کے موجودہ ڈھانچے کو سنبھالنے سے بدل کر ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ روس، چین، ویت نام اور دیگر ملکوں کی سوشلسٹ ریاستیں اب مادی آنگوں کے سامنے ہیں اور مادی طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ سائنس اور ٹکنولوجی کی تیز تر اور بہتر ترقی سے ظاہر ہونے والی ضدوں کو اشتراکیتی سماج میں ایک نئے طریقہ سے حل کیا جا رہا ہے۔ جبکہ سرمایہ دارانہ سماج میں آج سائنس اور ٹکنولوجی کو خاص طور پر حرف اس

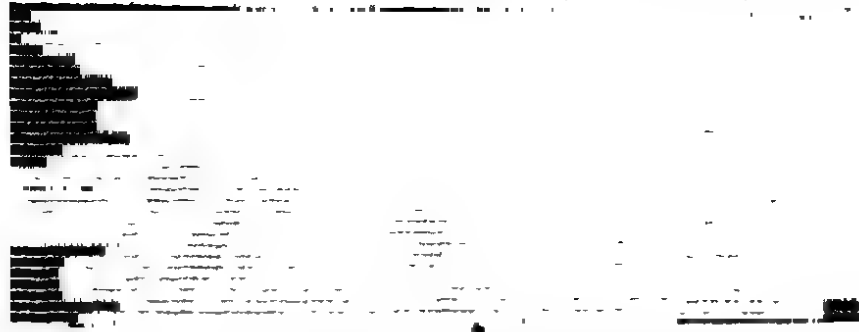
منفعد کے لئے روبہ کار لایا جا رہا ہے کہ استعمال کی اور بھی مرکز بنا کر اور عوام کے معائب اور تکالیف میں اضافہ کر کے زیادہ سے زیادہ فائدے کاٹنے کا منصوبہ دوسری طرف اشتراکیتی سماج میں لوگوں کے کاغذ کے بوجھ کو زیادہ سے زیادہ ہلکا کرنے کے لئے سائنس کی نئی دریافتوں کو استعمال میں لایا جاتا ہے اور جدید ترین ملک بھی استعمال کی جاتی ہے اور اس طرح عوام کیلئے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں کہ وہ پھولیں پھلیں۔

یہ تو ۱۸۸۹ء کی بات ہے جب سوشلسٹوں کا عالمی کانگریس پیرس میں منعقد ہوئی تھی تو وہاں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ۱۸۹۰ء سے ہر سال یوم مئی کو یوم احتیاج اور بین الاقوامی استحکام کے طور پر منایا جائے۔ اسی سال سے ساری دنیا میں یوم مئی منانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ سوشلسٹ انٹرنیشنل کے کانگریس میں جو ۱۸۹۳ء میں منعقد ہوا تھا، فریڈرک اینگلسی موجود تھے اور اس کانگریس نے یوم مئی کی تعریف میں ایک نئی بات کا اضافہ کیا۔ اس کانگریس میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ یوم مئی زعفران گھنٹہ کے کام کرنے کے دن کیلئے مختص کر دیا جائے گا اور اس سماج میں تبدیلی کو مکمل استعمال کا ہمیشہ کیلئے دور کرنے کے لئے جد کرنے کا دن بھی ہوگا۔

زیر بحث سو رسوں میں مطمئن اور انقلاب پر آمادہ لوگوں نے یوم مئی کی جدوجہد کی نوعیت کو اپنانے کی کوششیں کیں۔ امریکہ میں صدر ہووڈ کے دنوں میں یوم مئی کو بچوں کی صحت کے تحفظ کے دن کے طور پر منانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ ریڈ یونین تحریک کے انقلابی رہنماؤں نے بھی اس بات کی کوشش کی کہ یوم مئی کو تفصیل کے طور پر منایا جائے اور اس عزم کے ساتھ منایا جائے کہ طبقاتی جدوجہد کے ذریعہ سماج کو بدل دیا جائے۔

فی الحال سامراجی کیمپ کی سرپرست، صدر ریجن کی سربراہی کے تحت ممالک متحدہ امریکہ کی حکومت ہے۔ یہ بین الاقوامی اجارہ داروں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اشتراکیت کی طاقتیں دن بہ دن مضبوط اور مستحکم ہوتی جا رہی ہیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ اشتراکیتی نظام کو اپنا رہے ہیں۔ اس لئے ریجن۔

(بقیہ صفحہ ۳۳ پر)



تاریخ کی روشنی میں

تواریخ کے مطابق خاطر پرست معاشی نظام ملائہ کام کرنے والے مزدوروں کے حق پسینے کی قیمت پر جاگیردارانہ نظام کا قدیم مرث سے تشکیل ہوئی۔ ٹھیک اس کے بعد ہی استحصال کی نئی شکل میں سرمایہ دارانہ نظام وجود میں آیا۔ اس طرح اجرت والی خلائی کی ابتدا ہوئی۔ مزدور اور سرمایہ دار میں ٹکراؤ ہوا۔ شروع سے مزدوروں نے سرمایہ دارانہ نظام کے تحت پیداوار کے نظام کو اپنی خلائی طور اشی سبب بنایا اور اس نظام کے خلاف وہ احتجاج میں شریک ہوئے۔ استحصال کا یہی نامزامت آسانی سے حرکت کر سکتا۔

انعام میں صدی کی ساتویں دہائی سے ہی سرمایہ دارانہ نظام کے تحت پیداوار کا یہ نظام بڑے پیمانے پر صنعتی انقلاب میں کامیاب ہوا۔ پہلے انگلستان میں اس کے بعد فرانس، جرمنی، ریاستہائے متحدہ امریکہ میں یورپ کے باقی حصوں میں اور ساری دنیا میں ایک زبردست تبدیلی آئی۔ مزدور اور دوسرے انسان ملائہ سے چلنے والی مشینوں کی جگہ خود کار مشینیں آ گئیں۔ عوام جتنوں کی شکل میں مزدوروں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ جو نادار (Have Not) تھے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے نئے اصول کو مستطیر عام پر لیا گیا۔ نادار ہونے کے ناطے صنعتی مزدوروں نے سماج میں ایک بڑے مستطیر طبقہ کی تشکیل کی۔ ایک سرمایہ دار کا سرمایہ جو مزدور کے پسینے کا حاصل ہے، مزدور کے روم روم سے حقن جو جس کو

جمع ہوا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ان مزدور ر غلاموں کو جو غلی طور پر سرمایہ داروں کا حکم بجا لاتے تھے ایک پلیٹ فلڈ میں لکھوا کیا۔ اس طرح سرمایہ داروں نے صنعتی مزدور طبقہ کی تشکیل کر کے خود اپنی قبریں کھودی۔

مشینوں کے آنے سے ہر مزدور مزدوروں کی مانگ اور ان کی مزدوری دونوں ہی گھٹ گئی۔ مزدور کے کام کرنے کا کوئی مقود وقت نہ تھا۔ ہم گھنٹے کو سارا دن کام کے لئے تھا۔ مزدور غریب اور بچے سب ہی بنا کسی فرق و امتیاز کے مزدور سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اجرت کی شرح میں امتیاز برتا جاتا تھا۔ مزدور مزدوروں کی شرح اجرت کچھ اور تھی، عورتوں کی اجرت کی شرح مزدوروں سے مختلف تھی اور مزدور بچوں کی اجرت کی شرح ان دونوں سے الگ تھی۔ مزدور ایک طبقہ کی حیثیت سے پیداوار کی تشکیل کے وقت سے ہی اپنے کام کی ضمانت نہ مستحق تھا اور نہ ہی مستقبل میں اسے کسی بہتری کی امید تھی۔

اپنی تشکیل کے وقت سے ہی مزدور کا طبقہ غم گشت اور سیاسی حقوق سے محروم رہا ہے۔ جب تک مٹان حکومت سرمایہ داروں کے ماتحت رہی تب تک مزدوروں کے مفاد کے خلاف قوانین مرتب ہوتے رہے۔ مزدور یونین کی تشکیل کو نادار نظم کے خلاف احتجاج بلکہ کرنا بھی غیر قانونی تھا۔ ایشیا اور لاطینی امریکہ کے نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی علاقوں میں اور ان ممالک میں جو معاشی طور پر دوسروں کے دستہ ٹکے تھے، مزدور

طبقہ پر ظلم کا پہاڑ ٹوڑا جاتا تھا۔

مزید برآں انسانیت دوست بننا و پانے کی خواہش اور انسانیت دشمن قوانین کی بندش سے نجات حاصل کرنے کے لئے مزدور طبقہ نے معاشی جدوجہد شروع کی۔ مسٹر مغلوپرست برٹو طبقہ کے خلاف جدوجہد اور احتجاج ابتدائی محاذ آرائیاں تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ جدوجہد سیاسی تحریک کا ایک لازمی جز بن گئی۔ نادار مزدوروں کی پرانی تنظیم خفیہ طور پر غیر مستقل ٹریڈ یونین کی شکل میں موجود تھی جس کا مقصد مزدوروں کے مفاد کے حفاظت کرنا اور مزدور تحریک کی رہنمائی کرنا تھا۔

ٹریڈ یونین تحریک سرمایہ داروں کو اپنے کچھ حقوق ماننے پر مجبور کرتی تھی۔ لیکن ہم مزدور طبقہ کی صحیح رہبری کا کوئی خاطر خواہ راستہ نہیں تھا۔ عہد وسطی کے وسط میں مذہب کے پردے میں کانون کی جدوجہد اور توہمت کے پس نظر انسانیت اور ملکیت نوازوں نے ساری دنیا میں نظریاتی اور تصوراتی معاشرے کی تبلیغ کی۔ سیاسی جدوجہد میں مزدور طبقہ ان نظریوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔

سرمایہ دار اور ان کے استحصال کے خلاف انسان کے دشمن انسان کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے انیسویں صدی کے آغاز میں تحریک چلائی گئی۔ طبقاتی جنگ مزدوروں کی یقینی جیتی اور ریاستوں پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ان تحریکوں میں کوئی مقصد نہیں تھا۔ نیشن اور چالیس دہائی کے اول رحمت حصہ میں تمام یورپ میں مزدور طبقہ کی انقلابی جدوجہد نے سیاسی زندگی کے رخ کو ایک نیا موڑ دیا۔ ۱۸۴۸ء کے دوران فرانس کی انقلابی جدوجہد اور انگلستان کی کلیائی تحریک نے پوری دنیا کو متاثر کیا تھا۔ کلیائی تحریک نے ۱۸۴۸ء میں برٹو طبقہ کو دشمن گھنٹے کام کا وقت منور کرنے کے لئے قانون وضع کرنے پر مجبور کیا۔ یہ مزدور طبقہ کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ نادار طبقہ کی انقلابی تحریک کے اسی نتیجے نے سماج وادی کارکنس وادی تحریک کو جنم دیا۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس نے ۱۸۴۷-۴۸ء

کے دوران اپنے کیمونسٹ کتبچہ میں اشتراکیتی تحریک کو جنگ دی۔ مارکسزم نے تمام دنیا میں سائنسی اقتدار مزدور طبقہ کے ہاتھوں میں دے دیا۔ یہی نظریہ مزدور طبقہ کی نجات کا بے شک واحد ذریعہ تھا۔

۱۹۱۸-۵۰ء کے دوران جرمنی، فرانس اور تمام یورپ میں انقلابی تحریک کا سیلاب اٹھ آیا۔ مزدور طبقہ کا ہی انقلاب مارکسزم کے لئے اول تاریخی امتحان تھا۔ نئی تحریک ہر جگہ پھیل گئی ہے۔ اسی ۱۸ء ہسپانیہ کی انقلابی تحریک کے تجربے نے اس نظریہ کو اور بھی پھیلانے کی ضرورت کو محسوس کیا کیوں کہ انقلاب ہی تاریخ کا انجن ہے۔

اس نظریہ کو کارل مارکس کی کتاب کپٹل (Capital) میں جگہ دی گئی ہے۔ جو برٹو طبقہ کے خیال میں ایک جھگی ہتھیار تھا۔ دوسری طرف مزدور طبقہ کے بین الاقوامی اتحاد کو فروغ دینے کے لئے انجن قائم کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ مزدوروں کی تحریک اور یورپ میں انقلابی تحریک کے دوران مارکس اور اینگلس کی رہبری میں ایک عظیم بین الاقوامی مزدور کی انجن انٹرنیشنل ۱۸۶۴ء میں قائم ہوئی جو کہ مزدوروں کی پہلی بین الاقوامی انجن تھی۔ ساری دنیا میں مزدور تحریک کو فروغ ملا۔ جیٹو بین الاقوامی کانفرنس میں دن میں ۸ گھنٹے کام کا دعویٰ کیا گیا اور مالی مطالبے پیش کئے گئے۔

سرمایہ دارانہ نظام مقامی سطح پر پہنچنے کے قبل ہی خطرے میں پڑ گیا۔ ۱۸۴۸ء کے دوران انقلاب کی ناکامی نے مزدور طبقہ کی آزادی کی تحریک کو اور بھی تیز کیا۔ اسے جلا جیسی۔ اسی پس منظر میں ۱۸۴۸ء میں پہلی بار دنیا میں مزدوروں کے انقلاب نے وسیع پیمانے پر زبردست، پھیلنے والی، کوئی جو پرس کیمون کے نام سے مشہور ہے۔ مختلف کمزوروں کی بنا پر مزدور طبقہ ریاستی اقتدار کو اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکا کیوں کہ آدیش میں ذرہ برابر بھی تہدلی نہیں آئی اور وہ طاقتور ہی رہا۔ اور اس نے نجات کا ایک نیا راستہ کھول دیا۔ مزدور طبقہ میں اپنی سیاسی جماعت قائم کرنے اور اسے طاقتور بنانے

قوت حاصل ہوئی۔ اس کے لئے ساری دنیا میں تحریک شروع ہو گئی۔ مارکس اور اینگلس نے اپنے نظریات کو زیادہ فروغ دیا اور اسے نو سسٹن شکل دیا۔

پیرس کمیون کے بعد ساری دنیا میں مزدور طبقہ کی عظیم تحریکیں اور جدوجہد شروع ہو گئیں۔ ۱۸۸۹ء میں بئیراک سے سن فرانسیسکو تک آٹھ گھنٹے کے کام کے سلسلے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مزدور تحریک کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ یکم مئی سے شہر شکاگو میں چالیس ہزار مزدوروں نے دودھ لگا کر تال کی۔ پولیس کی اندھا دھند گولی سے چار مزدوروں کی موت ہو گئی۔ چار مئی کو اس کے احتجاج میں شہر شکاگو کے مرکزی علاقہ میں زبردست اجتماع ہوا۔ اس کے نتیجے میں پولیس نے ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ ایک سچے سچے ہونے مقدمے کے فیصلہ میں سات مزدور رہنماؤں کو موت کی سزا ہو گئی۔ ایک شخص جسے حکومت نے اس سازش کے لئے مقرر کیا تھا اس نے اس راز کو فاش کر دیا۔ اس واقعہ کے خلاف احتجاج میں ساری دنیا میں زبردست تحریک چیل گئی۔

انگلینڈ کی موجودگی میں ۱۸۸۹ء میں پیرس میں دوسری بین الاقوامی کانگریس کی افتتاحی کانفرنس میں ۱۸۹۱ء کے یکم مئی کے واقعہ کو ساری دنیا میں یوم مئی کی حیثیت سے منانے کی تجویز منظور ہو گئی۔ آج ایک سو سال سے مزدور طبقہ اس شرف جھنڈے کو لے کر ہر طرف یوم مئی مناتے ہیں۔

شعبہ سرمایہ دارانہ بحران کے دنوں ۱۹۱۴ء میں سامراجی طاقتیں آپسی اختلافات کو جب میدان جنگ میں لے آئیں تب دوسری انٹرنیشنل تنظیم میں شامل زیادہ تر پارٹیاں مزدور طبقہ کو فساد کے نوآبادیات کے پرچم تلے جنگ میں شامل سامراجی حکومتوں کے ساتھ ہو گئیں اور اس طرح دوسری انٹرنیشنل کا خاتمہ ہوا۔ سامراجیت اور پروتاریہ انقلاب کے اس ہتھیار کو پروتاریہ کی شدید طبقاتی جدوجہد کے نتیجے میں نئی طرح کی انقلابی پارٹیوں کو متحد کر کے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو متحد رکھنے کی ضرورت خودی طور پر پیش آئی۔

دوسری کانفرنس ۱۹۲۸ء کا انقلاب دنیا کی تاریخ میں ۲۰ ویں صدی کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ سرمایہ داروں نے جب ایک طرف ترقی کو سامراجیت کے عہد میں قدم رکھا تب دوسری طرف لیبنز نے کمیونسٹ تحریک کو دنیا کے مزدور طبقہ کے لئے مارکسزم کا نیا ہتھیار دیا۔ پیرس کمیون نے قدیم عالم نظام کو توڑ کر سرمایہ داری کی زنجیروں کو کاٹتے ہوئے مزدور طبقہ کی راہ ہموار کر دی۔ زمر انقلاب سامنفک طور پر اشتراکیت کی بنیادوں کو مستحکم کرتے ہوئے اسی رخ کو پاتی جس کی بین الاقوامی اہمیت ناقابل انکار ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے زمانے ہی سے مزدور تنظیم کی انقلابی جدوجہد کو لے کر ایک اور کمیونسٹ انٹرنیشنل کی تعمیر کرنے کا کام لیبنز نے شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں ماسکو میں منعقدہ کانگریس نے تیسری کمیونسٹ انٹرنیشنل قائم کی۔ یہاں سامراجیت کے سلسلے میں لیبنز کی تعلیمات اور سوشلسٹ انقلاب کے سلسلے میں ان کے نقطہ نظر کو تسلیم کیا گیا جس میں کہا گیا کہ ایک نیا زمانہ آیا ہے سرمایہ دارانہ نظام کے تنزل کا دور ہے اندری اندر سے اس میں انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کا زمانہ، پروتاریہ کمیونسٹ انقلاب کا زمانہ۔ اس اجلاس میں سامراجیت کے خلیات نوآبادیاتی غلام کی بیداری اور جدوجہد کے حق میں کھل کر اعلان کیا گیا۔

۱۹۲۸ء میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر سامراجیت سماج جنگ کے بعد زبردست معاشی بحران سے سنبھلے بھی نہ پایا تھا کہ تاریخ کے سب سے بڑا ملک معاشی بحران میں مبتلا ہو گیا۔ (۱۹۲۸-۳۶)۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اسکاٹن کی رہنمائی میں سامراجی معیشت کے پھندے کو توڑ کر روس نے اشتراکی نظام کی تعمیر کی طرف تیز قدم بڑھایا۔ جرمن اٹلی اور دیگر خطائیت پسند قوتوں میں یعنی سامراجیت کے کیمپ میں اندرونی اختلافات شدید تر ہوا گئے۔ دنیا کا پہلا اشتراکی سوویت یونین کو نیست و نابود کرنے کیلئے اور پہلا دنیا کا پہلا اشتراکی اتحاد نے فسطائیت پرست قوتوں نے دوسری جنگ عظیم

۱۹۴۹-۴۵ء میں شروع کردیا۔ پوری دنیا میں فسطائیت کے خلاف
مزدور طبقہ کی طاقت کو مستحکم کرنے میں کیونٹن انٹرنیشنل نے
نہایت ہی اہم رول ادا کیا ہے۔ اس جدوجہد نے دنیا میں
فسٹائیت کو پھیلنے سے روکا اور اس طرح فسطائیت کی
شکست ہوئی۔

فسٹائیت کی شکست کے بعد دنیا کے کئی ملکوں کی
حکومتیں مزدور طبقہ کے ہاتھوں میں آئیں اور وہ اشتراکیت و سماج
کی تعمیر کی طرف آگے بڑھے۔ مختلف ممالک میں آزادی کا جدوجہد
نے وسعت پائی اور نئے بعد دیگرے محکوم اور غلام ممالک
آزاد ہوتے گئے۔ دوسری طرف سامراجیوں کا خاصہ رہنا
کوہ پیستہاں مستعدہ امریکہ ایک اور عالم گیر جنگ کی تیاریاں کرنے
لگا۔ لہذا وہ تمام سرمایہ دار ممالک کو ان کے ایسی اختلافات
کے باوجود مستحکم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ سرمایہ کا خاصہ نصب العین
سودیت جو بین اور دیگر تمام سوشلسٹ کمپوں کا خاتمہ کرنا ہے
یوم مئی کا صدی کے اسی موڑ پر ایٹمی جنگ کے خوف
سے تمام دنیا آج تاریخ کے سب سے بھانک عہد اور عظیم خطرہ
کے سامنے آن گھڑی ہوئی ہے۔ کہہ ارض کے ایک تہائی حصہ میں
سرمایہ دار کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ دنیا کے باقی حصہ کے مزدور
اور بھی تیزی سے اشتراکیتی نظام کو قائم کرنے کی طرف جدوجہد
کی راہ پر آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ سرمایہ دار ممالک امریکہ کی
رہنمائی میں جس جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اس جنگ کے خطرے
کے خلاف عوام کے ہر طبقہ کو مستعد ہونا ہے اور مزدور طبقہ کے
بین الاقوامی اتحاد کو بھٹہ کرنا ہی آج مزدور طبقہ کے سامنے سب
سے اہم اور ضروری بین الاقوامی فرض ہے۔ ++

پیری کیٹون میں مشاغل ہونے والے مزدوروں کے رہنماؤں
پر پولیس کا جارحانہ حملہ۔

بالائی موریل مزدوروں پر زیل رو کو تحریک کے دوران
پولیس کا حملہ۔

درد

جب کبھی آخر شب
چاند کا داغ ٹپکتا ہے لہو بن بن کے
جب کبھی تجسمِ سحر
جھللاتے ہیں کسی آنکھ میں آنسو بن کے
جب کبھی تپتی کرن
بوسے لے لے کے مجلسِ دہتی ہے لب کلیوں کے

تب
اسی وقت
بھٹکتا ہوا اقبالِ خمیرِ ناز
ایک انجانا سادرد آتا ہے
اور بن جاتا ہے احساس کے دامن کی شکن



وحید عرشی



اداس خواب

کہیں نہ نیند کی وادی نہ خواب کے سائے
یہ راہِ منکر کی کس دشت سے گذرتی ہے
اداس خواب بھٹکتے ہیں دور آنکھوں سے
تمام رات غیالوں کی دھول اڑتی ہے

حیدر صفت

وحید عرشی کی شاعری

ایک سرسری جائزہ

بنا کوئی بیل چپکائے اور بغیر شرمائے ہوئے اپنے محسوسات کے اظہار ہی کو شاعری سمجھتا تھا۔ حالانکہ اس وقت خود کو جدید کہلاوانے کا شوق سکھ رائج الوقت کی طرح رواں تھا مگر انہوں نے اپنی شاعری کو اس سکھ کے پاس رہن نہیں رکھا۔

دوسرے ترقی پسند شاعروں کی طرح انکی شاعری بھی اپنا ابتدا میں روایت کے اثرات سے مملو نظر آتی ہے لیکن ان کی روان پسندی کے پیش منظر عام مساوات یا نابرابری کا وہ معاشی فلسفہ نہیں جو ترقی پسند شاعروں کے غم یار کا بنیادی وجہ ہو کر آتی ہے اور اسی لئے ہر ترقی پسند شاعر محبت کو اسی تناظر میں دیکھتا ہے۔ وحید عرشی کی شروع کی غزلوں میں روایت کی جو مضامین ملتی ہے اس میں معاشی فلسفہ پر دعویٰ کم ہی دیا گیا ہے۔ مثلاً انکے یہ اشعار

دل کا سارا درد سمٹ آیا ہے میری پسکوں میں
کتنے تاج محل ڈوبیں گے پانی کا۔ ان بوندوں سے
بحر غم دوراں میں اے اک جزیرہ ہاری پھینک دی جانے
یہ مگر بن بیٹھیں ساحلِ دُوب کی نہ موجوں میں
تم کو کھیرا نام کو پایا بات انوکھی اس میں کیا ہے
پردہ خوشبو جھوٹا ہے پس جو کئی ہے یا نہیں میں

ناکامی کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں جن میں تاج محل پانی میں ڈوب جاتے ہیں، یلوی ساحل بن کے بیٹھ جاتی ہیں، موجوں میں ڈوب نہیں پاتیں۔ خوشبو یا تھوڑی سی جھوٹ جاتی ہے۔ ان احساسات

مغربی بنگال کے اردو شاعروں میں جو لوگ ۱۹۷۰ء کے آس پاس اپنی شناخت بنانے کی جدوجہد میں معروف تھے ان میں اقبال کرشنن، کامل اختر اور وحید عرشی ایسے نام تھے جنہیں اس وقت نئی نسل کے نائنڈ شعراء کہا جاتا تھا۔ اقبال کرشنن ان میں سب سے زیادہ معتبر نام تھا، کامل اختر ایک سب سے زیادہ مشہور اور وحید عرشی ایک کم گو مگر قابل توجہ شاعر۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ترقی پسند غریب تنظیمی سطح پر لوٹ پھوٹ کر تخلیقی سطح پر اپنی آخری اچھکی لے رہی تھی پھر بھی اس کے اثرات باقی تھے۔ یہ قعر صرف مغربی بنگال کا نہیں تھا۔ پورے برصغیر ہندو پاک میں ترقی پسند غریب کے ہمنواؤں کے پاس کچھ نہیں رہ گیا تھا خود اس غریب کے علمبرداروں کے اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی آنے لگی تھی کہ شراب نئی بوتلوں میں بھری جا سکی۔ بعد میں اسی کو ترقی پسند ناولد حسن نے ترقی پسندی کا توسیع یا ادب کی تیسری آواز کہا۔ دوسری طرف نئی نسل اسلوب کے ساتھ ساتھ موضوعات میں بھی تبدیلی کی خواہش تھی اور قبول و زیر آغاب اردو شاعری کا سفر تاہر سے اندر کی طرف تھلنے سے موضوعات اور نئی مضامینات سے ناانوس قاری بھی اس نئی شاعری میں اجنبیت کے باوجود قدرت کا احساس پالہ تھا۔

مگر اس نئی نسل میں بھی کچھ لوگ ترقی پسند خیالات کو نئی ڈکشن کے ساتھ اپنا رہے تھے، بہت ہی خلوص اور سچائی کے ساتھ۔ وحید عرشی کا شعراجم ایسے ہی نوجوان شاعروں میں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے

کے ساتھ ہے۔ انکار ممکن نہیں۔ غرض کہ کئی برس بائیس سال پہلے
کا ہے۔ پھر ہے اس وقت وہ قید حشر کا عریض اتنی ہی ہو گی۔
اس عریض ایسے جناب کا اظہار درحقیقت حقیقت کا اظہار
ہے۔ ان کا ایک اور غرض جو تقریباً اسی زمانہ کا ہے

443

فم حیات کی کیلیں تیں دستِ و پا میں جڑے
تھام عمر دے ہم صلیب پر

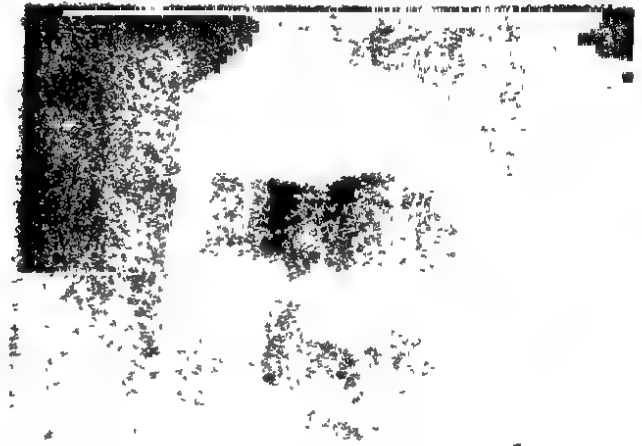
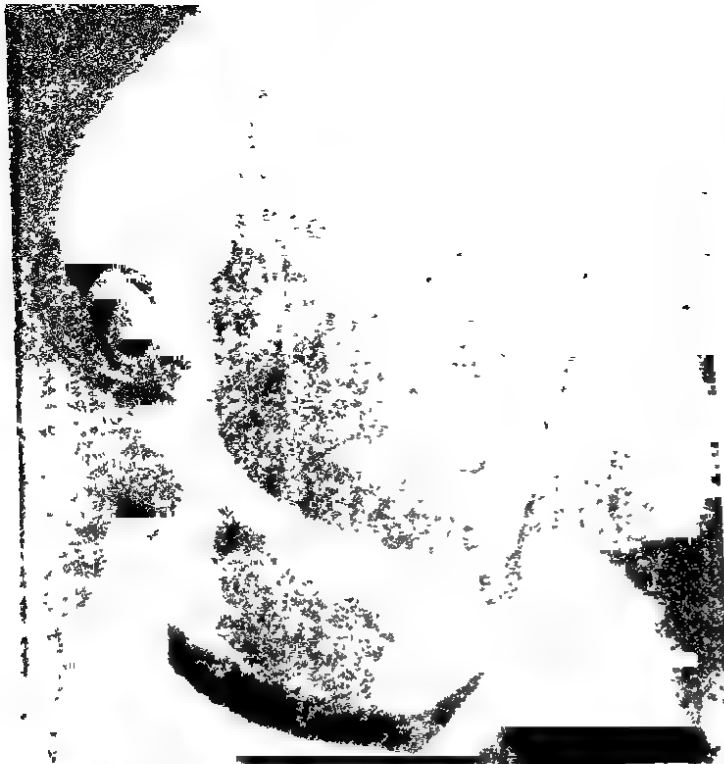
دعوتِ عرشی نے غزلوں کے علاوہ نظمیں بھی لکھی ہیں جو ان کے خیانت کو اور واضح طور پر پیش کرتی ہیں۔ مثلاً ان کی ایک نظم ہے۔

”مزم“ اس نظم کا بنیادی خیال یہ ہے کہ ریوے چھٹ نام پر ایک لوگ بیٹھی کھیل رہی ہے۔ کسی کے جوتے اس کا پاؤں چل جاتا ہے۔ وہ ساختہ گالی دے دیتا ہے۔ حواہ اور پیر اپنے ٹوٹے ہوئے کپڑوں سے کھینچے لگتی ہے۔ اس نظم میں جو علامتیں ہیں ان سے سماج کے

عید و رشی سے ہم اور ہیست کہ امید کہ یہ ہے کہ
 ان کا یہ وقت موت سے ان کو ہمیں ان پر خانی ملے گی۔ عید و رشی
 اب اپنی پہچان بنا چکے تھے۔ بہت کم کہنے اور اس سے بھی کم چھپنے کے باوجود
 ان کی شاعری مغربی نگاہ کی اور دشت آری کہ قمار کا پتہ دیتی ہے۔ وہیں
 اختر کے بعد عید و رشی کی موت سے مغرب نگاہ میں اردو شاعری ایک
 زبردست سانحہ سے دوچار ہوتا ہے۔ آخر میں ہم اپنی کے ایک شعر
 کے ساتھ اپنی بات ختم کر رہے ہیں۔
 بے اختیار آج بھی آئیں گے تھے عید و رشی کی کوشش کے کرتی

بقیہ : یوم مٹی - مکہ مکرمہ

اس ماحولی پس مستقر میں یوم منجی کی صدمہ مگر
منانے جارہے ہیں۔ اس لئے ہم ایسے بہت ہی غلوں کے ساتھ
منائیں گے اور اس دن طبعاً صدمہ کو اور بھی تیز بنانے والا
گھنہ دہم کے دنا، اجرتی غلامی کو غم کرنے اور جنگ کے غلوں
اس کے لئے عہد کریں گے ++



انسانوں سے بائیں: شکالہا اتر کے تھے اریٹ 'نند' مزدوروں کے پر امن اجتماعی اجتماع پر سرمایہ داروں
 اور سرمایہ حکومت کے مظالم۔ سامراجی حکومت کی سازش کے شکار (۱) اہرٹ پرسن (۲) سیکورٹیل فیلڈن (۳) ماسیکل
 اسکاٹ، جنہیں مزدوروں کی سربراہی کے جرم میں تاریخی تھیل اور علاقہ دار #

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta, Associate Editor : Md. Azam,
 Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and printed by M/s

مغربی بنگال
ٹیگورنبر

جلد ۳۳ • ۱۹۸۷ء • شمارہ ۳

مغربی بنگال

ٹیکور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ

مدیر اعلیٰ : پرستین بھٹا چارویہ
مدیر : دھرمیندر ناتھ دت
مدیر معاون : مہاشی اعظم

اس شمارے میں :

۳	سنگ نکھری	ٹیکور (نظم)
۴	ڈاکٹر عبدالرحمن	ٹیکور اور روحانیت
۷	ڈاکٹر فخر گواری	ٹیکور اور اردو ادب
۱۱	خلیلہ زور	ٹیکور کے طور پر
۱۶	علاقہ ششٹی	روح نگاری (نظم)
۱۷	کے۔ این۔ سانیال	ٹیکور - محبت وطن
۱۹	ہیرین مکھری	ٹیکور اور جدوجہد آزادی
۲۱	اعجاز افضل	سوال (نظم)
۲۰	ایم۔ اے۔ نسیم	ٹیکور اور عالمی دوستی
۲۳	اشفاق احمد	ٹیکور اور تعلیم
۲۷	سرین مکھیا دھیر	ایک چٹکڑی
۳۰	میں و شہید	بچوں کے لئے ایک نظم
۳۱	فیروز قاید	ٹیکور اور بچہ
۳۲	چمن موہن سیانویس	ٹیکور کا دور رس
۳۶	فرحتی سونپا چکرورتی	ٹیکور کی شوکِ حیات
۳۷	مصطفیٰ اکسیر	لے شاعر اعظم (نظم)
۳۸	محمد اعظم	ٹیکور اور شامی نکیتن
۳۹	نارائشاد واسی	ٹیکور ایک مقنور

تیار و پچے



ذریعہ سالانہ

اس خصوصی شمارے کی قیمت ۱۰ روپے فی کاپی



تزیین کار : تیار و پچا دھاس



سائیکھنوی

ٹیکور

ہر راگ میں اک درد بھرے دل کی کسک ہے
ہر دل میں کسی گیت کی پوشیدہ لک ہے
ہر آرزو ٹیکور کے نعروں میں ہے آباد
ثابت ہوا جنگل کے جادو میں اثر ہے !

وہ ایک مصموم
لشکار ڈوونسی کی طرح زندگی اس کی
آئندہ نمانے کیلئے نقش قدم چھوڑ گئی ہے

وہ ایک معائنہ
برہم میں اک شاستی نکتہ کو بیا
بخور جو زمین تھی اسے گلزار بنایا !
ثابت کیا
انسان کے اندر بھی خدا ہے !



ٹیکور !
وہ اک نابغہ، وہ شاعر اعظم
جس نے لوہے کی تہذیب بدل دی
تہذیب بدل کر نئی تاریخ عطا کی !
انشور ڈرامہ ہو کہ افسانہ و ناول
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور
ٹیکور نے تعمیر کیا اپنا جہاں اور !
اندازِ سیرت چند کو اک راہ دکھائی
تندرل کو دعا دی
خوگانت بھٹا چارج کو آواز عطا کی !

وہ ایک مغمی
گیتوں کا شہنشاہ !
راگوں کی ملاوٹ سے نئے راگ جگائے
ہر راگ ہے دامن میں کوئی عزم چھپائے
"جب تیری صدا پر نہ کوئی ساتھ دے تیرا
تنہا ہی چلا چل، تو اکیلا ہی چلا چل !"

ع: ترجمان "ایکلا جولوڑے"
ع: اٹلی کے سب سے شہد شاعر، مصنف اور سائنسدان

نیگور کی شاعری میں روحانیت

ڈاکٹر عبدالرؤف

برہمنہ حرف نہ گفتن کمال گویا نیست
حدیث غلو تیاں جذبہ رمز و ایمانیست
(سخن کا کمال یہ ہے کہ راز کی بات بے پردہ نہ کہی جائے
اہل خلوت اپنے دل کی بات رمز و ایما کے سہارے بیان کرتے ہیں)
فن کے آفاقی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے رابندر ناتھ نیگور
نے اپنے کلام کی اس رمز و ایما پر رکھی جو مختلف عنوانات سے
Spirit of Man یعنی روح انسانی کی شرح و تفسیر کرتا
ہے۔ نیگور کی شاعری میں رمز و ایما بذات خود مقصد بنی یہ ایک
علامت یا پیرایہ بیان ہے جس کے ذریعہ روحانیت مختلف روپ
اور شیعوں کے ساتھ جلوہ ریز ہوتی ہے۔ روحانیت کی تلاش کی
ضرورت نہیں ان کی شاعری میں یہ اس طرح جاری و ساری ہے
دش بچ محل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم "البتہ ان کے حلقہ سخن
میں بیٹھنے اور اس سے مستفیض ہونے کے لئے ان شرطوں کا برتنا
ضروری ہوگا، جو ایک تلمیذ یا طالب فیض کے لئے ضروری ہیں۔

والٹ وٹمین (1871-1942) جن کا عہد رابندر
ناتھ نیگور (1871-1942) سے بہت قریب ہے اپنی نظموں میں
بڑی رشاد و روحانیت کا افادیت پر زور دیتا ہے۔ اس کی ایک
نظم کا بند ملاحظہ فرمائیں۔

نغمہ روح کی اور اس کے بیاں کا جو صبر
بربط شعر سے جب تک کہ نہ ہو بال کشا
ایسے اشعار کے کیا معنی ہیں؟ کیا مقصد ہے؟
شعر اگر نرم سے نہ منسوب ہو شخصیت کے ساتھ
نغمہ کچھ بھی نہیں ایسی خواستہ سخی سے

(انتقاس از والٹ وٹمین کا ۲۱ نظمیں۔ ترجمہ عبدالرؤف)

نیگور تلاش معرفت میں۔ پیننگ ہگم شندرناتھ نیگور

یہ حسن اتفاق ہے اور رابندر ناتھ نیگور کی عظمت کی
دلیل بھی کہ وہ اس عظیم آفاقی شاعر کے معترف اور مداح تھے۔
اپنے ایک مضمون کے بارے میں وہ والٹ وٹمین کے بارے میں فرماتے
ہیں "وٹمین کا نام بلند کی انہما کو چھو لیتا ہے، شعر میں تخلیق
جدت اور بے ساختگی کی ضرورت ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ
ایک ایسی وسعت فکر کی بھی جو اس بات کا غمازی کرتی ہو کہ
شاعر نے کائنات کو گہری نظر سے دیکھا ہے اور یہ کہ انسانیت
کا مرغان حاصل ہے۔ روح بین ہیں تصویریں دیتا ہے۔
تصویریں ہمارے ملک کی تہذیب و روایات میں غاصر سے

مل کر رہی ہیں، ان میں روحانیت کا عنصر امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ قبل از تاریخ کے قدیم ہندوستان کے سینے میں جھانک کر دیکھا جائے تو وہاں بھی "فنیل رہائی" کی مانند روحانیت کا دیکھ اپنی مدد کو کے ساتھ روشنی بکھیرتا مگر ہوں کو راستہ دکھانا نظر آئے گا۔ ہمارے ملک میں روحانیت کی ایک تاریخ ہے جو تسلسل رکھتی ہے اور بندہ یوں اور پستیوں سے گزرتی اپنا راستہ ہموار کرتی رہی ہے۔ روحانیت زمان و مکان کی حدود سے بالاتر ہوتی ہے اور پرستہ بھی۔ جب ہم روحانیت کو حد بیان میں لانا چاہیں گے تو اسے ایک اضافی شکل دینا ہوگی یعنی وہ زمان و مکان سے مربوط (Related) ہوگی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی بنا پر روحانیت کا تصور بدلتا رہا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ توہمات کے انبار نے روحانیت کے دیپ کو ڈھک لیا اور ایسا بھی ہوا کہ اس کی روشنی پھلتی، بڑھتی رہی۔ جبر و استبداد اور ذاتی ملکیت کے دور میں روحانی اقدار کی محافطت کے لئے مزدوری سمجھا گیا کہ سماج اور معاشرے سے ترک تعلق کیا جائے، عزت نفس اور مطالبہ خودی کی پاسداری نہ کی جائے اور یہ کہ معاشرے کے خلاف کوئی احتجاج نہ کیا جائے (حالانکہ خودی کا یہ دبا دبا سا جذبہ نعرہ منہور اور آواز سرد بن کر مختلف اوقات میں نمایاں ہوتا رہا)۔ ترک نفس، ترک خواہشات، ترک دنیا پر پورا پورا زور دیا گیا۔ کسی کا سیکھی شاعر کا مشہور شعر ہے جو ضرب المثل بن گیا ہے۔

ترک دنیا، ترک عقبی، ترک مولیٰ، ترک ترک

بڑھتی ہوئی سائنسی ترقی اور استدلال پسندی نے انسانی نفسیات کی تہوں پر روشنی ڈالی اور عالم نفس کے کچھ توہمات زائل کئے۔ انسان کو اپنے لاشعور کا جو علم تھا اس میں کچھ اضافہ ہوا۔ نتیجہ کے طور پر اربابِ فطرت نے مطالبہ نفس کا نیا مفہوم سمجھا اور اس کی روشنی میں سماج کے بندھے ٹکے اموروں کے خلاف احتجاج کی آواز بھی بلند کی۔ یہ آواز گونجنے لگی شاعری میں ایک طعراق کے ساتھ اور ہمارے یہاں اردو میں

میر تقی علی والے کے قلم چار درویش میں نرم سروں میں سنی جا سکتی ہے۔

جوگ، اُپتیا روحانی اقدار کے حصول کے لئے ضروری ہو سکتی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ روحانی غفلت کا تصور پہلے سے ذہن میں موجود ہو۔ دوسرے معنوں میں طالب کے سامنے کوئی روحانی نصب العین ہونا چاہئے۔

انیسویں صدی کی نثر کا ثانیہ نے جن عظیم مفکروں، ادیبوں اور شاعروں کو جنم دیا ان میں سے ایک رابندر ناتھ ٹیگور ہیں تھے۔ ریناسانس (Renaissance) کی انقلاب انگیز لہروں کا توجہ ٹیگور کے ساز شاعری کی سروں میں مدغم ہونا نظر آتا ہے اس ضمن میں ٹیگور کی ایک نظم "نجات" ملاحظہ فرمائیں۔

نجات

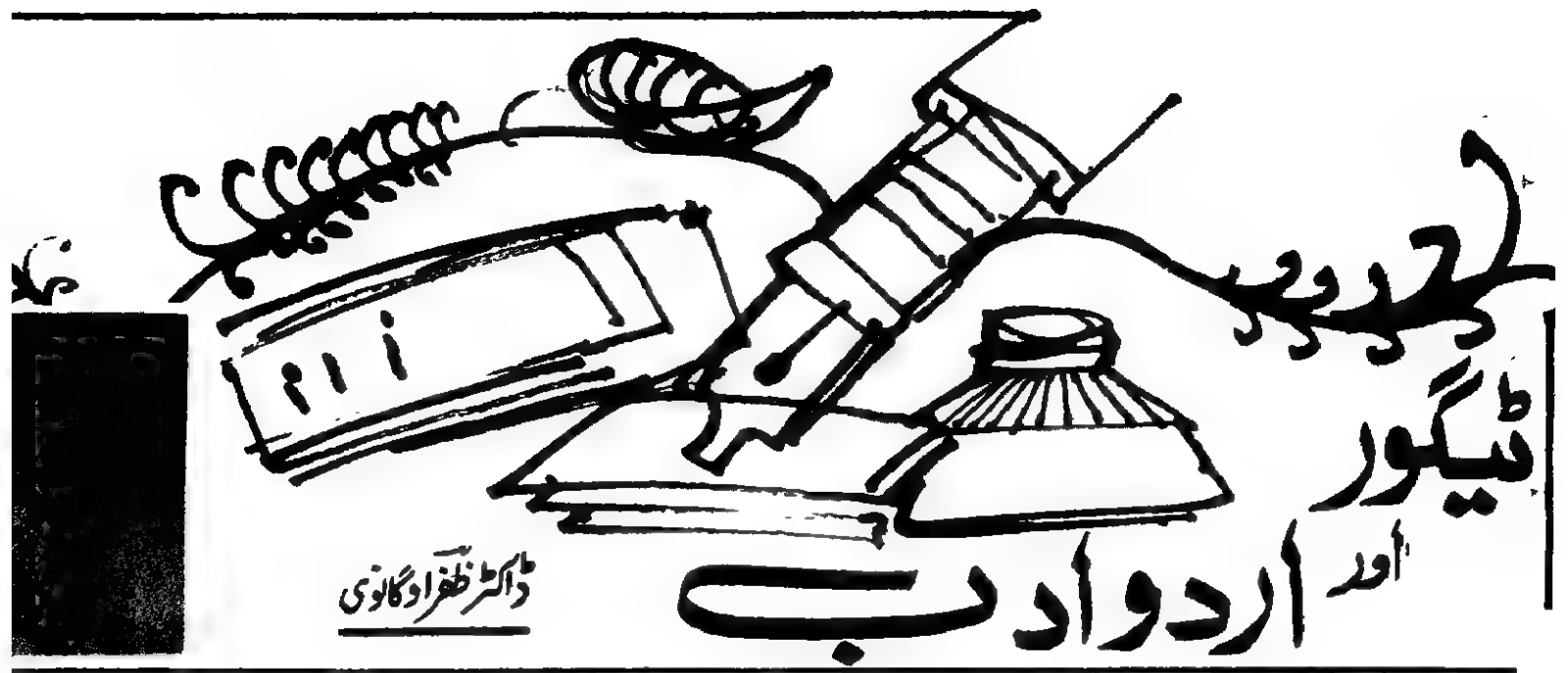
روحانی ریاضت سے جو نجات حاصل ہو وہ نجات میری نجات نہیں ہے
بے شمار بندھنوں کے درمیان ہوا آئندہ سے بھری
نجات کی لذت پاؤں گا اس زمین کے
مٹی سے بنے ہوئے برتنوں کو بار بار بھر کر
تم بار بار حاکم کے اپنا ارت
کئی رنگوں اور خوشیوں سے بھرا۔ چراغ کی طرح
میرا سار اسناد تہوں میں
جگمگائے گا تمہارے ہی شمع کی نور سے
تمہارے مندر کے بھیتر
جو اس مختصر کے دروازے

بند کر کے جوگ سادھا، یہ میرا ملک نہیں
نظاروں میں، خوشبوؤں میں، نغموں میں جو کچھ بھی آئندہ ہے
تمہارا آئندہ اسی کے بیچ بیٹے گا

میری جہاز پرستی اور میرے رشتہ دار کے تعلقات نجات کے روپ میں
جگمگائیں گے

میرا پریم جگمگی کے روپ میں پھولا ہوا ہے گا

(نئے دیکھ جون، جولائی ۱۹۸۱ء، ترجمہ: ذرا گورکھپوری، ایک سو ایک نظمیں)



ایک نئی طاقت بختے کے لئے ٹیگور اور اقبال سامنے آئے۔ دونوں کا مقصد ایک تھا۔ دونوں کا پیغام ایک تھا۔ صرف اپنے ملک کیلئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے لیکن ملشکتی و شانتی کا پیغام دو الگ الگ سروں میں تھا۔ انسانیت کا درد دونوں میں تھا۔ دونوں وطن کی محبت سے لبریز تھے، دونوں وطن کی آزادی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ م۔ ۱۹۰۱ء میں اقبال 'ہمارا دیس' کے نام سے رسالہ 'مخزن' میں ایک نغمہ چھپواتے ہیں اور ۱۹۱۲ء میں ٹیگور تونی کمپوز کرتے ہیں۔ یعنی دونوں ہی تونی مساکل سے دلچسپی رکھتے ہیں ٹیگور جلیانوالہ باغ کے سانحہ کا اثر لیتے ہیں۔ آزادی کی تحریک اور جدوجہد سے اپنے آپ کو جوڑے رکھتے ہیں۔ ۱۸۸۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے کلکتہ سہما میں شریک ہو کر یہ گیت لگاتے ہیں "آمر ا پیلے جی آج ماں ایرٹا کے" لیکن اقبال بین اسلام میں یقین رکھتے ہیں۔ اسلامی قدروں میں اپنے ذہن کو غلبہ کاروب دے کر اوٹوٹریٹل کانفرنس میں شریک ہوتے ہیں۔ اور ٹیگور اپنیشد اور دیانت کو اپنے لئے ماخذ سمجھتے ہیں۔ وہاں اپنی اس طاقت کا تمنا ہے جو محبت سے حاصل ہوتی ہے اور جس کا دوسرا نام انسانیت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

مجھے طاقت دے کہ میں انسان کی خدمت کے لئے اپنی محبت کو کامیاب کر سکوں

دنیا کی زبانوں کے ادب کی تاریخ کو سیاسی اور سماجی حالات کی تاریخ سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے رابندر ناتھ ٹیگور کے دانشورانہ وقار کی بات کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان تاریخی حالات کی بھی بات کی جائے جن سے اس عظیم شاعر کا مزاج تیار ہوا ہے۔ اسی وقت کا ہندوستان ۱۸۵۷ء میں آزادی کی پہلی جنگ مارنے کے بعد ایک آخری جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ جنگ تو اس کی تھی کہ انگریزوں سے اپنا ملک کس طرح واپس لیا جائے اور ہم آزاد قوم کی حیثیت سے پھر اپنا سر ایک غر کیساتھ اونچا کر سکیں۔ لیکن اس جنگ کو جیتنے کے لئے گاؤں گاؤں اور کھلیان کھلیان بیداری کو پہرہ بنانے کے لئے ایک بلے خرچے کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے دو جہین نسلیں کام آئیں۔ دوسری طرف ایٹھیا پر ہی نہیں بلکہ پوری دنیا پر پہلی جنگ عظیم کا خوف بھی منڈلا رہا تھا۔ نوآبادیاتی نظام جس تیزی کے ساتھ بڑھا اور جس تیزی کے ساتھ مادیت نے دولت کی تقسیم کے صحیح طریقہ کار کو نقیانہ پہنچایا اس سے دنیا کے ہر ایک ملک کی دلیزیر بے بیابان برجائیں کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسے میں کشمکش تھی ایک ایسے راستے کی جس پر چل کر سکوں ملک پہنچا جاسکے۔ تھکے ذہنوں کو ایک خوشحالی سکے۔ ایسے میں اس وقت کا دنیا کو اس پورب کے ملک سے دو عظیم شاعر مل گئے۔ اس وقت کے تھکے مارے ہندوستان کو

مجھے طاقت دے کہ میں بھی غریبوں کو اپنا کہنے سے انکار نہ کر سکوں

اور صدی انتشار اور طاقت کے سامنے نہ جھک سکوں

غرض کہ یہ دو بڑے متاع اس وقت کی سیاسی اور سماجی ہولناکیوں سے تقریباً ایک ساتھ ایک ہی طرح متاثر ہوئے۔ برائے الگ راستوں سے گزر کر آنے والی نسوں تک پہنچے۔ مافوق الفطرت کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے ملک کی زبان کے ادب کو مالا مال کیا بلکہ دنیا کی دوسری زبانوں کے عظیم شاعروں کو بھی متاثر کیا۔

جان تک اردو ادب پر ٹیگور کے اثرات کا تعلق ہے۔ اس کا پہلا نقش اردو میں ۱۹۱۲ء میں اس وقت نظر آتا ہے جب ۱۹۱۲ء میں گین جلی کو "نوبل پرائز" ملا۔ اس کا انگریزی پڑھنا جہاں بہتوں تک پہنچا وہاں اس وقت کے مشہور اقداروں کا نگار، انشاء پر داز ادبیت ہی اہم رسالے "نگار" کے ایڈیٹر نیاز فتح پوری کے بھی ہاتھ لگا۔ ڈیوبوئی بٹس کی طرح یا تو ہی ایک طرح جو چھکے ہوئے بنا نہیں رہ سکے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

وہ میرا نے اپنے جناب ہاتھوں سے اے کھول کو ان پے مجھوں کو مطالعہ کیا کہ "اے خدا تو نے مجھے غیب میں ہی بنا دیا۔ تیری مرضی ایسی ہی ہے۔" اس کو درخشاں (استی) کو تو بار بار دعا کرتا رہے اور پھر ہمیشہ ایک تازہ زندگی سے اسے معمور کرتا رہے۔ "تو کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اعدادوں دکھ کر وہ گیا کہ یوں پنے کیوں اس کی عزت کر کے ہماری یہ تنہا مسرت یقینی چین لی کہ اگر یوں پ ماویت کا شہید ہے تو ہم روحانیت پر خدا ہیں اور اس طرح اس کا کسی طرح کم نہیں؟

یعنی ۱۹۱۲ء میں پہلی بار باضابطہ طور پر نیاز فتح پوری نے اردو والوں کو ٹیگور سے نوازا۔ اور یہ اتفاق بھی دلچسپ ہے

کسی سال یعنی ۱۹۱۲ء میں ہی پروفیسر رامبر جگروری "شہر بنگالی"

مکتبہ برنورسٹی نے بھی پہلی بار اقبال کو جنگ زبان سے ان کی مشہور

نظم "خزانہ حق" تعین و حرب ہمارا ہندوستان ہمارا" کا ترجمہ کر کے

متعارف کرایا۔ ہر کیفیت نیاز فتح پوری نے گیتا بھی پڑھ کر اردو والوں کو پہلی بار ٹیگور کے بارے میں یہ تاثر بھی دیا کہ:

"جس طرح بنگور جذبات عالیہ سے بحث کرتا

ہے اسی طرح اس نے زبان بھی مترنم پائی ہے۔

..... سب سے پہلا تاثر جو اس کی نکلے

کو دیکھ کر ہوتا ہے، وہ موسیقی کا تاثر ہے۔ یعنی

وہ مغربی موسیقی جو نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح

عقلوں کا خیرادین ہے۔ لہذا میں آجاتی ہے

اور سنبھلنے والا ایسا محسوس کرتا ہے گویا وہ اس

عالم میں ہے ہی نہیں اور اس کا دگر سوائے اس

کے کچھ نہیں ہے کہ ٹیگور نے خود بہترین اشارات

فنا سے کام لیا ہے۔"

اور اس لیے تعارف اور پہلے تاثر کے ساتھ

ہی اردو میں ٹیگور کے نئے فنما میں گونجنے لگے اور دیکھتے دیکھتے

ہنگیتا جلی کے اردو ترجمے کی اشاعت کا فز ہر پیشہ حاصل کرنے

کی فکر میں لگ گیا۔ میرے مطالعے میں گیتا جلی کے بعض ایڈیشن

ایسے بھی آئے ہیں جن پر ترجمہ کرنے والے کا نام اور پتہ تک نہیں

ہے۔ یہ ایڈیشن بھی بہت مغفول تھے اس لئے ان کے پانچ چھ ایڈیشن

چھپ جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ بہر حال ٹیگور کی اردو میں

قبولیت کی یہ پہلی منزل تھی۔ لیکن جن مستند شاعروں اور فنکاروں

نے ٹیگور کے اشعار اور گیتا جلی کا ترجمہ کیا ان میں نیاز کے علاوہ کچھ

نام یہ ہیں: عبدالرحمن بخوری (نامکمل)، جوش، فراق، عبدالعزیز

خالد، حامد اللہ افسر اور عبدالحمید سائیک۔

اردو دانشوروں کی ایک کھچپ نے ٹیگور کی سوانح

عمری اور اس کے فلسفہ تصوف پر بھی کام کیا۔ ان میں سب سے

زیادہ مشہور نام محمد قمر الدین کا ہے۔ بعد ایشیہ شاعروں

کی بھی بہت بڑی تعداد ہے جس نے ٹیگور کی عظمت کو تسلیم کر کے

خواجه عقیدت پیش کیا۔ ان میں کچھ خاں ذکر نام یہ ہیں :
تجارت مکنوی، حقیق منظری، پرویز شاہی وغیرہ اور
اگر صرف بنگال کے اردو شعراء کی بات کی جائے تو تک بنگ ہر ایک
نے ٹیگور سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

ان کے علاوہ اردو کے ناقدوں کے لئے بھی ٹیگور کی
حیثیت اپنی کی سہی ہو گئی۔ احتشام حسین، شمش الرحمن نادر و
قمر رئیس، اکثر اشفاق اور عبد المعنی اس سلسلے کے سامنے کے نام
ہیں۔ مختصر یہ کہ بنارس سے لے کر عبد المعنی تک اردو ادب کی
ساتھ ساتھ تاریخ ٹیگور کے حوالہ سے نہ صرف یہ کہ خالی نہیں
ہے بلکہ کہیں کہیں ٹیگور کے نام کے بغیر کام نہیں جلتا ہے۔ مثلاً
اگر سرسید کی نشر کے بعد کی اس نشر کا ذکر کیا جائے جس کو مہدی
انادی نے ادب لطیف، بمعنی لائٹ لٹریچر کہا تو محسوس ہوتا ہے
کہ ٹیگور اس نسل کے سامنے تھے۔ اصل میں قصہ یہ تھا کہ ۱۹۱۱ء
سے پہلے اردو نشر سرسید کے ہاتھوں میں حد تک مقصور
اور سب سے ہر چکی تھی اور اس اسلوب سے ان کے ہی دوست
محمد حسین آزاد، نیزنگ خیال، کا بنر میں ان سے الگ ہو چکے تھے۔
اس طرح آزاد کا پیروی یا سرسید کے اسلوب کی مخالفت میں کچھ
نوجوان آگے آئے۔ اور پھر کچھ یوں بھی تھا کہ :

”اس وقت کے نوجوان شرنگار اپنے دور سے
معتن نہیں تھے۔ مغرب کے اثرات نے ان کی زندگی
کو متاثر کیا لیکن ان کی انانیت نے یہ گوارا نہ کیا
کہ مغرب کا غلام بن جایا جائے۔ مذہب کے
شعبہ یہ اثرات، مولویت اور دینیانوس خیالت کا
ان افراد نے مخالفت کی۔ بلکہ آرم مہدی، نیازاؤ
سجاد انصاری کے یہاں یہ خیالات بڑے
دانش میں :“

یہی مہدی انادی وہ ہیں جنہوں نے محمد حسین آزاد کو
اگرچہ اپنا خاندان تسلیم کیا اور اردو میں رومانی تحریک کا شروعات
کی لیکن ٹیگور کے امرض تنفر، گیت غلی نے اس نسل کے ذہن کو جس
طرح اپنی سطح میں جکھو دیا تھا اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں

ہے کہ اردو کی رومانی نشر پر ٹیگور کی چاب صاف نظر آتی ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ اردو کے ترقی پسند ناقد پرہ منیر احتشام حسین نے ٹیگور کے اثر
کا جب آڑہ لینے کے بعد یہ نتیجہ نکالا :

”ٹیگور کے اثرات قبول کرنے والے اردو
کے معنفین دو حصوں میں تقسیم کئے جاسکتے
ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جنہیں ٹیگور کے فلسفے نے
ان کی انسانی دوستی اور امن پسندی اور اتحاد کے
جذبے نے متاثر کیا :“

ٹیگور کے خیالات اور فلسفے کو قبول کرنے والوں میں
پریم چند کا نام خصوص طور پر احتشام حسین اور قمر رئیس بھی لیتے ہیں۔
قمر رئیس نے بتایا ہے کہ پریم چند نے اس کا دو موقوفوں پر اعتراض
بھی کیا ہے کہ ابتدا میں ٹیگور کی کہانیاں بڑھکر انہیں انسانے دیکھنے
کی تحریک ہوئی۔ کہا جاسکتا ہے کہ آزادی نسواں، کاشتکاروں
اور مزدوروں سے ہمہ رری روسی انقلاب، اشتراکیت کے اثرات
کے علاوہ ٹیگور کے بھی اثرات پریم چند کے پیش خیمہ بنے۔

اردو شاعری میں رومانوینٹ کی جڑیں بہت گہری
ہیں۔ سرسید کے اثرات سے نجات پانے والے شعراء رومانی
شاعری کا طرف مائل ہوئے۔ خود عبدالرحمن بجنوری جنہوں نے
گیتا غلی کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا اپنی شاعری کو اس بلینک ورس
(نظم معری) کے ڈھانچے میں ڈھالتے رہے جو گیتا غلی کا مخصوص
وصف تھا۔ اس طرح کی شاعری بجنوری سے ہوتے ہوئے ن۔م۔
راشد، میراجی اور عبد العزیز خالد تک پہنچی۔ جہاں تک موضوعات
کا معاملہ ہے اگر صرف نئے انسان کے تصور کے موضوع ہی کو
سامنے رکھا جائے تو معنی خیز نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ ٹیگور کا خیال
یہ ہے :

”وہ عظیم ہستی آئے گی جو دھرتی کی دھول کو لرزادیگی
آسمان میں نقارے بج رہے ہیں
انسان کی دنیا میں منج کے ڈھول بجائے جا رہے ہیں۔
اس عظیم ہستی کی پیدائش کی گھڑی آن پہنچی :“

اور یہ خیال جو شتی کے یہاں اس طرح استعمال ہوا

لیکن انہوں نے اس کا عزائم آغاز بیداری دیا ہے۔
 رکاب چڑھ کر میں غم و شمس و قمر
 یہ کون تو کسی جو صبح پرورد ہے سوار
 قدم قدم پہ چھ جا رہے ہیں سر و کفن
 یہ گلستان میں در آیا ہے کون حبان ہمار
 اسی نئے آدمی کا تصور اقبال کے یہاں بھی تھا ہے۔
 قدم در جستجو کے آدمی زنا خدام در تماشای آدمی ہست
 اب فراق کے ان اشعار کو پڑھئے۔
 پاس رہنا کسا کس رات کی رات + میہمانی بھی مسینہ بانی بھی
 موت اک گیت رات گاتا تھی + زندگی جوم جوم مباحاتی تھا

ستارے جاگتے ہیں رات لٹ چنکائے سوتی ہے
 وجہ پاؤں کسانے آکے خواب زندگی بدلا
 ان اشعار میں جذبات بھی ہیں اور حسن کی کشش بھی
 ہے اور ٹیگور کا انداز اظہار بھی ہے لیکن فراق جسم سے روح کی
 گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکے۔ ایک تاثیر ہے لیکن مجازی اور
 ظاہری۔ فراق ٹیگور کے روحانی احساسات کو جوتا نہیں جاتے اور
 اخیر میں
 یہ عبادت (نغمہ و مسود) یہ تسبیح خوانی چوڑ
 دروازہ بند کر کے خانقاہ کے سناں اور تاریک گوشے میں
 تو کس کی پرستش کر رہا ہے
 آنکھیں کھول کر دیکھ تیرا خدا تیرے روبرو نہیں ہے
 وہ وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین میں ہل چلا رہا ہے
 جہاں سرک بنانے والا پتھر توڑ رہا ہے
 وہ ان کے ساتھ دھوپ اور بارش میں ہے
 اور اسل کا بوس خاک میں انا ہوا ہے
 یہ فرقہ انار کے چنک دے
 اور اس کی طرح خاک زمین پر اتر آ
 یہ ترقی پسند خیالات وہ تھے جن کے نقوش پر باخاطر

ترقی پسند مصنفین کی بنیاد پر ہی اور مکمل میں ۱۹۲۶ء میں اس کی
 پیمانی کا نعرہ سن ہوئی۔ ٹیگور کو بھی اس میں دلچسپی لگتی تھی لیکن
 وہ مشترک نہیں ہو سکے۔ سن ۱۹۳۲ء میں روس کے دورہ کے بعد روس
 کے حالات سے ٹیگور جس طرح متاثر ہوئے تھے اس کا تقاضا یہ تھا
 کہ وہ ترقی پسند مصنفین کی راہ چلی کریں۔ معنی قیادت ٹیگور
 کے حصے میں آئی اور اردو کی اس نسل نے کسی نہ کسی طرح ٹیگور سے
 اپنا رشتہ جوڑے رکھا۔ اور ٹیگور کی حرکت و عمل کا یہ تصور بہر حال
 پورا ہوا۔

زندگی ہر لمحہ نئے رعب میں آ
 نئے نئے رنگ میں آ، خوشبو میں آ
 نئے نئے نغموں میں آ، نئے انداز میں آ

بقیہ: ۱۔ ٹیگور۔ محبت و وطن۔

آدھے بہت اقوام کے لوگو! دعوہ کو اپنی زمین کا بوجھ
 ماں کے آغوش محبت میں آؤ! جلد آؤ مسئلہ ٹکٹ ابھی بھرا نہیں گیا
 سب کے چھوٹے ہوئے پاک تیرے کے پانی سے
 زندگی عظیم امدادی ہوئی آبادی کے سمندر کے ساحل پر
 (گیتا فحشی)

اس بات کا اظہار انہوں نے اپنے ناول گورا میں
 گورا کے کیریکٹر میں کیا ہے۔ گورا یہ کہتا ہے۔ "آج میں ایک
 ہندوستانی ہوں، میرے دل میں ہندو مسلمان ایسا لگتا کیلئے
 بھن بھرت نہیں ہے۔ آج سارے ہندوستانیوں کا مذہب میرا مذہب
 ہے۔ اس کے ساتھ ہی قومی یک جہتی سے سسرشار ہو کر شاعر
 نے عبارت دیدھا "نظم لکھی جو آج ہندوستان کا قومی ترانہ ہے۔
 ۱۹۳۹ء میں انہوں نے کلکتہ میں مہا جاتی سدن کا
 سنگ بنیاد رکھا۔ یہ ایک عوامی سدن ہے جہاں ہندوستان کے
 سبھی لوگ آ سکتے۔ اس طرح انہوں نے قومی یک جہتی اور
 بین الاقوامی بھائی چارگی کو فروغ دینے کے لئے دوشربا پانی تکم کیا۔
 یہاں ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے اور دنیا کے دیگر ملکوں
 سے طلباء و طالبات آ کر تعلیم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

ٹیگور کے ڈرامے

بنگلہ ادب میں ایک نئی جہت

ظہیر انور

ڈرامے کی تاریخ کا مطالعہ ان کی کشمکش اور بلندی دکھ اور سرخوشی کا مطالعہ ہے اور ماہرین فن بتاتے ہیں کہ ڈرامے کا فن انسان کے انتہائی قدیم اور ارتقائی امکانات سے وابستہ رہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس قدیم اور باوقار فن میں سوائے یونان کے، ہندوستان کی ہم عصری کا منصب کسی کو میسر نہیں۔ ناکیرتھ ستر کے ڈرامائی اصول کی ترتیب سے لے کر عہد جدید کے فنکاروں تک ہندوستان نے اہم اور قدآور ڈراما نگار پیدا کئے ہیں۔ راہنما تھ ٹیگور کی شخصیت بنگال کے ڈرامے کی تاریخ میں ایک لازوال شخصیت ہے۔ ٹیگور عرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ شعر کی فنا کی سرحدوں کے پار ان کے کارنامے بہت وسیع ہیں ادب کی مختلف اصناف پر ان کی طبع آزمائی اور مسلسل درد و کرب سے گزر کر نئے چاند اور ستاروں کی تخلیق نے ٹیگور کو انتہائی محترم اور معزز بنا دیا ہے۔

ڈرامے کی تخلیق بڑے فنکاروں کا شیوہ رہی ہے کالی داس، شیلکپیر، شرفکلیز سے لے کر بیکیت، پیرانڈیلو اور برنٹ تک ڈراموں کی فہرست نے زندگی کے ہزار جہت لیے کی آبیاری کر کے اس فن کو ارفع مقام بخشا ہے اور یہی وجہ ہے

کہ بڑے فنکار کا یہ پسندیدہ میدان رہا ہے۔ ٹیگور بنگلہ ڈرامے کا سنگ میل ہے۔ ایک ایسی پہچان جو زندگی کے ہزاروں رنگوں سے بچے گیتوں اور ڈراموں کا شاندار اشارہ ہے۔ ٹیگور کو ڈرامے کی روایت ورثہ میں ملی ہے اور دوسرے بڑے ڈراما نگار کی طرح ٹیگور کو اس فن سے انسیت کم سنی میں ہی ہوئی۔ ٹیگور خاندان کا علاقہ ادب اور آرٹ سے شدید رہا ہے اور ان کا خاندانی مکان ادب و آرٹ کا ایک حسین گہوارہ ہے۔ ٹیگور کی پیدائش سے قبل ہی جوڈاس نکو کے خاندانی مکان کی ادبی تاریخ اور جمالیاتی افسانہ کات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ جند رانا تھ ٹیگور جو بیسویں صدی کے اس عظیم فنائی شاعر کے بڑے جانی تھے ڈرامے نگار کرتے تھے اور یہ ڈرامے ذاتی اسٹیج پر پیش بھی ہو کر رہے تھے۔ ٹیگور نے سب سے پہلے برہمچیت اداکار ان کے ڈرامے میں اپنے جوہر دکھائے جو ثابت کرتا ہے کہ ہمارے شاعر کو پیشکش کی نزاکتوں اور ضرورتوں کا کس قدر گیان رہا ہو گا۔ اور اپنی تخلیق میں ان کے ذہن رسائے کیا کچھ ٹھونڈا دکھا ہو گا۔ بنگلہ ادب میں یہ ڈرامے کس قدر اہمیت میں ہیں اور بنگلہ اسٹیج اور تھٹر کی پرورش و زندگی میں ٹیگور نے کیسے چراغ جلائے

سلسلے میں ناولین اور مورخین کے خیالات بھی مختلف ہیں۔ بنگلہ ادب میں ان کی سموتوں اور کہانوں کو حقیقتی اور بے پس منظر میں دیکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بنگلہ ڈراموں کے ماضی کی طرف توجہ دیا بہت جانتے ہیں اور یہ اندازہ لگائیں کہ نیگور سے قبل بنگلہ ڈراموں کے غالب رجحانات کیا تھے اور ادب میں ان ڈراموں نے کیسی ساکھ بنائی۔ بنگلہ ڈراموں کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کا عوامی سال انتہائی اہم اس لئے ہے کہ جاترا کا سفر کرتے ہوئے بنگلہ ڈراموں نے اسی سال سے نئے عہد کی ابتدا کی اور کئی اہم ڈرامے کلکتہ کے ذاتی تھیٹر (Private Theatre) کی زینت بن گئے۔ اس عہد میں بنگلیا میں ایک تھیٹر ہوا کرتا تھا اور ہمیں سے بنگلہ ڈراموں کے ایک زبردست کردار انیسٹیل دھوسٹن دت کی بھاسن فن میں ابتدا ہوئی۔ ۱۸۵۹ء میں سر سمیتھا (Sanskritdha) اسٹیج پر پیش کیا گیا اور بنگال کی ڈرامائی تاریخ میں ایک نئے عہد کی نشاۃ ثانی۔ ڈرامے کی لک بڑھی اور اداکاروں کی آمد کے ساتھ ڈراموں کا کارواں بڑھا گیا۔ ایسے ڈراموں کو بہ حیثیت پیشکش یا ادب وہ بلندی نصیب نہ ہوئی جو عظیم ڈراموں کی پہچان ہوا کرتی ہے۔ لیکن بنگال والے اس حقیقت سے نہ ہی صرف باخبر ہیں بلکہ مغرور بھی ہیں کہ نیل درپن (۱۸۶۰ء) کے اسٹیج تک آتے ہی بنگلہ ڈراموں نے عصری حالات کو اسیر کر لیا تھا۔ یہ ڈراما بنگال اسٹیج کے لازوال لمحے کی یادگار ہے۔ اس سے پہلے بنگلہ زبان میں ترہجے تھے اور ماضی کے اوراق کو عیاں طور پر پیش کرنے کے سلسلے تھے۔ لیکن "نیل درپن" کا ڈراما نگار دینا بندھو مترا عصری حالات اور اس کے بھیاںک مسائل سے باخبر تھا۔ نیل درپن کی دراصل یہ بہترین تاریخ ہے جو بنگلہ ڈراموں میں اچھم اور پیشکش سے قطع نظر میلوڈراما سے حقیقت نگاری کی طرف ایک زبردست چھلانگ ہے۔ اس ایک ڈرامے نے بنگلہ ڈراموں کو نئی روح بخونکی، یہی وجہ ہے کہ کوئی مورخ آج تک اس شاندار روایت کے سامنے بے لوب ہونے کی جرأت نہیں کرتا۔ دینا بندھو کے ساتھ بنگلہ زبان کی ڈرامائی ادب میں کردار کے واضح صنفیاتی، حالات کا صحیح ادراک اور ڈرامائی شدت کی

وابستگی کے پلورہ پہلو کو درراجاؤں، حکمرانوں اور مذہبی مصلحت سے اثر کر مام تک آپہنچا تھا۔ انہیں ڈراموں کے وسیلے سے حقیقتاً بنگال کو عظیم نیشنل تھیٹر نصیب ہوا جو بنگال کے ڈراموں کی تجدید کی دوسری اہم کردہ ہے۔

اس تھیٹر کے قیام سے تھیٹر کو زندگی سے جوڑ دیا اور اب نیگورم سے زیادہ فاصلے پر نہیں۔ چراغ سے چراغ چلے اور ذاتی گھروں سے لے کر تھیٹر ہال تک ڈرامے کی زندگی ہوتی رہی اور ۱۸۷۳ء سے لیکر ۱۸۷۹ء تک کے درمیان نیگور کے بڑے بھائی چندرانا تھ نیگور نے ڈرامے لکھ اور پیش بھی کیا۔ ان ڈراموں کے مرکزی خیالوں میں وطن پرستی کا جذبہ بے پناہ تھا۔ اپنے بھائی کے ڈراموں کو قریب سے دیکھنے اور اداکاری کرنے کے مواقع نیگور کو ملے۔ ساتھ ساتھ گزیش گوش اور شیئر بھادروری جیسے بے مثال اور مکمل تھیٹر میں نے ڈراموں کو اپنی رگوں سے خون پلایا اور روایت کی جڑیں مضبوط تر کیوں لیکن ڈراموں کی بے پناہ مقبولیت کے ساتھ ساتھ سین پیننگ، پرتھور انداز، جاترا کارنگ اور انڈر ڈراموں پر چھایا رہا۔ ایسے تاریخی لمحوں میں بہت سے اداکار بنگلہ اسٹیج کو نصیب ہوئے جو انقلاب کی پیش خیمہ بنے۔

رابطہ دانا تھ نیگور جب ڈرامے لیکر اسٹیج تک پہنچے تو اسٹیج کی خاموشی روشن ضرورتیں لیکن کوئی اہم انقلابی تحریک سامنے نہیں تھا اور نہ ہی کوئی شاندار تبدیلی جو ڈراموں کو سنسکرت ڈراموں کے "ادور کوٹ" سے نکال سکتی۔ بلاشبہ مرکزی خیال میں اخلاف کی لئے سنسکال دینے لگی تھی لیکن فارم میں تبدیلی کے امکانات رقم نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ ہی ڈراموں کی پیش کش میں تجربہ ہو رہے تھے۔ نیگور کی ذات بلند تھی، ان کے خیالات واضح اور گہرے تھے اور خوش نفسی سے نیگور کو بیرون ملک کا دورہ بھی میسر ہوا۔ لہذا بنگلہ اسٹیج کو ایک مسیحی ماحول جس نے ڈرامے کی روایت کو برقرار رکھا۔ نیگور کے ڈراموں کی پوری داستان دراصل نئے تھیٹر اور نئے فارم کی تلاش ہے۔ یہ بات اور ہے کہ ڈراموں کی روایت کو برقرار رکھنے کے علاوہ

سے آج بڑھانے یا اثر انداز کرنے میں نیگور کا کارنامہ کس قدر اہم ہے۔

میرا خیال ہے کہ نیگور نے ڈراموں کو صرف پیشکش تک محدود نہیں سمجھا بلکہ ادب سمجھا اور یہی وجہ ہے کہ پہلی بار ان کے ڈراموں میں کردار کا ایک باطنی کردار بھی نظر آیا۔ انہوں نے انسان کے اندر کی جنگ کو ڈراموں میں سمو کر پیش کیا۔ اور یہ جنگ ڈراموں میں نئے اور زیادہ پیچ و لہجہ کی طرف مثبت قدم ہے۔ ڈرامے کلکتہ اسٹیج پر اپنی بہار دکھا رہے تھے لیکن اس کا وجود دراصل وہ زبردست اداکار تھے جو سامعین کو سکھتے ہیں ڈال سکتے تھے اور جن کی صلاحیتوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ نیگور نے اندر کے آدمی کو بھی ڈرامے کے ذریعہ عوام کے درپیش کیا جو صرف طبعی حالت میں ہی متحرک نہیں بلکہ زمینی اور فہوراتی مضامین حرکت کرتا ہے۔ اپنے ایک مقالے *Modern Realism and the Art of an Artist* میں نیگور نے فن کے سلسلے میں اپنے خیالات درج کرتے ہوئے لکھا تھا:

But in all great arts, literary or otherwise, man has expressed his feelings that are unusual in form that is unique and yet not abnormal

ان سطروں میں نیگور نے ادب سے متعلق اپنے واضح تصورات رقم کئے ہیں اور زبان و قلم کی سادگی کو بھی زیر بحث لایا ہے لہذا ان کے ڈرامے، خاص کر ابتدائی ڈرامے اس سادگی سے عبارت ہیں جو بے مثال ہیں اور پرانے زمانے میں غنچا بھی ان ڈراموں کا طرز اور لہجہ جدا ہے جو ڈراموں کو نئی سمت دے باز دے نئے نئے نکتے والوں کے لئے ایک غیر آباد راستہ کی نشاندہی ضرور ہے۔

زبان کے معاملے میں بھی نیگور نے جنگ ڈراموں کی رہنمائی کی ہے۔ پرانے ڈراموں کے لہجے سے انحراف کرتے ہوئے انہوں نے مختلف انداز کے ڈرامے تخلیق کئے ہیں۔ نیگور نے پہلی بار اوپرا کی روایت کو پائیدار زمین میں ملائی۔ ان کا پہلا ڈرامہ

اسی دعوے کی تصدیق کرتا ہے۔ ڈراموں کی فہرست کو غور سے دیکھا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ منظوم ڈرامے کی تخلیق کے علاوہ نثری ڈرامے، علامتی ڈرامے، ڈانس ڈرامے اور فنانس ایسے سے بھی نیگور نے جنگ زبان و ادب کو مالا مال کیا ہے۔ المیہ ڈراموں کی تاریخ میں دراجہ و رانی کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ زبان کے سلسلے میں یہ ڈراما تقریباً تمام دوسرے عصر کا فن پارے پر سبقت لے جاتا ہے۔ صرف بات یہیں نہیں ختم ہوتی۔ نیگور کا ڈرامے کی زبان پر مہارت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے چالیس سال بعد دراجہ و رانی کو دوبارہ تحریر کیا اور پہلے جو خامیاں تھیں انہیں پاک کر کے نثر میں لکھا۔ اور نثر بھی ایسی کم بولتے ہوئے مغفون کا سارا الزام اٹھائے۔ نثری ہوں کہ منظوم ڈرامے، ڈرامائی گیت جو کہ طریقہ ڈراما، نیگور نے زبان کو اسٹیج کی نزاکتوں پر نظر رکھتے ہوئے اور شاعرانہ سلیقے سے برتا۔ نیگور کے اندر ہر لمحہ شاعر ہکتا رہا بالکل اسی طرح جس طرح آرکینڈ کس سرزمین میں دیوبالی ایٹس (Yeats) کے سینے میں تنگی پرورش پاتی رہی۔ شامی نیگور کا مذہب اور ایمان رہی لہذا جب نیگور نے روحانیت کی طرف رخ کیا تو اپنے مہر کی قوم پرستی اور جدید تہذیب کے گھاؤ کو اجاگر کرنے کے لئے علامتی ڈراما لکھا اور اسی فنانس زبان کے توسط سے عظیم اور بلند مرتبہ مرکوی فیل کو پیش کرنے کی راہ دکھائی جو ان سے پہلے ڈراموں میں تقریباً مغفون تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب نیگور نے اچانک "کو شہر کلکتہ میں اسٹیج کیا تو جنگ اسٹیج کی تاریخ کا یہ ایک اہم موڑ تھا۔ اچانک کے ساتھ ساتھ ان کے ڈانس ڈرامے بالخصوص شیلیا نے اظہار کا نیا سلیقہ جنگ ادب کو دیا جہاں جاتیاتی الہار کے ساتھ ساتھ عصری حسیت کا ادراک بھی بھر پور ہے۔ یہ نیگور ہی کی ذات ہے جو جنگ اسٹیج کو ڈانس اور موسیقی کے امتزاج کی ایک خوبصورت تکنیک عطا کرتی ہے۔

نیگور کے علامتی ڈرامے جنگ ادب میں ایک نئی سمت کا اعلان تھے۔ ان علامتی ڈراموں میں نرکتا کرانی اور اڈاک گھر بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ڈراموں کی اہمیت

میں نے جو بحیثیت ادب بھی لوگوں کو خوشی دیتے رہے ہیں اور پیشکش کے اعتبار سے بھی لائق اعتبار سمجھے گئے ہیں۔ ہندوستان میں نیوگرو گرامم وہی ہے جو یورپ میں ڈبلو بی ایٹس (W.B.E.) ہے۔

محل بغیر منظر یا پس منظر کے) ایک درخت کو بادیہ کا تصور انتہائی آسان ہے^۱ اور یہیں سے نئے اسٹیج کی بدلت گئی۔
کھنے والوں کو ملے۔

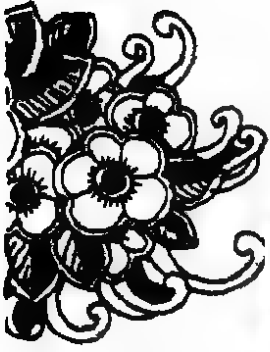
ذاتی طور پر مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ٹیگور دنیا کے بہترین ڈراما نگاروں میں جگہ پانے کے حقدار ہیں۔ انگریزوں کی اہم ضرورتیں کو مد نظر رکھا جائے تو وہی ڈراما بلند تر ہوتا ہے جو ڈراما نگار کے وژن کا اظہار کر سکے اور اسٹیج پر کامیابی سے پیش کیا جا سکے۔..... مسئلہ یہ ہے کہ ایک ڈرامائی ایجنسی میں ایسے کردار تخلیق کئے جائیں جو آرکیٹائپل اور اخلاقی بھی ہوں اور بیک وقت عام اور زمینی بھی (ٹیگور) کے کردار انفرادیت کا روپ دھارنے کے ساتھ ساتھ اپنا اخلاقی، آرکیٹائپل اور علامتی رنگ بھی بے غبار دکھتے ہیں۔

اور یہی نیگرو کی جنت کا ہے کہ انہوں نے ایسے ذرا سے

پروفیسر نے اس عدسہ سالہ تقریبات کے دوران ٹیگور پر پانچ
ایل دستاویزی فلموں کی بھی نمائش کی۔ یہ فلم گوجہ سوویت روس
میں ٹیگور کے دورہ کی بابت تھی تاہم اس میں ٹیگور کی بابت بہت
ساری باتوں کی نمائش کی گئی۔ اس فلم میں ٹیگور کی تخلیقات کا
ذکر کرنے کے ساتھ اس دستاویزی فلم میں نہ صرف شانتی نیکیتن
اور جوڈاس کوکاکا بلکہ سلائی دواہ کی کوکھلی باڑی کی بھی نمائش کی
گئی۔ مجھے یہ فلم بہت پسند آئی۔

اتفاق سے جمعہ روس کے انگریزی رسالے "سوسٹ
وٹس" میں بیگم کے نامک مزاجہ پر داستان سوسکی (روس کے
بہت بڑے غیر آریٹس) کا تبصرہ دیا۔ اس آریٹس نے مزاجہ
کو روشنی اسٹیج کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

روحِ نغمگی



آج پھر ہے نالہ بر لبِ زند گئی
 آج پھر ہے سر بہ زانو زویشنی
 آج پھر قیدِ خودی میں ہے جنوں
 آج پھر صیدِ انا ہے آنکھی
 آج پھر کا نئے بجھے ہیں راہ میں
 آج پھر ہے پاشِ شکستہ رہ روی
 آج پھر ہے خاکِ بر سرِ میکہ
 آج پھر تقدیرِ رنداں تشنگی
 آج پھر ہے لفظِ بے معنی وفا
 آج پھر نفرت کی ہے حبادِ دگری
 آج پھر رقصاں ہے شیطانِ ہر طرف
 آج پھر انساں کی منزل بے بسی
 آج پھر ہیں دل گرفتہ فکر و فن
 آج پھر ہے سر بر ہنہ شاعری
 آج پھر ہے حکمِ راں با کز و نسر
 نامِ بر جہورِ یسنہ کے فقیر
 آج پھر ہے کوہِ کن کا امتحاں
 کس ادا سے خندہ زن ہے خسروی
 آج پھر زندانیِ شقیہ ہے
 اے گردِ دیو! نسیری زوچِ نغمگی

مہیے شاعرِ یہ سماں ہے مشترکا
 آدمی ہے کرب سے رشتہ بیا
 آرزو ہے اس گھڑی صبرِ گام پر
 تیسری انساں دوستی ہو رہنما
 ذہن و دل ہوں مدحِ خواہوں کے تر سے
 روح سے گیتوں کی تیسرے آشنا
 ہر دلِ رنجور کی دھڑکن بنے
 سرے جاں افروزِ نغموں کی صدا
 شرمِ چشمِ خرد ہوں تیسرے گیت
 اور جنوں کو بھی دکھائیں راستا
 زندگی کی راہ میں ہوں شمعِ وہ
 تیسرے شعروں نے جو چھوڑے نقشِ پا
 ہندواؤں کو، میرے ٹیگور، ہو
 سرِ بلندی تیرے نغموں کی عطا

عشقِ شہلی

ربند رانا تھپگور محبت وطن

انرا کے۔ این۔ سانیال



میرے والد محب وطن تھے، ان کی سرگرمیوں میں
حب الوطنی کا جذبہ کار فرما تھا، اور گھر کے سبھی لوگوں میں یہ جذبہ
رونا ہوا۔ ربند رانا تھپ نے اس سلسلے میں "فرزند گانہند" کے ساتھ
ایک گیت لکھا جسے ان کے بڑے بھائی ستندر رانا تھپ نے سُر دیا۔ یہ
گیت بہت مقبول ہوا، کیوں کہ اس گیت میں قومی یک جہتی اور اتحاد
کا پیغام ہے۔ شاگر خاندان میں "ہندو میلہ" کو کافی اہمیت حاصل
تھی اور ہر سال بیگور گھرانے کے لوگ اس میلہ کا انتظام کیا کرتے۔
اس سلسلے میں ربند رانا تھپ نے یوں کہا "اس میلہ سے مادر وطن
کا شعور اجاگر ہوا اور مادر وطن کی خدمت کرنے کے لئے لوگ
تیار ہو گئے۔"

ربند رانا تھپ نے جس گھرانے میں جنم لیا، جہاں انہوں نے
بچپن کے دن گزارے، وہاں امن، شائقی اور پیار و محبت کا
ماحول تھا۔ اس ماحول نے بچپن ہی سے ان کے دل میں قومی یک جہتی
اور اتحاد کے جذبہ کو اجاگر کیا۔ جب وہ پندرہ سال کے تھے تو
انہوں نے یہ گیت لکھا۔

مختلف افکار و آراء کے ہم
بنے ہیں ایک ہی دھڑکے میں ہم
ایک ہی ذمہ دار کا کریم بنے
سرگرم عمل ہیں ہزاروں ہم

بنے ہمارے

ابج نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا شدید
بحران سے دوچار ہے۔ اس شدید صورت حال میں قومی اور
بین الاقوامی امور کی بابت ربند رانا تھپ بیگور نے جن باتوں کا
اظہار کیا ہے وہ آج بھی نوع انسان کے لئے امیدوں کی نئی شعلہ
بن چکی ہیں۔ تمام تضاد کو پرے رکھ کر انہوں نے اپنے اہل وطن کے
دلوں کو قومی اتحاد سے سرشار کر دیا۔ اپنے سینکڑوں مضامین
میں انہوں نے ہندوستان کی ثقافتی عظمت کا ذکر کیا اور کثرت
میں وحدت کے اصول کو فروغ دیا۔

ربند رانا تھپ بیگور محب وطن تھے اور سارے ملک میں
حب الوطنی کو فروغ دینے میں انہوں نے گراں قدر خدمات انجام
دیں۔ ان کی نظر میں قومیت اور بین الاقوامیت میں کوئی خاص فرق
نہیں ہے، کیوں کہ حب الوطنی، پیار، محبت، بھائی چارگی اور قومی
اتحاد کو فروغ دیتی ہے۔ ان کی وجہ سے صحت مندرشتہ کو فروغ
حاصل ہوتا ہے، اور اس کی رشتہ سے مختلف ممالک ایک دوسرے
کے قریب آ جاتے ہیں اس طرح حب الوطنی اور بین الاقوامیت
ایک دوسرے کے قریب آ جاتی ہے اور ایک دوسرے میں منم ہو
جانے کی کوشش کرتی ہے۔ ربند رانا تھپ کے دل میں حب الوطنی کا
جذبہ بیدار ہوا اس کے لئے وہ اپنے والد بھارتی دیند رانا تھپ
کے ارہن سنت ہیں۔ اپنی سوانح عمری میں وہ یوں رقمطراز ہیں،

ہندو مت کے بانی نے انہوں نے بہت ساری نظمیں
 کہیں اور سمجھنے کے لئے اپنا پڑھا، سامعین نے انکی بڑی
 حریف کی۔ ان کے مرگیت میں قومی اتحاد کا جوہر نظر آتا ہے۔ ہندو
 میں تقسیم بنگال کے خلاف جب لوگوں نے احتجاج کیا تو وہیں
 اس میں سرگرم طور پر شریک ہو گئے۔ اسی وقت انہوں نے
 بنگال میں مراکھی بندھن کو دوبارہ رائج کیا اور اس تقسیم کے خلاف
 بنگالیوں کو متحد ہونے کا پیغام دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک
 گیت بھی لکھا۔ تقسیم بنگال کے خلاف غریبوں کے عرصہ میں انہوں
 نے بہت سارے گیت اور نظمیں لکھیں اور ان کے ذریعہ انہوں نے
 بنگالیوں کے درمیان قومی یک جہتی اور حب الوطنی کو فروغ دیا۔
 بنگال کی مٹی، بنگال کے پانی، نے تو فرور اپنا اھارا
 تھا، لیکن صبح معنوں میں وہ ہندوستان کے سفیر تھے، ہندوستان کے
 صدر راز کی قومی میراث کی ان کی نظموں میں جھلکیاں نظر آتی ہیں۔
 عرصہ دراز سے اپنیشد رامن اور مہا بھارت نے ہماری ثقافت
 کو بھائی کیا اور ہندوستان کے لوگوں میں قومی یک جہتی اور قومی
 اتحاد کو فروغ دیا۔ رہنڈرانا تھ کی تحریروں میں ہمیں اپنیشد کی تعلیم
 رامن اور مہا بھارت کی کہانیوں کے اثر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اپنے
 لکھے ڈرامے بنگال مر گیا اور بالی کی پرائیوٹ اور ان کی
 نظمیں "آج کل پرہی" "پوتی تا" "بھاشا و جندو" میں انہوں
 نے رامن کی عظمت کو اجاگر کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے
 مہا بھارت کی اہمیت پر بہت سارے مضامین بھی لکھے۔ اس
 کے علاوہ ان کے ڈرامے "جتر انگدہ" "کوچ و دیبانی" "کماندھاریر آجے دن" "کور کو کنتی سونگباد" وغیرہ
 مہا بھارت کی کہانی پر مبنی ہیں۔

گو تم بدھ کی انسان سے محبت اور عدم تشدد کی
 تعلیم نے بھی رہنڈرانا تھ کو بہت متاثر کیا۔ اشوک کی انسان
 دوستی اور محبت نے بھی ان کے دل میں ایک نئی جوت جگا
 دی۔ اس طرح رہنڈرانا تھ کی تحریروں اور تصانیف میں انسان
 محبت اور عدم تشدد کا پیغام ہمیں ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں
 یہاں انکی "تالیسی" "نوشیر پوجا" "چندالیکا" اور اپنا دیوان

کو تھا کہانہ کی سرسبز جھپٹا، مول پراپتی، نظموں کا ذکر کیا جاسکتا
 ہے۔

رہنڈرانا تھ کی قومی بیداری اور تقسیم ہندوستان کی تہذیب
 اور ثقافت سے ان کے دنیا کا بستگی میں ہمیں نکالی داس کی
 جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ ان کی نظمیں "لے کال اوے کال"
 "سنگدوت" "برٹ منگل" "دون بوشیشور پورے" سے کال
 اس سلسلہ میں بطور ثبوت پیش کی جاسکتی ہیں۔
 ان لوگوں کو جنہوں نے مذہبی تنگ نظری سے اوپر اٹھ
 کر انسانیت اور محبت کو اپنا یا ہے رہنڈرانا تھ خراج عقیدت پیش
 کرتے ہیں۔ مذہبی تنگ نظری سے آزاد ہو کر روحانیت میں غرق
 ہونے والوں کا وہ خیر مقدم کرتے ہیں، مذہب کے نام پر جہالت
 اور تنگ نظری کو انہوں نے کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ شری
 چیتیا اور گردانانت کی بنی نوع انسان کے لئے محبت اور خلوص
 سے محبت شریعت متاثر ہوتے تھے۔ شہنشاہ اکبر کی مذہبی
 سیاسی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔ "اکبر نے
 نہ صرف سیاست کے ذریعہ بلکہ محبت کے ذریعہ ہندوستان کا
 جوئی جوئی ریاستوں کو اور سارے ہندوستان کے لوگوں کو متحد
 کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے راجہ رام موہن رائے کو اخوت
 اور محبت کی دنیا کا ہندوستانی سفیر کہا۔ انہوں نے سکوں اور ہوا
 اور راجپوتوں کے کارناموں پر مشتمل بہت ساری کہانیاں لکھیں۔
 ہندوستان کی تاریخ ان پہلوؤں کے کارناموں سے بھری پڑی ہیں۔ ان
 کے کارنامے تمام مذاہب کے ہندوستانیوں کے دلوں کو اعلیٰ مطیع
 نظر اور قوم پرستی سے مرشاد کر دیا۔

رہنڈرانا تھ اس بات سے واقف تھے کہ مختلف
 علاقوں کی ثقافتوں اور روایتوں کا علاقوں کے درمیان نبادلہ کے
 بغیر قومی یک جہتی کا فروغ ممکن نہیں۔ انہوں نے اس بات کو اپنی
 نظم "بھارت تیرتھ" میں اجاگر کیا ہے۔

آؤ لے آریے، آؤ لے غیر آریے، ہندو مسلمان
 آؤ آؤ آج تم اسے اہل فرنگ، آؤ آؤ آؤ اے عیسائی
 آؤ لے برہمن پاکیزگی قلب کے ساتھ سب کا پلڑا ہاتھ

(باقی صفحہ ۲ پر)



رہنما نانہ ٹیگور اور نیتاجی سبھاش چندر بوس کلکتہ کے قہجانی سدن میں۔

ٹیگور اور جد جہد آزادی

— از —
ہیدن مکھرجی

اپنی سوانح حیات میں رہنما نانہ نے اپنے بچپن کا
لیکھ واقعہ بیان کیا۔ کلکتہ کی ایک بستی میں ایک کچا مکان یا جھونپڑا تھا۔
وہاں وہ اکثر چوری چھپے جایا کرتے۔ یہاں رازداری برتی جاتی۔ جو یہاں
آتے وہ خاموش رہتے۔ اس پر سکون ماحول میں آہستہ آہستہ وید کے
منتر پڑھے جاتے۔ چند لوگ، نوجوان اور بوڑھے یہاں آتے اور
ایک بند کمرہ میں جس کی کھڑکیاں بھی بند کر دی جاتیں، ایک انسانی کھوپڑی
اور اس کے پاس ہی رکھی ننگی تنواری پر ہاتھ رکھ کر حلف لیتے کہ وہ
اس وقت تک آرام نہیں کریں گے جب تک کہ ہندوستان آزاد نہ
ہو جائے گا۔ ان کے ایک بڑے بھائی جو رہنما نانہ کے زیر اہتمام ایسی
عجیب و غریب نشیں منعقد ہوتیں اور راج نارائن باسو وید پڑھا
کرتے تھے۔ شری باسو عمر میں گرجہ بڑے تھے لیکن بچہ کی طرح
باکل معصوم تھے۔ یہ گورنر نے ایسی نشیوں کا ذکر کیا ہے جہاں
برسر پیکار ہندوستان کی خصوصیات ناکامی کا ذکر ہوتا تھا اور اس کے
ساتھ ایک عزم معصوم کا، جس کی اس ناکامی کے جگر میں بھی شناخت
کی جاسکتی تھی، یہ ملک پھر اٹھ کھڑا ہو گا۔ ان کے بچپن کی
باتیں اس فنکار کی بھی تصویر کشی تھیں، جن میں شاعر نے جنم لیا
اور پرورش پائی۔ ٹیگور جنہوں نے اپنے لافانی کلاموں کے ذریعہ
لوگوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جلا رکھا اور بین الاقوامیت کا جھنڈا
ساری دنیا میں لہرایا، کے رنگ و ریٹے میں حب الوطنی کوٹ کوٹ

کو بھری ہوئی تھی، وہ جنگویانہ قوم پرستی کے جذبے سے آزاد تھے
لیکن وہ اپنی میراث پر فخر کرتے تھے۔ بقول گاندھی جی وہ اپنے ملک کی
عزت اور خودداری کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ اس بات کا عکس ہم ان کی
مشہور تقریر "ہمارا اپنا سماج" (۱۹۰۲ء) میں پاتے ہیں۔
ان لوگوں کو جو اس بات کو بالکل اہمیت نہیں دیتے
کہ طاقتوں کے در پر جا کر فریاد کرنے سے ملک کو بہت زیادہ فائدہ
ہونے لگا، ان کے مخالفین قنوطی کہتے ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ صرف
بھیک مانگنا ہی غربت اور افلاس کے مسلم علم ہیں۔ مسیح قنوطی
میں یہ کبھی نہیں کہوں گا کہ ہم لوگوں کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے
سوائے اس کے کہ بستہ بدن میں ڈالے بدن میں راکھ مل کر اپنے
آفتاب سے درخواست کرنی ہوگی۔ مجھے اپنے ملک پر یقین کا ل ہے
اور میں اس طاقت کو، جو ہم سبوں میں ہے، اخراج عقیدت پیش کرتا
ہوں۔

۱۸۷۷ء میں رہنما نانہ نے جب ان کی عمر ۱۴ سال
کی بھی نہیں ہوئی تھی، ہندو مسلم میں شرکت کی اور دہاں حب الوطنی
پر لکھے اپنے گیت کو گا کر سنایا۔ یہ میدان ہر سال منعقد ہوتا ہے، اگرچہ
اس کا نام ہندو تھا تاہم اس کا مقصد اور نظریہ قومی تھا۔ یہ میدان
۱۸۷۷ء سے کلکتہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ہر سال
منعقد ہوتا رہا۔

کھٹال کو صاف رکھتے، گائے کو چارہ دیتے۔ وہ اس منتقلہ جائیداد کو اچھی حالت میں رکھتے اور اس کی سینگ کی نوک کو توڑ دیتے تاکہ یہ کسی کو ڈھونس (سینگ) نہ مار سکے۔ جب یہ فہم میں آجائے۔ صبح و شام اس گائے کو دوپتے اور اس کے پتے دبے پتھر دلوں کے لئے کچھ دودھ چھوڑ دیتے۔ ان باتوں سے انگریزوں کا ذال آوارہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔

اسی دوران انڈین نیشنل کانگریس نے (جسے ۱۸۸۵ء کو قائم کیا گیا تھا) اپنا پہلا سیشن کلکتہ میں دسمبر ۱۸۸۶ء کے آخری ہفتہ میں منعقد کیا۔ یہاں بھی ٹیگور نے جو اس وقت ۲۵ سال کے نوجوان تھے اس جلسے میں اپنے نیکھے گیت گائے۔ انہوں نے ان گیتوں کو رام پرشاد سین کی موسیقی میں ترک دھن میں گائے۔ اس کے چند برسوں بعد کلکتہ میں پھر کانگریس کا سیشن منعقد ہوا۔ اس موقع پر بھی ٹیگور نے، ننتا جی گیت گائے۔ اس وقت انہوں نے بنک چنڈ جڑی کے گیت سمجھے "بندے ماترم گائے۔ آزادی سے قبل تک یہی گیت ہندوستان کا قومی ترانہ تھا۔ آزادی کے بعد ان کا گیت "جن۔ گن۔ من" ہندوستان کا قومی ترانہ بن گیا۔ اس سلسلے میں شاعر کے بیٹے نے ایک واقعہ کا ذکر کیا۔ یہ بات ۱۸۹۲ء کی تھی۔ کلکتہ میں کانگریس کا اجلاس ہوا تھا۔ اس موقع پر ایک انگریزی عنانیہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ ٹیگور کو بھی مدعو کیا گیا تھا کہ وہاں جائیں اور مہمانوں کو اپنے گیتوں سے مسحور کر دیں۔ ٹیگور کا وہاں جانے کا ارادہ نہیں تھا لیکن مجبوراً انہوں نے شرکت کی۔ انگریزوں کے شایان شان "عشائیہ" میں دعوتی پہنے اور چادر اوڑھے ٹیگور وہاں گئے اور وہاں ایک گیت گائے۔ یہ گیت محکوم ہندوستانیوں کیلئے دکھ درد کی آواز تھا، ساتھ ہی اس میں حاکموں کے خلاف غم و غصہ کا بھی اظہار کیا گیا تھا۔ اس گیت سے پوری محفل میں خاموشی چھا گئی اور اس کے بعد یہ باری منتشر ہو گئی۔ ان کے اس گیت کے چند سرے یہ ہیں :

نچے گیت گانے کو نہ کہو، میری النہا ہے،
نچے اب کرنے کو نہ کہو،
کیا یہاں ہم صرف خوشیاں منانے اور ہنسنے کھیلنے کیلئے آئے ہیں،
اور پچھ دار جھوٹی باتیں کہنے،

آج کون جاگے گا، خدمت کرے گا، اور پونچھے گا
اپنی ماں کے آنسو
اور پیش کرے گا اس کے چروں میں اپنی تمام دلی خواہشات
اور پرخلوں خدمات

جب انہوں نے ۱۸۹۷ء میں ستر میں جنگال موبائی کانفرنس میں شرکت کی تو یہی جذبہ ان میں کارفرما تھا۔ وہاں بھی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ تمام تقریریں جنگلہ میں ہونی چاہئے، لیکن وہاں موجود دیگر سببراہوں نے ایسا کرنے سے موزرت کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ خود ان کی تقریروں کا ساتھ ساتھ جنگلہ میں ترجمہ کرتے جائیں گے، اور انہوں نے ایسا کر کے دکھایا بھی۔

۱۸۹۷ء میں وہ عوامی امور پر طنز و مزاح سے بھر
مضامین لکھے۔ اپنے ایک مضمون "مٹھ میں تالا" میں وہ یوں رقمطراز
ہیں :

"وقتاً فوقتاً ہمیں اس امر کا احساس ہوتا ہے اور ہمیں
تعجب بھی ہوتا ہے کہ ہمارے برٹش حکمران، اعلیٰ خود مختار حاکم اور حد
سے زیادہ طاقت ور ہیں اس ملک میں خوف و ہراس میں زندگی بسر
کر رہے ہیں۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ دور سے دور کے قدموں
کی آواز انہیں یکایک ٹھرا دیتی ہے۔ کیوں کہ جب کبھی بھی ان کا دل
دھڑکنے شروع کر دیتا ہے، تو گویا ان کے خزانہ میں ایک زلزلہ
آجاتا ہے، اودم سارے مادر وطن کا خزانہ بالکل خالی ہو جاتا ہے اور
خوراک کے دو چار ٹکڑے بھی جو بچ رہتے ہیں، اور جو غریب اور
استغصال کے شکار لوگوں کے سب کے سپیٹے پڑتے ہیں، چشم زدن
میں نوپ کے سخت آہنی گولہ بن جاتے ہیں، اور یہ اس قسم کی خوراک
ہیں جسے ہم آسانی سے ہضم کر سکتے ہیں۔"

اسی طرح ٹیگور ڈبیلک نوش (۱۸۹۸-۹۹ء) سے

ہم ان باتوں سے واقف ہوتے ہیں :

کانگریس ہمارے لوگوں کے دلوں میں صرف اسی
وقت گھر کر سکتا ہے جب یہ اپنے ذاتی وسائل سے ملک کی پائیدار
خدمت کرے۔ برخلاف اس کے، اگر یہ مختلف مزاج میں اپنے مالکوں

کے سامنے اپنے خودی دم کے پلانے کو اپنا فرض سمجھا ہے تو اسے اس کی خدمت کے لئے ایک دن ایک ٹکڑا روٹی کا نصیب ہوگا تو دوسرے دن لٹ اور آخر میں شرک کے کنارے اس کی لاش پڑی ہے گی۔

ہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ گاندھی جی کے تعمیراتی پروگرام سے کم از کم ۲۵ سال پہلے ٹیگور نے یہ باتیں کہی تھیں۔

بیسویں صدی کے شروع ہی سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رہبرانہاتھ نے ساری دنیا کو اپنے انکار و آراء کے دائرہ میں لانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ وہ خلوت پسند تھے اور اب ان کے خیالات وسیع ہوتے جا رہے تھے اور انہیں اس بات کا یقین کہل ہو گیا تھا کہ اب مشرق اور مغرب کو ایک دوسرے سے ملنا چاہئے، آزادی اور دوستی کا لفظا میں — اپنے سفروں، سماج اور تفریق: (۱۹۰۲-۱۹۰۱ء) میں انہوں نے لکھا۔

”جدید عرصہ میں یورپ میں اندھ میں دشمنی نے تہذیب کی طمانیت کو فنا غدار بنا دیا ہے۔ جب راون دشمنی سے بالکل ہو کر بڑی کی راہ پر گامزن ہو گیا، تو اسے ورا نکششی نے ایسا کرنے سے باز رکھا، کیوں کہ فلاح و بہبود کی دیوی نے جدید یورپ کے مندروں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں پورے علاقوں میں اشتعال انگیزی کی آگ بھڑک اٹھی۔ چین میں علم نے اپنا ظاہری مادہ انا کو رکھ دیا اور بربریت ننگی ہو کر سامنے آگئی۔ مذہبی مبلغوں کی خشک باتوں نے مذہب کی روح کو مردہ بنا دیا ہے۔“

۱۹۰۲-۱۹۰۱ء میں انہوں نے یہ اعلان کیا کہ کسی طرح خیر مسیح،

مغرب اور بحکری کے شکار ہندوستان کی کمزوری حکومت برطانیہ کی موت ثابت ہوگی۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو پکارتے ہوئے کہا، ”ختم کے دونوں میں سماجی کی شناخت کی جاسکتی ہے اور تاریخ ثابت ہے کہ اس طرح کی سوچ و چار کے بغیر لوگوں کو نجات نہیں ملے گی۔ خود کو قربان کر دینے کی ضرورت ہے، اور انفاظ کی بھر مار سے ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ قسمت نے ہمیں یہ علم دیا تاکہ ہم حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔“

اس طرح پستنا (ابھی بنگلہ دیش میں ہے) میں بنگال

ہو بائی کانفرنس (جنوری ۱۹۰۹ء) کو اپنی صدارتی تقریر میں انہوں نے ”سودیشی تحریک“ کی تشنگینی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کا پہلا عظیم دور ہے۔ اس کانفرنس میں مغربی بنگال کے گورنر لارڈ کرزن بھی موجود تھے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے شاہ ٹیگور نے کہا ”بنگال کو انگریزوں کی حکومت و حصوں میں منقسم کر دینا چاہتی ہے یہ تحریک اس تقسیم کے خلاف ہے۔ اس تحریک نے ایک ہی نعرہ کو جنم دیا ہے جسے ہم مغرب سے مشرق تک سنتے ہیں۔ ”ہم بنگالی ہیں، ہم ایک ہیں“ کیا اس سے پہلے ہم لوگوں کو کبھی بھی اس حقیقت کا احساس ہوا ہے کہ ہر جگہ کے بنگالی ایک ہیں، ہمارا خون رشتہ ایک ہے، اور اسی رشتہ نے ہمارے درمیان اتحاد کے شعور کو اجاگر کیا۔ دیگر دریافتوں کی طرح، ہم لوگوں کی یہ نئی دریافت بھی عامیہ سامنے ایک محدود مقصد کی کامیابی کے لئے عارضی ضرورت کے طور پر رونما ہوئی۔ لیکن بعد میں ہم نے یہ دیکھا کہ یہ عارضی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو ایک خزانہ ہے، ہماری طاقت کا اظہار ہے۔

طاقت کے اس اچانک احساس نے، جو ہمارے اندر موجود ہے، ہمارے عوام کو خود اعتمادی کا شربت معطر پلا دیا۔ کیرنگ اس شربت کے بغیر ہم ہمارے لوگ اتنے دنوں تک معائب کا شکار بنے نہیں رہتے۔ جیسا کہ ہم لوگوں نے بائیکاٹ تحریک میں کیا۔ محض طیش میں کبھی بھی برداشت کا اتنی قوت نہیں ہوتی، اور خاص طور پر طاقت وروں کے خلاف کمزوروں کا غصہ اتنے نمایاں طریقے سے نمایاں نہیں ہوتا۔“

شام کے دل میں ملک اور اس کے عوام کے لئے کتنی گہری محبت تھی، شاید اس کی ہم اچھی طور پر وضاحت نہیں کر سکیں گے۔ کمزور و ناتواں سیاست کے تناظر نے انہیں بڑی طرح مجروح کیا۔ اس سلسلے میں اپنے ایک دوست کو خط میں بیان کیا: ”جب تک کہ ہم خود کو حق بجانب قرار نہ دے سکیں، اس وقت تک ہمیں چھپ کر رہنا چاہئے۔“

پھر ۱۹۰۹ء میں انہوں نے تن تنہا شانتی نیکتن میں اپنا اسکول قائم کیا۔ اس اسکول کے کئی اخراجات وہ خود برداشت

کہتے جالاںکہ اس وقت ان کی ذہنی آمدنی دو سو روپے ماہانہ ملتی تھی۔ ان اعتراضات کو پورا کرنے کے لئے ان کی بیوی نے موت سے قبل (ان کا سلسلہ میں انتقال ہوا) تقریباً اپنے تمام زیورات روخت کر دیے۔ لیکن سودیشی تحریک نے انہیں پھر بولپود سے باہر بلایا اور ۱۹۰۲ء کے دوران وہ قومی جدوجہد میں سرگرم عمل ہو گئے۔ بہت سارے مضامین لکھے۔ جگہ جگہ تقریریں کیں، عوامی مظاہروں میں ہدایت خود شرکت کی اور قومی تعلیم، جسے انہوں نے خود مرتب کیا تھا، کے کام میں سرگرم عمل ہو گئے۔

۱۹۰۸ء تک بہت ساری اذیتوں کے باوجود ٹیگور نے تحریک کے لئے اپنی سرگرمیوں کو خاص طور پر تعلیم کے میدان میں جاری رکھا، لیکن سیاست کے تنگ مزاجی ان کی بیدار روح کو راسخ نہ آئی، اور ایک بار پھر خود کو وہ تنہا اور ایک بندھن میں جکڑے ہوئے پایا۔ اسی سال انہوں نے سیاست کو خیر باد کہا اور نہ صرف شانتی نیکتن میں بلکہ اپنی خاندانی زمین داری کے علاقوں میں اپنی دیہی نو تعمیر اسکیموں کو رو بہ عمل لانے کی کوشش کی۔ مختلف ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد انہیں حوزہ تعلیم اور متعلقہ کام کا بچے کے تجربات حاصل ہوئے تھے، انکی روشنی میں انہوں نے مذکورہ اسکیمیں مرتب کی تھیں۔ یہ عرصہ گیتا بھلی کا عرصہ تھا، جب شاعر امن کا "ایک توازن کی اسکل سوچہ بوجہ کی تلاش میں خودی میں غرق ہو گئے۔ لیکن عرصہ دراز تک روحانیت کا دنیا میں خود کو سمو کر نہ رکھ سکے، کیوں کہ بار بار اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ وہ اسی وقت اپنی دنیا سے بھی وابستہ تھے۔ اور اس کے سوا کچھ بھی تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انہوں نے وہ گیت لکھا جو آج ہمارا قومی گیت بن چکا ہے۔ اسی سال کلکتہ میں منعقدہ کانگریس کے سیشن میں انہوں نے یہ گیت گایا تھا۔

ہندوستان میں حکومت برطانیہ رہبر رانا تھ ٹیگور کو ناپسندیدہ شخص میں شمار کرتی تھی۔ اگرچہ انہیں "ناتھ ٹیگور" یعنی "سرس" کا خطاب ملا تھا اور ۱۹۱۲ء میں انہیں ان کے محبوب کام "گیتا بھلی" پر انہیں نوبل پرائز بھی دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں جب ٹیگور جاپان کا دورہ کر رہے تھے تو اس وقت جنگا ل کے گورنر

لارڈ کارمائیکل نے، جو ان کے آرٹ کے دلدادہ تھے، ٹیگور میں برٹش سفیر کو تعارف کا ایک خط لکھا۔ جب یہ بات ریاستی سکریٹری برائے ہندوستان تک پہنچی تو وہ غصہ میں آگ بگولہ ہوا تھا اور یہ خط لکھا کہ لارڈ کارمائیکل کو ایک شخص کی بابت تعارف کا خط نہیں لکھنا چاہئے تھا، جس کا ارادہ اور طور طریقہ حکومت ہند کی نظر میں مشکوک ہے۔ اس خط کے ملتے ہی ٹیگور میں سفیر کے نام ایک ایکسپریس ٹیلی گرام بھیجا گیا جس میں انہیں ان تمام باتوں سے آگاہ کیا گیا کہ چونکہ لارڈ کارمائیکل اعلیٰ سیاسی راسخ کے آدمی تھے، اس لئے انہیں انگلینڈ میں واپس نہیں بلایا گیا۔

آزادی کے لئے ہندوستان کے مطالبات کو برٹش حکومت سنی ان سنی کر دیتی۔ برٹش حکومت کی اس بے رخی کے خلاف رہبر رانا تھ نے بہت سارے مضامین لکھے، بیانات جاری کئے جنہوں نے سیاسی منظر کو منور کر دیا۔ اگست ۱۹۱۶ء میں انہوں نے ایک مضمون "مجھے فرمانبرداری کو ٹھکنا ہوگا" لکھا:

"اگر ایک قوم کو ترقی کا راہ پر اپنی گتھسکا پڑے، آہستہ آہستہ قدم بہ قدم آگے بڑھا پڑے، تو وقت کو ہدایت خود اپنی شکست تسلیم کر لینا ہوگا، آج کسی بھی قوم کو آزادی پانے کی مستحق قرار نہیں دیا جاسکتا اگر اس قوم کے لوگوں کو ترقی کے لئے امکانات کے مستحق ہونے کے قبل یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ آزادی پانے کے لئے بالکل تیار ہو چکے ہیں"

برطانیہ کے حوٹاگو اعلان ۱۹۱۶ء کا یہ منہ توڑ جواب تھا۔ اس اعلان میں یہ کہا گیا تھا کہ ہندوستان ہندو بچے خود اختیار حکومت کی طرف آگے بڑھ سکتا ہے لیکن اس سے پہلے اسی ذمہ داری کو سنبھالنے کے لئے ہندوستان میں ذمہ داری کا اسکا پیا ہوا یا نہیں اس بات کا فیصلہ برٹش حکومت کو ملے گا۔ ۱۹۱۶ء میں کانگریس کے کلکتہ سیشن میں شاعر نے شرکت کی اور اپنی نظم "ہندوستان کی دعا پڑھی۔ اس منظر کی گانہ رانا تھ ٹیگور نے اپنی پینٹنگ میں بڑی خوبصورتی سے عکاسی کی ہے۔ اس وقت بھی کانگریس اخذ ہونے کی تفریق کا شکار تھا اور کچھ رجعت پسند طاقتوں کا منہو یہ تھا کہ سینڈ اینڈ آبنسٹ کو اس سیشن کی

صداقت نہ کر سکتی جاتے۔ ان تمام دشواریوں پر قابو پانے کے لئے
ٹیگور نے استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین بننے پر اپنی رضامندی کا
اظہار کیا۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد ہندوستان میں برٹش حکومت
کو ہندوستان کے لوگوں کی جدوجہد آزادی سے خدشہ لاحق ہو
گیا، تو اس وقت اس حکومت نے ہندوستانیوں پر ظلم کا پہاڑ
توڑ دیا اور عوام کو اس طرح دبانے کی کوشش کی کہ یہ جبر بھی
بھرنہ سکے۔ اس وقت (۱۹۱۹ء) میر ٹیگور نے اپنے غم و غصہ کا
یوں اظہار کیا :

”ہمارے نوجوانوں کو، یہاں تک کہ ہمارے بچوں کو
خصیہ پولس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ کس قسم کی ریاستی
پولس ہے؟ اس کی مثال تو یوں دی جاسکتی ہے کہ جینوں کے
جھنڈے کے جھنڈ کو غلے کے لہلہاتے کھیتوں میں چھوڑ دیا جائے اس
کے نتیجہ میں کسان اپنی قسمت کو روئیں گے اور مویشی کے مالکان
اس بات کا افسوس کریں گے کہ ان کی مویشیوں کو چرنے کے لئے
کچھ نہیں ملا۔“

جلیان والا باغ (۶ اپریل ۱۹۱۹ء) کے ہتے لوگوں
کے قتل عام کے بعد وہ اپنے لوگوں کے ساتھ غم و اندوہ میں ڈوب
گئے۔ انہوں نے ۳۰ مئی ۱۹۱۹ء کو اسرارائے کو ایک احتجاجی
خط لکھا اور اپنا سسر کا خطاب حکومت کو واپس کر دیا۔

گاندھی جی اس وقت ہندوستان کی تاریخ کے اسٹیج
پر نمودار ہوئے اور جن لوگوں نے اپنی پہلی بار جہانما ”عظیم روح“
کے نام سے پکارا ان میں ٹیگور بھی شامل تھے۔ اسی طرح گاندھی
جی نے ٹیگور کو ”گرو دیو“ (معزز استاد) کہا۔ ان دونوں کے مابین
بہت اچھے تعلقات تھے، حالانکہ کبھی کبھی ان دونوں میں کبھی
موضوع پر اختلاف بھی پیدا ہو جاتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ۱۹۲۱ء
میں شاعر مغربی ملکوں کا دورہ کرنے کے بعد واپس آئے تو اس عدم رقت و
(انہما) کے طریقہ کار کے سلسلہ میں گاندھی جی سے ان کا اختلاف
پیدا ہو گیا۔ چون کہ یہ عدم تشدد کی تحریک ہے اس لئے اسے دل و
دماغ کا گہرا خیوں سے ابھرنا چاہئے۔ جب یہ مختلف روایتوں اور

تفاوتوں کے لاکھوں لاکھ لوگوں کی تحریک ہے، اور جسے جبر و تشدد
سے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کے لئے جسے جسے جبر و تشدد
کرنے کی ضرورت ہے۔ ٹیگور اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں :

گاندھی جی نے امراد کیا تھا کہ ہم بدراہنہ آدھے گھنٹے تک جبر نہ چلائیں، لیکن
صرف آدھے گھنٹہ کیوں؟ پہلا ۸ گھنٹے تک کیوں نہیں، اگر اس تک
کو دے دیں گی۔ انہیں گاندھی جی کے اس فلسفہ پر جو سارے ملک میں
پھیل چکا تھا، یقین نہ تھا کہ وہ پہلے تک جبر نہ چلانے سے ملک کو
سوراج (آزادی) حاصل ہو جائے گی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ٹیگور نے
اس سلسلے میں کہا تھا کہ اگر سوراج اس طرح سے حاصل کیا جائے
تو وہ قابلِ جھوٹ نہیں ہے۔ اگر انہیں اس بات کا یقین دلایا جائے
کہ ایک بیماری کے جراثیموں کی پوجا کرنے سے اپنی سورت میں جگہ
ملے گی تو ایسے سورت میں جانا پسند نہ کریں گے مگر جس پوجا اور
پرستش کی کچھ خاص اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح میں گاندھی
جی اور ٹیگور کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی، ان کا ذکر وہیں رودینڈ
نے بہت ہی اچھے طریقے سے کیا ہے۔ مگر ہندوستان کی یہ دو
عظیم ہستیاں ایک دوسرے سے اتفاق نہ کر سکیں تاہم اتنی
شدید تعزیتی کے باوجود، وہ ایک دوسرے کا بہت خدمت کے ساتھ
احترام کیا کرتے۔ شاہ گاندھی جی کے جذبہ کو خراج عقیدت پیش
کرتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کی زندگی میں بہت ہی اہم اور
عظیم تبدیلیاں لائیں۔

۱۹۲۱ء میں ٹیگور نے سی۔ ایف۔ اینڈریوس کو
اس سلسلے میں خط لکھا :

”سوریشی، سوراج عام طور پر ہمارے ہم وطنوں کے
دلوں میں شدید جذبہ کو اجاگر کرتا ہے، کیوں کہ اس سے لوگوں کے
دلوں میں غم و غصہ کی جگہ لگن پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہا نہیں جاسکتا ہے
کہ میں اس گرمی اور تحریک سے متاثر نہیں ہوا، لیکن شاعر ہونے
کے ناطے میرا مذاق ایسا ہے کہ میں ان مقاصد کو قطعی قبول نہیں کر
سکتا۔ ایک محب وطن یا ایک بااخلاق آدمی کے سامنے ایک مکمل
انسان کو قربان نہیں کرنا چاہئے۔“

۱۹۲۱ء میں اسکوٹون اور کالجوں کے بائیکاٹ اور

غیر ملکی کپڑوں کے جلانے کی ہم کے عرصہ میں نیگور نے اینڈریوس کو ایک خط لکھا:

مجھے وہ دن یاد ہے کہ بنگال میں سودیشی تحریک کے دوران نوجوان طلباء نے ہمارے ”ویکٹرا“ کچھ کی دوسری منزل میں مجھ سے ملاقات کی۔ ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر میں انہیں حکم دوں کہ وہ سب اسکول کا بلچ چھوڑ دیں، تو وہ سب فوراً انگلی اٹھاتے کریں گے۔ لیکن میں نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور طلباء غصے سے واپس چلے گئے، ان میں میری حب الوطنی پر شک پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس عام جوش و خروش کے عرصہ سے قبل میں اس تحریک کے لئے ایک ہزار روپے کا جزدہ دیا تھا، جبکہ میرے پاس اپنا پانچ روپیہ ہی نہ تھا۔ میں شان طلباء کو اسکول نہ چھوڑنے کا مشورہ دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ کھوکھلے پن کی آبریت نے کبھی بھی مجھے اپنی طرف نہیں کھینچا، اگرچہ اس آبریت کو ایک عارضی اقدام کی طرح اپنایا جاتا ہے۔ مجھے اس رکاوٹ سے غم نہ لاحق ہے، جو جیتی جاتی حقیقت کو پس انداز کر دیتی ہے۔ یہ طلباء تو میرے سامنے مصنوعی مشین نہ تھے؟

نیگور نے گاندھی جی کو جتنا خراج تحسین پیش کیا، شاید ہی کسی اور نے کیا ہو۔

”گاندھی جی ہزاروں غریب اور نادار لوگوں کی کمٹیا میں جاتے، ان لوگوں کی طرح وہ لباس پہنتے، وہ ان لوگوں کی زبان میں ان سے باتیں کرتے، آخر کار ہمیں ایک زندہ حقیقت ہے۔ یہ کسی کتاب کا اقتباس نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تمہارا ”کا جرنام“ ہندوستان کے لوگوں نے نہیں دیا وہی ان کا صحیح نام ہے۔ انگلی طرح کسی نے یہ محسوس کیا کہ تمام ہندوستانی ان کے جسم کے گوشت پوست ہیں۔ حقیقت سے براہ راست وابستگی سے روحانی طاقت رونما ہوتی ہے۔ اور جب محبت ہندوستان کے دروازہ میں آئی، اسے تمام دروازے کھلے۔ گاندھی جی کی پکار پر ہندوستان میں نئی عظمت کے بھول کھیل اٹھے۔ ٹھیک اسی طرح جب گوتم بدھ نے تمام زندہ مخلوقات کے لئے محبت کی حقیقت کو بیان کیا تھا۔ روینڈ کے کچھنے کے مطابق نیگور کو جب کوئی بات پسند

نہیں آتی، تو وہ اس سے دور رہتے۔ عدم تعاون کے سلسلہ میں نیگور نے ان سے کہا تھا: ”اگر تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ انہی تاریخ کے ایک عظیم ترین بحرانی روز میں، اقدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتے، تو ایسا نہ کہو کہ وہ غلطی پر ہیں اور تم صحیح راستہ پر ہو، بلکہ تم اپنے عہدہ سے ہٹ جاؤ اور اپنی شاعری کی دنیا میں واپس جاؤ۔ لیکن اس تحریک نے شدت اختیار کر لی اور وہ اکتوبر میں اپنے خلوت کدہ سے اپنے ایک مضمون ”سبائی کی پکار“ کے ساتھ باہر نکلے:

”محبت کھینٹے گاندھی جی کی صلاحیت میں ہمارے عقیدے میں کمی نہیں ہونی چاہئے۔ ماہرین معاشیات، ماہرین تعلیم اور سیاست دانوں کو اس سلسلہ میں اپنی خدمات فراہم کرنی چاہئے۔ سبوں کو گاندھی جی نے کہا: ”چرخ چلاؤ اور بٹن“۔ چرخ چلاؤ اور بٹن کیا سرگرم عمل لوگوں کے لئے ہیں نئے دور کی پکار ہے۔ یہ پکار تو شہد کی مکھی کے لئے نہ کہ انسان کے لئے موزوں ہے۔ انسان خود اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب اس کا بہترین صلاحیت کی انگ ہوتی ہے؟

یہ ایک بیکار سی بات ہے کہ ہم ایک مختصر عرصہ کیلئے چرخ کات کر سوراخ حاصل کر لیں گے۔ اگر انسانی زبان سے اس پیشین گوئی کو تسلیم کریں تو ہماری ہزاروں قوم پرستی میں مزید ایک اضافہ ہوگا۔

اگر ہم ساکنی طریقہ سے سوج و چار نہ سکیں، تو ہماری پہلی جنگ تو دماغی حالت کے خلاف ہونی چاہئے۔ اسی نااہلی تو بنیادی گناہ ہے جس سے یہ تمام بیماریاں پھلتی ہیں۔ میں اپنے لباس کو جلانے کے لئے تیار ہوں، لیکن کسی ہدایت کے اندھے دباؤ کے تحت نہیں۔ ماہرین کو چاہئے اس سوال پر غور کریں۔ ہمیں اپنے دعوے اور دلیل سے اس بات کا یقین دلانی ہے۔

اس سال مارچ کو نیام دوسروں کی خامیوں کا سفر اٹھائیں گے اور اپنے تعمیراتی پروگراموں کا جزیلہ سازگار احاطہ پر لکھیں گے۔

روکینڈ یہاں نیگور کا شاندار اور خوبصورت نظم ”سور“

کے لیے ایک فنم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں بھی اس بات کا احساس تھا کہ گاندھی جی میں صحیح راستہ پر گامزن تھے کہ ان کے موجودہ دور کے مطالبات لازمی تھے۔ گاندھی جی نے اپنے ہفتہ واری رسالہ "ینگ انڈیا" (۱۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں ہندوستان کے عظیم نگہبان جن مفصلوں سے مخاطب کیا ان سے ہندوستان کے مصائب و آلام کے شکار لوگوں کے لئے شدید ہمدردی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ یہاں دو لینڈ نے نیگور کے الفاظ کو یوں دہرایا "یہاں ہم آرٹ اور سٹوڈنٹ کے خواب کے سامنے دنیا کی ملاحف کو ابھرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جس سے میری زندگی جیسو۔ کون ایسا ہے جسے گاندھی جی کے جذباتی حالت سے ہمدردی نہیں ہے اور اس میں حصہ نہیں لینا چاہتا۔"

نیگور خطبات کو دنیا سے بھرپور کشش اختیار کر لی اور ہر اپنی تخلیق کی جادو نگری میں واپس آ گئے۔ عدم تعاون تحریک کے سلسلے میں نیگور نے اپنی پوری سعی کا یوں اظہار کیا۔

اس پر بھی یہ منہ بول رہا تھا

م کی آتشیں بجاب آسمان پر جھانک رہے

اور تن تہا، تن تہا، اس تمنا ہت میں

ضیا بار گیتوں میں

میں تعمیر کرتا ہوں اپنے خوابوں کی دنیا

اس سلسلے میں نیگور نے یہ لکھا،

مجھے یقین ہے کہ یہ بات لازمی ہے کہ سارے ملک میں مراکز قائم کئے جائیں، سوریاج کی ذمہ داری کو بوسے مور سے قبول کیا جائے، نہ کہ گھر میں کاتے و حائے کی طرح۔ جسم اور روح دونوں کی صحت، انفریج اور سہ گرمیوں کو ایک دوسٹر میں ضم ہو جانا چاہئے، کیونکہ وہ تصور کو مکمل بناتے ہیں۔ یہ بات ہمارے پیش نظر ہے کہ نئی روح والی زندگی کے مختلف شکلوں کی مثالیں ہمارے ملک کے بہت سارے علاقوں میں موجود ہیں۔ محسوس شکل میں اشتراکی مختاریت کا فروغ اور اس سے رونما ہونے والی باطنی شان و شوکت یہ سب سوریاج کے لئے مستحکم بنیاد ہوگا، اس کا فقدان بیرونی اور اندرونی ہمارے مطالبات کی اہم وجہ ہے، خوراک، صحت اور تعلیم کے لئے ہماری ضرورتوں سے انحراف اور دوراندیشی اور خوشی کا

فقدان۔ مذہب کی محسوس غفلت کے باوجود یہ سوچنا کہ سوریاج ایک حقیقت بن جائیگی، ایک ہیکارسی بات ہے۔

عدم تعاون کے سال میں یعنی ۱۹۳۱ء میں نیگور کی عالمی یونیورسٹی و شو بخارتی کا افتتاح کیا گیا اور اس کے ساتھ شری شکتی بن قائم کیا گیا۔ گاندھی جی بھی نیگور کے ہم خیال تھے کہ تعلیم کو کبھی بھی لوگوں کی زندگی کی لہر سے الگ رکھنا نہیں چاہئے۔ معاشی ضرورتیں تو عالم گیر نوعیت کی ہوتی ہیں، انہیں تعلیم کے طریقہ کار کے ذریعہ پورا کرنا چاہئے۔ عالمی جائی چادری کی تصور سے سرشار شاعر نے بار بار غیر ملکیوں کا دورہ کیا۔ وہ چین، جاپان، آسٹریلیا، جنوبی امریکہ اور جنوبی مشرقی ایشیا، کنڈا اور یورپ کا بھی دورہ کیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۲ء میں جب ان کی عمر شستر سال کی ہو چکی تھی وہ ہوائی جہاز سے ایران اور عراق پہنچے اور اس وقت وہاں کے حالات ماسازگار تھے، اس کے باوجود انہوں نے ان ملکوں کا دورہ کیا۔ لیکن ان دوروں میں بھی کہیں بھی گئے اپنے ملک کی آزادی کا تصور ان کے دل و دماغ میں ہمیشہ اجاگر رہا۔ انہوں نے گاندھی جی کی ہمیشہ شریف کی کہ گاندھی جی نے ہمت اور خود داری کو ہماری سیاسی زندگی میں پرو دیا۔ اس سلسلے میں وہ یوں رقم طراز ہیں،

پرانے دنوں میں حکومت کے در کے سامنے ہماری چیخ و پکار ہیکہا ہٹ سے پڑ جاتی اور ہم کا سہ گدائی لئے پھرتے۔ ہم لوگ ایک طوطے کی طرح تھے جو بیخود میں رہتا ہے اور آزادی کے لئے اپنے پردوں کو پھینچتا اور وہ اس بات کا درخواست کرتا ہے کہ اس کے پاؤں کی زنجیر کچھ ڈھیل کر دی جائے۔ آج ہم نہ بیخود کی اور زنجیر کی سوچتے ہیں، کیونکہ ہم آزاد سوریاج کے آسمان میں اڑنے کیلئے پرواز کر رہے ہیں۔

۱۹۳۰ء کے اوائل سے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کا ایک نیا عظیم باب شروع ہوا۔ اس وقت نیگور بیرونی ممالک میں معروف تھے۔ انگریزوں میں انسان کا مذہب پر تعزیر کی لہر سوا برلن اور ماسکو میں ان کی بیننگس کا ناشر ہو گیا، ان کی بیننگس نے ساری دنیا کو ذلک کر دیا کیونکہ ان کے آدھت کے مختلف پسروں کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں رونما

ہونے والی بہت سی باتوں سے انہیں دلی تکلیف پہنچی۔ لیکن بعد کے عرصہ میں ان کی یہ ذہنی تکلیف دور ہو گئی۔

۲۴ مئی سنہ ۱۹۳۲ء کو اپنے ایک خط میں انہوں نے یوں لکھا: "جب میں اپنے ملک میں روٹا ہونے والے حالیہ واقعات کی بابت خبریں اخباروں میں پڑھتا ہوں تو اس سے میرے ملک کی شان و شوکت اچاگر ہوتی ہے۔ بھراگئے شعلوں کی روشنی اس کے منہ پر پڑتی ہے اور اس سے اس کا پورا چہرہ منور ہو جاتا ہے۔ ہمارے درمیان فاصلے سکڑ جاتے ہیں اور دکھ درد سے میرا دل میرے ملک کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی مضائقہ نہیں کہ میں ابھی ہندوستان سے دور ہوں۔۔۔۔۔ شاید فاصلہ سے میں اس کی خدمت کر سکتا ہوں۔"

انہوں نے بیانیہ فرمایا تھا۔ اسی سال وہ ہندوستان روس گئے جہاں انہیں اپنے لئے اور اپنے ملک کے لئے عظیم تجربہ حاصل ہوا۔ کیا وہاں سے انہوں نے اپنے گھر خطوط نہیں لکھے جن کے الفاظ آگ کے ستون جیسے تھے اور جو تاریک راتوں کو منور کر دیتے تھے:

"ہم سنگدلوں کے جو روئے سے ڈرتے ہیں لیکن اس خوف میں بھی احتیاط کا ایک جذبہ پوشیدہ رہتا ہے، لیکن ہم ایک بزدل کی سنگدلی سے نفرت کرتے ہیں۔ آج بڑی حکومت سے ہم حقارت کرتے ہیں۔ یہ حقارت ہمیں طاقت عطا کرے گی اور اسی حقارت کی وجہ سے ہم جیت جائیں گے۔ ابھی حال ہی میں میں روس گیا تھا۔ وہاں میں نے یہ بات دیکھی کہ روس کے شہیدوں کی تکلیف کے مقابلے میں ہمارے ملک کی ترقی اور آزادی کی فضا جانے والی سڑک خطرات سے کتنی پر ہے۔ ہمیں روسی مجاہدین پر ڈھائے گئے ظلم کے مقابلے میں روس کے حملے تو گویا بھول برسانے کے مترادف ہیں۔ جاؤ اور ہمارے عوام کے فرزندوں سے کہو کہ ابھی بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ انہیں بس بہت ہو چکا۔ کہنا نہیں چاہئے کیوں کہ اس کے معنی برٹش کے لاکھ چارج کو خسراچ عقیدت پیش کرنا ہوتا ہے۔"

پروٹسٹ

سنہ ۱۹۳۱ء میں شاعر کی ۷۰ ویں سالگرہ کے موقع

پر بنگال کے بکس جیل میں سیاسی قیدیوں نے اپنی نیک خواہشات بھیجیں۔ ان کے جواب میں شاعر نے ایک خوبصورت نظم لکھی جسے حکومت نے بذریعہ ڈاک بھیجنے سے انکار کر دیا۔ جب بکس جیل میں دو سیاسی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تو اس وقت نیگور بہت برہم ہوئے۔ انہوں نے جگہ جگہ عوامی جلسے منعقد کئے اور بہت سارے مضامین لکھے جن میں انہوں نے اس ظلم کی شدید مذمت کی۔ "خدا کیا تو ان لوگوں کو معاف کر سکتا ہے جنہوں نے تیرا ہوا میں زہر گھول دیا اور ہماری روشنی کو بجھا دیا۔" جب سنہ ۱۹۳۲ء میں ہاتھ لگاؤ ماننے 'جب وہ جیل میں تھے اتنی ہفتہ تک بھوک ہڑتال بھارت کشی کی۔ سارے ملک کے لوگوں میں بڑی بے چینی پیدا ہو گئی، لیکن اس موقع پر نیگور نے کلکتہ سے برواد جیل تک یعنی تقریباً دو ہزار میلوں کا سفر طے کیا اور جب گاندھی جی نے اپنے تین ہفتے کی بھوک ہڑتال کو ختم کیا تو نیگور نے انہیں لیوکارس پیش کیا اور ان کے سامنے بیٹھے بیٹھے گیت گائے جس سے ہاتھ کو ایک دلی سکون حاصل ہوا۔

پھر سنہ ۱۹۳۲ء میں جب شاعر کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ برطانیہ کے رائل ایئر فورس نے بغداد کے نزدیک گاؤں کے نپٹے اور معصوم لوگوں پر حملہ کیا ہے تو اس درندگی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"اگر ایک بڑے ملے میں انسان کی ظالم تاریخ اپنی آدم خوری کی لالچ اور ببادر کشی کا درندگی کے ساتھ مقدس زمین پر حملہ کرنے کے لئے اپنے کالے پروں کو پھیلاتے تو اس بے باک بے حرمتی کے لئے ہم سمجھوں پر خدا کا تہرنا نکا ہو گا اور آدمی کا دنیا پر جس سے خدا خود شرمندگی محسوس کرتا ہے آخراً بار پرچہ کو گرا دیا جائے گا۔"

مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کے شروع میں سر جو ۱۵ اینڈرسن نے جو اس وقت بنگال کے گورنر تھے اور جو آزادی کی تحریکوں کو دبانے میں ماہر تھے ایک سرکاری دورے پر مشرقی بنگال

گئے یہاں احتیاط کے طور پر پولیس نے بہت وسیع اور اچھا انتظام کیا تھا۔ اس وجہ سے اس کو پولیس ٹیمپ میں تبدیل کر دینے کے خلاف بطور احتجاج ٹیگور شانتی نیکتن سے تمام طلباء و طالبات کو وہاں سے تین میل کی دوری پر واقع شنتی نیکتن لے گئے اور برٹش گورنر کو دوران شانتی نیکتن کے مناظر پر قناعت کرنا پڑی۔ بلاشبہ ٹیگور اپنے لوگوں میں اتنے سسر گرم عمل رہتے اور ان تباہات میں انہیں وہ حقیقی طور پر اہم سمجھتے رہے دیتے جو ایک پارٹی کے حق میں ہوتی تو دوسری کی مخالفت۔ اس لئے ۱۹۳۸-۳۹ء میں انہوں نے گاندھی جی کے واپس ہونے کے باوجود سبجاش چندر بوس کی ایسے وقت میں تائید کرنے سے انکار کیا تھا جس کی جب گاندھی جی کے ارد گرد رجعت پسند کانگریسیوں نے انہیں کانگریس سے ہٹانے کی کوششیں کیں۔ اسی سال وہیں ٹیگور، اپنی بیماری کی حالت میں کلکتہ آئے اور یہاں چھ ماہ جاتی سدن کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس سدن کا منصوبہ سبجاش چندر بوس نے تیار کیا تھا۔ اس موقع پر ٹیگور نے بہت ہی اچھی تقریر بھی کی:

بھتی شمع کے شعلے بجھنے سے قبل جس طرح بھوک اٹھتی ہیں، ایک اسی طرح یہ بات ہم شاعر کی تقریر تہذیب کا بحران (۱۹۳۸ء) کے وقت پاتے ہیں۔ انہوں نے سوچا یونین کے عام لوگوں اور تباہیوں کو دیکھا تھا۔ صرف چند سال قبل یہ لوگ سب حرف زبانش تھے، جابر اور سفاک تھے، لیکن انکی بہت افزائی کی گئی انہیں تربیت دی گئی۔ انہیں تہذیب کے فوائد سے خود کو مستفید کرانے کی آزادی دی گئی اور اس طرح انہیں تہذیب کے دائرہ میں لایا گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ جب میں اپنے ملک کو دیکھتا ہوں تو مجھے یہ نظر آتا ہے کہ اعلیٰ ذہن اور عام لوگ آہستہ آہستہ وحشیانہ حالت کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ حکومت کے ان دونوں شکاموں کا جب میں نے موازنہ کیا، ایک اندازہ بھی پر مبنی ہے اور دوسری استعمال پر اور دونوں میں ہی فرق ہے۔ انہوں نے اس بات پر اپنی حیرت کا اظہار کیا

کہ کس طرح برٹش جیسی ایک عظیم قوم کے اخلاق میں سامراجی رائج اتنی بدنام تبدیلی ہو سکتی ہے؟

اس سلسلہ میں انہوں نے یہ کہا:

”ہندوستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ آج وہ ایک غیر ملکی قوم کے زیر حکومت ہے۔ ہندوستان کی یہ بدقسمتی ہے کہ آج اسکی کم سے کم ضروریات زندگی جیسے خوراک، پوشاک، تعلیم کے لئے حسب خواہ مخیا بخش اور ملتی سہولتیں انکی فراہمی کے کام سے قصداً غفلت برتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود اس سے زیادہ ناخوشگوار بات یہ ہے کہ ہم لوگوں کو تقسیم کر کے ہم لوگوں میں نفرت کو اجاگر کیا جا رہا ہے؟“

یہ ظاہر ہے کہ تقسیم ہند کے لئے تحریک کا علم انہیں تھا اور اسے ان کی خوش قسمتی کہہ سکتے ہیں، وہ تقسیم کو دیکھنے سے قبل ہی اس دباؤ فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئے۔ تقسیم ہند کی اس تحریک کی ساز و اجہ نے مسلسل تائید کی۔ زندگی کے آخری دنوں تک ٹیگور لوگوں کے حالات سے واقف تھے اور ان کے خیال میں آزادی ہی انہیں اس زندان سے نجات دلا سکتا تھا۔ اپنی آخری نثری تحریر میں انہوں نے مس ایلیو رتھون اپاریمینٹ کے برٹش نمبر کو، جنہوں نے اس ملک میں برطانیہ کی کارگزاریوں کیے ہندوستان کو خراج تحسین ادا کرنے کو کہا تھا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

”برٹش نے، جو در صدیوں سے زیادہ عرصہ میں ہماری قوم کا کیسہ بند کرنے کا رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے اور ہمارے ملک کے وسائل کا استحصال کر رہے ہیں، ہمارے غریب لوگوں کے لئے کیا کیا؟ میں چاروں طرف دیکھتا ہوں اور ہر جگہ مجھے روٹی کے لئے پیٹتے ہوئے ایک مرے نظر آتے ہیں۔ میں نے عورتوں کو گاؤں میں چند قطرے پینے کے پانی کے لئے خندق کھودتے دیکھے ہیں، کیوں کہ اس زمانہ میں ہندوستان کے دیہاتوں میں اسکولوں سے زیادہ کھوڑوں کی کمی تھی۔ میں نے اپنے لوگوں کو ایک مری کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ پڑوس کے ضلع کے کسی نے بھی ان کے مدد کے لئے ایک

سوال

ترجمہ: اعجاز افضل

تخلیق: رہبرِ اناتھ ٹیگور

میں نے دیکھا ہے نوجوانوں کو
یاگوں کی طرح بھٹکتے ہوئے
اور پھر یہ سر جھکنے ہوئے
ہائے کس جاں کنی سے مرتے ہیں

آج رندھنے لگا ہے مسرا گلا
بانسری میری کھو چکی ہے گیت
شب تاریک کے یہ محبس تنگ
تلخ اور خوفناک خواب تلے
میری دنیا کو صییں دبائے ہوئے
یہی باعث تو ہے کہ بن کے سوال
دیدہ تر میں ڈبڈبائے ہوئے

جن عناصر نے تیری دنیا میں
کر دیا ہے ہوا کو زہر آلود
روشنی کو تری بجھایا ہے
کیا انہیں کر دیا ہے تو نے معاف
کیا تجھے پیار لے آیا ہے

میرے معبوداتو نے دور بندور
اس کرم ناشناس دنیا میں
بار بار ایسے لوگ بھیجے ہیں

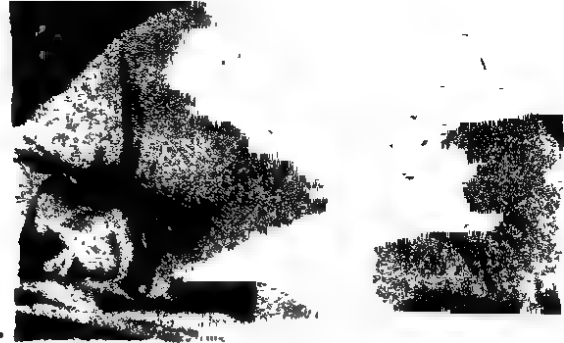
درسِ مہر و عفو و کرم
دیا دنیا کو جن کی باتوں نے
جن کی تعلیم ہے کہ دور کرو
زہر کینے کا اپنے سینے سے

دہر میں یادگار میں وہ لوگ
ارفع و ارجمند ان کا مقام
مگر آج ایسا وقت ہے کہ انہیں
در سے لوٹا رہا ہوں کر کے سلام

میں نے دیکھا ہے وہ چھپا ہوا بغض
رات کے خوفناک سائے میں
بے سہاروں کو جس نے روندنا ہے

ربند رانا تھٹہ گور اور عالمی دوستی

ایم۔ اے۔ نسیم



بنگور بہت بڑے منکر ہیں تھے۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی مسائل پر ان کی بہت ساری تفکر آرا تحریریں ہیں۔ وہ عالمی دہار کے پہلے سفیر تھے اس لئے انہیں محدود جب الوطنی اور قومیت اپنے دائرہ عمل میں نہ رکھ سکیں۔ اسی لئے وہ یہ کہتے ہیں۔

اے میرے دلش کی مٹی، تجھے میں سجدہ کرتا ہوں
عالمی ماں نے تجھے اپنے آجمل کے سائے میں رکھا ہے۔

بنگور انسان دوست بھی تھے اور انکی تحریروں میں یہ بات نمایاں نظر آتی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے ایک مضمون "عظیم تر ہندوستان" میں یوں ذکر کیا ہے :

"ہندوستان میں بنی نوع انسان کی تاریخ ایک خصوصی تصویر کی توسیع اور اسے جامع شکل میں دھانے کی کوشش کر رہی ہے اور اس سے بنی نوع انسان مستفید ہوں گے۔ یہی ہم سبوں کا عقیدہ ہے اور اس کام میں سبوں کو بلا لحاظ مذہب و ملت شرکت کرنی چاہئے۔ عظیم تر ہندوستان کی تعمیر میں ہم سبوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔"

شاعر نے اس موضوع کو بار بار عیاں کیا کہ ہندوستان صرف عالمی رابطہ اور تعاون کے ذریعہ ہی مکمل طور پر ترقی کر سکتا ہے۔ ان کے خیالات سے ہندوستان کے بڑے بڑے مفکر اور سربراہ بھی اتفاق کرتے تھے۔ شری جواہر لال نہرو نے اس سلسلے میں لکھا ہے :

"ہند رانا تھٹہ بنگور نے ہماری قوم پرستی کو بین الاقوامی نظر دیا اور اسے آرٹ اور موسیقی اور سحرانگیز الفاظ سے بیان کر دیا اور

شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور کا کوئی مخصوص سیاسی اریہ نہ تھا۔ نہ وہ کسی جماعت کے فن کار تھے اور نہ وہ ایک سیاسی رہنما تھے۔ بلکہ وہ ایک عظیم تخلیقی فن کار تھے جنہوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ ہندوستان ہم آہنگی کو فروغ دیا، قومی تحریک کو جلا بخشی اور لوگوں کو بیدار کیا۔ وہ مجاہد بھی تھے اور مذہبی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے لوگوں کی آزادی کے خواہاں اور کوشاں بھی اور اپنی زندگی کے آخری لمحے تک وہ انسان کی آزادی اور نجات کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ہندوستان میں یورپی سامراجیت کے بارودک ٹوک نظم و ستم رولٹ کھسٹ اس کے ساتھ ہی ہندوستانیوں کی سیاسی تحریک کی ظاہری سست رفتاری نے ان کے دل میں ایک اچلی سی پیدا کردی تھی اور وہ ایک کو آزاد کرانے اور ہر جگہ بین الاقوامی سوچہ بوجھ کے ذریعہ قومی ناراضات کو حل کرنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑے۔

انہوں نے ہمیشہ ناراد اور کمزوروں پر ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ بریسی حکومت کے ظلم و ستم اور سامراجیت کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے اپنی نظموں اور تحریروں میں مظلوموں کے حق کے لئے ورظالموں کے خلاف بار بار آواز اٹھائی۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، رابندر ناتھ ٹیگور ادیب اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے قوم پرست بھی تھے۔ انہوں نے اپنی نظموں اور گیتوں کے ذریعہ قوم کی خودداری کا سہی پڑھایا۔ اپنے ہم وطنوں میں خود اعتمادی اور عیاں شکاری کا جذبہ بیدار کیا اور قوم کو اس کی صحیح منزل کا راستہ دکھلایا۔

آج یہ ہندوستان کے بیدار جذبے کا علمبردار بن چکا ہے۔
(گولڈن بک آف ٹیگور)

شاعر ٹیگور بہت ہی سوچ و چار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ بین الاقوامی سوجھ بوجھ اور تعاون ہی عصر جدید کا اہم کام ہے۔ ان کے خیالات میں ہندوستان اس فرض کو آسانی سے انجام دے سکتا ہے کیوں کہ عرصہ دراز کی ہندوستانی روایت اسی نقطہ سے ہم آہنگ ہے۔ ۱۸-۱۹۱۲ء کی پہلی عالمی جنگ نے ان کے اس نقطہ نظر کو بالکل عیاں کر دیا۔ اسی جنگ کے عرصہ میں انہوں نے جتنے مضامین لکھے ان میں بنی نوع انسان کے روشن مستقبل کی منور جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے اپنے دوست سی۔ ایف۔ اینڈرسن کو ایک خط میں لکھا :-

”اب ہم لوگوں پر حقیقت عیاں ہو رہی ہے کہ ہمارے مسائل عالمی نوعیت کے ہیں اور اس دنیا کی کوئی قوم خود کو دوسروں سے الگ رکھ کر اپنی نجات کے لئے خدمات انجام نہیں دے سکتی۔ یا تو ہم سب ملکر اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے یا سب ایک ساتھ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اس حقیقت کو دنیا کی عظیم قومیں سمجھ رہی ہیں۔ ان میں بنی نوع انسان کے غیر منقسم جذبہ کی مکمل بیداری پائی جاتی ہے۔“

آج عالمی تاریخ کے اس اہم لمحہ میں کیا ہندوستان اپنے محدود دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتا اور اپنے اس عظیم مطلع نظر کو جس سے اس دنیا کے مختلف لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور تعاون کو فروغ حاصل ہوگا، پیش نہیں کر سکتا؟ کمزور اعتقاد کے لوگ یہ کہیں گے کہ ساری دنیا کے لئے اپنی آواز کو بلند کرنے کے لئے ہندوستان کو مضبوط اور امیر ہونا پڑے گا۔ لیکن مجھے ان باتوں پر یقین نہیں۔ یہ بات کہ انسان کی عظمت کا اندازہ اس کے مادی وسائل سے لگایا جاسکتا ہے ایک عظیم شراب ہے جو آج کی دنیا پر اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔ یہ انسان کا بے حرمتی ہے۔ یہ نوادی لحاظ سے کمزوروں کی طاقت ہے جو دنیا کو اس شراب سے باہر نکالے گی اور ہندوستان اپنا عزت اور عظمت کے بادل جو بنی نوع انسان کو اس شراب سے باہر نکالنے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے۔

خورشید محبت کی روشنی میں آزادی وہ ہے جو غیر فانی زندگی کی عقل کو بختہ بنا دیتی ہے، لیکن جذبات ہمارے لئے زنجیریں تیار کرتے ہیں۔ روحانی انسان نمودار ہونے کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ اور آزادی کے لئے ہماری جدوجہد اس کی نجات کے لئے ہے۔ قومی ضرورت کے نام پر خطرناک جلیحدگی کی فحشیل کی تعمیر اس کے نمودار ہونے میں سب راہ ثابت ہو رہی ہے۔ نجات کا واحد راستہ انسانیت کے مطلع نظر کا فروغ ہے۔“

رہنما ناتھ کی بین الاقوامیت ایک خیالی تصور نہیں تھی، کیوں کہ ایک مخصوص منزل تک پہنچنے کے لئے یہ کوئی میکا نیکی طریقہ کار نہیں، اور نہ یہ کسی خاص فرقہ یا قوم کا تصور تھا۔ انسان دوستی کا ان کا یہ نظریہ بہت ہی وسیع تھا۔ مثال کے طور پر ایشیا اور افریقہ کے مظلوم لوگوں کے لئے ان کے دل میں درد تھا۔ وہ ظلم کو کسی بھی شکل میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جب جاپان نے چین پر حملہ کر دیا تو اس وقت جاپان کے شاعر بونے نوگوچی نے، اپنی ایک خط لکھا جس میں اس نے ایشیائی قدروں کو ملامت کرنے کے لئے جاپان کی خدمات کو سراہا اور جاپان اور چین کے مابین اس جنگ میں بطور وسط اقدامات کرنے کو ان سے درخواست کی۔ ٹیگور نے جاپان کے اس شاعر کو جواب میں دو خط لکھے :-

”لیکن یقیناً انصاف اصول پر مبنی ہوتا ہے اور اس حقیقت کو خصوصی وکالت بھی تبدیل نہیں کر سکتی۔ مغرب سے سیکھے ہوئے تمام خطرناک طریقہ کار کے ساتھ چینی عوام پر ظالمانہ حملہ کر کے جاپان نے ان تمام اخلاقی اصولوں کو توڑ دیا جن پر تہذیب کا انحصار ہوتا ہے۔ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جاپان ایک انوکھی صورت حال سے دوچار تھا، حالانکہ آپ نے اس بات کو فراموش کر دیا کہ قومی صورت حال انوکھی ہوتی ہے، اور فیاض جنگجو راجاؤں نے، اپنے ظلم کو حتیٰ بہ جانب قرار دیا اور ان لوگوں نے وسیع پیمانے پر ظلم و ستم کے بازو کو گھوم رکھنے کے لئے خصوصی معاہدے کرنے سے انکار نہیں کیا۔“

”آپ کا ایشیائیوں کے لئے ایشیا جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے، کامنگ سیا سیا بلک میں کرتے کا ایک آلہ ہے اور اسے میں روکتا ہوں۔“ (مشاور شاعر)

رہنما تھے مغربی سامراجیت کے شدید نقاد تھے لیکن اس کے باوجود انسان دوستی پر ان کے اعتقاد میں لرزش نہیں ہوئی مغرب کی خاص طور پر سائنس کی دنیا میں ترقی کو انہوں نے کافی سراہا اور ان کی یہ خواہش تھی کہ ہندوستان بھی سائنس کو اپنائے اور دنیا کے لوگوں کے ساتھ کاندھے سے کاندھا کر چلے اور یہ ایک اہم وجہ تھی کہ انہوں نے گاندھی جی کے عدم تعاون کے تصور کو قبول نہیں کیا۔ اسے ہم ایک تخلیقی فن کار کا رویہ تسلیم کر سکتے ہیں کیوں کہ تخلیق ہی اس کی زندگی کا فلسفہ ہوتی ہے۔

اسی صدی کی دوسری دہائی میں انہوں نے عدم تعاون تحریک کے دوران گاندھی جی کو خطوط لکھے جن میں دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو قومیت کے تنگ نظریہ کے خطرے سے آگاہ کیا ہے۔

اب سے ایک قوم جو اپنے ملک کے سلسلے میں انگ متسلک نظریہ کو اپناتی ہے، نئے دور کے جذبات سے سرشار نہیں ہوگی اور اس کے لئے خواب و خیال بن جائے گا۔ اب سے ہر ملک کو جو اپنے تحفظ اور صلاح کی بابت سوچ و فکر کرتا ہے، دنیا کی صلاح و بہبود کے لئے فکر کرنی ہوگی۔

دنیا اب جاگ اٹھی ہے اس کی اس صبح میں اگر ہم اپنی قومی کوششوں میں عالمی خواہشات کا خیال نہ رکھیں، تو اس سے ہمارے جذبات کی نفسی ظاہر ہوگی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے قدم میں جو کام ابھی ہے اسے نہ کریں، یا اسے چھوڑ دیں۔ لیکن صبح کی روشنی جڑیا کو بیدار کرتی ہے، تو اس بیدار لگا کے ساتھ ساتھ وہ خدا کی نشانی میں نکل نہیں پڑتی۔ وہ تو پہلے سنہرے آسمان کی پکار پر لبیک کہتی ہے اور پھر پیلے آبی رنگ کی ہے۔ نئی روشنی کی خوشی میں اس کے گھوٹے گیت نکلتے رہتے ہیں۔ عالمی انسان دوستی نے بھی آج ہمارے لئے یہی پیغام بھیجا ہے۔ تم اپنی زبان میں اسے لبیک کہیں۔ کیوں کہ لبیک کہنا ہی زندگی کا صحیح لٹائی ہے۔ (ایچ جے آف ڈسٹرکشن)

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ینگور کا خیال یہ تھا کہ اگر ہندوستان کو ایسے مواقع سے مستفید ہونا ہے تو اسے

جدید ترقی کی راہ پر گامزن ہو جانا چاہئے۔ مسائل کو انجمن انہیں چاہئے کیوں کہ برسوں بعد ایسے مسائل سے پیدا ہونے والی الجھنیں ان لوگوں کے لئے وبال جان بن جائیں گی جنہوں نے ان مسائل کو سمجھانے کے لئے ہمارے کی تھی۔

ینگور نے بین الاقوامی موجودہ وجہ کے کام کوٹ انتہائی نیکیت میں اپنے تعلیمی غروں کے ذریعہ پائیدار تکیلیں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کی عالمی سیوریسیت، اہم بین الاقوامی مسائل میں ان کی سرگرم رول چسپی اور اس عنوان کے تحت ان کے مضامین اور ان کی تقریریں، ان تمام باتوں نے دیس باسیوں کے دل و دماغ میں بین الاقوامیت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ اس طرح ہندوستان کی سیاست پر بھی ان کا کافی گہرا اثر پڑا۔

بہاں اس بات کا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ ینگور نے وقت کی ضرورت کی تشفی کوئی نام قومی مسائل کی جگہ بین الاقوامی مسائل کے سلسلے میں ان کا رویہ جذباتی رہا۔ ویسے یہ مسائل کو بھی وہ سائنسی طریقے سے نہیں بلکہ اخلاقی اور انسان دوستی رویہ سے حل کرنا چاہتے تھے۔ بین الاقوامی تعلقات کی بابت ان کی معلومات، ان تعلقات کے پس پردہ سیاسی اور معاشی اور سماجی مسائل کے غائر مطالعہ پر مبنی تھیں۔ لیکن ایک بات سبھوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا دماغ نئے خیالات اور نئی تحریکوں کیلئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔

عالمی امور کا انہوں نے زندگی بھر جائزہ لیا اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے اپنی ناامیدی اور امید کا اظہار کیا۔ اپنے روسی جربات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے شانتی نیکیت میں تعلیمی اداروں کے تجربوں سے کہا :-

’مجھے یہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا کہ کتنی تیزی اور توانائی سے سوویت روس میں اور جہالت سے مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سوویت روس کی صنعت اور صنعتی اقدامات اس کے عظیم ملک سے جہالت اور غربت کو دور کرنے میں کافی معاون ثابت ہوئے۔ روسی عوام طبقاتی تفریق نہیں کرتے۔ انہوں نے خود غرضی سے پاک اور باخترانی تعلقات کو دور دور تک پھیلایا

دیا۔ ان کی حالت انگیز ترقی سے مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی، اسکے ساتھ ساتھ میرے دل میں رشک بھی پیدا ہوا ہے۔
(شانتی نیکسن کی انٹرویو ساگرہ کے موقع پر حاضرین جلسہ خطاب)
اپنی جہانی میں رہنمائی لانا تھ نے ہندوستان کی ریاستوں کا دورہ کیا تھا، اودان ریاستوں اور ان کے راجاؤں اور نوابوں کی بابت کبھی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، اور اس طرح انہوں نے ایک خوبصورت سی تصویر تیار کر لی تھی۔ لیکن روس کے دورہ کے بعد انکی یہ تصویر چکن چور ہو گئی۔ جب ان پر حقیقت عیاں ہو گئی تو انہوں نے اپنی ولی کیفیت کا یوں اظہار کیا :-

قومی اور بین الاقوامی امور میں مقیدہ سے زیادہ حقائق
 بولتے ہیں۔ ہمیشہ ٹیگور اس بات کو تسلیم کر لینے کو صرف اعتقاد کی
 تبدیلی سے کوئی بنیادی سماجی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن انکی
 بنیادی فراخ دلی ہمیشہ اس حقیقت کو مکمل طور پر تسلیم کرنے میں

بقیہ : ٹیگور ایک مصوّر۔

شیگور کی نظر میں تعلیم کی اہمیت

از: اشفاق احمد

یعنی تعلیم و تربیت سے اسے اس قابل بنایا جائے کہ آگے چل کر وہ سماج کی خدمت کر سکے۔ یہ نقطہ نظر کم و بیش ہر اس نظام تعلیم کا ہوتا ہے جو کسی ملک میں رائج ہو۔ شیگور اپنے عوامی تعلیمی نظام سے مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ ہندوستان کی یونیورسٹیاں ایسے گرجو بیٹ پیدا کر رہی ہیں جو ملکی ترقی میں کچھ آمد نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے تعلیم اور اس کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اسے ہر مرد و عورت کے لئے ناگزیر بنایا ہے لیکن معمول تعلیم کے خاص ڈھنگ کی طرف انہوں نے واضح ارشادات بھی کئے ہیں۔

شیگور اپنے طرز تعلیم میں فطرت کا ایک اہم مقام دیتے ہیں کیوں کہ فطرت انسان کے کردار کی تشکیل کر سکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

”اگر ایک مثالی ادارہ بنانا ہے تو اس کی تعمیر اس جگہ کرنی چاہئے جو انسانی آبادی سے دور تہائی میں اکھٹے آسمان کے نیچے وسیع میدان میں پیڑ پودوں کے درمیان ہو۔“
ان کے خیال میں فطرت ایک اُن دیکھا معلوم ہے جس کے اقدار نہایت محرم ہوتے ہیں۔ حیاتیاتی، عقلی اور فلسفیانہ طور پر فطرت آدمی کو بہت کچھ سکھاتی رہتی ہے۔ فطرت کا گہرا مطالعہ بچوں کے شخصی ارتقاء کا موجب ہے۔ اس سے متعلق تمام کہنے سے زبردست تخلیقی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی مفقود کے تحت شیگور نے شائستگی نیکین کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۱۷ء میں انہوں نے فرڈرک ہوس کو ایک خط میں لکھا کہ فطرت سے انہیں اور تمام جاندار سے

رہنمائی شیگور نہ صرف عالمی ادب کے ایک ممتاز مدین ہیں بلکہ تعلیم، سیاست، فلسفہ، فنون لطیفہ، مذہب اور سماجی میدان کے وہ ایک بلند پایہ مفکر بھی ہیں۔ علم و فن کے باب میں انہی ہم گیر شخصیت کی نظیر دوسری جگہ مشکل ہی سے مل سکے گی۔ شیگور کی پیدائش اسی وقت ہوئی جب بنگال ایک طوفانی دور سے گزر رہا تھا۔ جب ملک میں تحریکوں کی لہروں سے آشنا ہو چکا تھا۔ راجہ رام موہن رائے کا انقلابی تحریک (برہمو سماج)، شکم چندر کا ادبی احیاء اور ہندوستان کی قومی تحریک نے مل جل کر بنگال کی نشاۃ الثانیہ شکل کر دی تھی۔ بنگال وہ پہلا خطہ تھا جو خوابِ فطرت سے بیدار ہوا تھا اور شیگور کا خاندان بھی رجعت پسند پتھر فرسودہ سماجی کوائف سے آزاد ہونے میں اولیت کا حکم رکھتا تھا۔ جاگرتی کے اس پس منظر میں شیگور کی ذہنی نشوونما ہوئی۔ انہوں نے سرورجہ انداز سے تعلیم حاصل نہیں کی لیکن خداداد ذہانت اور فطرتِ مشاہدہ سے وہ اشیا و مظاہر کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس کے بعد علم و فن کے مختلف شعبوں میں انہوں نے جو نتائج و آرا پیش کئے، وہ ہماری مشترکہ تہذیب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ رقص، موسیقی، مصوری، ناٹک، کہانی، ناول، ستاری کے علاوہ فلسفہ، مذہب، سیاست، عمرانیات اور تعلیم کے متعلق ان کے اظہارات ہمارے تہذیبی ارتقاء کی ایک تابناک منزل ہے۔ چون کہ ہمیں صرف ان کے نظریہ تعلیم سے بحث ہے اس لئے ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔
تعلیم کا مفقود ایک طالب علم کو قابل انسان بنانا ہے۔

محدودی دراصل تعلیم کی طرف پہنچاؤ ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نیگور کی نظر میں تعلیم کا ایک ایسا ذخیرہ تھا جو تھا جس میں قدرت (Nature) کی حیثیت اساسی تھی۔

نیگور کے تصور تعلیم کا دوسرا عنصر ہندوستانی ہے۔ ان کا دور وہ تھا جب مغربی علوم و انکار ایک ریٹے کی طرح ہندوستانی غیر میں داخل ہو رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں ترک و اختیار کا ایسا معیار وضع ہوا تھا جو نئی نسلوں کے مستقبل کی تشکیل کر سکتا ہو۔

مغربی مکتب کے اکتساب کرتے وقت ہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہر شے ہندوستانی روحانیت سے آم آنگ ہو۔ ہر شے ہماری قومی معیت کی تابع ہو اور قومی معیت کی بنیاد ہر حال میں محفوظ رکھی جائے۔

سوامی ویکانند کا یہ پیغام اس ہندوستان کے لئے تھا جو مغرب کی طرف دھنسنے لگا تھا اور جو یورپی میکا نلیکیت اور قومیت اور جو اس اقتدار کا شکار ہوا تھا۔ نیگور نے یہی پیغام سنایا مگر انہوں نے اس کا براکتہ نہیں کیا۔ انہوں نے قومی معیت کی تشریح میں اقوامی زبان میں کیا اور قومی و بین الاقوامی معیت میں ایک

مطابقت پیدا کی۔

ایک خوب تر معاشرہ کی تشکیل کے لئے تعلیمی اصول وضع کئے جاتے ہیں۔ نیگور اس امر کا خاص لحاظ کرتے ہیں کہ فرد سماج کا ایک رکن ہے اور سماج افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اس لئے آپسی مال میں کی لئے ہر ایک سماج بنا چاہئے۔ ہر شخص کا سطح نظر ہی ہر اور ہر معلم کے ذہن میں یہ بات نقش رہے تو مطلوبہ خوب تر معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جس پر ترجیح دے ہوئے ہمیں نیگور کی فکری دنیا خاص کشادہ نظر آتی ہے۔ انہوں نے تعلیم کو ہمیشہ اس منصب کا آئینہ سمجھا ہے۔

مشہور مغربی مفکر اور فلسفی برٹنڈ رسل نے نیگور کے طرز تعلیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ تعلیم کا مقصد عالمی ریاست کی اطاعت ہونا چاہئے۔ مستقبل قریب تک ایک اہم ضرورت ایک عالمی شہریت کا شعور پیدا کرنا ہے۔ دیشوا بھادھی لازمی طور

پر اس ضرورت کا لحاظ کرتی ہے۔ نیگور نے بذات خود اعتراف کیا تھا کہ میں نے دشوا بھادھی کو ایک اسکول کی حیثیت سے اس لئے قائم کیا ہے کہ اس میں مختلف تہذیبوں اور روایات کے حامل افراد آپس میں رہنا سہنا سیکھیں۔ نیگور کے مطابق غیر قومی یا بین الاقوامی طرحی تعلیم وہ واحد طریق ہے جس کی ہندوستان اور دنیا کو آج ضرورت ہے۔ تعلیم فرد کی اس طرح رہنمائی کرے کہ وہ سماجی امور میں صحیح طور سے ملے جاسکے۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ نیگور فرد کی انفرادیت کا بھنا چاہتے ہیں اور افراد کے ہجوم میں فرد کی انفرادیت بحال رکھنا چاہتے ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو تعلیم کی ایک جہت داخلی اور گہری ہو جاتی ہے۔ یعنی تعلیم کا تعلق صرف یہ نہیں کہ ایک بہتر سماج وجود میں آئے بلکہ دیکھنا بھی ہوگا کہ اس سماج کے افراد اپنی بھرپور شخصیت کے ساتھ معروف کار ہوں۔ اس باب میں نیگور کی نظر سب سے پہلے بچے پر پڑتی ہے۔ وہ بچہ کو فطرت کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ بچہ کی آزا ہونا چاہئے۔ استاد اس کا رہبر ہوتا ہے۔ اسے بچے کی تمام تر ذمہ داریاں قبول کرنا ہے۔ اس کی مثال وہ آئینہ ہے دیتے ہیں جہاں چیلر ہمیشہ گرد کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ تعلیم کی باہری ترقیات پر اصل کو قربان نہیں کرتی اور طالب علم کو ردعائیت کی غذا ملتی رہتی ہے۔

نیگور تعلیم کی ابتدا میں اسباب و آلات کا استعمال ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس بچوں کے لئے ایک ایسا آزاد ماحول بنانا چاہئے جس میں وہ کردہ اپنے طور پر چیزوں کو تلاش کرنے کا جذبہ توانا کر سکیں۔ بچوں کو چیزوں کی آسان فراہمی بچے کو پرلا کر دیتی ہے۔ وہ یہاں ہر چیزوں سے اپنا کام کرنے لگتے ہیں مگر جب یہ چیزیں سامنے نہ ہوں تو وہ ان کی جستجو کی فکر کرتے ہیں اور اس طرح تخلیق کے راستے ہموار ہونے لگتے ہیں۔ گویا اپنی مدد آپ کا اصول تخلیق کا سرچشمہ ہے۔

اپنی مدد آپ کا اصول آئینہ کے ماحول کا متقاضی ہے۔ چنانچہ آئینہ کی تربیت کی وکالت کرتے ہوئے نیگور کہتے ہیں کہ آئینہ میں تعلیم دینے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہاں

روزمرہ کی زندگی میں تعاون کرنے کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔ بہترین تجویز یہ ہو سکتی ہے کہ تعلیم کے ابتدائی عہد میں بچے پر غیر ضروری چیزوں کو وجہ نہیں رکھنا چاہئے۔ ہمارا احساس اس وقت مزید ہو جاتا ہے جب ہم عرفی مادی چیزوں سے الجھنے لگتے ہیں۔ بچے کو اپنی مدد آپ اور خود اعتمادی کی تربیت ملنی چاہئے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کے اس پہلو کی افسوسناک کمی ہے۔ بچے کو اپنی دانش کے مطابق ان چیزوں کی ایجوکیشن ملے جو دیا جائے کہ وسیدگی خاطر جو چیزیں سامنے آئے استعمال میں لائیں؟ اس کے لئے انہیں ایسے استاد دیتا گئے جائیں جو درسی کتابوں سے آگے جا کر بچوں کو قرسی ماحول سے مربوط اور منطرت کے علاوہ اسلئے مشاہدے کا درس دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

ٹیگور کے سائنسی ٹیکنین کا عملی تجربہ ایک جرأت مند تجربہ ہے۔ انہوں نے بچوں کو ان کے احساسات کی مکمل ترجمانی کا حق دیا ہے۔ وہ روزانہ کے معمول اور استقامت کے خوف کے بغیر اپنی تخلیقی قوتوں کے بل پر مظاہر کا تجربہ کرتے ہیں۔ سائنسی ٹیکنین کا ماحول اسٹیم کا ماحول تھا۔ تدریس کی بنیاد مشربیت پر تھی۔ مغرب کی درس گاہیں جس طرح طلباء کو یہ سکھاتی ہیں کہ یورپ والوں نے مغربی تہذیب کی تعمیر کس انداز سے کی۔ بعینہ بیان میں مشرقی روایات کی روشنی میں اپنا مزاج استوار کرنے کا مشق دیا جاتا تھا۔ ٹیگور صحیح معنوں میں آفاقی روح کے مالک تھے۔ انہوں نے سختی سے اس تنگ نظر قومیت کی مخالفت کی جس سے موجودہ خلفشار پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ برہمن ازم وہ قوی اور بدعت وہ بین الاقوامی مذاہب ہیں جنہیں دنیا کو ہندستان نے عطا کیا۔ ٹیگور بین الاقوامیت کا محسوس ہیں جو سکھاتا ہے کہ تمام آزاد و اقوام برابر ہیں۔ ٹیگور کی آفاقیت یا بین الاقوامیت دراصل دنیا کی خرابیوں کا مداوا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا آدرش بعد از ہر ایک انسان وہ سکھ انسان کی عزت کو تاسیکھے مساوات کی تعلیم عام ہو اور انسان میں دروہندی، محبت و ایثار کا وہ جذبہ فروغ پائے جس کی بدولت اسے عالمی شہری ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ ٹیگور بنیادی طور پر تعلیم کی تعلیم کے ذریعہ بچوں کی

کی بہبود چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کا وہ حقیقی غاص ہے کہ وہ کسی ایک مقام کے بجائے پوری دنیا کا شہری بن جائے۔ اسی شہریت کے ذریعہ صحیح جمہوریت عمل میں آئے گی جس میں طبعی روحانی اور اخلاقی طور پر انسان اپنے فرائض انجام دے گا اور بنیادی حقوق حاصل کرے گا۔ یہی ایک بے غرض سیدھ کا عرف آغاز ہوگا جس میں انصاف اور راستی کا بول بالا ہوگا۔ ٹیگور کا نظریہ تعلیم نہایت جامع ہے۔ اس میں روحانی اور جہانی اقدار کی فراوانی ہے۔ یہاں ڈسپلین کا سبق اور اس سے مسلط کرنے کے بجائے آزادی اور حریت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ محض اریہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے تعلیمی نظریے میں نوع انسانی کا تجربہ پوشیدہ ہے۔ بچے کی نفسیات کا بغور جاننے کے باعث ٹیگور ان کی تربیت کا واضح شعور رکھتے ہیں۔ اس طرز تعلیم کا پروردہ ہی بچہ "Father of Man" بننے کا اہل ہو سکتا ہے۔



شائق ٹیکنین میں موسم بہار کا تہوار



ایک چلوپانی

سرین ماکھو پادھیے



کچھ دین آگے کنول کی کوئی ذات نہیں ہوتی ہے
ٹیک اسی طرح چنڈا ایک میں بھی اہوں اپنا جیاں

پیش کیا ہے

میں جو آدمی ہوں، تم میں، لوگ! امہی آدمی ہو

چنڈا ایک، رقص۔ ڈرامہ کی اہم بنیاد محبت ہے۔

اور پورا ڈرامہ انسانی تعلقات پر مبنی ہے۔ اس سے ہمارے شاعر

ربند رانا تھ کی جیگہ ایک پریمی ربند رانا تھ کو پہچاننے میں دشواری نہیں

ہوگی۔ پوری کہانی میں مختلف سماجی پسوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے

لیکن اس میں انسان کی محبت کو ایک مختلف شکل میں پیش کیا گیا

ہے۔ آئندہ جس وقت پروکرتی کے ہاتھ سے پانی پیا اس وقت

سے بروکرتی کی زندگی میں جوار آگیا۔ اس جوار نے اس کے دل میں

آزادگی کی جوت جلا دی اساتھ ہی اس کے دل میں ایک ہیجان بھی

پیدا کر دیا۔ اور ہم ان تمام باتوں کی کس طرح تشریح کر سکتے ہیں؟

پروکرتی کی آرزو ہے یا اس کی محبت؟ اوپنیشن میں دو جیسے درجے

ہیں جو میری خواہش ہے، اور جس چیز کی تجھے خواہش ہوتی

چاہئے۔ ان دونوں جہوں میں کافی فرق ہے۔ دنیا کے لوگوں کو ان

دونوں جہوں نے مختلف طریقوں سے اپنے دائرہ عمل میں رکھا ہے،

لیکن جو چیز کی تجھے خواہش ہوتی چاہئے، کو اپنانے میں وہ

منگل ہوتے ہیں، اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ جو میری

رہنما راخانہ ٹیگور نے تین رقص۔ ڈرامے
’شیاما‘، ’جتر انگد‘ اور ’چنڈا ایک‘ لکھے، ان میں سے چنڈا ایک
اپنی نوعیت کے اعتبار سے شیاما اور جتر انگد سے کچھ مختلف
ہے۔ اگرچہ بعد الذکر ناٹکوں کی طرح ہے اور اس کا مقصد
پیادہ محبت کو اجاگر کرنا ہے۔ تاہم اس ڈرامہ میں محبت کا اظہار
میر و امیر و تن کے عمل اور رد عمل سے نہیں ہوتا، بلکہ اس
رقص۔ ڈرامہ میں ماں اور بیٹی کے درمیان بات چیت، عمل اور رد عمل
اور جدوجہد سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیپالی بدھ مت کی کتاب
’سا رول کو زما ابودان‘ سے چنڈا ایک کی کہانی لی گئی ہے۔ اس
رقص۔ ڈرامہ میں دیگر باتوں کے علاوہ سماج کے مختلف پسوؤں کو
بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ چھوت چھات کے خلاف گاندھی جی نے جو
تحریک چلائی تھی، شاعر ٹیگور نے اس تحریک کو بڑھا دیا اور
چنڈا ایک میں یہ نقطہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے۔ صرف اس رقص۔
ڈرامہ میں ہی نہیں شاعر ٹیگور کے اس دور کی دیگر تخلیقات میں
بھی یہ بات پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ٹیگور نے بہت ساری
کجائی، فحشیں لکھیں۔ اس طرح کی ان کی ایک نظم ’پالی اٹھانے کا پالہ‘
کے ابتدائی مصرعوں سے پوری نظم کا مقصد ظاہر ہو جاتا ہے۔ پہلا
مصرعہ یہ ہے۔
میری بات سنو،

خواہش ہے کہ اپنا تے ہیں وہ انسانی دنیا اور انسانی شعرات
 سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان میں ایک چیز کی نہیں بہت
 ساری چیزوں کی خواہش ہوتی ہے اور محبت ان میں سے ایک
 ہے۔ مثلاً اس درجہ سے دیشو نظموں میں جسمانی خواہشات کو
 اہل کر کے کی کوشش کی گئی ہے لیکن بعد میں ہی خواہشات
 روحانیت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ آئندہ کو پانی پلانے کے بعد پروکرتی
 کے دل میں حویالات اہل گر ہوتے ہیں اسے جو خوشی حاصل ہوتی
 ہے اس کا مقابلہ عام درجہ کے عشق سے نہیں کر سکتے، بلکہ
 ہی تو حقیقی محبت ہے۔ یہ کوئی جسمانی خواہش نہیں ہے، پروکرتی
 کے کیریکٹر کا تجویز کرنے سے یہ بات اور بھی میں ہو جاتی ہے۔
 پروکرتی ایک عام لڑکی نہیں تھی، اچوت خاندان میں
 اس کا جنم ہوا تھا۔ اس بات سے وہ واقف تھی اس لئے وہ اس
 بات کو کسی طرح بھی تسلیم نہ کر سکی کہ دیوتا کے راج میں اسکی
 معصوم زندگی پر دوسروں کے باپ کا ہٹ رنگ جائے۔ احتجاج کرتے
 ہوتے اس نے کہا تھا:

جس نے مجھے اس بے عزتی کی تاریکی میں بھیجا ہے
 میں اس کی پوجا نہیں کروں گی، کبھی نہیں کروں گی،
 اس دیوتا کو

کیوں بھول چڑھاؤں گی، کیوں بھول چڑھاؤں گی
 کیوں بھول چڑھاؤں گی

میں اسے

جس نے مجھے ساری زندگی ایک بے عزتی کے مقام پر رکھا۔

اب پروکرتی کے صحیح کیریکٹر کی شناخت کرنے میں
 کسی قسم کی دشواری نہیں ہو سکتی۔ وہ جذباتی تھی اس لئے اپنی
 عزت آپ کو دکھا کر احساس تھا۔

ایک راجہ کے بیٹے نے جنگ میں شہر کر کے ہوتے،
 اس کی شکل دیکھ لی تھی، بس وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔
 اور اسے شاہی محل میں لے جانا چاہا۔ پروکرتی نے اس شاہی
 تجویز کو نفرت سے رد کر دیا۔ اس سلسلہ میں اس کی ماں نے اس
 سے پوچھا کیوں تو راجہ کے گھر نہیں گئی۔ تیرا دلپ دیکھ کر تو وہ

سب کو بھول چکا تھا۔ پروکرتی نے جواب دیا: "میں تو
 بھول ہی چکا تھا، وہ یہ بھول چکا تھا کہ میں ایک آدمی ہوں۔ ہماری
 نظروں میں حیوان پریت خوبصورت نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک
 کشش بھی ہوتی ہے اور ہم اس جانور کو باندھنے کی کوشش
 کرتے ہیں، سوئے گا زنجیروں سے؟"

پروکرتی خوشی سے بے چین ہوا تھی تھی۔ اس کی درجہ
 یہ ہے کہ جس لمحہ آئندہ نے پروکرتی کے ہاتھوں سے پانی پیا، اسی
 وقت اسے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ وہ بھی تو ایک آدمی ہے۔ اس
 کے لئے ایک حیوانی ایک اتھاہ سمندر بن گیا۔

پہلی نظر ہی میں آئندہ نے پروکرتی کو پہچان لیا تھا۔ اس
 نے اس میں ایک روحانی کشش محسوس کی تھی۔ اسی لئے پروکرتی اپنی
 دل سے کہتا ہے۔ "ماں بلاشبہ میں اسے چاہتی ہوں، مجھے
 اس کی ضرورت ہے اس کے سامنے میں اپنے اس جنم کی پوجا کی
 ڈالی پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اس سے ان کے قدم ناپاک نہیں ہو
 جائیں گے۔" جو دیکھنا چاہے دیکھے ہماری ہمت کو غور سے
 میں کہنا چاہتی ہوں کہ میں صرف تمہاری خادمہ ہوں، ورنہ اس
 سنار میں ہمیں ہمیشہ داسی بن کر سمجھوں گے قدموں کے نیچے پڑے
 رہنا پڑے گا۔"

آئندہ نے پروکرتی کو ایک آدمی، ایک انسان کی حیثیت
 سے تسلیم کیا، اس سے اسے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی تھی۔
 اس لئے کہ اب اسے ذلت کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہوئے کیئے
 ہمیشہ آئندہ کی ضرورت ہے۔ لیکن آئندہ کو جسمانی طور پر پانا اس
 کے لئے ناممکن ہے۔ آئندہ نے پروکرتی کو آزادی دیکر اس کے
 سامنے انسانیت کا ایک واضح نقشہ پیش کیا ہے۔ اب پروکرتی
 کے تصور میں آئندہ ہی بہترین آدمی ہے۔ اس آئندہ کو مادی لحاظ
 سے فراہمی کر دینے کی اس میں صلاحیت نہیں تھی۔ پروکرتی کی
 باتوں سے یہ عیاں ہو جاتا ہے:

وہ جو جا رہے ہیں،

مرا کے دیکھا نہیں، مرا کے دیکھا نہیں،

اس کے اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ اس نئی تخلیق کو

اور دیکھا نہیں مڑا کر وہ
آئندگی اسے اتنی ضرورت کیوں ہے اس سلسلے میں
پر دکریتی کہتی ہے:

میں اسے چاہتی ہوں
جنہوں نے مجھے خدمت کرنے کا اعزاز بخشا
بکھرے پھول کو
جنہوں نے دھول سمیت دائیں ہاتھ سے اٹھایا
اسے پر بھو، اسے پر بھو،
اس پھول کا ماتیا کر کو
اپنے گلے میں پہنو
اسے غیر مطمئن نہ ہونے دو

پر دکریتی کو جو کہ محبت میں دیوانی ہو گئی تھی فوق الفطرۃ
چیزوں کا سہارا لینا پڑا۔ درنہ اس کے لئے جنم کا تصور ایک
خام خیال ثابت ہوتا۔ اسی تصور کو اس نے محبت کے جال میں پرو
کر رکھا تھا۔ اس محبت پر وہ خود کو قربان کر دینا چاہتی ہے اور اس
کے لئے اسے آئندگی اتنی ضرورت ہوتی ہے۔ آئندگی کو اپنے بس میں
لانے کے لئے اس نے اپنے بے قرار دل سے اپنی ماں سے درخواست
کی تھی۔ ماں تم منتر پڑھو تاکہ فوق الفطرۃ کا یہ جال اٹھ جائے،
کیوں کہ اس جال کے پیچھے وہ چھپا بیٹھا ہے۔

پر دکریتی محبت میں خود کو تسربان کر دینا چاہتی تھی
آج میں نے جانا کہ میں بد نصیب نہیں ہوں
اس لئے میں دوں گی، میں دوں گی

دل و جان سے

خود کو قربان کر کے

جی ہاں خود کو قربان کر کے وہ آئندگی کو پانے کی مستلاش
کی۔ آئندگی کو اپنے بس میں کرنے کے لئے پر دکریتی بے چین ہوا تھی اور
کہنے لگی۔

یڑھ تو سب سے مشکل منتر
گول گول داغ دے کر، جگہ کے پکڑے

پکڑے پکڑے دل کو،
جہاں میں رہ رہے
مجھ سے دور رہنے کی کوشش میں
نہیں کامیاب ہو گئے
نہیں کامیاب ہو گئے

پر دکریتی کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں
خاموش نہ رہ سکی اور اپنی بیٹی کو سحر سے دور رکھنے کے لئے
اپنے شاگردوں کو بلایا۔

رہنما مافقہ کے تین رتھوں دراصلوں کا جائزہ لینے
کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان تینوں کے روحانی پسو ایک جیسے ہیں۔
محبت کا دیرانی چند ایسا کام جو شکل دیکھتے ہیں ویسی ہی دیوانی
شکل خیر انگہ اور مشایا، میں بھی دیکھتے ہیں۔ مشایا بھی
محبت کی آگ میں جل رہی تھی لیکن اس کی یہ محبت مادی محبت نہ
تھی۔ گرچہ بھگت سین اور اوتو کی موت کے لئے مشایا قربانی دینی
ہے۔ وہ راج محل کی شاہی عمارت باٹ کو ترک کر کے بھگت سین
کے فراق میں جوگن بن جاتی ہے اور یہ کہتی پھرتی ہے، تمہارے
ساتھ، ہم بھی ایک ہی لہر میں پسے گئے، اس کی قربانی ایک ادنیٰ
قربانی نہیں تھی۔ اس پریم کی پیار نے سب کچھ ترک کر کے زندگی
اور موت میں خود کو پر بھو کے قدموں پر نثار کر دیا۔ اس کے بھی
چند ایسا کی طرح کمالیت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، بھگت سین
میں بھی ہم ہی تصویر دیکھتے ہیں، صرف شکل بدلتی ہے۔ جذبات
اور محبت کی تصویریں ایک جیسی ہیں۔ بھگت سین اپنے محبوب
اور جن کو فراموش کرنا چاہتی تھی۔ اس کی یہ محبت ہم لوگوں کے
دلوں کو بھی ہلا دیتی ہے۔ گرچہ محبت کے اثرات مختلف شکلوں میں
نمودار ہوتے ہیں تاہم مشایا اور بھگت سین کی محبت شروع سے آخر
تک ایک عالمی تصور رہے۔ ان دراصلوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ محبت کی ارتقاء دیر سے دیر سے ہوتی ہے اور دیر سے دیر سے
محبت عیاں ہوتی جاتی ہے۔ پر دکریتی کی محبت میں ہم یہ دیکھتے ہیں
کہ محبت تو قدرتی تحفہ ہے، جس کی بدولت زندگی نشوونما ہوتی رہی ہے۔

بچوں کیلئے

ٹیکور کی ایک نظم

ترجمہ: عین رشید

کل رات میں نے سچنے میں دیکھا
کلکتہ ہلے ڈولتے خود کہیں جا رہا ہے
درجنوں مکان سیدھے چل رہے ہیں
اڑ رہے کی طرح راستے چل رہے ہیں
ان کی پیٹھوں پر "دھوپ دھاپ" ٹراہیں گر رہی ہیں
بازار، دکانیں سب اٹھ رہی ہیں اور بیٹھ رہی ہیں
ہوڑہ برج کسی مست کچھو کی طرح چلا ہے
اور اس کے پیچھے پیچھے ہری سن روڈ
منو منٹ کسی پاگل ہاتھی کی طرح سہمست ہے
باتیں سن کر متوالوں کی طرح سونڈھلاتا ہے

رکو رو ٹھہرو بھئی، یہ کیا پاگل پن ہے
کلکتہ ٹھہرنا نہیں اپنی دھن میں چلا ہے
ناچ کا نشہ، ستون اور دیوار
میں دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں نشہ تو نہیں
جانے دو اگر ممبئی جا رہا ہوں تو
دہلی، لاہور، جاتے نہ اگے
سہروردوں گا "ناگڑی" پاؤں میں ناگڑے
پاشا بد وہ ولایت کی طرف دوڑے
انگریز ہوں گے کبھی، لٹ پیٹ، کوٹ
اسی درمیان میری آنکھیں کھل گئیں
اور دیکھا کلکتہ اسی کلکتے ہی میں ہے





ٹیگور اور بچے

فیروز عابد

آنگن میں جسم کے ساتھ ساتھ ان کے ذہن، ان کے دل، ان کے خیالات اور ان کے تجربے بڑھ رہے تھے۔

ٹیگور کو کھلونوں سے کھیلنے نہیں دیا گیا۔ ٹیگور نے اپنے ذہن میں خیالی کھلونے بنائے۔ ان کھلونوں کو سیاہ اور سفید رنگ کے ذریعہ صفحہ قرعاس پر اجاگر کیا۔ ان کے گھر کے ادبی ماحول نے ان کے احساسات کی پرورش کی، باشعور نوکروں کی صحبت نے ٹیگور کو نئی کہانیوں کے خلی دنیا سے آشنا کر دیا۔

ٹیگور گھر کی چار دیواری کے اندر ہی رہتے تھے۔ باہر نکلنے کا نہ تو اس وقت رواج تھا اور نہ حکم۔ آج جس طرح بچے سڑکوں پر گھومتے پھرتے ہیں اس طرح بچے اس عہد میں ہیں گھوما کرتے تھے۔ ٹیگور خاندان کے اصول بڑے سخت تھے۔ ٹیگور گھر کے دوسرے بچوں کیساتھ اپنے گھر ہی کے اندر اپنی پوری دنیا بسائے ہوئے تھے۔

اپنے اس مغموم میں مجھ دو باتیں عرض کرنی ہیں اور ان دو باتوں کے تعلق سے کچھ اور باتیں بھی ہمارے سامنے آئیں گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ چھوٹے ربندر ناتھ یا بچہ زوبی کو گھر کی چار دیواری کے اندر رکھا گیا۔ جنہوں نے اسکول کی چار دیواری کو قید سمجھا ہو گھر کی چار دیواری کے اندر ان کے احساسات، جذبات

ان کے ابد تک راہبند ناتھ ٹیگور نے تین دریاؤں کو عبور کیا۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ ان کی زندگی کی ان تین ندیوں نے ان کو بہت کچھ دیا اور ان سے بہت کچھ چھینا۔ کھونے اور پانے کے مسلسل عمل کے دوران ٹیگور کے جذبات، احساسات، خیالات اور تاثرات نے ہنگامہ ناول، افسانہ، ڈرامہ، شاعری اور سنگیت کو ایک ایسے خزانے سے آشنا کیا جو ٹیگور ہی کا حصہ ہے۔

ٹیگور کسی اسکول کا نام نہیں۔ ٹیگور تو ایک تہذیب کا نام ہے۔ گیت، نظمیں اور دوسرے اصنافِ ادب جن کا تعلق ٹیگور کذات سے تھا، ان سے پیار کرنے والے، انہیں بغور مطالعہ کرنے والے، آنکھیں موند کر ان کی نظمیں اور گیت گانے اور سننے والے پوری دنیا میں موجود ہیں۔ ٹیگور سے لوگوں کی بے انتہا عقیدت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ٹیگور شاعر ہیں ایک تہذیب تھے۔ ٹیگور نے نہ صرف یہ کہ اپنے معاصرین کو متاثر کیا بلکہ انہوں نے نئی نسل کو بہت کچھ دیا۔ ہنگامہ ادب کے عاشق آج بھی ٹیگور سے ترقی پسندی اور جدت پسندی دونوں کا درس حاصل کر رہے ہیں۔

ٹیگور کو اسکول میں داخل کیا گیا، بھاگ آئے۔ اسکول کی چار دیواری اور اس چار دیواری کے اندر کے ماحول میں ان کا دم گھٹنے لگا۔ ٹیگور اسکول نہیں گئے، کالج کا صفحہ نہیں دیکھا، گھر کے

خیالات نے کیسی کیسی انگڑائیاں لی ہوں گی۔ نگر کی بندھی نے کہاں
ہاں کی سیر کی جوگی اور انہوں نے ہر چیز کو کسی کسی طرح اور کسی
راز سے برتا ہوا تھا۔

دوسری بات یہ کہ نیگور ۱۸۶۱ میں پیدا ہوئے۔ ان
کا شادی ہوئی اور پہلے ہوتے اور پھر ۱۹۰۲ کو جب نیگور اہم
سال کے تھے تو ان کی شریک حیات ملکہ ان کو بیاری ہو گئیں۔ ہم ان
دو باتوں کی روشنی میں جو کچھ عرض کریں گے ان کا تعلق نیگور اور نیچے
سے ہو گا۔ پھر وہی (رہنما) تھا نیگور زیادہ تر وقت کھڑکی کے قریب بیٹھتے
نظارے تھے۔ وہ راگپروں کو، پھیری والے کو، لگاڑیوں کو، آسمان
بادلوں، چاند سورج اور ستاروں کو دیکھتے رہتے تھے اور سوچ و فکر کی
دنیا میں کھو جاتے۔

رہنما تھا نیگور نے بچوں کے لئے نغمیں بھی کہی ہیں، کہانیاں
لکھی اور مکالماتی ڈرامے بھی۔ اپنی ان تخلیقات میں نیگور کا اپنا ہمین
ہے۔ ان کے اپنے احساسات اور جذبات ہیں اور ان کا اپنا ذائقہ
غیر پر ہے۔ بچوں کے لئے نیگور نے ان گنت نغمیں لکھی ہیں۔ میں یہاں
ان کی نظم "جی چتر سادھ" (Gichit Sadeh) کا ذکر کروں گا۔
اس نظم میں ایک نابالغ طالب علم ایک بچے کے احساسات و جذبات کا
بہت ہی خوبصورت اظہار کیا گیا ہے۔ نیگور نے اس
نظم کو تین بند میں مکمل کیا ہے۔ پہلا بند یوں ہے۔ اسکول جاتے
ہوتے ایک طالب علم نے ایک پھیری والے کو دیکھا جو ڈوکی میں چینی
مٹی کے گھونٹے فروخت کر رہا ہے۔ پھیری والا آزاد ہے۔ چاہے وہ
گھونٹے فروخت کرتا رہے، چاہے وہ گھر چلا جائے۔ جب جلد سے آیا
کہاں آیا۔ اپنی مرضی کے مطابق کام کیا۔ وہ بالکل آزاد ہے۔ بچے نے
اس کی آزادی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا اور سوچا کہ کاش وہ
پھیری والا ہوتا۔

دوسرا بند یوں ہے۔ شام کو سڑے چار بچے وہ
اسکول سے واپسی میں دیکھتا ہے کہ مال باغ میں کدال سے مٹی ادر
ادھر کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں مٹی میں لٹھرے ہوئے ہیں۔ پھر وہ
مٹی مٹی لگے ہے۔ اسے اس طرح ہاتھ پاؤں اور بدن پر مٹی لگا لینے پر
تو کوئی رکھتا ہے اور زور ڈالتا ہے جب کہ اس کی مٹی اسکول سے گھر پہنچے

ہی سیاہی لگے ہاتھ پاؤں کو دیکھ کر اور گد آلود ہاتھ پاؤں کو دیکھ کر اسے
ڈانٹتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ دھوا کر اس کے کپڑے بدلتی ہیں۔ وہ
سوچتا ہے کاش وہ مال ہوتا اور مٹی سے جی بھر کر دوستی کرتا۔

تیسرا بند یوں ہے۔ ابھی رات پوری طرح اتر ہی نہیں پائی
ہے کہ اس کی ماں اسے زبردستی تھپک تھپک کر سنانا چاہتی ہے۔ وہ
کھڑکی سے دیکھتا ہے، ادھر پرے دار بچہ کی ہانڈے گیس جی کی روشنی
میں ہاتھ میں لائین تھامے گھر کے دروازے پر پر ادے رہا ہے۔ سامنے
اندھیری لگی ہے جس سے شاید ہی کبھی کوئی گزرتا ہے۔ رات کے دس گیارہ
بج جاتے ہیں مگر وہ اسی طرح کھڑا رہتا ہے۔ اسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔
اس طرح کھڑے رہنے اور جاگتے رہنے پر اسے کوئی منع نہیں کرتا ہے۔
اب وہ سوچتا ہے کہ کاش وہ پہرے دار ہوتا اور اپنی خواہش کے
مطابق سوتا جاگتا۔

اپنی بات کو وزن دار بنانے کے لئے آئیے ایک مکالماتی
کہانی کا ذکر کریں۔ اس کہانی کا عنوان ہے "امل اور دی والا"۔ ایک
بچہ امل اپنی کھڑکی کے قریب بیٹھا ہے۔ دی والے کی صدا سن کر اسے
آوازیں دیتا ہے۔ دی والا اس سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ دی
خریدے گا۔ تب ہی وہ بچہ جواب دیتا ہے کہ دی خریدنے کے لئے اس
کے پاس پیسے نہیں ہیں (بہاں میں یہ جتنا چلوں کہ نیگور کے عہد میں بچوں
کو پیسے نہیں دئے جاتے ہیں اور آج بھی بعض گھروں میں بچوں کو
پیسے دینا یا لینا معیوب بات سمجھی جاتی ہے)۔

دی والا باؤسی کے لہجے میں کہتا ہے کہ بھروہ اسے
کیوں بلارہا ہے۔ جب بچہ جواب دیتا ہے وہ بھی دی والے کی طرح
آوازیں ملگتا ہوا دور دور، ٹنگو، گاؤں گاؤں جاتا چاہتا ہے۔ دی
والے کو بچے کی بات عجیب لگتی ہے۔ وہ دی کا مٹکا زمین پر رکھ
دیتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے کہ بچے تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔
بچہ جواب دیتا ہے کہ حکیم صاحب نے اسے باہر نکلنے سے منع کیا ہے
اس لئے وہ دن بھر یہاں بیٹھا رہتا ہے۔ ہمدردی کے لہجے میں دی
والا اس سے اس کی بیماری پوچھتا ہے۔ بچہ اسے بتاتا ہے کہ وہ
پڑھا لکھا نہیں ہے اس لئے وہ نہیں جانتا کہ اسے کیا بیماری ہے۔ بچہ
والے سے اس کے گاؤں کا پتہ پوچھتا ہے۔ دی والا اسے بتاتا ہے کہ

اس کی گانگول بہت دور پہاڑ کی ترائی میں واقع ہے۔ پھر وہی والے کو
دیکھو والے کے گاؤں کا نقشہ بتاتا ہے۔ یہاں پگڈنڈی اور تھاب
ہے گاگر میں پانی بھر کر گاؤں میں جاتی ہوئی عورتیں جوں پازہ کی ساریاں
پہنے ہوتے ہیں۔ گانگول کھاسی چر رہی ہیں۔ وہی ماہ حیرانگی سے
پر فٹا ہے کہ پچ کیا کبھی اس کے گاؤں گیا ہے۔ تب بچہ جواب دیتا ہے
کہ وہ کبھی نہیں گیا اور کبھی نہیں گیا اس لئے کہ حکیم صاحب نے اسے
بچیں جانے سے منع کر دیا ہے۔ وہی والا کہتا ہے کہ وہ ایک دن
بہت بڑا عالم بنے گا۔ پچہ کہتا ہے کہ وہ عالم بنا نہیں چاہتا۔ وہ تو اسی
کی طرح وہی والا بننا چاہتا ہے۔ وہ وہی والے سے وعدہ دیتا ہے
کہ وہی والا اسے اس کے گاؤں لے جائے گا۔ وہ بھی وہی والے
کی طرح آواز لگا لگا کر وہی فروخت کرنا چاہتا ہے۔ مگر سے دو گاؤں
گاؤں انگریزوں کو جانا چاہتا ہے۔

وہی والا اسے ایک جانڑ (پالا) وہی مفت دیتا
ہے۔ تب پچہ اس سے کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے اسے دیر ہو گئی۔
وہی والا جواب دیتا ہے کہ اسے دیر نہیں ہوئی اور نہ کوئی نقصان ہوا
بلکہ آج اس بچے نے اسے سکھایا کہ وہی فروخت کرنے میں کتنے سکھ اور
کتنے فائدہ ہے۔

کہانی کے اختتامی حصے پر غور کیجئے اور پوری کہانی کے
تاثرو کو اپنے سینے میں اتار لیجئے۔ بچوں کی اس کہانی میں ایک عجیب کیفیت
ہے۔

ایسی ایک ایسی کہانی ہے کہ ان میں امد کتنی ہی نہیں
ہیں جن میں رہنما ناتھ نے اپنے بچپن کے تاثرات کو بیان کیا ہے اور
بچوں کے انداز میں بچوں کے لئے لکھا ہے۔

۱۹۰۲ء میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ اہلیہ کی موت کے
بعد نیگور پر اپنے دو فون بچوں کا ذمہ داری آگئی۔ غم و اندوہ میں مذہب
بچوں کے معصوم چہروں نے نیگور کے دل کو ایک بار پھر شدت سے
غمزدہ کر دیا۔ شیشو کی نظموں ان ہی دنوں کی یادگار نظموں میں جو درد
غم، جذبات، شفقت، محبت اور ہمدردی سے بڑھیں۔

بقول ڈاکٹر سوکار سین، ان تمام نظموں میں شاعر کو اپنا
دل دھڑکتا ہوا ملامت، زندگی اور کائنات کا راز ملا۔ ان کی شاعری کا بچہ عام انسانی

بچہ ہے۔ اس کی فطرت انسانی ہے۔ وہ عام بچوں کی زندگی کا ترجمان
ہے۔

”شیشو“ اور ”کوٹھی وکومل“ بچوں کی نظموں کے
مجموعے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا بچوں کے ساتھ ساتھ
بڑوں کے لئے بھی عجیب ہیں۔ ”شیشو“ کے بعد انہوں نے ”شیشو
بھولا ناتھ“ کو مرتب کیا۔ یہ نظمیں ۱۹۲۲ء میں ملکی گئیں۔ یہ نظمیں بھی
شیشو کی طرح ہیں۔ حسرت، ناکامی، اناامیدی اور آرزوؤں کی
شکست کا ذکر اس میں شاعر نے کیا ہے۔ ان نظموں کا بچہ بھی وہ خود
ہی ہے۔ ان نظموں میں اس نے اپنے ہی آپ کو پیش کیا ہے۔ اپنی ہی
آرزوؤں کا ذکر کیا ہے۔

”کاب جھارا“ (یہ مجموعہ ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ اس
میں جو نظمیں ہیں وہ بھی بچوں کی نظموں ہیں۔ ان میں بھی عجیب کیفیت
ہے۔ بچے ان نظموں کو پڑھ کر خوش ہوتے ہیں اور بڑے نیگور کی عظمت
کا لوہا مانتے ہوئے ان نظموں کی گہرائی میں ڈوب ڈوب جاتے ہیں
اور زندگی کی جھلک دہڑکوتھراؤ کے قریب ہر کون سے کانزلا اور انوکھا
انداز دیکھتے ہیں۔

بچے سب کو اچھے لگتے ہیں۔ نیگور کو بہت اچھے لگتے تھے۔
نیگور نے جہاں بڑوں کو بہت کچھ دیا وہاں انہوں نے بچوں کے ادب
کو بھی مالا مال کیا۔ بچوں کے لئے بھی بہت کچھ کیا۔ نیگور بچوں کے
بھی تھے۔

بقیہ : نیگور اور جدوجہد آزادی

گھاڑی چاول تک نہیں بھیجا۔

یہی اس شاعر اعظم کی آخری پکار تھی اور اس کے
بعد موت نے انہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ لیکن نیگور
زندہ ہیں، ہمارے دلوں میں، ملک کی یادداشت میں اور یہی ہیں
ایک ساری دنیا کی یادداشت میں۔

ترمیم زر کا پتہ : پرنس منیمر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت نئی دہلی

۲۲- آر۔ این۔ مکھرجی روڈ۔ کلکتہ۔ ۷۱



ٹیگور روس میں ۱۹۲۰ء

ٹیگور کا دورہ روس چند باتیں چند یادیں

۱۱ جن مہین سپہانویس

رفیقہ انا تھے ٹیگور نے روس کا دورہ کیا اور اپنے دورہ کے دوران انہوں نے روس سے بہت سارے خطوط لکھے جو یکے بعد دیگرے ”پراواش“ میں شائع ہوتے رہے۔ ان خطوط سے مجھے پہلی بار پٹرو گائیڈ اور دیگر روسیوں کا نام معلوم ہوا، نیز جب یہ خطوط کتاب کی شکل میں شائع کئے گئے تو میں اس میں ٹیگور کے ساتھ ان کی تصویر بھی دیکھی۔ جب ۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو لینن گراڈ سے ماسکو واپس آیا تو میں نے اپنے گائیڈ کو تیار کھڑا پایا، کیونکہ وہ پٹرو سے میری ملاقات کیلئے وقت لے چکا تھا۔ مجھے ان سے ملاقات کرنے کا بے حد شوق تھا کیوں کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ وہی اور کے۔ ایس۔ یز سے ثقافتی تعلقات کے لئے تنظیم کے سربراہ ہونے کے ناطے سوویت یونین میں ٹیگور کے دورے کا ذمہ دار ہیں انہیں سوچنی گئی تھیں۔ لیکن اس وقت وہ ۴۰ سال کے ہو چکے تھے اور میں نے اپنے گائیڈ کو اس بات کی تاکید کر دی تھی کہ وہ ان سے یہ کہے کہ جب انہیں فرصت ہو تو اس وقت ملاقات کا وقت دیں۔ میرا خیال تھا کہ میں انہیں کسی بستر پر بیٹھ کر کسی آرام کر سکی پر بیٹھے رہیوں گا۔ لیکن ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء کو دن کے گیارہ بجے میں نے ان سے ملاقات کی توجیرت کی انتہاء نہ رہی جب میں نے انہیں ایک کرسی پر سیدھا بیٹھ دیکھا اور منبر پر روس میں اکتوبر انقلاب سے اس وقت تک سائنس کی ترقی پر سوویت لغات کے ایک باب کی ادارت کر رہے تھے۔ ان کی عمر ۹۲ سال کی تھی، لیکن آنکھوں کی روشنی اچھی تھی سننے کی طاقت اچھی تھی اور یادداشت بہت تیز تھی۔ اس سے پہلے میں رسل اور عارج برنڈرٹس کے متعلق سنا تھا لیکن پٹرو سے آئے سائے مٹا۔ میرے لئے ایک انوکھا تجربہ تھا۔

ایک سائنس دان (طبی سائنس) ہونے کے باوجود پٹرو لینن، کرپسکا، گورگی اور لونا کرسکی کے قریبی دوست تھے۔ جس وقت میں نے ان سے ملاقات کی تھی اس وقت وہ ساری دنیا میں سب سے عرصہ راز بولشیویک تھے۔ میں یہ سمجھ رہا تھا کہ میں ان سے ملنے کا کام کر سکتا ہوں۔ میں پٹرو سے جو پوچھنا چاہتا تھا وہ سوویت یونین میں ۱۹۲۰ء میں ٹیگور کے دورہ کی بابت تھا، کیوں کہ اس دورہ میں وہ ٹیگور کے گائیڈ تھے۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا سنہ ۱۹۲۶ء میں لونا کرسکی نے جنیوا میں ٹیگور سے ملاقات کی تھی اور سوویت یونین کا دورہ کرنے کے لئے مدعو کیا تھا؟ پٹرو نے جواب دیا کہ میں نے یہ معلوم نہیں کیا کہ اس وقت میں لونا کرسکی کے ساتھ کام کر رہا تھا اور اس کے تمام خطوط میرے ہاتھ سے گزرتے۔ سنہ ۱۹۲۶ء کے دورہ کے دوران سنکس نے پٹرو سے بہت ہی اعتماد کے ساتھ یہ باتیں کہی تھیں کہ اس دورہ سے قبل ان کے بہت سارے دوستوں نے انہیں روس کے دورہ پر جانے سے روکنے کا کوشش کی اور اس کی انہوں نے عین وجہ بتائی۔ پہلی یہ کہ یہاں اتنی شدید سردی پڑتی ہے کہ وہ اسے برداشت نہیں کر سکیں گے، اور دوسری یہ کہ یہاں کی خوراک اتنی خراب ہے کہ اسے کھانا نہیں جاسکے گا اور تیسری یہ کہ یہاں ان کی طرح ہمارے

اور عام لوگوں کی کمی ہے، اس لئے وہ اس کمی کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔ پڑو نے مجھے بتایا کہ انہوں نے شاعر سے یہ پوچھا تھا کہ اس سیر و سیاحت سے انہوں نے کیا محسوس کیا، انہوں نے جواب دیا کہ انہیں ایک ایسا باشعور اور عالم شخص نہیں ملا جس سے انہوں نے دل کھول کر باتیں کیں۔ شاعر جواب دینے سے قبل دل کھول کر کہنے لگے، لیکن انہوں نے بتایا کہ اتنی احتیاط کے باوجود انہیں سردی لگ گئی۔ پڑو نے پھر کوتاہی میں شاعر کے دورہ کی بابت ایک دلچسپ بات بتائی کہ کھوسل روسا میں بچوں کی تنظیم کا نام ہے۔ وہ نیگور کو لے کر کھوسل میں پہنچے تو وہاں نیگور نے بچوں کو مسکراتے اور کسی کو ہنسنے ہونے پایا۔ انہوں نے پڑو سے پوچھا: بچے سب کیوں ہنس رہے ہیں؟ کیا میری سفید داڑھی کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں؟ پڑو نے بتایا: ہنس رہے ہیں۔ وہ ہنس رہے ہیں اس لئے کہ اس سے قبل انہوں نے اتنے شاذ اور خوبصورت شخص کو نہیں دیکھا۔ شاعر نے کہا: بچوں سے کہہ دیجئے کہ میری داڑھی کو دیکھ کر گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ اصلی ہنسی بلکہ نقلی داڑھی ہے۔ جب میں بڑے لوگوں جیسے پڑو سے ملنے جاتا ہوں تو یہ داڑھی لگا لیتا ہوں تاکہ ان لوگوں پر میرا اثر ہو۔ درحقیقت اس بات کا انہیں یقین دلایئے کہ میں ان ہی کی عمر کا ایک بچہ ہوں؟

میری جستجو کی پیاس بجھانے کے لئے پڑو نے کہا کہ لیٹن، اناٹوئے فرانس اور جی۔ بی۔ سی کے ساتھ ساتھ نیگور کو بھی ادبی دنیا کا ستارہ سمجھتے تھے۔ لیٹن نے ان کی چند کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا، اور اپنی لائبریری کے لئے بھی نیگور کی چند کتابیں حاصل کی تھیں۔ کروچیکایا، عوامی تعلیم کے وزیر ہونے کے ساتھ نیگور کی درس و تدریس کی فزیر مدد کی بابت معلومات اکٹھا کرنے کیلئے کوستان تھیں اور انہوں نے اپنی کتاب "تعلیم کا عالمی نظام" میں تعلیم کے سلسلے میں نیگور کے نظریہ کا اور تعلیم کے میدان میں ان کے تجربوں کا ذکر کیا ہے۔

لیٹن نے اس کتاب کی ایک کاپی میگزین گورگی کو خبریہ کاپری میں بھیج دی تھی اور اس کتاب کی بابت انکی رائے

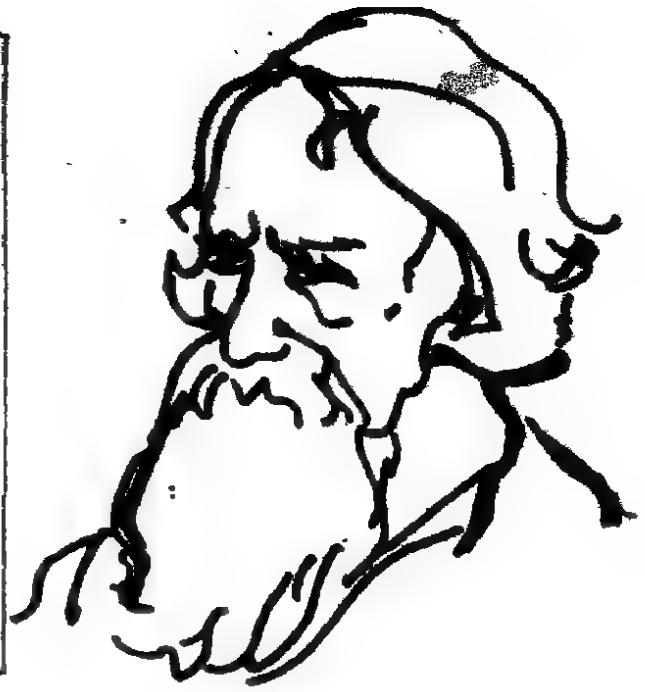
طلب کی تھی۔ جواب میں گورگی نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی تھی۔ پڑو کا یہ خیال تھا کہ نیگور کو بھی اس کتاب کی بابت یہ بات معلوم تھی۔ کروچیکایا اور لینن دونوں ہی نے فطرت اور محنت کے ساتھ تعلیم کو وابستہ کرنے کے لئے نیگور کے نظریہ کو کافی اہمیت دی۔ گورگی کا ذاتی خیال یہ تھا کہ نیگور بہت بڑے آرٹسٹ اور ماہر تعلیم ہیں۔ اور پڑو کے خیال کے مطابق نونا چارسکی نیگور کے شاگرد اور جہیز بن گئے تھے۔ جب وہ اعلیٰ تعلیم اور ثقافت کے شعبے کے عوام کے کشش تھے تو انہوں نے نیگور سے ایک سے زیادہ بار ملاقاتیں کیں۔ میں نے پڑو کو بھی نیگور کی نقاشی سے بہت متاثر ہوتے دیکھا۔ انہوں نے مجھے بار بار یہ بتایا کہ نیگور کی نقاشی گرجہ کو چھوڑ کر صرف انسانی صورت ہی ہے۔ تمام اس میں گہرے خیالات اور انسان دوستی کے جذبے کو اجاگر کیا گیا تھا۔ سوویت یونین کے دو ہفتہ کے دورہ کے دوران وہاں حکام کی طرف سے نیگور کی نقاشی کی ٹائٹل کا بھی استفادہ کیا گیا تھا۔ پڑو نے مجھے اس بات سے آگاہ کیا کہ مشہور ناقد اور ٹریٹیکو عماد کا خانہ کے ڈائریکٹر کوستانی اس موقع پر موجود تھے اور انہوں نے پڑو سے نیگور کی نقاشی کی بابت بہت سے سوالات کئے۔

آئندہ سال مجھے میڈیم بائی گوراسے ملنے کا اتفاق ہوا۔ میڈیم ماسکو اور کھنسل انسٹی ٹیوٹ میں بہت ہی مشہور ماہر لسانیات تھیں۔ میں نے ان سے نیگور کے سوویت یونین کے دورہ کی بابت بات چیت کی۔ انہوں نے ماسکو یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر پروفسر ویڈوون سے میرا تعارف کرایا۔ روس میں مسئلہ میں نیگور کی صد سالہ تقریبات بڑی شان و شوکت سے منائی گئی اور یہ پروفیسر اس تہوار کے منتظمین میں سے ایک تھے۔ میرے خیال میں انہوں نے یا میڈیم بائی گوراسے سوویت یونیورسٹی کی ایک فوٹو کاپی دی تھی۔ اس پوسٹر میں نیگور کے چتر انگدا (۱۹۱۵ء) چتر کہتے ہیں) کو اسٹیج کرنے کا اور نیگور کی چند نظموں کی نغمہ سرائی کا ذکر تھا۔ یہ دونوں فوٹو ۱۹۲۲ء میں اکسپریس پرنٹل پھیر میں منعقد کئے گئے۔ اس

مرینا لیخے دیوے

ربند رانا تھ کی شریک حیات

شرمیتی سوتا پا چکرورتی



شخصیت کے مالک تھے، برخلاف اس کے ان کی اہلیہ محترمہ سیرجی سادی اور معصوم عورت تھیں، اس لئے وہ اپنے شوہر کی زندگی پر اثر انداز نہ ہو سکی اور نہ ہی ان میں کسی قسم کی بیداری پیدا کی۔ اسی لئے شاعر نے اپنی بوری کا اپنے کلام میں ذکر کرنے سے پرہیز کیا۔ قریب تھاسبعوں کا خیال، لیکن یہ خیال غلط تھا، غیر معمولی ربند رانا تھ کی معمولی بوری، ۱۹ سال کی شادی شدہ زندگی میں، ٹھاکر باڑی میں جہاں امیرانہ عکاسات باٹ اور ثقافت کی فضا چھائی رہتی تھی، اپنا خصوصی مقام بنانے میں کامیاب ہوئی، شاعر کے قریبی رشتہ داروں اور خطوط اور خبروں سے یہ بات میاں ہو جاتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں ان کی بوری کی اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی بوری نے اپنے شوہر کی طرح قابل نہ ہونے کے باوجود خود کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ان میں اپنے شوہر اور ان کی شاعری کو سمجھنے کی صلاحیت تھی۔ یہ باتیں ان دونوں یعنی میاں بوری کے خطوط سے میاں ہو جاتی ہیں۔ یہ خطوط گرج گھر میں معاملات کی بابت ہوتے لیکن ان کا طرزِ اظہار بہت ہی انوکھا ہوتا۔ اور وہ سب ریسیلے الفاظ سے پُر ہوتے۔ ربند رانا تھ نے اپنی بوری کو ۲۶ خطوط لکھے اور آج یہ خطوط کتابی شکل میں دستیاب ہیں۔ ان کی بوری کو ان خطوط کی اہمیت کا اندازہ تھا اسی لئے انہوں نے ان خطوط کو بڑی حفاظت سے ایک صندوق

اسٹورم عظیم ہستیوں کی شخصیت، عقلیت اور خوبیوں پر غور کریں تو ہمیں ان کے ارد گرد خوبیوں کی ایک جھلک بھی نظر آئے گی اور ایک عظیم ہستی کی زندگی میں ایسی جھلک کی خدمات کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ اس سال ربند رانا تھ بیگور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر میرے ذہن میں ایک بات بار بار گزر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ربند رانا تھ کی خبروں یا میں کہتے کہ ربند رانا تھ میں دیگر باتوں کے علاوہ ان گنت لوگوں کا ذکر ہے، لیکن کہیں بھی ان کی شریک حیات کا ذکر نہیں ہے یا یوں کہتے کہ نفی کے برابر ذکر ہے۔ ربند رانا تھ نے اپنی کن یوں کو تربت سارے لوگوں کے نام سے منسوب کیا لیکن اپنی بوری کے نام ایک بھی نہیں کیا۔ صرف ان کے محبوب کلام "سورن" (یادیں) میں انہوں نے اپنی بوری کا ذکر کیا ہے۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا؟ یہ کہنا ذرا مشکل ہے۔

بیگور کی اپنی بوری مرینا یعنی دیوی کی بابت خاموشی کی لوگوں نے اپنے نقطہ نظر سے تشریح کرنے کی کوششیں کیں۔ بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ بوری کی بابت کچھ کہنا نہیں چاہتے تھے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے ذاتی معاملہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ شاعر غیر معمولی

میں بند رکھا تھا۔ ان خطوط سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رہنما
 ناتھ ٹیگور اپنے گھر کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان خطوط کی روشنی
 میں ہم رہنما ناتھ کو ایک نئی شکل میں دیکھتے ہیں۔ یہ رہنما ناتھ
 اپنی بیوی کو جب وہ خط کا جواب دینے میں تاخیر کرتی، محبت
 سے جبر منع کا اظہار کرتے، خوابوں میں سدا کی واہ سے اڑ کر
 جوڑاں کھواتے اور اپنی بیوی اور بچوں کے بستروں کے آس پاس
 گھومتے پھرتے، بیوی بچوں کے لئے اس کا دل بے قرار ہو جاتے، جی ہاں
 رہنما ناتھ بہت ہی اچھے شوہر تھے جو اپنے خطوط کے ذریعہ اپنی
 بیوی کو اس سنا کر کی خبریں دیتے اور خبریں وصول کرتے۔ ان
 کی بیوی سنا کر کے کام کاج میں الجھ رہی تھی۔ وہ اپنی بیوی کو مشورہ
 دیا کرتے کہ وہ اپنے دل کو اس دنیا کی الجھنوں سے بالا کر لیں۔
 رہنما ناتھ بہت ہی مشفق سنا رہے تھے، اور ان کی گھریلو زندگی
 میں بھی ان کے خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کام میں ان کی بیوی
 کا حصہ کچھ کم نہ تھا۔ ان کی بیوی کوئی رئیس خاندان کی بیٹی نہ تھی۔
 ان کے والد کا نام جینی مادھو راتے چودھری تھا اور یہ ضلع کھنڈ
 (ابھی بنگلہ دیش میں واقع ہے) کے دکن دیہی گاؤں کے رہنے والے
 تھے۔ ان کے والد ٹیگور خاندان کی زمینداری کے ایک عام ملازم تھے۔
 ان کی بیٹی کا نام بھونو تھی، جب ان کی بیٹی گیارہ سال کی ہوئی
 تو ان کی شادی رہنما ناتھ سے ہو گئی، چونکہ میاں بیوی دونوں
 ہی پرانی برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کی شادی
 ہو گئی۔

ٹھاکر باڑی یعنی سسرال میں آنے کے بعد بھونو تالی کا
 نام مرینا لینی ہو گیا۔ سببوں کا یہ خیال ہے کہ خود رہنما ناتھ نے اپنی
 بیوی کو یہ نیا نام دیا تھا۔ اپنے والدین کی پسند کردہ اسم دہنی کو
 رہنما ناتھ نے بھی خوشی خوشی قبول کیا۔ سختے میں کہ شادی کی
 رات کو تاسو گھر میں (شادی کی رات کو دلہا دلہن کو لے کر ان
 کے سونے کے کمرے میں ان کے رشتہ دار خوشیاں منائے اور ناچ
 گانے میں ساری رات گزار دیتے ہیں۔ اس رات اس جوڑے کو
 سونے نہیں دیا جاتا ہے) رشتہ داروں کی درخواست پر رہنما ناتھ
 نے بھی گیت گائے تھے۔ شادی کے بعد ان کے سسر ہارشی

دیندر ناتھ ٹھاکر نے اپنے جوئے پیئے یعنی رہنما ناتھ کی بیوی کی
 تعظیم کے لئے اختیارات کیے، تاکہ یہ بھی گھر کی دیگر بیویوں
 کے سادہ مقام حاصل کرے۔ اس کام میں رہنما ناتھ نے بھی پہلی
 کمی۔ انہوں نے نہ صرف انگریزی کی تعظیم بلکہ بنگلہ اور سنسکرت کی
 تعظیم کا بھی انتظام کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاعر کے بھتیجے پولینڈرا
 ناتھ ٹھاکر جو بہت اعلیٰ درجہ کے معنف بھی تھے، انگریزی، بنگلہ
 اور سنسکرت میں جو کچھ پڑھتے وہ اپنی چھوٹی چچی کو سناتا دیتے۔
 ٹیگور کے بیٹے دیندر ناتھ نے اس سلسلے میں یوں ذکر کیا:

”ہو دوا سے سنی سن کر ان تینوں زبانوں کے ادب
 سے ماں اچھی طرح واقف ہو گئیں؟“

مرینا لینی نے نہ صرف اچھی تعظیم حاصل کی بلکہ وہ ایک
 معنفہ بھی بن گئیں۔ اس کا ثبوت قرآن خطوط سے ملتا ہے جو
 انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو لکھا تھا۔ زبان کی سادگی اور روانی
 کی مثال آج بہت ہی کم ملتی ہے۔ ان کا طرز بیان بھی بہت ہی
 نرالا ہوتا۔

شاہ ٹیگور کو سادگی پسند تھی۔ وہ معمولی لباس
 پہنا کرتے تھے۔ چمک دلم سے دور بھاگتے تھے۔ ان کی بیوی بھی
 سادگی پسند تھیں اور اپنے شوہر کی طرح معمولی لباس زیب تن
 کرتیں۔ وہ زیورات استعمال نہیں کرتیں۔

مرینا لینی میں خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنے کی
 قوت تھی۔ جوڑاں کو میں ان کے گھر میں جب پہلی بار ٹیگور کے
 ٹھکانے راجہ اورانی کو اسٹیج کیا گیا تو اس وقت اس میں مستند
 ناتھ ٹھاکر، گیا نودا سندھ دیوی نے اور رہنما ناتھ کے ساتھ مرینا لینی
 کا کردار مرینا لینی نے ادا کیا۔ ان کی ایکٹنگ کی سببوں نے تعریف کا۔
 ٹھاکر باڑی کے سنا رہے مرینا لینی کو گھریلو معاشرے میں
 اختیار ملتی حاصل تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے سببوں
 پیار و محبت کا برتاؤ کیا۔ وہ اپنے سسر کا بہت احترام کیا کرتیں،
 سنا رہے دیگر افراد سے وہ پیار و محبت سے پیش آتیں۔ سببوں
 کے شک سے ملکی ہو تیں اور مکہ سے ملکی ہو تیں۔ اس طرح انہوں
 نے سببوں کو اپنا لیا تھا۔

سلائی راہ کا کوٹھی بارڈ کا میں جب وہ رہتیں تو وہاں
میں بڑوں اور چھوٹوں کا خیال رکھتیں اسبھوکہ احترام کرتیں وہاں
میں گریاؤں سمجھوں کی ماں بن چکی تھیں۔ وہاں جب بھی اپنی وقت
میں وہ اپنی بیٹیوں کو لے کر اپنے گھر کے باغچے میں سبزیاں لگاتیں
پھر اپنے باغات کی سبزیاں اپنے ملازمین کے گھروں میں بھیجتی رہتیں۔
وہ اپنی زمین داری کے علاقے میں غریب مزدوروں کے لئے کم خرچ
پرکھانے کا انتظام کیا تھا۔ ٹاکر اسٹیٹ سے ہی اس خرچ کو پورا
کیا جاتا۔ نیز اس کام کے لئے جو عہدہ رکھے گئے تھے انہوں نے
اپنی تنخواہ دینے کا بھی انتظام کیا۔ ان کے اس اقدام سے بہت
سارے غریب لوگ مستفید ہوئے۔ جب وہ اس کوٹھی بارڈ کے
واپس آئیں تو وہاں کے لوگوں نے ردود کر اپنی الوداع کہا۔

اس سلسلے میں دوشربھارتی کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔
اس بات سے تو سبھی واقف ہیں کہ دوشربھارتی کے قیام کے لئے
شاہریگور کو کتنی انتھک محنت کرنی پڑی تھی اور انہیں کتنی
دشواریوں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن مرنیا یعنی دیوی
نے اس سلسلے میں کیا کردار ادا کیا یہ بات شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔
دشواریوں کے اخراجات کو پورا کرتے کرتے رہنڈرانا تھکا دیوار
بٹ گیا تھا۔ اس وقت اگر مرنیا یعنی دیوی اپنے شوہر کے آٹے نہ
آئیں تو دشربھارتی کا وجود قائم نہ رہتا یا نہیں رہتا، اس کی بابت
کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ مرنیا یعنی دیوی نے اخراجات کو پورا کرنے
کے لئے اپنے زیورات دے دیے۔ نیز انہوں نے آشرم کے
ستار کے انتظامیہ کی ذمہ داریاں بھی سنبھالیں اور ان ذمہ داریوں
کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے آشرم کے بچوں کو
کھانا کھلاتیں۔ وہ بذات خود اچھا کھانا پکا سکتی تھیں۔ اپنے
شوہر کی فرمائش پر نئے نئے اقسام کے سامی پکاتیں۔ شاہریگور
اپنے گھر سے دوستوں کو اپنے گھر میں مدعو کرتے اور انہیں اپنی بیوی
کے پکائے کھانے پیش کرتے۔

شانتی نلیکن کے برہوجارو آشرم میں بچوں کو
بھائی چارگی، خیر سگائی، ربط و ضبط، غریب اور انسان دوستی کی
تعلیم دی جاتی تھی اور تعلیم کے اس عظیم کام میں مرنیا یعنی دیوی

بھی حصہ لیتیں۔ نیز وہ آشرم کی ماں کی طرح بچوں کی دیکھ بھال
کرتیں۔

لیکن زیادہ دنوں تک وہ ان خدمت کو انجام نہ دے
سکیں کیوں کہ صرف ۲۶ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان
کی موت کی ایک وجہ ان کی ان تک محنت تھی۔ وہ بہت شدید بیمار
ہو گئیں۔ بستر پر لیٹا رہتیں ۱۱ فو جنٹو کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔
بیوی کو اس حالت میں دیکھ کر رہنڈرانا تھکا کو شاید پس بارانگی اہمیت
کا احساس ہوا۔ وہ گویا پاگی کی طرح دوا دار د کا انتظام کیا کرتے۔
ہر وقت بیوی کے پاس بیٹھ ہوئے رہتے، ہر وقت ان کے ہاتھ میں ایک
چٹکی پرتا جسے وہ چھلے رہتے۔ وہ اپنی بیوی کو خود تیار داری کرتے۔
بیوی کی موت کے بعد شاہریگور نے اس وندوق کو
کھولا جس میں ان کی بیوی نے ان کے خطوط بڑے فریضہ سے سمجائے
محفوظ رکھا تھا۔ ان خطوط کی روشنی میں شاہری نے بہت ساری
نکلیں نکلیں اور اپنے اس مجموعہ کو 'سورن' کے نام سے شائع کیا۔
'سورن' کی پس نظم کے پہلے شعر یہ

دیکھا، کئی ایک پر اس نے خطوط

پیار و محبت کا زندگی کے دو چار نشانات

سے یہ بات میاں ہر جاتی ہے کہ ان کی بیوی کی موت سے ان کے
دل میں ایک غلا پیدا ہو گیا تھا۔ مرنیا یعنی دیوی کو اپنی مختصر زندگی
میں اس سے کچھ زیادہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، تاہم ہم رہنڈرانا تھکا
کی ساری زندگی میں ان کا اثر دیکھتے ہیں۔ بعد کے عرصہ میں رہنڈرانا تھکا
نے اپنی بیوی کے سلسلے میں یوں لکھا تھا۔

وہ میری شریک حیات تھی، میرے تمام کام کا ج میں
میرا ہاتھ بناتی۔ گرچہ طعری طریقہ سے ہماری شادی نہیں ہوئی، لیکن
اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم ایک دوسرے کا احترام کیا کرتے۔ اس کی
یہ خواہش تھی کہ شانتی نلیکن کے کام میں ہماری ساتھی بن جائے۔
خاص طور پر اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اس کی دلی خواہش یہ تھی
کہ وہ یہاں میری جنگ لے لے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے فوراً
بعد ہی وہ شدید مرض میں مبتلا ہو گئی۔

شاہریگور نے رہنڈرانا تھکا کو اپنی بیوی پر پورا بھروسہ تھا۔

اے شاعر اعظم!

مصطفیٰ اکبر

اے شاعر اعظم!

دلدادہ ترے نقش شیریں کا اک عالم
ہواگ میں پوشیدہ ترے رُوح کی سرگم
ہر بول ترا زخیم دل و حبان کی مرہم
تو عظمتِ آدم

اے شاعر فطرت!

کی میں نے بہت فن میں ترے شوق و ریاضت
میل جاتے تھے بھی ترے لہجے کی عداوت
کچھ شعر سے میں بھی کروں زخموں کی عیادت
افسوس کہ قسمت

ہر شعر ہے تیکھا

کیا کیجئے جب رنگ بہاراں بھی جو پھیکا
اخلاص بھی مصنوعی ہو، اخلاق بھی جھوٹا
جب دل سے نظر تک ہو کھنچی درد کی ریکھا
کیا بول ہو میٹھا

جب آنکھیں ہوں ویران

جب بچھ گیا نظروں میں رنگ و نور کا سامان
جب بچوں کے چہروں پہ نہ ہو پھول سی مسکان
جب فتنہ غم سے ہو ہر اک چہرہ پریشان
ویرانِ شعروستان

کیا نقش ابھاروں

نہ پھول، نہ مہتاب، نہ جگنو کہ پکاروں
نہ حسین دل افسردہ ہے کہ روپ اتاروں
نہ جلوہ خوش رنگ کہ نظروں کو سناروں
دل کیس پہ میں دلاؤں

جب تجھ سا ہے دماز

کیوں بال بربذہ ہو، مگرے فکر کی بھولا
کیوں ہسر بلب ہو دل و بخور کی آواز
جو بول ہے تیرا ہی عقیدت کا ہے غماز
اے مردِ خوش انداز

ٹیگور، شانتی نیکیتن اور تعلیم

محمد اعظم

شانتی نیکیتن، بولپور سے دو میل کی دوری پر واقع ہے۔ آج یہ علوم و فنون کا مرکز ہے۔ یہاں وشو ابھارتی بین الاقوامی یونیورسٹی ہے اور بقول رہنما نانہ ٹیگور "وشو ابھارتی ہندوستان کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے پاس ذہنی دولت ہے جو سبھوں کے لئے عام ہے۔ وشو ابھارتی کو ہندوستان کی اس ذمہ داری کا احساس ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ ترین قدروں کو اپنے مہمانوں کی نذر کرے۔ ساتھ ہی وہ ہندوستان کے اس حق کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ دوسروں کی بہترین قدروں کو اپنائے۔" آج یہاں نہ صرف ملک کے مختلف علاقوں سے بلکہ دنیا کے تمام ملکوں سے طلباء آتے ہیں اور تعلیم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ نیز شانتی نیکیتن اور اس کے پڑوس میں واقع شری نیکیتن سیروسیاحت کا آماجگاہ بن چکے ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔

لیکن یہی شانتی نیکیتن کل کیا تھا، یعنی آج سے سو سال قبل اس کی کیا حالت تھی۔ شانتی نیکیتن سطح مرتفع پر واقع ہے۔ اس وقت چٹیل میدان تھا۔ خشک اور ادھر ادھر آکا دکا درخت نظر آتے۔ اس سے کچھ دور کے نامہ پر سال درختوں کا گھنہ جنگل تھا اور اس کے مشرق کی طرف تار درختوں کے جنگلات تھے۔ یہاں بھیڑیے ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ کبھی کبھی چیتے بھی نکل آتے۔ اس علاقہ کے چاروں طرف کھیتوں میں لوگ دھان کی کاشتکاری کیا کرتے اور اس کاشتکاری کا انحصار بارش پر ہوتا۔ نیز یہاں کسانوں کے پاس مویشی بھی ہوتے۔ اگر شاعر کا جیون دیوتا ان کی ذہانت کے فروغ کیلئے کسی جگہ کی تلاش

کرتا تو شاید اس سے بہتر جگہ اور کوئی دوسری نہیں ہوتی۔ رہنما نانہ کے ایک دوست شاعر ستیش چندر رائے کی ڈائری سے شانتی نیکیتن کی جغرافیائی تصویر بہت عیاں ہو جاتی ہے۔ شری رائے ایک شاعر تھے اور ٹیگور کے تمام کردہ آشرم اسکول میں معتم بھی تھے۔ اس علاقہ کی بابت یہ باتیں ان کی ڈائری (روزنامہ) میں درج ہیں:

بولپور کے چاروں طرف ایک وسیع میدانی علاقہ ہے یہاں دھوپ میں بہت گرمی اور بڑی شدت ہے۔ جب یہ ہوا چلتی تو طوفانی انداز اختیار کر لیتی۔ یہاں کے بادل اور بارش تو ہمیں اندرا کی یاد دلاتی ہیں اور چاند اور ستارے اپنی جگہ لگاتی روشنی کے ساتھ رات کی تاریکی کو اس طرح سمجھاتے اور سنوارتے ہیں کہ ہمیں "اشوینی گار" یاد آ جاتے ہیں۔ ایسی خاموش جگہ میں اپنے سے انسان کے دل و دماغ میں امن ہی امن چھا جاتا ہے!

شانتی نیکیتن کی تاریخ کی ابتدا مہارشی دیبندر نانہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں مہارشی کھلے میدان میں دو خوبصورت چیتیم درختوں کے نیچے گیان میں بیٹھے رہتے۔ یہ جگہ ٹیگور نے بہت پسند کی۔ یہاں کے مناظر قدرت اور یہاں کی خاموشی نے ان کا دل مرہ لیا اس لئے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا "میں خود سے کہا کہ میں اپنی میراث کی تلاش کرنی چاہئے اور اس سے ہم اس دنیا میں اپنے صحیح مقام کو خرید لیں گے۔ ان کے ان خیالات کی وجہ سے انہوں نے یہاں ایک آشرم مع تعلیم گاہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کا یہ تصور تھا کہ یہ آشرم نہ صرف ہندوستان

کی روحوں کا بلکہ سارے عالم کی روحوں کی آماجگاہ ہو گا۔ رہنڈا
ناجہ کو بنگال میں اس وقت رائج جدید تعلیمی نظام سے بالکل
اتفاق نہ تھا۔ ان کے خیال میں یہ مشین کی تیار کردہ تعلیم تھی اور ایک
غیر ملکی زبان کو رٹ لینا ہی تعلیم کا نام تھا۔ اس کے علاوہ انہیں
اپنے بچپن میں اسکولوں میں بہت ہی تلخ تجربہ حاصل ہوا تھا۔ ان
کے زمانہ میں اساتذہ بچوں کو پیٹ پیٹ کر پڑھایا کرتے تھے
کیونکہ وہ ”بیٹ کو چھوڑو تو بچے خراب ہو جائیں گے“ کے
اصول کو اپنا کر بچوں کو زد و کوب کے ذریعہ تعلیم دیا کرتے تھے۔
رہنڈا ناٹھ شیگر نے ۱۹۰۱ء میں شانتی نیکیتن

میں اپنا اسکول قائم کیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اور اپنے
دوستوں کے بچوں کو ان دشواریوں سے نجات دلائی جائے جنہیں
ان کو اپنے اسکولوں کے دنوں میں برداشت کرنا پڑا۔ اس سلسلہ
میں وہ یوں رقمطراز ہیں: ”اسکول کی ابتدا کی بنیاد سے میں
نادانف ہوں۔ یہ تعلیم کی کوئی نئی تھیوری نہیں ہے بلکہ یہ ترمیر ہے
اسکول کے دنوں کی یادداشت ہے۔“ (میرا اسکول)۔ گرج
ظاہر انہوں نے تعلیم کی کوئی نئی تھیوری پیش نہیں کی، لیکن انکی اپنی
ایک تھیوری تھی، اپنا ایک طریقہ تھا اور جنہوں نے ہندوستان
کے ماہرین تعلیم کو ایک نئے راستے پر گامزن کر دیا۔

بلکہ شبہ ان کا تعلیمی تھیوری یہ تھی کہ اگر انسانی بچہ
کو اس کے قدرتی ماحول سے الگ رکھا جائے تو اسکی پوری طرح
نشوونما نہیں ہو سکتی۔ اس زمانہ میں جو تعلیمی نظام رائج تھا اس
سے تعلیم پانے والے کچھ زیادہ مستفید نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان
کی شخصیت ابھرتی نہیں اور بعد میں وہ سماجی غیر توازن کا ذریعہ
بن جاتے۔ اس لئے معلم کا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ بچوں کو
نظرت لگا کر دیں ڈال دے کیونکہ انسانی ماں کی طرح خفرت
مگ اسے خدراک اور پیار دونوں ہی فراہم کرے گی۔ اس سلسلہ
میں رہنڈا ناٹھ نے یوں اظہار خیال کیا: ”یہ تو قدرتی نظام ہے کہ
بچوں کی خدراک اس کی ماں کا دودھ ہے۔ وہ جب ماں کا دودھ
پیتے ہیں تو انہیں خدراک اور ماں دونوں ایک ساتھ ملتے ہیں۔
ان لوگوں کے لئے یہ مکمل فائدہ ہے۔ جسمانی اور روحانی ہے۔ اس

عظیم حقیقت سے پہلی بار ان کا تعارف ہوتا ہے کہ دنیا سے انسان
کا حقیقی رشتہ ذاتی پیار کا ہے نہ کہ کسی قسم کے میکانیکی قانون کا۔
بچوں کے دل و دماغ میں اس تصور کو جاگرتا چاہئے کہ وہ ایک
انسانی دنیا میں پیدا ہوا ہے جو اس پاس کی دنیا سے ہم آہنگ
ہے۔“

ان باتوں سے ایک اور چیز دریافت ہوتی ہے اور
وہ یہ کہ صحیح تعلیم کی بنیاد ہمدردی اور پیار و محبت ہے۔ جبکہ
جذباتی ضرورتوں کو پرے رکھ کر اس کے قیام پر یا جسم پر زیادہ
زور دیا جائے تو اس سے اس کی لیاقت میں کمی ہو جائے گی۔ بچہ
کے دماغ کو مناسب طور پر کام کرنے اور اس کی ترقی کے لئے اس
تخلیقی دنیا کے لئے محبت کے جام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے
ساتھ ہی استاد اور شاگرد کے درمیان ہمدردی کی سوجھ بوجھ
ہونی چاہئے۔ شاعر شیگر کے الفاظ ہیں۔

”ہم علم سے بہت طاقتور بن سکتے ہیں، لیکن ہمدردی
اور پیار سے ہمارے دلچسپ ہو چکے ہوئے ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ ترین تعلیم وہ
ہے جو ہم لوگوں کو صرف اطلاعات فراہم نہیں کرتی بلکہ جو ہماری
زندگی کو تمام موجودات سے ہم آہنگ بنا دیتی ہے۔ ہمارے بچپن
ہی سے ہماری عادات کی تشکیل کی جاتی ہے اور ہمیں اس طرح
سے تعلیم سے سرفراز کیا جاتا ہے کہ ہماری زندگی نظرت سے
دور چلی جاتی ہے اور ہماری زندگی کے شروع سے ہی ہمارے
دماغ اور دنیا کو ایک دوسرے کے مخالف کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اس
طرح اس عظیم تعلیم سے جس کے لئے ہم تیار آئے تھے غفلت
رہا جاتا ہے اور ہمیں اپنی دنیا کو کھو دینا پڑتا ہے اور اس کا
جگہ ہمیں عقلی بھر معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ بچہ انسانی دنیا
میں پیدا ہوتا ہے لیکن ایک زندہ گرم خون کی دنیا میں اسے جلا وطن
کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ معصوم پیدا ہوتا ہے اس طرح گویا
اسے یہ سزا دی جاتی ہے۔“

نظرت اور ہمدردی کے پس منظر کے ساتھ ساتھ
شیگر کا یہ خیال تھا کہ تعلیم کی حصولیابی تو رضا کا راز طریقہ ہے
ہونی چاہئے۔ بچوں کو جس طرح خدراک دی جاتی ہے۔ اسی طرح

اسی دھنگ سے اسے تعلیم بھی دی جانی چاہئے، لیکن موجودہ
 یں میں تعلیم تو بچوں میں زبردستی ٹھونس دی جاتی ہے۔ اس
 نے انہوں نے بچوں کی تعلیم میں سختی صغیر بہ زور دیا۔ ان کے خیال

۱۷
 بچوں کا سختی صغیر ان کے ضمیر سے زیادہ باشعور
 بنا ہے اور اس سختی صغیر کے ذریعہ اسے بہت ساری ام
 نوں کا سبق دیا جاتا ہے۔ ہماری بے شمار نسلوں کے تجربات
 ہماری فطرت میں رچے بسے ہوتے ہیں۔ اس سے ہم خوشی
 حاصل ہوتی ہے۔ سختی صغیر میں پرشیدہ علم تو ایک لالین نہیں
 ہے جسے باہر سے جلایا یا بجایا جاسکتا ہے یہ جنگوں کی روشنی
 ہے جو اس کی زندگی کے طریقہ کار کو رو بہ عمل لانے سے منور ہوتی

۱۸
 اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر وہ شے جو سوجھ بوجھ
 اور تخلیقات کو احساں کرتی ہے، بچوں کی تعلیم کے لئے لازمی ہے۔
 اس نقطہ نظر سے رہنما ناکہ بچوں کو ذمہ دار ہستی سمجھتے تھے اور
 بڑوں سے انہیں بنیادی طور پر مختلف نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اس
 تصور کے بالکل مخالف تھے کہ بچوں کے فائدہ کے لئے انہیں علم
 گھول کر ہادی جائے۔ اپنی یادداشت، بین بچوں کی نفسیات
 پر انہوں نے یوں روشنی ڈالی ہے:

ادبی آپ حیات کر پانی میں مل کر بچوں کو پلا دیا جاتا
 ہے۔ اس وقت صرف اس نقطہ کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ یہ
 تو حرف بچے ہیں، یہ ابھرتے ہوئے انسان ہیں۔ یہ غلط طریقہ
 ہے۔ اس لئے بچوں کے لئے جو کچھ میں لکھی جاتی ہیں ان میں ایسی
 باتیں درج ہوں جن میں کچھ بچے پڑھ کر سمجھیں اور کچھ نہ سمجھیں۔
 چارے بچپن میں ہم تمام دستیاب کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے۔ پڑھ کر
 کچھ سمجھتے اور کچھ نہیں سمجھتے۔ بچوں کے ضمیر پر بیرون دنیا کا
 ہی اثر ہوتا ہے۔ بچہ اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور
 جن باتوں کو وہ ابھی نہیں سمجھ پاتا ہے آگے چلی کر خود بخود سمجھ
 لیتا ہے۔

شاعر نے ان تصورات کو اپنے اسکول میں عملی جامہ

پنایا۔ ان کے گیت، ناول، ناولٹ، مختصر کہانیاں اور ناول تو
 شاعری نکتہ کی اس سکول زندگی کے تانے بانے ہیں۔ کتنی حد
 تک ان کی تخلیقات کے جذبات سے اسکول کے طلبہ اور طالبات
 محفوظ ہوئے۔ اس کا انہوں نے یوں ذکر کیا ہے:

۱۹
 ایک معصوم بہت ہی شش و پنج میں پڑا رہتا
 ہے کہ دیکھیں اس کے ناول کو کون کس طرح پیش کرتے ہیں،
 لیکن بچہ میرے بچوں سے سمجھنا احمق حاصل نہیں ہوتی اور میں
 نے اساتذہ کو سمجھیں ہی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ طلبہ وجہ
 میرے ناول کو اسٹیج کرتے ہیں تو وہ مداخلت کریں!

یہ ایک تخلیقی تعلیم ہے جو آخر میں انہوں نے خود اپنی
 زندگی سے یہ دریافت کیا کہ کوئی بھی تعلیم اس وقت تک تخلیق نہیں
 ہو سکتی ہے جبکہ اسے بچوں کو ان کی مادری زبان میں نہ دی جائے۔

بل شبہ ان کی اپنی ذہنی اور ادبی ترقی کی غیر معمولی کامیابی اس حقیقت
 پر مبنی ہے کہ انہوں نے اپنے بچپن میں تعلیم اپنی مادری زبان میں یعنی
 ہنگری میں حاصل کی تھی۔ اپنی سوانح عمری میں وہ یوں مختصر فرمیں:

۲۰
 اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ہماری اپنی زبان
 میں تعلیم دی گئی۔ اس لئے ہم بولگ بہت جلد بہت کچھ سیکھ
 گئے۔ خوراک کو ہضم کرنے کے جو طریقہ کار ہیں، تعلیم کو اسی طریقہ
 کار سے رو بہ عمل لانا چاہئے۔ پہلے لفظ کے ساتھ ساتھ منہ

میں مزہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر پیٹ بھی گویا بیدار ہو جاتا ہے،
 اور خود کو تیار کر لیتا ہے تاکہ اس کے آہنی دس پوری طرح اپنا
 کردار ادا کر سکیں، لیکن اس طرح کی کوئی بات رونما نہیں ہوتی۔

جب ایک ہنگری لڑکے کو انگریزی سکھائی جاتی ہے۔ انگریزی کے
 بچے اور قواعد تو اسے دھڑک دیا کرتے جاتے ہیں۔ جب اس کا

باطن نشہ رہ جاتا ہے اور جب اس کی تعلیم کا مزہ اسے محسوس
 ہوتا ہے تو اس کی بھوک غائب ہو جاتی ہے۔ اگر دل و دماغ

شروع ہی سے کام نہ کریں تو آخر میں بغیر نشہ نہ کر رہ جائیں گے!
 (میری یادداشت)

اپنے اسکول کے نمونے کے لئے انہوں نے قدیم
 ہندوستان کے نمونے کو اپنایا۔ قدیم ہندوستان میں پریشی مٹی آبادی

اس کی کوئد کوئد کے لئے شاعر نے قوی سطح پر اپنے اہم فطری خیالات اور تجربات پیش کئے اور انہوں نے نہ صرف سماجی مسائل اور انفرادی طور پر لوگوں کے درمیان قریبی تعلقات کا بلکہ تعلیم کی فطری نوعیت پر بھی زور دیا۔ صحیح معنوں میں ایک تخلیقی قوم نے صرف سماجی ضرورتوں اور کوششوں سے نمودار ہوئی بلکہ عالمگیر انسانی علم سے ہم آہنگ ہوئی۔ اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں کہ بنی نوع انسان کے درمیان اتحاد کا ایک جزو تعلیم ہے اس لئے کسی کو بھی اتحاد کی بیداری اور شعور سے اجاگر ہونے والی خوشیوں سے محروم نہیں رکھنا چاہئے۔
(تعلیم کی گاڑی)

تعلیم میں نیگور نے ہدایت قومی زبان اور ادب کی اہمیت کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سارے مضامین لکھے۔ اپنے مضمون "تعلیم کی گاڑی" میں انہوں نے لکھا، "جو کچھ مغرب کو پیش کرنا تھا، اس نے پیش کر دیا اور جاپان نے اسے اپنا لیا، اور پھر جاپان نے اپنی زبان میں اس مغربی تعلیم سے اپنے عوام کو روشناس کرایا۔"

نیگور تعلیم اور تربیت وہ فرائض پر زور دیتے تھے۔ انہوں نے جب روس کا دورہ کیا تو وہاں پر رائج نظام تعلیم کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہاں سے انہوں نے بہت سارے خطوط لکھے۔

"لیکن مشین بنانا خود کوئی معرف کی چیز نہیں جب تک کہ اسے چلانے والا بندہ نہ ہو ایک انسان نہ ہو۔ روس میں زمین کی کاشت کے ساتھ ساتھ دماغ کی کاشت جاری ہے۔

یہاں تعلیم زندہ جاوید ہے۔۔۔۔۔۔ یہاں تعلیم بہت اہمیت کی حامل بن چکی ہے، لہذا کہ اسکول کی مدد ذمہ کی زندگی سے اسے الگ نہیں رکھتی۔ یہاں امتحانات کے لئے یا اسکا کریدر کے لئے تعلیم نہیں دی جاتی، بلکہ ایک مکمل انسان بنانے کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں اسکول ہیں، لیکن دماغ تعلیم سے محروم زیادہ بڑا ہوا ہے۔ توانائی اطلاعات سے زیادہ عظیم ہوتی ہے، چھپے الفاظ کے بوجھ سے، اتنی توانائی باقی رہتی رہتا کہ ہم اپنے دماغ کا استعمال کر سکیں۔ کتنی بار میں نے اپنے بچوں کو بحث و

مباحثہ کے لئے بجی کی، لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پاس پوچھنے کو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ان میں بذاتِ خود علم اور کچھ ماننے کی خواہش کے درمیان رشتہ کو کاٹ دیا گیا ہے۔ انہیں کبھی بھی اس بات کی تعلیم نہیں دی گئی کہ انہیں جاننے کی ضرورت ہے۔ شروع ہی سے گول ٹول اور خشک طریقہ سے انہیں صرف اطلاعات فراہم کی جاتی ہے اور جو کچھ انہیں سکھایا جاتا ہے وہ انہیں امتحان میں دہرا کر اچھے نمبر حاصل کرتے ہیں۔

روس کے دور سے سے شاعر کو تعلیم کے مسائل کو حل کرنے کے لئے عٹوس نغریہ کی تعدادوں کا یقین ہو گیا۔ تواریخ، جغرافیہ، معاشیات اور سماجی موضوعات کے مطالعہ میں صرف یہ کافی نہیں ہوتا کہ ان کے سلسلے میں صرف تصور پیش کیا جائے تعلیم دی جائے، بلکہ ان موضوعات کی تعلیم تو اس وقت مکمل ہوگی جب تعلیم کو تخلیق کی دنیا سے باہر نکال کر عٹوس نغریہ کی دنیا میں لایا جائے۔ وہ یوں رقمطراز ہیں: "ملاقاتی تعلیم تو سارے روس میں دی جاتی ہے، مقامی مرکزوں میں ماضی کی تاریخ اور موجودہ معاشی حالات کی بابت تعلیم دی جاتی ہے۔ زمین کی پیداوار کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور معدنیات کی کھوج لگائی جاتی ہے۔ ان مرکزوں سے خشک عجائب خانوں کے ذریعہ تعلیم کی استاعت ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ وسیع علاقائی تعلیم اور ان سے منسلک عجائب خانے، تعلیم کے نئے دور میں ترقی کے چند اہم ذرائع ہیں، اور سوویت روس میں اس اصول کو رو بہ عمل لایا جاتا ہے۔"

ربندراناتھ نے شائستگی میں اپنے اسکول میں ان طریقہ کار کو اپنانے کی ساتھ ہی اسے سارے ہندوستان میں پھیلانے کی کوشش کی۔ نیز روس کے دورہ سے نیگور نے تعلیم کے ایک ذریعہ کے طور پر سیر و تفریح کی اہمیت عیاں ہو گئی۔ روس کی طرح ہندوستان بھی بہت بڑا ملک ہے اور یہاں تعلیم کے لئے سیر و تفریح بہت ہی معاون ثابت ہوگی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بتایا کہ سوویت روس کے لوگوں کو حکومت کی طرف سے سیر و تفریح کی بہت ساری سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ وہ ملک

بہت بڑا ہے اور وہاں مختلف فرقے کے لوگ آباد ہیں۔ رآر کی حکومت میں ان لوگوں کو ایک دوسرے کو جاننے کا شاید ہی موقع ملتا تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس زمانہ میں سیر و تفریح کا تو عشرت میں شمار ہوتا تھا، صرف امیر لوگ ہی سیر و تفریح کے لئے جاسکتے تھے۔ آج سوویت روس کی عوامی حکومت کی یہی کوشش ہے کہ ایسی سہولتیں سبھوں کے لئے فراہم ہوں۔ ہندستان میں بھی سیر کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

”دیکھ کر سیکھنے کا ایک ذریعہ سیاحت ہے۔ آپ سبھوں کو معلوم ہے کہ کتنے غریبوں میں سفر کا اسکولوں کی بابت سوچ و فکر کر رہا ہوں۔ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے اور اس میں ہر لحاظ سے تفریح پایا جاتا ہے۔ اس لئے صرف ہنٹر کی، گزیر سس، پڑھکر اس ملک کی بابت مکمل معلومات حاصل کرنا ممکن نہیں۔ ایک زمانہ میں ہمارے ملک میں پدیا تراکارو اچ تھا۔ ہندستان کے تمام علاقوں میں ہمارے مقدس مقامات ہیں، اور یہ سب ہندوستان کی دولت کی شہادت دیتے ہیں۔ اگر صرف تعلیم کے مقصد کے لئے بچوں کو سارے ہندستان کی پانچ برسوں کے لئے سیر کرائی جائے تو اس سے انکی تعلیم مکمل ہو جائے گی۔“ جب دماغ بیدار ہوگا تو وہ مطالعہ کے موضوعات کو خود میں آسانی سے سمجھ لے گا۔ جس طرح جلد ادینے کے ساتھ ساتھ لگائے کو چرنے کے لئے چھوڑ دینا پڑتا ہے، اسی طرح باقاعدہ تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ دماغ کی افزائش کیلئے تعلیم بذریعہ سیاحت بہت ہی ضروری ہے۔ ایک سہولت اسکول کی چار دیواری میں بے حس کلاسوں میں کتابوں کی روشنی سے دماغی صحت کو تندرست حالت میں برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ کتابوں کو برے رکھا نہیں جاسکتا۔ علم کا دنیا اتنی وسیع ہے کہ اسے صرف میدان سے چن چن کر اکٹھا کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے گودام گھر سے کچھ علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر طلباء جب وہ منزلت کے اسکول سے گزرے تو اپنے ساتھ کتابوں کے اسکول کو بھی ساتھ رکھ سکے، تو انہیں تعلیم کے لئے اس سے زیادہ اور

کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔“
ہندوستان میں تعلیم کے فروغ کے ساتھ ساتھ تعلیمی سیاحت کے امکانات کافی روشن ہیں۔ تعلیمی سیاحت کو اسکولوں کے نصاب میں جگہ دینی چاہئے اور تاریخ، جغرافیہ، حیاتیات اور دیگر موضوع پر تعلیم کے لئے تو تعلیمی سیاحت لازماً ہے۔ نیگور کے اس نظریہ کو آج مغربی بنگال اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں کچھ حد تک رد عمل لایا جا رہا ہے۔

پہلی عالمی جنگ کے آخر میں نیگور کے تعلیمی نظریہ میں اور بھی وسعت پیدا ہو گئی۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک شخص کے لئے ایک تعلیمی مینار کے اندر بند پڑے رہنا ناگوار ہے اور نہ حسب خواہ ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ان کے اپنے اسکول میں تعلیم کو وسیع بنا کر تعلیم کے فوجی نظام میں کوئی تبدیلی کر دینا چاہئے اور اس نظام میں دیگر ملکوں کی ترقی پذیر تعلیم کے عناصر کو شامل کر لینا چاہئے۔ پہلی عالمی جنگ نے سارے دنیا میں وسیع پیمانے پر ملکوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا، کافی مالی اور جانی نقصانات ہوئے تھے۔ نیز اس جنگ نے قوموں کے درمیان نفرت پیدا کر دی تھی۔ اس صورت حال میں نیگور کو مختلف قوموں کے درمیان سوجھ بوجھ بھائی جا رہی اور اخوت کو فروغ دینے کی اہمیت عیاں ہو گئی۔ ان کے خیال میں ہر جگہ اس کام کو تعلیم یافتہ لوگ ہی انجام دے سکتے ہیں۔ نیز اپنے ملک میں اور دنیا کے دیگر ملکوں میں بڑھتے ہوئے معاشی بحران سے انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ صحیح تعلیم کے لئے ایک مستحکم معاشی بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔

۱۹۲۱ء میں دستور بھارتی، بین الاقوامی یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ منہاجاتی نو تعمیر کا ادارہ بھی قائم کیا گیا، یہ دونوں نیگور کے تصورات کی محسوس شکلیں ہیں۔ انکی اصل پیوری یہ تھی کہ منہاجاتی معیشت کی احیاء کو تو ہندوستان کی معاشی بحالی کا بنیاد ہونی چاہئے۔ منہاجاتی نو تعمیر کا مدد کے لئے تعلیم کو لاکھ بنگور سے اپنے اس پیوری کو عملی شکل دینے کی کوشش کی۔ نیگور کے اس تعلیمی تجربہ میں اندازاً

بقیہ: ایکس چیلو یا جنت

دوکان زندگی میں داخل ہو جاتا ہے اور زندگی میں سچا پس جاتا ہے۔

چند الیکا کی فطرت تو ایک حقیقی گیر یکن ہے۔
پسے ایک طبقہ کی نمائندہ تھی۔ آئندہ سے ملاقات کے بعد اس میں
انفرادیت نکھر آئی، لیکن اس کی شخصیت میں یہ نکھار اتنی آسانی
سے نہیں آئی۔ اسے دنیا کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، اچھے
برداشت کرنی پڑی، دنیا سے الگ ہونا پڑا، اسے اونچا نیچا، پتھر مٹی
کا نئے دار سسڑی سے گزرنے پڑا۔ اس کے بعد ہی اسے دو مال
آزاد کی انصیب ہوئی۔ مرد کے لئے عورت کی یہ قربانی، عام رابندرا
ادب میں بہت کم ہے۔

ہم نے اس عورت کا طبعاتی رد پ بھی دیکھا ہے۔
ہم نے اسے چترانگو اور شیاما میں بھی دیکھا ہے۔ ربنہ رانا تو
کے ان رقص۔ ڈراموں میں ہم ایک اور خوبی بھی پاتے ہیں۔ انہوں
نے جنسی خواہشات کا اظہار اشارہ اور کنہی میں کیا۔

مہلا کا، میں شاعر یگو نے کہا ہے۔

سچ اگر نہ ملے دکھ کے ساتھ لڑتے رہو

پاپ اگر نہ مرے اپنا شرم زندگی سے

اس معرکہ میں پردہ کرتی کاذبانی حالت کی شکا سہ کی
گئی ہے۔ پردہ کرتی نے یادوں کی ایک دنیا آباد کر رکھی تھی، آرزوؤں
اور تئوں کا مل بنا رکھا تھا، لیکن اس کی شرم و حیا سے اس کے
یہ قطعے مسما ہر جا میں گئے۔ اسی نے اس کی ماں نے اپنی پوجا
پٹ سے فوق الفطرت کی ضرورت محسوس کی۔ پردہ کرتی کی محبت تو خوشی
کو مدد نہیں کرتی، لیکن اس کی ماں کی پیشہ پر ہی کوشش رہی کہ اس کی بیٹی
کو دل سرت حاصل ہو، اسی نے اس نے جلد و منتر کا بھی سہارا لیا جب
آئندہ بے بسی اور بے بسی ہو جاتا ہے تو اسے اس حالت میں دیکھ کر پردہ کرتی
شش و پنج میں پڑ جاتی ہے کہ آئندہ کو کیسے جگائے اور یہی اس پر حقیقت
میں ہوتا ہے کہ انسان جو کچھ جانتا ہے اتنا آسانی سے اسے پائیں سکتا۔ اس
طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امتحان کو سحرانگیز تعلیم میں متزلزل نہیں کر سکتی۔
در حقیقت چند ایسے کامیں دنیاوی محبت کو اجاگر کیا لیا، برصغیر اس کے
پردہ کرتی روحانی محبت کی طبعی دار تھی۔

کے تصور کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں اظہار خیال
کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا،

تعلیم یافتہ اور زیر تعلیم لوگوں کو اپنے اندر گردے
بساتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، کاشتکاری کرنی چاہئے،
نوٹیشنوں کی پرورش کرنی چاہئے، بکڑا بننا چاہئے، تیل کے دانے
سے تیل نکالنا چاہئے، انہیں ضروریات زندگی کی تمام چیزوں کو
خود تیار کرنا چاہئے، تیار کرنے کے لئے بہترین طریقہ کار کو اپنانا
چاہئے، بہترین خام اشیا استعمال کرنی چاہئے اور جدید سائنس
کا مدد لینا چاہئے۔ ان تمام باتوں کا امداد باہمی کے اصول پر کیا
گئی صنعتی سرگرمیوں کی کامیابی پر انحصار نہ کرنا چاہئے اور
امداد باہمی کے اصول پر دوس میں رہنے والے تمام اساتذہ
طبعاً اور وہی باشندوں کو سرگرم عمل رکھیں گے۔ نیز اس
سے عمل صنعتی تربیت کا موقع فراہم ہوگا، اور اس تربیت کا
مقصد نفع خوری نہیں ہوگی۔ (دش بھارتی میں نیگور کا مضمون
اپریل ۱۹۲۴ء)

نیگور نے موجودہ دور کے ایک صحیح رہبر ہونے کے
نظم اپنی تعلیمی پالیسی میں بین الاقوامی سوچ کو، خاص طور پر
مشرق اور مغرب کے درمیان فروغ دینے پر زور دیا، اور اسی
نقطہ نظر سے انہوں نے دش بھارتی میں مختلف موضوعات، اولیٰ
سائنسی، فنانسی، اگیت و سنگیت، کی تعلیم دینے کا سلسلہ
جاری کیا اور بیان مختلف ملکوں کے طلباء اور طالبات تعلیم
حاصل کرنے کے لئے آتی ہیں۔

ان کے خیال میں ایک دوسرے کی ثقافت کی بابت
معلومات کے تبادلہ سے مشرقی اور مغربی ملکوں کے درمیان مناسب
اور پائیدار سوچ بوجھ کیلئے مستحکم بنیاد تیار ہوگی۔ اس مقصد کی
محصولاتی کے لئے انہوں نے دو طریقہ کار اپنا کر پہلا تو ایک مرکز
فراہم کر کے جو مشرق کی پوری ثقافتی ورثہ کی شکا سہ کرے اور دوسرا
اس مرکز کو تمام ثقافتوں کی آماجگاہ بنا کر۔ اور دش بھارتی ان
دونوں طریقہ کار کا مرکز ہے۔

ٹیگور ایک مصوّر

تارا پرشاد داس

بانیہ ناز اور شہرہ آفاق ادیب اور شاعر و ہندو اناٹہ ٹیگور کے اپنے مصوّر بھی تھے۔ گرچہ انہوں نے کسی اسکول میں مصوری کی تعلیم حاصل نہیں کی تاہم ان کی تیار کردہ تصویروں نے اپنی انفرادیت کا وجہ سے آرٹ کی دنیا میں اپنا ایک مقام حاصل کر لیا ہے۔ انکی بنائی ہوئی تصویروں پر اگر ہم غور کریں تو ان کی ہنوشانیوں میں ہمیں آرٹ کی دیگر شکلوں جیسے ادب اور موسیقی کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔ انسانی افتاد طبع کا ان کو کتنا گہرا علم تھا یہ بات کاغذ پر انکی بنائی ہوئی تصویروں سے عیاں ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ٹیگور مصوری کی باقاعدہ تربیت حاصل کرتے تو ان کی یہ تربیت بھی اچھے آرٹ اداچی مصوری کی طرف ان کی اتنی بہتر طریقہ سے رہنمائی نہیں کر سکتی تھی جتنی کہ ان کی جبلت نے کی۔ اس ویدائی کیفیت نے ان کے لئے وہ ماحول اور فضا تیار کر دی جو ان کی مصوری میں معاون ثابت ہوئی۔ ان کی بنائی تصویروں میں گویا ان کی روح ہم زبان ہوتی نظر آتی ہے۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں اور کب سے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے لسانی سرمد کو پار کر کے خطوط اور رنگوں کی زبان کو اپنایا، اسی کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے۔ جب ان کی عمر ۶ سال کی ہوئی تو اس وقت ان میں مصوری کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا "مصوری میرے بڑے بڑے دوست ہے۔ جس طرح نشہ اور شراب پینے والے کو غور کر دیتا ہے اسی طرح اس نے مجھ پر اثر کیا۔"

ٹیگور کا تہمت مشاہدہ بہت بیزحما۔ وہ مناظر قدرت

کا بہت ہی گہرا اور دقیق مشاہدہ اور مطالعہ کیا کرتے، ان مشاہدات سے انکی تصویریں ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں چپ کر بیٹھ جاتیں۔ جب وہ نظم لکھتے تو آہستہ آہستہ ذہنی تصویریں نظروں کی شکلوں میں اڑھاتی جاتیں۔ اسی طرح جب وہ نظم لکھتے تو مصوّر کی طرح نقاشی کرتے اور مصوری کرتے تو شاعر کی طرح کام کرتے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خود کہا کہ "میری تصویریں خطوط اور رنگوں کی شکلوں میں میری فطریں ہیں۔"

یوں تو زندگی کے آخری ایام میں ٹیگور نے مصوری کی دنیا میں قدم رکھا، لیکن یہاں یہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان میں بچپن سے ہی تصویر بنانے کا مینہ ڈرائنگ کا شوق تھا۔ بچپن میں اپنے لکھنے کی کاپیوں کے ساتھ ساتھ ایک ڈرائنگ کاپی بھی وہ اپنے ساتھ رکھتے اور اس میں کچھ الٹی سیدھی تصویریں بنایا

کرتے۔ ہمیں ہی ہے ان میں مشاہدہ کرنے کی حالت پیدا ہو گئی تھی۔
اسی ہمیں یہ وہ اپنے گھر کے ماحول و فکر کے باغات و جزوہ کائنات
ملاحظہ کیا کرتے اور ان چیزوں کی ڈرائنگ کرنے کی کوشش کرتے۔
اپنی سوانح حیات میں وہ اپنے بچپن کے تجربات کا یوں ذکر یوں
کرتے ہیں:

”جب میں اپنے کمرہ میں بستر میں بیٹھا رہتا تو کمرہ کی
درم روشنی میں دیوار کو دیکھتا۔ چوں کہ دیوار میں جگہ جگہ سے
پلاسٹر اکھڑ گئے تھے اس لئے روشنی اور سایہ میں مجھے طرح طرح
کی شکلیں نظر آتی ہیں اور ان شکلوں پر غور کرتے کرتے میں سوچتا:
”مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں گھر کے ایک کونے کے کونے
فرش پر بچے قائم رہ کر دوسرے وقت اپنی تقریب طبع کی
خاطر کچھ تصویریں بنایا کرتا۔“

یوں تو نیگور اپنے بچپن میں اپنی کاپیوں میں کچھ نہ کچھ
ڈرائنگ کر لیا کرتے، لیکن صحیح معنوں میں انہوں نے مصوری کا دنیا
میں ۱۹۲۲ء میں قدم رکھا اور اس وقت سے لیکر اپنی زندگی
کے آخری دنوں یعنی ۱۹۴۲ء تک انہوں نے مصوری کی۔ سولہ برس
کے اس عرصہ میں انہوں نے مختلف شکلوں اور اقسام کی تقریباً ۲۵۰۰
تصویریں کاغذ پر بانس پر، گھڑکیوں کے ٹوٹے پلاؤں پر، لکڑیوں
پر یہاں تک کہ سٹی کے بڑوں پر بنائیں۔

۱۹۲۲ء میں انہوں نے اپنے دوست جگدیش چند
بوس کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ
انہوں نے اسٹیج پر ڈرائنگ کو شروع کر دیا ہے۔ اور یہ
حقیقت بھی تھی کہ انہوں نے ۱۹۲۲ء سے قبل انہوں نے مصوری کو
تخلیقی اظہار کا ذریعہ بنایا تھا، اگرچہ اس عرصہ میں ان کی بنائی
ایک دو تصویریں کہیں کہیں نظر آ جاتی ہیں۔ ان کی مصوری اور
نقشہ کشی ان کے ڈرائنگ سے شروع ہوتی ہے۔ انکے تخیل کی
جرونی کا اثر ان کے نیکے مسودہ کے صفحات پر نظر آتا ہے۔ انہوں
نے جہاں جہاں تصویح کیا جہاں نقوش کو بر سے مناد کو دوسرے
الفاظ لکھے وہاں وہاں لکیریں، چوٹی بڑی، سیدھی ترچی، کھینچ
دیں۔ ان لکیروں سے اس مسودہ میں ایک تصویر اجاگر ہوتی

ہے۔ اپنی نقوش کے مجموعہ ”پوروی“ میں انہوں نے ایسے مسودوں کی
جو بہرہ کاپیاں بنائے گئے ہیں۔ ان مسودوں کی نقوشوں کو، ان کی تخلیقی
لکیروں نے اور بھی زیادہ جاذب نظر بنادیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ ان لکیروں کو کھینچنے وقت وہ مصوری کے فن میں مست تھے۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لکیروں سے نقوش میں
تصویریں کی تشکیل کی کوششیں کی گئی ہیں۔ نقوش کے صفحات
پر لکیروں نے گویا اپنے ہاتھوں میں جتنی مشن لے کر ادھر ادھر
دوڑنا شروع کر دیا تا کہ ان میں پوشیدہ تصویریں اجاگر ہو
جائیں۔ تصویریں کہیں لکیروں کی کثرت سے تو کہیں تفصیر۔
موسیقی یا رقص میں دھماکا اور تیزی ہوتی ہے، یا نظم پڑھتے
وقت بیتوں کو وقفہ وقفہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا
مقصد سامعین کی توجہ کو اپنی طرف مرکوز کرنا ہے۔ اس طرح
ان لکیروں کا مقصد بھی یہی ہے کہ سامعین پر ان نقوشوں کو اجاگر
کر دیا جائے جن کا دائرہ ان لکیروں نے کیا ہے۔

اسی باتیں تو ان کی ڈرائنگ کی جو میں اب آئیے ان کی
بنائنگ (رنگین مصوری) کا ذکر کریں۔ ایک اچھی مصوری یا یوں
کہئے کہ ایک مصور کی تیار کردہ تصویر جہاں مصور کے موضوع یا
خیال کو عیاں کرتی ہے وہاں مصور کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ یہ
مصور کی زحرف فطرت اور اخلاق کا ذکر کرتی ہے بلکہ عکاسی
کے وقت اس کے ذوق اور ذہنی حالت کو بھی عیاں کرتی ہے۔ دیگر
مصوروں کے ساتھ ساتھ نیگور پر بھی یہ بات صادق آتی ہے۔
ان کی بہت سی تصویریں میں تناؤ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں جو ان کے
تناؤ کی، جن سے وہ دوچار تھے، اور اس سے ہم سب واقف
ہیں، عکاسی کرتی ہیں اور تصویروں میں رنگ بھرنے کی انظر الی کیفیت
انکی ذہنی اضطراب کی عکاسی کرتی ہے۔

نیگور کی مصوری کے دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا
جاسکتا ہے۔ پہلے دور کی مصوروں میں رنگین عکاسی بہت نمایاں
ہے، لیکن اس دور میں انہوں نے اس دنیا کی غلغلات کو، اور
ہوا اور پانی کو اپنی نقاشی میں جگہ دی، سب سے بڑی وجہ یہی کہ دنیا کی
شے میں انہیں ایک صدیقی حسن نظر آتا اور خوشی کے اس مسودے

শিগুর کی مصوری



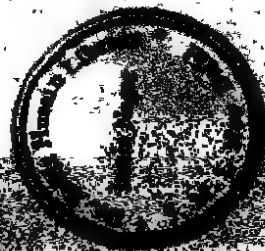
Chief Editor : Prithendra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Datta, Associate Editor : M.A. Azam,
Published by the Information & Cultural Affairs Department, Govt. of West Bengal and Printed by M/s.
G. R. T. Printers, 54/1C, Shyampurkar Street, Calcutta-700 004.

Vol-33 No-10

PRICE-60 Paise

INDIAN CURRENCY

9th May 1946





پندرہ روزہ مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ
مدیر : دھرمندرانانند
دلیہ داون : مسند اعظم

جلد نمبر ۳۲ * یکم اکتوبر ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر ۱۳۱۸

شریح خریداری

سالانہ : تین روپے * اس شمارے کی قیمت : ۱۵ روپے

نوسیل زر کا پتہ

بزنس میجر!

شعبہ اطلاعات - دفاتر نئی انور، سکونت مغربی بنگال
۲۳ - آرائین، ملھری روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



ٹیکور کا ۱۲۵ ویں سالنگہ کے موقع پر کلکتہ کارپوریشن کے زیر اہتمام ایک تقریب میں شری کل باسو، میئر کلکتہ کارپوریشن، وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسکو، یونسف گزیٹ کے ٹیگور منبر کی دوسری اشاعت کی ایک کاپی دیتے ہوئے۔ یہ گزیٹ تقریباً ۲۵ سال قبل اصل آہم کی ادارت میں شائع ہوا تھا۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ کی بائیں طرف شری پرشاد تو سدا، وزیر بلدیات جگدیش جاسکتے ہیں۔



آج کے دن نہ پوچھو میرے دوستو!
دور کتنے ہیں خوشیاں منانے کے دن
گھر کے نشینے سے دن، گیت گانے کے دن
پیارے گھنٹے دن، دل لگانے کے دن

آج کے دن نہ پوچھو میرے دوستو!
زخم کتنے ابھی بخت پر کھلے ہیں
دشمن کتنے ابھی راہ منزل میں ہیں
تیرے کتنے ابھی دستِ قاتل میں ہیں

آج کا دن زبوں ملے میرے دوستو!
آج کے دن تو یوں ملے میرے دوستان
جیسے دردِ عالم کے ترانے سازوں
سب چلے سوئے دل شکاروں اسٹخوان
باقی اپنے تبارِ الامان، الامان

آج کے دن نہ پوچھو میرے دوستو!
کب تمہارے گھر کے دریدہ مسکرم
فشارِ خوشگواران تمہارے خون ہم گھم
ازسراں اچھے چل جائے گا آج کے دن تمہارے
جس میں دردِ عالم اسارے جوڑوسی کو
سارے دردِ خوشگوار شہر کے دوستو
دور کتنے ہیں پوچھو میرے دوستو
آج کے دن

فیض احمد فیض

خوشید شریکو

نیا دہ سے زیادہ لوگوں درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں
شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ ہم اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ
ہیں رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں
شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں

وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں اس بات کا بھی ذکر کیا تھا
کہ ان کے سامراجیت کے دور حکومت میں اس قسم کے شہر ہندوستان
کے ملک کی تاریخ کو دور دور جا کر مل سکتے ہیں

رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں
شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں

وزیر اعلیٰ نے مسلسل کام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ
ہم لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہمارے ملک کے جنگلات اور رہنما تھے
شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں زیادہ سے زیادہ
لوگوں کے درمیان رہنما تھے اور کہہ سکتے ہیں

کے ساتھ سرکاری کورانہ کے لئے مقررہ اور بہت سی غلط
بلور مثالی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ مثلاً میں انہوں نے روس کا
دور کیا اور ان کے اشتراکیتی نظام سے وہ بہت خوش ہوئے۔
ان کی یہ باتیں ان کے روس سے غلط ہیں درج ہیں۔ تعلیم کے سلسلے
میں انہوں نے نہ صرف عملی اصولوں پر زور دیا بلکہ اس عقیدے کے
پیش نظر انہوں نے شری تعلیمی کی تعمیر کی۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا "میں یہاں یہ بات سمجھنے کے
گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کے فروغ اور پیچھے کے پانی کی پہلائی
میں اضافہ کے سلسلے میں اس سال ہم لوگ اور بھی زیادہ کوشش
کر رہے ہیں اور ان باتوں کو پورا کرنے کے لئے ہم ریاستی بجٹ میں
زیادہ سے زیادہ رقم کی گنجائش رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں؟
اختتام میں انہوں نے کہا کہ "رہنما ناٹھ سے ہم لوگوں
نے جبرک سیکھا، اس سے عام لوگوں کو فیضیاب کرنے کے مقصد کو
پیش نظر رکھتے ہوئے ہم لوگ منصوبہ تیار کر رہے ہیں؟

ریاستی حکومت کے شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور کے
زیر ریاست شری پردیپاشی پروردیکار نے مہانوں کا خیر مقدم کرتے
ہوئے اپنی تقریر میں بتایا کہ رہنما ناٹھ کی ۱۲۵ ویں سالگرہ کی
فریات منانے کے لئے ریاستی حکومت نے سال پرورد گرام
رہنما کیا ہے۔ مختلف اضلاع اور مختلف مراکز میں ایسی تقریبات
منانے کے ذمہ داریاں ریاستی حکومت نے لی ہیں۔ منار اور عالم لوگوں
کو نیک دہائے اور مشورے اور عام لوگوں کے تعاون سے ریاستی
حکومت اس پرورد گرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوشاں ہے۔

ہندوستانی ثقافت کے ماہر اور سوجیت بونین کے
ہر بیگو نے پی۔ جی۔ گنپت دانی لوچک نے کہا کہ آج اس تقریبات
مشرکت کرنے میں میں انتہائی فخر اور خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ میں
ن کامیاب کوشش اور انتظام کے لئے منتظمین کو مبارکباد پیش
کرتا ہوں۔

شری دانی لوچک ۱۹۱۳ سے روس اور انقلاب کے
دوست ہیں۔ رہنما ناٹھ کا کیا اثر روسی زندگی پر پڑا ہے
تاکہ انہوں نے اشتراکیت کے ساتھ وضاحت کی۔

شیخ رحمتی مجدد ارٹے رہنما اسٹیکت پروردیپاشی ڈالتے
ہوئے انہوں نے رہنما ناٹھ کے ساتھ اپنی وابستگی کا فخر اور وہ
خوشی کے ساتھ اظہار کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ رہنما ناٹھ کی واحد
تئاریہ تھی کہ اس کے گیت اس کے بنائے ہوئے شہروں میں گائے جائیں
رہنما اسٹیکت جھنگاریوں کی زندگی ان کے حالات ان کے سکھ و گھ
غم و خوشی سکوریاں ان کے رشتہ قائم ہے۔

شری سندوگوال سبین گپت نے کہا کہ حالات کی تبدیلی
کے ساتھ رہنما ناٹھ کی تخلیقات میں بھی تبدیلی آئی۔ اس کے ساتھ رہنما
ناٹھ کی تخلیقات کو انہیں کے فوروں فکر سے خود کو منسک کر کے رہنما ناٹھ
کو جاننا ہوگا۔ سمجھنا ہوگا۔ ابھی بھی عام لوگوں کے درمیان رہنما
ناٹھ کی تحریریں بہت زیادہ مقبول نہیں ہوئیں۔ یہی بات رہنما ناٹھ
ہر وقت کہہ کرتے تھے۔ اس لئے اس سلسلے میں ہمیں موثر قدم اٹھانا
ہوگا۔

صدر مجلس آئندہ اشکوارائے نے کہا کہ شری ادیب میں
ٹیگور نے ایک بند ملی لائی۔ کالی داس کے بعد اتنا بڑا ادیب اب
تک پیدا نہیں ہوا اسی لئے زبان اور ادب کی ترقی کے لئے رہنما
ناٹھ ہمارے رہنما ہیں۔

افتتاحی گیت کا انتظام لوگ رحمتی ساکھانہ کر رہے ہیں
کے علاوہ اس تقریب میں شری جیتی بنو کاٹاکو اشری شوشی جیتی
اور شری جیتی سوچترامزائے گانے گائے۔
شری جیتی آموہ سٹیکو کے زیر اہتمام ناچ۔ ٹانگ اور شری
کوتی (کچھ نقصان) بھی پیش کیا گیا +++

گفتگو سے دلتہ رفہ خاموشی تک آگئے
اور حرف نہ تھا کو مختصر کیا کیجیے!
اعزاز افضل

ٹیگور میری نظر میں

نند آگپال سین گپتا

ہر اک وہ تربیت محنتی انسان تھے، بہت فیاض تھے، سبھوں سے ملنے جھلنے اور ہمیشہ جو کسی رہتے اور ان کی عادات و اطوار میں ایسی کوئی بات نہ تھی جسے فضول یا ناگفتہ بہ کہہ سکیں۔ وہ ہر روز صبح کے ساڑھے پانچ بجے سوکھ اٹھتے، غسل کرتے، پھر اپنی میز پر چائے، لٹمن اور کاغذ تسلیم لے کر بیٹھ جاتے۔ دنیا کے تمام علاقوں سے درجنوں خط آتے۔ ان میں جانے پہچانے لوگوں اور اچانک لوگوں کے خطوط ہوتے۔ اپنے خط میں کسی نے ان سے مشورہ طلب کیا ہے، تو کسی نے اپنے نواسیدہ بیٹے یا بیٹی کیلئے نام تجویز کرنے کی درخواست کی ہے، کسی نے جارسطوں کی ان کی لکھی نظموں کی درخواست کی۔ وہ تمام خطوط کو پڑھتے اور خود جواب لکھتے۔ مختلف علاقوں سے لوگ ان سے ملنے آتے اور وہ بلا تفریق سبھوں سے ایک ایک کر کے ملاقات کرتے اور ان سے باتیں کرنے سے کتراتے ہیں۔ ان تمام معروفیات کے درمیان وہ اپنے روزمرہ کے کام کا جگہ جاری رکھتے اور ایسے کام کئے انہوں نے کبھی بھی جھجکا ہوا کا اظہار نہیں کیا۔

دوپر کو کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کرنے کی غرض سے بیٹھتے ہیں۔ وہ ایک مٹری کی کرسی میں بیٹھ جاتے، پڑھ لکھتے اور کبھی کبھی نقاشی کیا کرتے۔ وقت کو بیٹھا رخصت کرنے سے انہیں سخت نفرت تھی۔ یہاں ان کی پوشاک اور خوراک کی

سایہ سے یہاں رہنے والا تھ ٹیگور کی، جیسا کہ میں نے اپنی حوالی میں دیکھا ہے، چند ذاتی باتوں کا ذکر کروں گا۔ آپ اسے اتفاق کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ٹیگور کے باطنی قریب آنے کا موقع ملا کیوں کہ انہوں نے ہی مجھے اپنے ذاتی اسٹاٹ میں ادبی سکریٹری کی حیثیت سے شامل کر لیا۔ اس کے علاوہ میں دشتو بھارتی میں ادب کا پیکر بھی تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ میں نے ٹیگور کو بہت ہی قریب سے دیکھا۔ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ کئی برسوں تک میں ان کے ساتھ ان کے گھر پر ہی رہا۔ ان برسوں میں تمام حالت میں مجھ انہیں دیکھنے کا اور ان کا مطالعہ کرنے کے کافی مواقع ملے ہیں۔ انہیں اچھی صحت میں بیمار کی حالت میں، اور ایسی حالت میں جب ان کی طبیعت نامساں رہتی تھی دیکھا۔ میں نے انہیں پڑھتے ہوئے، لکھتے ہوئے، آبا ت مجھتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے اور سونے کئے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس لئے میں نے ان میں اس عظیم شخصیت کو دیکھا جو شاعر بھی تھی اور غصیل بھی۔

میں نے ان سے متعلق میری کچھ بدگمانی تھی وہ اب بالکل دور ہو گئی۔ میں جب بچہ تھا تو اس وقت مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اس عظام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے، وہ شام زندگی بسر کرتے اور باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ لیکن برخلاف اس کے مجھے یہ دیکھ کر تعجب

بابت ایک دو باتوں کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ وہ لمبا کوتا اور ڈھیلہ ڈھکا پانچواں پختہ۔ سال کے ہر موسم میں ان کا یہی لباس رہتا۔ سردی کے موسم میں وہ کبھی کبھی ایک نرم ٹوپی پہن لیتے۔ انکی خوراک بھی سالہ دار یا شاہانہ نہیں ہوتی۔ انکی خوراک سے تو یہ لڑکے نہیں ہے کہ کھانا بہت زیادہ تیل یا سالہ سے تیار کیا جائے۔ وہ خوراک کے سلسلے میں بہت احتیاط برتتے اور خود محقق انام کی ترکاٹیں تیار کرتے اور تجرباتی طور پر اپنی پکاتے۔

ان کی شام عام طور پر کانفرنس میں آیا موسیقی کی پارٹیوں کے ساتھ یا نالک کی کارگزاری میں گزار جاتی۔ ان کے اخلاق میں ایک نمایاں بات یہ تھی کہ وہ ایک ہومیو پیتھ ڈاکٹر بھی تھے۔ انہوں نے ہومیو پیتھک کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا اور جسے بھی ضرورت ہوئی وہ اس کے لئے ہومیو پیتھک دوا بخور کرتے۔ لیکن ان کی روزمرہ کی زندگی کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بذلہ نسخہ بھی تھے۔ سبکوں سے خوش مزاجی سے ملنے اور مذاق بھی کیا کرتے۔

اپنے مہمان اور رشتہ دار دوست اور ساتھی، یہاں تک کہ گھر کے نوکر چاکر سے بھی مذاق کر لیا کرتے۔ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ ان کا یہ مذاق صرف تفریح کے لئے ہوتا۔ انہوں نے مذاق سے کبھی بھی کسی کو چوٹ پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ جن سے وہ مذاق کیا کرتے وہ سب بھی اس ہنسی خوشی میں شامل ہو جاتے۔ وہ مذاق میں بغضوں کو نوڑ مروڑ کر پیش کرتے اور موقع کے لحاظ سے فی البدیہہ سحر بھی کہہ دیتے اور اسی طرح ان کے سامعین ہنرورک اٹھتے۔ یہ ہنسی خوشی اور مذاق اتنی عظیم شخصیت کو ایک عام زندگی کی گھاگھبی کی سطح تک لا کھرا کرتا ہے۔

لیکن کیا یہی سب کچھ تھا۔ کیا ان تمام ذاتی باتوں کے عام مطالعہ سے کوئی شاعر اور انسان کی شخصیت کا احاطہ کر سکتا ہے؟ نہیں۔ کوئی نہیں کر سکتا۔ اندرونی آدمی کو، میرا مطلب ہے روحانی شکل سے اس حقیقی آدمی کو کوئی پہچان نہ سکا۔ وہ حقیقی آدمی ایک لمحہ میں خود کو ایسی دنیا میں لے جاسکتا ہے جہاں تک ہماری ہومیو پیتھ ہی نہیں ہے اور تمام دنیاوی تفکرات سے بالاتر ہو جاتا ہے اور خود کو مادی شکل سے خیلانی شکل میں تبدیل کر لیتا

ہے۔ بہت سارے مواقع میں مجھے اس اندرونی آدمی کو دیکھنے کا موقع ملا جو یکایک اس آدمی کو، جو ہمارے درمیان رہتا تھا، دبا کر خود یا ہر شکل آتا۔

لیکن اس بات کا ذکر کرنا باعث مسرت ہے کہ ایک ہی ٹیگور کی دو شکلیں ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں۔ ایک عالم اور ایک عام آدمی دونوں ہی ٹیگور تک پہنچ سکتے ہیں۔ اولاً لاکھ ان کے دماغ کے اندرونی علاقہ میں گہرائی تک جاسکتا ہے اور بعد ان کے ان کی انسانی سخاوت سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اس طرح وہ غوراً ہم میں سے ایک ہو جاتے ہیں، پھر ہم سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ روحانی شخص تو برسوں زندہ رہے گا۔ جہان بین کرنے والے اس کا ارتعاش سے نئی سمت نامی باتیں دریافت کر سکیں گے۔ لیکن انہوں نے اس کو وہ مادی دنیا کی شخص آج ہمارے درمیان نہیں اور آنے والی نسلیں اس حقیقت سے کبھی واقف نہ ہو سکیں گی کہ اس شاندار ہستی کا اپنے ہم معروں میں کیا مقام تھا۔

عوامی خیراتی شفا خانے کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے بری نگر میونسپلٹی کو اور عوامی خیراتی شفا خانے اور زچہ خانے کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے ۸۶-۱۹۸۵ء سال میں ۱۵ ہزار روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

گشتی طبی یونٹ کو عطیہ

حکومت مغربی بنگال نے میڈیکل یونٹ سب-کمٹی کل ہند فنوں کا نفرنس، کلکتہ شاح کو گشتی، ایسی علاقوں میں غریب مریضوں کو طبی خدمات فراہم کرنے اور اس کے اخراجات بوجھ کرنے کے لئے ۸۶-۱۹۸۵ء سال میں ۱۶ ہزار ۵ سو روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

مغربی بینکال ترقی کے راستے پر گامزن

جانتے چکرورتی

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی انکار کر سکے کہ تعلیم، غذائی پیداوار، مکانات اور وسائل و وسائل کے نظام کی ترقی سے مستحق ضروری پروگراموں کی غیر موجودگی ترقی کی راہ پر گامزن ملک کو بہتر مستقبل کی طرف بڑھنے نہیں دیتی۔ حکومت مغربی بینکال کے شعبہ جات تعمیرات عامہ، تعمیرات عامہ (سڑک) اور مکانات کی عوامی خدمات کو ترقی دینے سے قبل ہم آئیے چند فنڈوں کے لئے پیچھے ہٹ کر ماضی کو دیکھیں۔

اس ریاست میں برٹش راج کے دوران جتنی سرکاری عمارتیں اور قوتیں ہر اس تعمیر کی گئیں ان کا مقصد یہ تھا کہ کالونیائی حکمرانوں کے لئے فوجی اور کاد باری سہولتیں فراہم کی جائیں۔ آزادی کے بعد اس سلسلے میں جن پروگراموں کو اپنایا گیا ان سے کالونیائی میراث کا بھاری حصہ اور یہ چند گنے گنے لوگوں کے مفادات کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن مغربی بینکال میں بائیس محاذ حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے ہی یہ ابوس کن تصویر بالکل بدل گئی کیوں کہ اس نے بہت ہی مدداندہ لیبی سے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اقدامات کئے۔ مالی بندشوں کے باوجود بائیس محاذ حکومت کا شعبہ تعمیرات عامہ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے پروگراموں کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے کام کو جاری رکھا ہے۔ اس کی سرگرمیاں، سابق حکومت کی سرگرمیوں کی طرح صرف شہروں تک محدود نہیں رہی، بلکہ اس ریاست کے دورِ افتادہ علاقوں تک پھیل گئیں۔ اس شعبہ کی بہت ہی وسیع نیوآئی سرگرمیاں ہیں، ان میں چند تعمیراتی پروگراموں کو جنرل مسعودوں میں جگہ ملتی ہے اور چند کو خاص۔ منصوبوں میں دفنوں

انتظامیہ کی عمارتوں، تعلیمی اور ثقافتی مراکز کی تعمیر اور پرانے پلوں کی مرمت کا کام شامل ہے۔ ۱۹۷۷ء سے یکو ۱۹۸۶ء کے عرصہ میں بہت سی عمارتیں تعمیر کی گئیں جن میں بے اینڈ اکاؤنٹی آفس، پورٹا بھون، بدھ صان لگو، سرکاری ہسپتال خانہ، اگلکھ اور بردمان میں کثیر منزلہ عمارتیں شامل ہیں۔ آخری مالیاتی کیشن کی مندرجات کے مطابق اگر شعبہ نے دس افراد کی رہائش کئے عمارتوں کا اور نئے جیل کی عمارتوں، جن میں تمام جدید سہولتیں فراہم ہوں گی، کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے۔ ادب، سیاست اور جب الوطنی کے میدانوں میں قومی رہنماؤں کے قصبے جگہ جگہ نصب کر دئے گئے ہیں۔

اس شعبہ نے گزشتہ ۸ برسوں میں مجموعی طور پر ۲۲۵۰ کلو میٹر لمبی نئی سڑکیں تعمیر کیں۔ اس شعبہ کو مرکزی حکومت کا جانب سے بہت ہی کم مالی امداد فراہم کی گئی ہے۔ اس کے باوجود اس ریاست کے دورِ افتادہ علاقوں میں آمد و رفت کی کم از کم سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کئی ایک پلوں کی تعمیر کا کام مکمل کر لیا گیا ہے۔ تعمیر کردہ پلوں میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اہلی ندی پر مائیکینی سیٹو، سور نوریکھا پر سیٹو، کازر۔ بسا سیٹو، کوچ پھار میں سونوئے ندی پر پنپانی سیٹو اور نوادیپ میں گوڈرنگو سیٹو۔ اس طرح کے اور بھی کئی پل زیرِ تعمیر ہیں۔ مرکزی حکومت کے فراہم کردہ ناکافی فنڈ کی وجہ سے چند پروجیکٹوں جن میں بنگلہ پور، کپرس، وے شامل ہے، کے تعمیراتی کام کا رفتار ترقی ٹھہر چکی ہے۔ اس کے باوجود دیگر پل، کپرس وے سے وابستہ تعمیراتی کام بہت جلد ہی شروع کر دیا جائے گا۔

بگھوڑ پر، شہری رام پور، جادو پور اور آسنول میں رہوے
لیول۔ کراسنگس پر خلائی اور ریل کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ ان
جوں کی تعمیر کے بعد ان صنعتی اور گنجان آبادی کے شہروں کے مابین
آمد و رفت کی مزید سہولتیں فراہم ہوں گی۔ نیز قومی شاہراہوں کے
پاس واقع گنجان آبادی کے شہروں میں ذیلی سڑکیں بھی تعمیر کی
جاری ہیں۔

عمر دراز سے شعبہ تعمیرات عامہ رہائشی مکانات کی
تعمیر کے پروجیکٹوں کو رو بہ عمل لایا ہے لیکن اب تک اس میدان میں
اس شعبہ کو جو کام پایاں حاصل ہوئی ہیں وہ عوام کی توقعات پر پوری
نہیں اترتے۔ مرکزی حکومت کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے تعمیراتی
اشیاء کی قیمتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں اور یہ سب نئے مکانات کی
تعمیر کے سلسلے میں انفرادی طور پر لوگوں اور سرکاری اداروں کے لئے
سیرا ہ ثابت ہو رہی ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود شعبہ مکانات کم
اور متوسط آمدنی والے طبقے کے لوگوں، معاشی لحاظ سے سماج کے
کمزور طبقے کے لوگوں اور مختلف آمدنی سطحوں کے سرکاری ملازمین
کے لئے چار انگ پروجیکٹوں کو رو بہ عمل لایا ہے۔ گزشتہ آٹھ برسوں
میں اس طرح کی ۶۰۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کی جا چکی ہیں۔ ان رہائشی
یونٹوں یعنی فلیٹوں کو گواہ بردیاگی، اس کے ساتھ ساتھ چند فلیٹیں
سلی گوڑی، درگا پور اور پالام میں لوگوں کے ہاتھ فروخت کی جا رہی
ہیں۔ اس طرح کی ۱۹۲ فلیٹیں پالام میں فروخت کر دیا گئی ہیں۔ نیز
منقریب مستقبل میں درگا پور میں مزید ۷۷ فلیٹیں فروخت کی جائیں
گی۔ مرکزی حکومت کی فراہم کردہ مالی امداد سے شمالی بنگال کے
جائے باغات کے علاقوں میں مزدوروں کے لئے ۱۶۵ رہائشی یونٹوں
کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے۔

دوسری طرف شعبہ مکانات کے تحت منزلی بنگالہ مکانات
پورڈے درگا پور اسلی گوڑی اور کھانی میں مختلف آمدنی والے طبقوں
کے لئے فلیٹس اور مکانات تعمیر کئے۔ ایسے پروجیکٹوں سے اس پورڈی
بقولیت میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اب تک اس پورڈے تقریباً ۱۲۴۸
فلیٹس اور مکانات تعمیر کئے۔ اور اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ گزشتہ
تک مزید ۱۲۴۸ مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔

عوام کی اس حکومت سے جس کی تشکیل کیے انہیں
سخت جانفشانی کرنی پڑی، بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ ہم لوگ
کا یہ عہد بھی ہے کہ ہم ان امیدوں پر پیدا اتریں گے اور لاکھوں لاکھ لوگوں
کے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے نئی نئی اسکیموں اور
پروجیکٹوں کو رو بہ عمل لائیں گے۔ تمام وحدت شکن اثرات کو تارویں ہاکر
ہم یہ وعدہ کرتے ہیں کہ گزشتہ ۸ برسوں سے ہم جس جوش و خروش کے
ساتھ ترقیاتی اقدامات کر رہے ہیں انہیں ہم جاری رکھیں گے۔ کچھ
دشواریاں پیش آسکتی ہیں، ماضی میں بھی بہت ساری دشواریاں
کامیاب کرنا پڑا لیکن دورانق سے زیادہ روٹا ہوا ہے۔ ملک
شاندار مستقبل کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔

مغربی بنگال میں مجرموں کی پیشہ ورانہ تربیت اور بحالی

مجرموں کو پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ جیل
سے رہائی کے بعد سماج میں بحال ہو سکیں۔ اس مقصد کے تحت
درج ذیل تربیت سے مع پیداواری مراکز جیلوں میں چالو ہیں:

- ۱) جہاز خانے
- ۲) چمچہ کوٹھا
- ۳) مسروں سے تیل نکالنے کی مشین
- ۴) چھری کی نیاری
- ۵) کھیل کی تیاری
- ۶) بڑھتی گیری کا مرکز
- ۷) دھڑی کا کام
- ۸) دری (اور شطرنجی کا کام
- ۹) فینائل کی تیاری
- ۱۰) کتابوں کی جلد سازی
- ۱۱) حابن تیار کرنے کا کام

یہ ساری صنعتیں نہایت ہی تشفی بخش طور پر چل
رہی ہیں اور قیدیوں کو تربیت دے رہی ہیں۔

ستم نصیبوں کو تو فنیٰ ضرب کاری دے

نہ اور جو صبر و بردباری دے
ستم نصیبوں کو تو فنیٰ ضرب کاری دے

بدل چکا ہے زمانے کی سازشوں کا چیلن
مرے جنوں کو بھی کچھ طعنے ہوشیاری دے

ٹھٹھرتی رگوں کی کب سے ہے مخبہد آواز
زبانِ خسامہ کو اب حکیم شعلہ باری دے

ہمارے شوق کی منزل ابھی نہیں آئی
ہمارے دل کو ابھی اور بے قراری دے

مرے شعور کو غمِ سرور ہونا تھا
مرے عزور کو تقویٰ سی خاکساری دے

مصطفیٰ اکبر

ترقی پسند تحریک اور ادب

ڈاکٹر منیر لیش

ادب کی تخلیق میں ترقی پسندی کا عمل ایک مسلسل عمل ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں شعور اور ادیبوں نے اپنے معاشرے کے حالات سے اثر قبول کیا ہے اور اپنے ماحول کو شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ مگر یہ شدت احساس شاعر یا ادیب کے تخیل کو جب بے سمت منزلوں کے سفر پر لے نکلتی ہے تو اس کا احساس صرف ایک نقطہ پر محسوس آتا ہے اور وہ نقطہ ہے قرار۔ میں ان ادیبوں یا شاعروں کے کم احساس ہونے کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوں جن کی تمام تر صلاحیتیں فلسفی یا سلی قسم کے ادب کی تخلیق میں صرف ہو کر رہ گئی تھیں۔ اگر وہ ادیب احساس طبع نہ رہے ہوتے تو شاید وہ ادب تخلیق ہی نہ کر پاتے۔ اپنے معاشرے کی گھٹن سے بیزار اپنے ماحول کی پراگندگی سے بدظن، اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے وجہت پسندی کے رجحانات سے اپنے معاشرے کو آزار دہانے کا جب کوئی صورت ان کے سامنے نہ تھا تو وہ اپنے قلمی کو بھلا دیکر فرار کا راہ پس لے نکلے تاکہ کچھ دیر کے لئے وہ سہی، وہ ان آہم سے، اس گھٹن سے، ماحول کی اس پراگندگی سے نجات تو حاصل کر سکے۔ اس عمل میں ایسے ادوار کے ادیب بھی اپنا فرض سر انجام دے رہے ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان کا ادب معاشرے کو کوئی نئی سمت دے کوئی نئی منزلہ کی طرف گامزن کرنے کی صلاحیت سے تہی ہوتا ہے اس لئے نہ ان کا ادب ہی دیر پا ہوتا ہے اور نہ وہ اصلاح معاشرہ کی اپنی ذمہ داری سے سرخرو ہو پاتے ہیں۔

ادب اور ادب میں ترقی پسند تحریک کے آغاز سے قبل تو یہ بنا ایسی ہی فضا موجود تھی جس میں تخلیق کار قلمی کو بھلا دیتا تھا مگر اسے زندہ گی کا آئینہ دکھا کر اس کے فضا و خیال کی بدغالی سے دھچکار نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کے کئی اسباب بھی تھے۔ ہمارا معاشرہ تعلیم کی روشنی سے محروم اپنی ذہنی طور پر شکست خوردہ معاشرہ تھا۔ غیر مساوی تقسیم

زور سے پیدا ہوئی رجعت پسندی کو مرد سرے احساس پر سبقت حاصل تھی۔ ہمارے معاشرے کے شعور و شعور پر بعض ایسے اثرات بھی حاوی تھے جو رجعت پسندی کی اس سازش میں شریک تھے کہ عام آدمی کو دنیا کی بے ثباتی کا درس دے کر اس کی تمام تر وجہ عاقبت سنوارنے پر ہی مرکوز رکھی جائے تاکہ وہ اپنے ماحول کے گھٹا و بگڑنے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہمارے ملک میں آزادی کی پسپی جنگ لڑی جا رہی تھی تو ہمارا ادب مجبوری طور پر تخیل کے پردہ اڑنے کو ان دیکھے اٹھا جانے پر مجبور کیس کا سیاحت میں مصروف تھا۔ اگرچہ اس دور کے شعور واد بار کے یہاں بھی کہیں کہیں دبی زبان میں وہ ٹیس مل جاتی تھی جیسے منکار کا ایماندارانہ رد عمل کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اکثر تو یہ ٹیس علامتوں اور استعاروں کے بارے میں دب کر رہ گئی تھی اور جہاں کہیں علامتوں اور استعاروں سے کام نہیں لیا گیا تھا وہاں یہ ٹیس نقار خانے میں گم ہونے والی طوطی کی آواز ہو گئی تھی۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے ملک کے عظیم شعرا سورہ آس ہوں تلمیذ اس، شیر ہوں یا غالب کسی کا کلام بھی اپنے معاشرے کا آئینہ دار بننے اور اسے آئینہ دکھانے کی صلاحیت سے محاری تھا۔ بھان شاعر کی عظمت سے انکار نہیں ہے لیکن میں اس تکلیف دہ حقیقت سے اعتراف بھی نہیں کرنا چاہتا کہ سورہ آگ "جیسا صنیم دیوان پر چکر نہ تک معلوم نہ ہو کہ اس کا مصنف تاریخ کے کسی دور میں لے تخلیق کر رہا ہے اور اس کے معاشرے کی کیا خوبیاں اور کیا خامیاں تھیں۔

ان اسباب میں سب سے اہم سبب ہے معاشرے کی خوابیدگی۔ معاشرے کو بیدار کرنے کی جو ذمہ داری ادیب اور شاعر کی ہوتی ہے، انفرادی احساس کے ذریعہ اسے پورا کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے ضرورت ہوتی ہے ایک اجتماعی کوشش کی اور جب جب بھی ایسی کوئی

اجتماعی کوششیں جو ہم نے اسے قریب کا نام دیا ہے۔ یہ سچی
 ہے ہندوستان میں کئی صدیاں بغیر کسی تحریک کے ہی گلی گلی
 تھیں اور ہمارے اس کے ہمارے معاشرے میں بہت سے لگاؤ تھے مگر
 ادب اسے مجبور نہ کیا جگہ سے میں معاون نہیں ہو رہا تھا۔ لہذا
 جب اردو کے ادیبوں نے صف آرا ہو کر اجتماعی طور پر معاشرے کو سیر
 کرنے کا منصوبہ کیا تو گویا ایران ادب کے درودوار لرزا ٹھے اور اس
 ایران کے اندھیرے بند گروں کو کھل فضا، ٹھنڈی ہوا اور تازہ دھوپ
 کی حاجت محسوس ہوئی۔ اردو کے شاعروں اور ادیبوں نے پہلی مرتبہ
 ترقی پسند تحریک کے توسط سے ادب کا رشتہ عام آدمی سے جوڑنے
 کی بھرپور کوششیں شروع کیں تو اردو ادب سحر کن وادیوں کے
 سونے کے بجائے حقیقی کا سودھی خوشبو سے بھگنے لگا۔ ادب دنیا میں
 یہ پہلا موقع تھا جب ادیبوں اور شاعروں نے زیر نظام معاشرے
 پر غور و اجتہاد کرنے کے بجائے معاشرے کو بدلنے کے عمل میں شرکت
 کی۔ اس عمل کے نتیجے میں تیز رفتار سے اردو ادب کا کلیاں پھول رہا۔
 ترقی پسند تحریک کے شروع ہونے سے پہلے ہمارے سیاسی اور سماجی
 فکر میں جو نئی سوچ جنم لے رہی تھی، شعرا و ادباء نے اس سوچ کے دھارے
 کے ساتھ ایک راستہ متعین کیا اور ایک واضح مستقبل کی طرف اشارہ
 کیا جس کی طرف قدم بڑھانا ناممکنات میں شامل نہ تھا۔ چونکہ راستہ
 اور منزل دونوں واضح تھے اس لئے ایک پورا قافلہ اس پر گامزن ہو گیا
 اور ترقی پسند تحریک کا باگ و بار کے نیچے دوسری تمام آوازیں دب
 کر رہ گئیں۔ ترقی پسند ادب کی اس درجہ مقبولیت کا ایک بڑا سبب
 بھی یہ تھا کہ ہمارے معاشرے میں جو نئی سوچ معاشرے کی ذہنی
 حالت کے رد عمل کے طور پر جنم رہی تھی، اس میں عام آدمی شریک
 ہو چکا تھا اور وہ منتظر تھا کہ کوئی اسے صحیح راستہ دکھائے اور اس
 کے لئے منزلوں کی نشاندہی کرے۔ اردو ادب نے اس فریضہ کو
 سراجام دینے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی تو عوام نے ان کی تخلیقات
 کو سراگونگوں پر لیا اور ترقی پسند نظریات اردو ادب کا معراج بن
 گئے۔

ترقی پسند تحریک کے توسط سے اردو ادب نے دوسرا
 کا نام یہ سراجام دیا کہ عام ہندوستانی قاری کو گلوب دکھا کر یہ بتایا

مگر سمجھا کہ دنیا شہزادوں اور پریوں کا دنیا نہیں ہے بلکہ وہاں
 بھی انسان رہتے ہیں جو جلدی ہی طرح کے ہیں۔ روس کے عظیم انقلاب
 کی مثالیں دے کر اسے بتایا گیا کہ ہم نے جس نظام معاشرہ کو اپنا
 مقدر مان لیا ہے، اس نظام کو بدل دانا مشکل نہیں، صرف اس کے
 لئے اجتماعی ارادہ بنانے اور صحیح سمت میں سہی کرنے کی ضرورت ہے۔
 دنیا کے مختلف حصوں میں غلامی، رجعت پرستی، غیر مساوی تقسیم زر
 اور زندگی کی محرومیوں کے خلاف جنگ کر رہے اپنے جیسے دوسرے
 انسانوں کے بارے میں جب اسے تفصیلات معلوم ہوئیں تو عام آدمی کو
 یہ یقین ہونے لگا کہ اگر وہ اس جہاد میں شامل ہوگا تو کامیابی یقینی
 ہے۔ غلامی اور محرومی کو پھیلے جنوں کے کروں کا پھل ماننے والے عام
 ہندوستانی کے لئے یہ نئی سوچ خاصی انقلابی سوچ تھی جس نے نئے
 طبقاتی جنگ کے احساس کو جنم دیا تھا۔ غلامی اور محرومی کے خلاف
 جنگ کر رہے دیگر ممالک کے اپنے جیسے ان لوگوں کو برسرِ پیکار
 دیکھ کر اسے یہ احساس ہوا کہ اگر وہ اس انقلاب پر لبیک کہے گا
 تو وہ اس جہاد میں تھا نہیں ہوگا۔ انفرادی احساس اجتماعی ہونے
 جوتے عالم گیر ہو گیا اور عام آدمی یہ محسوس کرنے لگا کہ غلامی اور محرومی
 کی جگہ میں وہ تنہا ہی نہیں پس رہا ہے بلکہ دنیا کے گوشوں گوشوں انسان
 اس جگہ میں پس رہے ہیں۔ اس احساس کا رد عمل قدرتی طور پر
 یہ ہوا کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس جگہ میں پسے ہوئے انکار
 کر دے اور اپنے لئے بہتر زندگی کی تلاش جاری کرے۔

چوں کہ ادب نے پہلی بار نظام معاشرہ کو تبدیل کرنے
 کی انقلابی کوشش کی تھی، اس لئے رجعت پرست طاقتوں نے
 اسے ادب اور سیاست کے گڈمڈ ہونے کا نام دیکر اس کی مخالفت
 بھی کی کیوں کہ عام طور پر ادیب کو جماعتی جہاد سے آگے بڑھنے کی
 اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ وہ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے لے تو
 سکتا تھا، اس کی خامیوں پر آہ و بکا بھی کر سکتا تھا مگر اسے یہ
 اختیار نہیں تھا کہ وہ احتجاج کی سرکھ کو اتنا اونچا کرے کہ لوگ اس
 کی آواز سننے پر مجبور ہو جائیں۔ ادب کو جمالیاتی نہیں اور
 روحانی کیف و سرور کی حد بندیوں میں مقید رکھنے والے اس تغیر کو
 قبول بلکہ برداشت کرنے سے محذور تھے۔ مگر انکی یہ سوچ قدامت

پرستی اور بڑھتی خود غرضی پرستی تھی۔ جب جب بھی معاشرے کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو ہم سب سے سیاسی اور سماجی رفاقت نے ادیبوں اور شاعروں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ آگے آئیں اور اس خورش کو تمام کرنے میں اپنا فرض پہنچائیں۔ ہرگز سے وقت میں ادیبوں اور شاعروں سے مدد طلب کرنے والے لوگوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ معاشرے کی تکمیل تو میں یا معاشرے کی قسمت تکلف یا سست کرنے میں ادیبوں کو کب شامل کیا گیا ہے کہ وہ از خود اس چیلنج کو شہت احاسی کے ساتھ قبول کریں۔ مگر ادیب چونکہ بنیادی طور پر حساس ہوتا ہے اور چونکہ اس کا ایمان ادب برائے ادب نہ ہو کر ادب برائے زندگی ہوتا ہے اس لئے وہ اپنا فرض پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتا اور وقت کی آواز پر لبیک کہہ دیتا ہے۔ مگر جیسے ہی وہ چیلنج ختم ہونے لگتا ہے ادیب اور شاعر کی ضرورت بھی کم ہونے لگتی ہے۔ عوام کی صف میں سے وقتی طور پر آگے لائے گئے ادیب اور شاعر لوٹ کر پھر اسی عوامی صف میں چلے جاتے ہیں جہاں بیوک، انداس اور مردی جیسے ہی سے انکی منتظر ہوتی ہے۔

ترقی پسند تحریک کی کامیابی اور اس درجہ مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہندوستان کے شاعر اور ادیب معدودے چند ناموں کے استثنائی کے ساتھ اس طبقے سے متعلق تھے جو طبقہ بیوک، انداس، غلامی اور مردی کے اندھیروں میں زندگی گزار رہا تھا۔ آگ جب ان کے اپنے دروازے تک پہنچی اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس آگ کو بجھایا بھی جا سکتا ہے تو وہ پوری تیزی کے ساتھ اس آگ کو بجھانے میں جڑے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تخلیقات میں وقت کی ہولناک سبائیاں گونج اٹھیں اور اردو ادب وہ آئینہ بن گیا جس میں ہم اپنے معاشرے کے تمام بدکاروں کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ کسی بھی مرض کا علاج اس کی تشخیص کا رہن منت ہوتا ہے۔ ترقی پسند لوگوں نے سماجی امراض کی تشخیص کا کام سرانجام دیا تو عام قادی پر یہ مڑوہ دا ہوا کہ بقول اکبر الہ آبادی

وہ کہتے ہیں کہ یہ کیرے بڑے کیوں

میں کہتا ہوں کہ تم پہلے مڑوے کیوں

شاعر اور ادیب چونکہ اس طبقے کے لوگ تھے جس کے سر نہ کی وجہ سے اس کے جسم میں کیرے بڑے تھے۔ اس نے انہوں نے انہی جسموں میں بگٹے ہوئے ان کیروں کی آواز کو بھی سنا اور ان کے رینگنے کو بھی بدست

کے ساتھ محسوس بھی کیا۔ تشخیص ان کی اپنی تھا اور علاج انہیں معلوم تھا۔ عوامی بیداری اور عوامی انقلابات کا علاج دیگر مقامات پر کامیاب ہو چکا تھا لہذا اپنے لئے اس علاج کا تعین کرنے میں کسی قسم کے پس و پیش کی گنجائش کم تھی۔ احساس کی شدت، نظر کی گہرائی، ایماندار اور سچائی یہ وہ اوصاف ہیں جن سے اعلیٰ ادب تعمیر ہوتا ہے اور جو ادیب عارضی طور پر دوسروں کے دکھ درد کو ادھر دھکنے کے بجائے بذات خود اس دکھ درد کی بھیجی میں تپ رہا ہوتا ہے اس کی تخلیق کا کنند بن کر نکلتا ایک فطری عمل ہوتا ہے۔ اس فطری عمل نے اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کو مقبولیت بھی عطا کی اور اسے کامیابی کی بلندیوں تک بھی پہنچا دیا۔

باوجود بعض نقادوں کے اس اعلان کے کہ ترقی پسند تحریک کے زوال پذیر ہونے پر جدید اردو ادب کا آغاز ہوا ہے، میں نہ تو یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ ترقی پسند تحریک اپنے زوال کو پہنچ چکی ہے اور نہ یہ کہ جدید اردو ادب ترقی پسند کی نفی کا نام ہے۔ جیسا میں نے شروع میں عرض کیا کہ ترقی پسند کا ایک عمل مسلسل ہے اور مسلسل عمل تب تک اپنے اختتام تک نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے قدم اس کی آخری منزل کو نہ چھریں۔ آج بھی ہمارا معاشرہ ان مسائل سے بنو آ رہا ہے جن کے خلاف جنگ کا اعلان ترقی پسند تحریک نے شروع کیا تھا۔ معاشرہ کسی حد تک تبدیل عرصہ ہوا ہے۔ عوامی بیداری اس جبر و جبر کا بہت بڑا حاصل ہے۔ اس بیداری کے فیض بہت سے مسائل کے حل بھی تلاش کئے گئے ہیں اور اس کے نتیجے میں بہت سے تغیرات بھی رونما ہوئے ہیں۔ لیکن انسانی معاشرہ ایسا ہے جہاں معاشرہ ہے کہ اس کا کیا کلب ہونے میں حدیاں لگ جاتی ہیں۔ جدید اردو ادب میں بھی معاشرے کی صحت مند قدروں کے ڈھنکے کا کرب شدید موجود ہے۔ جدید ادب تخلیق کرنے والے ادیبوں کے یہاں بھی مردی، بیوک، انداس اور ذہنی غلامی کے خلاف احتجاج کی شہر موجود ہے۔ اس لئے میں جدید اردو ادب کو ترقی پسند ادب کی توسیع کہنا بہتر سمجھتا ہوں۔ مسئلہ ہے تو عرف اپنی الگ شناخت کا اور جدا گانہ بیان تسلیم کرانے کا۔ چونکہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعراء و ادبا کو عوامی مقبولیت نہ آیا تھا اور بنا دیا ہے کہ ان کے قلم کا ہونا ذرا مشکل معلوم ہونے لگا تھا اس لئے بعض جدید اردو ادیبوں نے اپنا قد بڑھانے کے بجائے بیان باری کے

ذریعہ انہیں کے شکوک چھوٹا کرنا آسان سمجھا۔ وہ اپنی الگ شناخت کی اس سبب سے محسوس ہوئے ہیں اس سے بحث نہیں ہے۔ انہوں نے بہت شکنجے کا جو شیعہ اختیار کیا تھا اس کے پس منظر میں ان کے تہذیبی مقبولیت سے سرسید نے نفیات ہی کا رد فرمایا تھا۔ بت پرستی اور بہت شکنجے اور فدا کا جنون سے بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اگر آپ جنون کی حد تک مذہب پرست نہیں ہیں تو آپ بہت شکنجے میں ہو سکتے اور اس کا علاج اگر آپ کے اندر حدایت کا جذبہ جنون کی حد تک ہو گیا ہو تو آپ بہت شکنجے میں ہو سکتے۔ وہ دونوں صورتوں میں مشعل جنون کی ہے اور دونوں صورتوں میں جو مفاسد کا رونا ہے وہ یہ کہ دونوں الگ الگ طور پر اپنی انفرادیت کا لہجہ مٹانے کے متمنی ہوتے ہیں۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ جدید اردو ادب ترقی پسند ادب کی کتاب کا ایک باب بننے کے بجائے اس کتاب کا تفسیر بننا جاری ہے۔ جدید اردو ادب کی تمام تر توجہ معاشرے سے ہٹ کر فرد پر مرکوز ہو گئی ہے۔ فرد معاشرے کی نہایت اہم اہمیت ہے لیکن کسی بھی معاشرے کی اصلاح کے لئے بالخصوص ایسے معاشرے کی اصلاح کے لئے جہاں انسانوں کی تعظیم طبعوں میں ہو چکی ہو فرد کے مسائل کا رونا رونے سے ہی نظام معاشرہ نہیں بدل سکتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس سے فرد کا احساس شکست تیز تر ہو جاتا ہے۔ جدا گانہ حیثیت کے مٹانے کے متمنی ادیب یہ بھول جاتے ہیں کہ مشترکہ نشانہ نہ رہنے سے فائدہ بکھریا کرتا ہے۔ اس پر بھی اگرچہ قائل کے ہیں افراد اپنی اپنی جگہ مل رہے ہوتے ہیں اور ہر فرد یہ محسوس کر رہا ہے کہ وہ اپنے فرائض داہروی بخوبی سر انجام دے رہا ہے لیکن رفتہ رفتہ فائدے سے محروم جانے کا غم اس کے سرور داہروی پر حاوی ہونے لگتا ہے اور وہ فرد کو تنہا پا کر احساس شکست کا شکار ہونے لگتا ہے۔ ترقی پسند فریک کے پاس ایک واضح نشانہ رد اور ترقی پسندوں کا فائدہ منظم رہا اس لئے جس تیز رفتاری اور بغینہ و انتہاء کے ساتھ انہوں نے منزلیں سر کی ہیں ان کا حصول بغیر صحت آرائی اور بغیر تنظیم کے اگر ناممکن نہیں تو بہت دشوار ضرور تھا۔ انفرادی کوششوں کے خاطر خواہ نتائج سے بچے انکار نہیں ہے اور اس سے میری مراد یہ بھی نہیں ہے کہ کسی تنظیم میں شامل ہونے بغیر کوئی ادیب ادب تخلیق ہی نہ کرے۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ اگر کسی دور کے ادیب جموں کی طرح ایک ہی کرب کوئی رہے

ہو تو ان کے لئے زیادہ موثر اور زیادہ کا وگر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مل جل کر ایک مشترکہ کھوکھلی مرتب کر لیں اور ادب کے لئے ان کھوکھلیوں کو تعین کر لیں جن سے حصول منزل مقصود کے امکانات قوی ہوتے ہیں۔ اس کا ایک سیدھا سا نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ تفسیر کے عمل کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور عوامی بیداری کے راستے کی مشکلیں نسبتاً آسان ہو جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جدید اردو ادب کی جن تخلیقات کو دیر پا قرار دیا جائے گا اور جن ادیبوں کی نند آوری مسلم ہوگی ان کی تخلیقات میں وہ تمام اوصاف کسی نہ کسی صورت میں موجود ہوں گے جو ترقی پسند ادب سے منسوب رہے ہیں۔ چونکہ جدید اردو ادب کسی نوعیت کا نام نہیں ہے بلکہ ترقی پسند نوعیت کے تسلسل عمل کا ہی ایک حصہ ہے۔ ترقی پسند ادیبوں کی تنظیم سے اپنی بیزاری کے اعلان کے باوجود جدید ادب کے خالقوں کو یہ معلوم ہے کہ سچا اور کچھ ادیب وہی ہو گا جو اپنے سماج کا آئینہ بنے گا اور جس میں اپنے سماج کو آئینہ دکھانے کی صلاحیت موجود ہوگی۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض مسائل ترقی پسند نوعیت کے شروع ہونے سے ٹیکر آج تک جوں کے توں موجود ہیں۔ مثلاً آج بھی ہمارا معاشرہ غریب اور امیر کے دو طبقوں میں بنا ہوا ہے۔ آج بھی غریب آدمی مجبور اور محروم ہے لیکن آج اس سادگی صورت وہی نہیں جو کبھی ہو ا کرتی تھی۔ اگلے وقت میں مجبور اور محروم لوگ مجبوری اور محرومی کو اپنا مقدر مان کر مذہب پرستی کے ذریعہ اپنی عاقبت، اپنا پر لوک سدھارنے میں لگ کر اپنے ماحول سے فزاک راہ تلاش کیا کرتے تھے لیکن آج اس طبقے کے لوگ سیاسی اور سماجی طور پر بیدار ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ انہیں اس لئے نہیں لونا جارا ہے کہ یہ ان کے پچھلے جنم کے مومن کا پھل ہے بلکہ اس لئے کہ وہ سراسر طبقہ لاف سے زیادہ مضبوط، زیادہ منظم اور زیادہ موثر طبقہ ہے۔ اس بیداری کے لانے میں ترقی پسند ادب نے جو رول ادا کیا ہے اسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جنگ چارے دور کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہم سے پہلی نسل کے لوگوں نے دو عالمی جنگوں کے ہرنانہ نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اس لئے آتی پسند ادیبوں نے جنگ بازوں کے خلاف اہم چلائی تھی۔ آج بھی دوسرا عالمی جنگ کا اندیشہ ہمارے ذہنوں میں عین

بیاض غم

جامی گورکھپوری

(وہیں عرش کی موت سے متاثر ہو کر)

وہ ہم لڑا اگلا سب کا	وہ روپ آفتاب کا
بیاض غم کے راز دان	وہ لب ہنسی کے پاساں
ادا سیاں برس گئیں	وہ لب خموش ہو گئے
ظرافتیں چھلک پڑیں	وہ لب کبھی جو کھل گئے
عراقستیں ہلک پڑیں	جراحیتیں ٹپک پڑیں
وہ بھول اور ستارے لب	کہاں گئے وہ پیارے لب
وہ کھوئی کھوئی سی ہنسی	ہر اک سے پوچھنے لگا
متاعِ علم و فن کہاں	وہ پیکر سخن کہاں
وہ منکر کی نظر نہیں	وہ قد نہیں وہ سر نہیں
بہت حیاتِ خستہ تھی	وہ روشنی جو تیز تھی
وہ آگہی کہاں گئی	وہ روشنی کہاں گئی

صورتِ حال میں ترقی پسند ادیبوں اور دانشوروں کی ذمہ داری اور ہم پر
جاتی ہے۔ آج یہ ذمہ داری اپنے جاری کردہ مشق کو پورا کرنے کی
ذمہ داری ہی نہیں رہی ہے بلکہ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری
بھی اسی میں شامل ہو گئی ہے۔ جو آج اردو ادب کو درپیش ہے۔ مجھے
سردار جعفری کے اس زاویہ نظر سے اتفاق نہیں ہے کہ وہ حافز
کے اس غزلِ ادب اور رجحان کو "دیوانی" کا نام دے کر اس کے جواب
میں بہتر ادب، بہتر شاعری اور بہتر تخلیق کا نعرہ بلند کر دیا جائے۔
فروغیت اس بات کی ہے کہ ترقی پسند مصنفین کی اس تعلیم کو پھر سے وہ
قوانین حاصل ہو جائیں جن کی صلاحیتوں کو گریہ کے راستے پر
چلنے سے روکا جاسکے۔ اگر ادب کی تخلیق کو غیر متعہد اور غیر ذمہ دار
ہونے دیا گیا تو میں اپنے سفر کو ٹھکرا کر مردہ دہلی سے شروع کرنا چاہوں گا
جہاں ہم ہم پاسی بری پہلے سردار جعفری کی طرف سے ہوئے تھے۔

۱۱۱

تاریخ پرستی کی سوا آج بھلا دنیا کے بیشتر ملک کو سنا کر کر رہی ہے۔ آج
ہیں مذہب، اذات، رنگ، نسل اور زبان کے نام پر قتل و خونریزی کا بازار
گرم ہوتا ہے۔ آج بھی کوہِ ارم کے مختلف حصے معلوم کیے گئے۔
لوگوں کے خون سے رنگے جاتے ہیں۔ آج میں دنیا کے بیشتر انسان بیکار
افلاس، بے دردم و دروابع اور بے دخل سماجی قوانین کا شکار
ہیں۔ میں نے ابھی عرض کیا کہ نظامِ معاشرہ کے بدلنے میں صدیاں لگ
جاتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری کس حد تک کس ایمان
داری سے نبھا رہے ہیں۔ ترقی پسند تحریک ایک ادبی تحریک تھی اور ادبی
تحریک ہے۔ ترقی پسند ادیبوں نے عبور اور محروم انسانوں کی حمایت میں
جوتوا راتھا، وہ مغلوں کی تلواریں، سنسکارتوں سے بندھے ذہنوں
کو آزادی دلانا ہی اپنے آپ میں ایک مشکل مرحلہ تھا مگر یہاں ترقی پسند
ادیب بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ اب جو نئے مسائل ہمارے
سامنے ہیں یا پرانے مسائل کی جو بدلتی ہوئی صورتیں چارے سامنے
ہیں ان کا مقابلہ بھی اسی ہمت، استقلال اور جواں مردی کے ساتھ
کرنا ہو گا جس کی گھن گرج تحریک کے ابتدائی برسوں میں سنائی دیا کرتی
تھی۔

ترقی پسند تحریک کے توسط سے اردو ادیب نے ہمیں وہ
شری سرمایہ عطا کیا ہے جس نے ہمارے ذہنوں کو آزادی، فکر،
دروں کو گرجی شوق اور نظر کو وسعتیں عطا کی ہیں۔ ایسے افسانے اور
ناول دئے ہیں جن سے مجھول سماجی اور اخلاقی قدروں کی پختہ
دیواریں گر گئی ہیں۔ وہ تنقیدی بصارت دی ہے جس نے تخلیق ادب
کو اعلیٰ معہدیت کے ساتھ وابستگی عطا کی ہے۔ مگر افسوس کہ
آج اس تحریک کی رفتار قدرے مدہم پڑ گئی ہے۔ اس سے اردو ادب کو
ایک بہت بڑا نقصان پہنچا ہے کہ بقول سردار جعفری "آج اردو
میں وسیع پیمانے پر ایک ایسا رجحان پایا جاتا ہے جس کے پرچم پر اس قسم
کے نعرے لکھے ہوئے ہیں کہ۔۔۔ میں بھول گیا ہوں، میں بڑے بڑے ہو گیا ہوں،
میں بھول گیا ہوں، کوئی مجھے تلاش کرے، میں اندھیرے کی گوفت میں ہوں"
کوئی مجھے نکالے، میں بے چہرہ ہوں، تمام نظریے رچکے ہیں، تمام آدرش
دم زڑ چکے ہیں، انقلاب سے معنی ہو چکے ہیں، انسان مجبور ہے۔"
(گفتگو جنرل ۱۱۱، پیش گفتار)۔ اور یہ واقعہ ہے۔ اس

ہندوستان میں مزدوروں کی اہم ہڑتال / کام بندی

۱۹ ویں صدی سے لیکر ۱۹۱۲ء تک یعنی پہلی عالمی جنگ کے شروع ہونے سے قبل تک

سال مقام	صنعت / تجارتی ادارہ کا نام جہاں ہڑتالیں یا کام بندی ہوئی
۱۸۴۵ء - کلکتہ	کلکتہ کے پالکی ڈھولے والے مزدوروں کی ہڑتال۔ یہ ہندوستان کی سب سے پہلی ہڑتال تھی۔
۱۸۵۴ء - کلکتہ	دیبا کی رسل اور سائل کے قلیوں کی ہڑتال۔
۱۸۶۲ء - کلکتہ	پیل گاڑی کے گاڑی بانوں کی ہڑتال۔
۱۸۸۲ء - پٹنہ	ربوے ورکروں کی ہڑتال۔ اس زمانہ میں ربوے لائن بھی بچائی تھی اور اس میں تقریباً ۱۲۰۰ مزدوروں نے
۱۸۹۳ء - بمبئی	اپریل مئی ۱۸۹۳ء میں کام کرنے کے آٹھ گھنٹے کے دن کے مطالبہ پر ہڑتال کی تھی۔ یہ آٹھ گھنٹے کام کے دن کی مانگ کے لئے ساری دنیا میں پہلی منظم ہڑتال تھی۔
۱۸۹۳ء - بمبئی	بمبئی میں تھاموں کی ہڑتال۔ ڈاکو بنانے کے لئے جن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوؤں کے لئے ۲ آئے فیکس مسلمانوں کے لئے ۳ آئے فیکس اور پارسیوں کے لئے ۴ آئے فیکس۔
۱۸۹۳ء - بمبئی	دھوبی کے بیاں کام کرنے والے مزدوروں کی ہڑتال۔
۱۸۹۶ء - بمبئی	میرٹھن کھارڈر لیمٹڈ کے گوشت بیچنے والوں کی ہڑتال۔
۱۸۹۲ء - کلکتہ	گھوڑا گاڑی کے کوچ بانوں کی ہڑتال۔
۱۸۹۲ء - بمبئی	چاپ خانے کے کمپوزیٹروں کی ہڑتال۔
۱۸۹۳ء - احمد آباد	میدان میں اینٹ تیار کرنے والے مزدوروں کی ہڑتال۔ اس کے بعد دیگر صنعتوں کے مزدوروں کی ہڑتالیں۔
۱۸۹۳ء - احمد آباد	جھیر پور پر جنکس عائد کر دینے کے خلاف گوشت بیچنے والوں کی ہڑتال۔
۱۸۹۶ء - دہلی	اجرت کا شروع کے مسئلہ پر ناگ پور امپریس مل کے مزدوروں کی کام بندی۔
۱۸۹۸ء - کلکتہ	ایک برٹش انڈسٹریل کمپنی کے مطالبہ پر ایسٹ انڈیا ریلویز کے پرنٹنگ میسن کی ہڑتال۔
۱۸۸۱ء - کلکتہ	گھوسری کاشن مل میں مزدوروں کی وسیع پیمانے پر ہڑتال جو دس دنوں تک جاری رہی۔
۱۸۸۶ء - سورت	۱۳ اگست ۱۸۸۶ء کو غلام بابا سپیننگ اینڈ ویولنگ میسن کے مزدوروں کی ہڑتال۔
۱۸۸۶ء - سورت	۱۸ اگست ۱۸۸۶ء کو کھنڈ کورہ ہاٹ میسن کے مزدوروں کی ہڑتال۔
۱۸۸۶ء - واردا	۲۶ ستمبر ۱۸۸۶ء تک ہنگی گھات مل کے مزدوروں کی ہڑتال۔
۱۸۸۶ء - واردا	۲۷ ستمبر ۱۸۸۶ء تک مذکورہ گھات مل میں مزدوروں کی ہڑتال۔

۱۹۵۷ء - کلکتہ، آسام
۱۹۵۸ء - کلکتہ اور سیل کلکتہ
۱۹۵۹ء - کلکتہ
۱۹۶۰ء - کلکتہ
۱۹۶۱ء - کلکتہ

ایسٹ انڈیا ریویوے و دیگر ورلڈ کی ہڑتال۔ ریویوے کے تمام سیکشن کے مزدوروں اور ملازمین کی مشترکہ اور متحدہ جدوجہد۔
آسام بنگال ریویوز، بنگال ناگپور ریویوز اور نارپور ریویوز میں ورکروں کی وسیع پیمانہ کی ہڑتال۔
کلکتہ بندرگاہ میں کلکتہ بورڈ کمشنر میں ڈک جیسٹرز کے قیلوں کی ہڑتال۔
کانگنارا پلٹ مل ورکروں کی ہڑتال۔ پوس نے ہڑتال کرنے والے مزدوروں کو اپنے علم کا نشان بنایا۔ پوس نے ایک مزدور کو جس کا نام دھانی ساگولی کار کو ہلک کر دیا اور ۷ مزدوروں کو گرفتار کیا۔
سوتی کپڑے کی مل نے میں تنگ کی گرفتاری کے خلاف ورکروں کی چھ دن تک وسیع ہڑتال۔ اس ہڑتال نے سیاسی نوعیت اختیار کر لی اور یہ ہڑتال پوس اور انتظامیہ کے خلاف مزدور کی شدید جدوجہد میں تبدیل ہو گیا۔ لیسن نے اس ہڑتال کی نائید کی۔ انہوں نے اس ہڑتال کو عوام کی بھڑادی اور سیاسی جدوجہد کہا۔ ہڑتال جو دنوں تک جاری رہی۔ تنگ کو چھ سال قید کی سزا دی گئی تھی۔ یہ ہڑتال دیگر ورلڈ نے بطور احتجاج کیا تھا۔ یہ پہلا واقعہ تھا جب فٹ کش طبقہ نے ایک سیاسی مسئلہ پر ہڑتال کی۔

سرکاری خبریں

دیہی پانی سپلائی اسکیم کے لئے عطیہ

ریاستی حکومت نے حالیہ مالی سال میں کم از کم ضروریات پروگرام کے تحت دیہی پانی سپلائی اسکیم کو پانی تکمیل تک پہنچانے کے سلسلے میں ایم ایل اے ضلع میں ۱۶۹۱ یو ب دیں کے کل بڑے کی خریداری کے لئے ۷۹۷.۷۶۳ روپے بطور عطیہ دینے کی منظوری دی ہے۔

جیل قانون نظر ثانی کمیٹی کی سفارشات اور انکی تکمیل

منری بنگال شعبہ قانون ساز سے صلاح و مشورہ کے بعد جیل قانون نظر ثانی کمیٹی کی متعدد سفارشات کی موجودہ جیل قانون میں غور کی ترمیم لاکر پائے تکمیل تک پہنچایا جا رہا ہے۔ ان خدات کے لئے زیادہ رقم کی ضرورت نہیں پڑتی

ہے۔ چند ترمیمات درج ذیل ہیں :

(الف) جیل کے حکام کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ زمرہ سماعت مقدموں کے قیدیوں کو قانونی امداد فراہم کرنے کے لئے قانونی امداد کو پیشی سے رابطہ قائم رکھیں۔

(ب) جیل کے حکام کا یہ فرض ہے کہ وہ قیدی کو جیل میں لے جانے کے فوراً بعد ہی اس کے قریبی رشتہ داروں کو اس کی اطلاع دے دیں۔

(ج) جیل حکام کو چاہئے کہ وہ جیل میں داخل کردہ تمام قیدیوں کی بابت تفصیلی رجسٹر میں درج کریں (اور اس رجسٹر کو برقرار رکھیں۔

(د) بورڈ یا بورڈر سبوں کے تحت امتحانات پاس کرنے والے قیدیوں کو مختلف شرح پر رعایت۔

(ه) قیدیوں کی منتقلی ان جیلوں میں ہونی چاہئے جہاں ان کے ذہنی رجحان کے مطابق ان کو تربیت دینے کی سہولتیں موجود ہیں۔

♦ ♦ ♦ ♦ ♦

تہذیب و تمدن میتے بُحران

”..... بربریت کا عفریت تمام تصنع
کو چھوڑ چکا ہے اور اپنے دانتوں کو باہر نکالے
نمودار ہوا ہے اور غالت گری کی خوشی میں انسانیت
کے پرچے اٹلنے کے لئے تیار ہے۔ دُنیا کے ایک
کنارے سے دوسرے کنارے تک نفرت کا زہریلا
دھواں فضا کو سیاہ بنا چکا ہے..... ایک دن
کے گاہب شکست خوردہ انسان تمام کا دلوں کے باوجود
اپنی گم شدہ انسانی میراث کی بازیابی کیلئے فتح کی راہ کو ملے گا“
رابندر ناتھ ٹیگور

رابندر ناتھ ٹیگور کوٹھی
۱۲۵ وین سالگرہ کا پر
ہماری طرف سے
خراج عقیدت۔

حکومت مغربی بنگال

MAGHREBI BANGAL
15 JUNE 1966

Postal Regd. No. W&C C-52
Vol-33 No-11,12
PRICE Paise 15



رہنما رانا تھڈ ٹیگور کی ۱۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر کلکتہ کے ٹائون ہال میں کلکتہ کالج پریزنٹیشن کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تقریب
میں وزیر اعلیٰ شری جیوٹی باسو تقریر کرتے ہوئے



شرح خریداری

سالانہ تین روپے۔ اس شمارہ کی قیمت بارہ پیسے
کرومیل زر کا پتہ

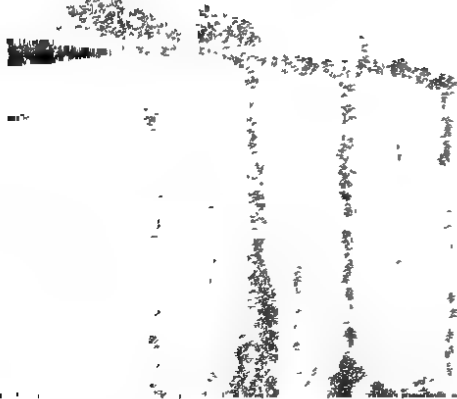
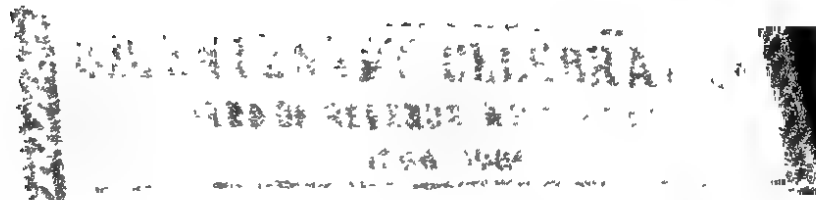
پرنس منجرا

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳۔ آد این۔ مگھری روڈ۔ کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱

پندرہ سوہ مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ
مدیر : دھرنیدرانندھت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * یکم جولائی ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر ۱۳



مغربی بنگال بورڈ آف ریونیو کے دو سو سالہ تقریب کے موقع پر ۲۷ جون ۱۹۸۶ کو سرمنج کلکتہ میں منعقدہ
سمپوزیم میں وزیر اراضی و اصلاحات اراضی شری بنوئے کوشنا جو دوسری امتیازی تقریر کرتے ہوئے
تقریر از: اجیت داس

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے نو سال مکمل کر لئے

حکالتے اور سارے اضلاع میں تقریبات

وزیر اعلیٰ شری جوتی باسو نے ۱۲ جون ۱۹۵۶ء کو رہنما سدن کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب کا افتتاح کیا۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ نے اپنی حکومت کے ۱۱ سال مکمل کر لئے۔ تقریب اسی سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔ اس تقریب میں بائیں محاذ کمیٹی کے چیئرمین مشری سروج مکھرجی اور مغربی بنگال کے چیف منسٹر وزیر نے بھی شرکت کی اور تقریریں کیں۔ وزیر ریاست برائے اطلاعات و ثقافتی امور شری پرود کھاشا پھودیکار نے اس تقریب کے سلسلے میں منعقدہ مذکورہ جلسے کی صدارت کی۔

اس جشن کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جوتی باسو نے کہا کہ ایک جاگیردارانہ سرزمین دارانہ دھانچہ میں کام کرتے ہوئے اور مرکز کے عائد کردہ رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بائیں محاذ حکومت مغربی بنگال میں اپنے فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ بائیں محاذ حکومت کا فرض بھی ہے کہ وہ لوگوں کو مرکز کی پالیسیوں اور منصوبوں سے جن کی وجہ سے لوگوں کی ترقی کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، آگاہ کرے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے جمہوریت کی توسیع کے لئے ہمیشہ جدوجہد کی ہے، کیوں کہ جمہوریت زندگی کے تمام شعبوں کے لوگوں کے لئے فخر اور ثنیت ہوتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بائیں محاذ حکومت پر لوگوں کے اعتماد نے اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا ہے اور اس طرح ریاستی حکومت کی روزمرہ کی سرگرمیوں سے یہ ذمہ داری عیاں ہو جائے گی۔

سلسلہ کام جاری رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے اس ریاست میں جمہوری اصولوں کو

مستحکم طور پر قائم کر دیا ہے اور لوگوں کو ان کی اپنی طاقت سے آگاہ کیا ہے۔ صنعت، ازراعت، تعلیم وغیرہ کے میدانوں میں بہت سارے ترقیاتی پروجیکٹوں کی مثال پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت اور لوگوں کے درمیان مستحکم طور پر محاذ قائم ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ لوگوں کی ممکن نائید کی وجہ سے ہی مغربی بنگال میں ہمیں ملاحضات ترقی کی راہ پر تیزی سے آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔

بائیں محاذ کمیٹی کے چیئرمین مشری سروج مکھرجی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ نے اپنی حکومت کے دسویں سال میں قدم رکھا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بہت سارے لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے اس ریاست میں بایاں محاذ پر سر اقتدار آیا اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ اس ریاست میں بائیں اور جمہوری طاقتوں کو مستحکم بنانے کے لئے بائیں محاذ حکومت برسر اقتدار رہی۔ انہوں نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے اس بات کا حلف اٹھا یا ہے کہ وہ عام لوگوں کے مفادات کی حفاظت کرے گی۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ لوگ آنے والے دنوں میں بائیں محاذ حکومت کی تائید کریں گے کیوں کہ یہ حکومت لوگوں کو چاہتی ہے، ان کی نفاذ کے لئے کام کرتی ہے اور ان کی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے۔

سلسلہ کام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دستوری بندشوں، مرکز کا حوام دشمن رویہ اور مالیاتی بندشوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں بہت ساری کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ لوگوں کی متحدہ طاقت اور باہمی

دوستی نے تمام افغانی پسند طاقتوں کو دبا کر رکھ دیا ہے۔
شری پور و پشاور میں بدویکاڑ جھنڈوں نے اس جشن
کی صدارت کی، تقریر کر کے ہوئے کہا کہ محو شہر ۹ برسوں میں
مغربی جنگلی عیسائیں محاذ حکومت نے عوام کی فلاح و بہبود کے
لئے بہت سارے اقدامات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ شری
پور شاہنشاہ نور محمد وزیر ریاست برائے شہری ترقی نے اپنی تقریر میں
مہانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس جشن میں شری گل گوہا، وزیر زراعت
شری نونی بھٹا چاریہ، وزیر آب پاشی و آب رسانی اور
دیگر وزراء نے بھی تقریریں کیں۔ اس جلسہ کے شروع ہونے
سے قبل شہیدہ اطلاعات کے ڈائریکٹر شری پی۔ کے۔ بنرجی
نے آجپانی شری شبنمو گھوش، جن کا حال ہی میں انتقال ہوا، کو
خراج عقیدت پیش کیا۔

اس عہد کے فضل و زریعہ علی شری جیوتی باسوں نے
ملکتہ انظار مدین سنٹر میں منعقدہ تالیفیں حماد حکومت اور
دستار قرنی "پراپک نائش کا افتتاح کیا۔

اس ریاست کے ہر ضلع اور سب ڈویژن میں
ایسے جشن منائے گئے۔ شہرہ الامات اور ثقافتی امور حکومت
منزوی ہنگل نے ایسے جشن کا انتظام کیا۔

ربند را سرد بر می به حشمتین معلوم حکم کامیابی کے

ساتھ جاری رہے۔

بچوں کا قومی جیورڈ

مشرقی بنگال کے وزیر برائے جیل اور سماجی رفاہ مشرقی
 و بیار اتر بندھو پادھیہ کو نو تشکیل شدہ بھوپا ترقی بورڈ میں شامل
 کیا گیا ہے۔ اس بورڈ کے صدر وزیر اعظم مشرقی راجیو گاندھی ہیں۔
 یہ بورڈ ۳۱ ممبروں پر مشتمل ہے جس میں چار مرکزی وزراء ہیں اور
 مشرقی بنگال، پنجاب، تامل ناڈو اور راجستھان سے ایک ایک وزیر
 شامل ہیں۔ یہ بورڈ پورے ہندوستان میں عوام کی رفاہ کے لئے منصوبہ
 اور پروگراموں کی تکمیل کے کام پر نظر ثانی کرے گا۔

جیل اسٹاف کیلئے رہنمائی کو ایڈیٹر

ریاستی حکومت نے مغربی جنگال کے سولہ جیل اور ۱۲
تحتی جیل کے ملازمین اور وارڈوں کے لئے اسٹاف کو آرڈر تعمیر
کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کوآرڈوں کی تعمیر پر تقریباً کروڑ روپے
خرچ ہوں گے۔ ایسٹ کی امید کی جاتی ہے کہ ۱۹۶۸-۱۹۶۹ تک
کوآرڈوں کی تعمیر کا کام مکمل ہو جائے گا۔ ریاست میں پسی
بار جیل اسٹاف کو اس طرح کی سہولتیں فراہم کی جارہی ہیں۔

شیڈولڈ کاسٹ ڈراپ طلباء کیلئے نئے اسکالرشپ

حکومت مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ اور اڑب
کی رضامندی کے تحت نے ثانوی درجوں کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے
والے شیڈولڈ کاسٹ اور اڑب طبیار کو اسکا اڑب دینے
کے لئے ۸۶۷۷۵۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے +

ہر مریض چھک میڈیکل کالج کو عطیہ

ریاستی حکومت نے نئے ڈاکٹروں کے وظائف کی ادائیگی
 کے لئے ۳۱ مئی ۱۹۸۹ء تک کی مدت کے اخراجات کے لئے چار
 سو سو پچاس بیس لاکھ کو ۱۲۴۱۹۰ روپے دینے کی منظوری
 دی ہے۔

مظہور ریاستی اسپتال میں خون بینک کا قیام

ریاستی حکومت نے مذکور ضلع کے لوگوں کو رہائشی
جزل ہسپتال میں جبراً طرز کے خون - بینک کا قیام کئے گئے غیر ملکی
عطیہ کے طور پر ۶۵ ہزار روپیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ مگر
انجامات کیلئے ۵۰ لاکھ روپے بھی فراہم کئے گئے ہیں

اصلاح اراضی ایکٹ کی دوسری قسط (۱۹۸۱ء)

از: جینوٹے چودھری وزیر آبپاشی و اصلاحات اراضی، حکومت مغربی بنگال

کیوں اس قانون کو نافذ کرنا پڑا

ساتویں پینال منسوبر (۸۵-۱۹۸۰ء) مرتب کرتے وقت اس بات کا ذکر کیا گیا تھا کہ تمام ریاستوں میں انتہائی حد سے زیادہ قطعات اراضی کے قانون کے نافذ ہونے کے باوجود انتہائی حد سے زیادہ حاصل قطعات اراضی کو اپنے دخل میں لانے کا کام حکومت کے لئے ممکن نہ ہو سکا۔ اسی لئے موجودہ قانون میں جو خامیاں ہیں انہیں دور کرنے کے لئے قانون میں حسب ضرورت ترمیم لانی چاہئے اور انتہائی حد سے زیادہ قطعات اراضی کے قانون کو عملی طور پر تیزی سے رو بہ عمل لانا چاہئے۔ ۲۴ جون ۱۹۷۹ء کو مرکزی وزارت زراعت کے شائع کردہ اعداد و شمار سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسی وقت سارے ہندستان میں انتہائی حد سے زیادہ ۶۸۶۰۰۰ ایکڑ حاصل قطعات اراضی تھے۔ ان میں سے ۶۰۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی کو حاصل قطعات اراضی قرار دیا گیا اور ان میں سے ۲۳۳۰۰۰ ایکڑ حاصل قطعات اراضی پر حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو گئے اور ان میں سے صرف ۱۵۸۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی تقسیم کئے گئے۔ اعداد و شمار کے مشہور ماہر پر دستاویز تھا کہ زمین کے حساب کے مطابق کل ۳۵ کروڑ ایکڑ قطعات اراضی میں کم سے کم ۲۰ لاکھ ایکڑ قطعات پر حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو جانا چاہئے تھا۔ مغربی بنگال زمین داری و حصولیابی ایکٹ کے سلسلے میں گفت و شنید کے دوران جو اعداد و شمار پیش کئے گئے تھے ان میں یہ کہہ لیا گیا تھا کہ ۱۸ لاکھ سے ۲۰ لاکھ ایکڑ تک حاصل

قطعات اراضی حاصل کئے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس وقت ایک خاندان کے پاس کتنی زمین ہو سکتی ہے، اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ صرف زرعی زمین کی انتہائی حد ۱۲۵ ایکڑ تھی۔ اب فی خاندان قطعات اراضی کی انتہائی حد ان علاقوں میں جہاں آبپاشی کی سہولتیں فراہم نہیں ہیں ۱۷ ایکڑ ہے۔ لیکن مقررہ حد سے زیادہ تقریباً ۳۵/۳۰ لاکھ ایکڑ حاصل قطعات اراضی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ کل ۱۳۷۰۰۰۰ ایکڑ قطعات اراضی پر کاشتکاری کی جاتی ہے۔ لیکن ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک حکومت کو حاصل ۱۷۶۷۵۱۱۱ ایکڑ اراضی پر حقوق ملکیت حاصل ہو گئے۔ ان میں زمین داری و حصولیابی ایکٹ کے تحت ۱۰۶۴۳۲۲ ایکڑ اور اصلاحات اراضی ایکٹ کے تحت ۶۳۶۳۲۳۱ ایکڑ حاصل قطعات اراضی حاصل کئے گئے تھے۔ چنانچہ یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ فی کس قطعات اراضی کی انتہائی حد مقرر کرنے اور فی خاندان قطعات اراضی کی حد بندی کرنے کے باوجود اچھے نتائج حاصل نہیں ہوئے۔ قانون کی مختلف خامیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قطعات اراضی کی انتہائی حد کے قانون کو بڑے بڑے جو تدار زیادہ سے زیادہ قطعات اراضی اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی لئے ان خامیوں کو دور کرنے اور انتہائی حد سے زیادہ قطعات اراضی پر حاصل کرنے کے لئے یہ قانون لاگو کیا گیا ہے۔

اس قانون سے ۹۹ فیصد کسان مستفید ہو گئے

۱۹۷۰-۷۱ء کے زرعی اعداد و شمار کے مطابق پٹے ۱۰ جابجہ پر دئے گئے قطعہ اراضی یعنی ہولڈنگ کی تعداد ۲۶۱۹۳۲ تھی۔ ان میں سے ۱۲ ایکڑ سے کم ہولڈنگس چھان آپاشی کی سہولتیں فراہم ہیں، ان کی تعداد ۱۲۵۹۵ تھی اور ۱۳ ایکڑ سے ۱۷ ایکڑ تک کی ہولڈنگس چھان آپاشی کی سہولتیں فراہم نہیں ہیں ان کی تعداد کم از کم ۵۰۰۰ تھی۔ ان میں سے ۲۱۷۵۹۵ ہولڈنگس اس قانون سے متاثر نہیں ہونگی۔ لیکن ۱۰۰۰ ہولڈنگس کے مالکان اور قطعہ اراضی کی انتہائی حد کے قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے ہیں اس قانون سے متاثر نہیں گئے۔ ۹۹ فیصد کسانوں کے پاس جو باغات، تالاب اور دیگر قطعہ اراضی ہیں، وہ رقبہ میں انتہائی حد سے کم ہیں۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری سے اس صورتحال میں اور بھی تبدیلی ہوئی اور اب اور بھی کم ہولڈنگس اس قانون کے تحت آئیں گے۔

قطعہ اراضی کی بابت معلومات

قطعہ اراضی میں زرعی اور غیر زرعی دونوں زمینیں شامل ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مرکزی حکومت کے ۱۹۹۵ء کے قطعہ اراضی مصوبہ کی ایکٹ اور زمینداری و دخل قانون کے مادہ ۱۷ میں زرعی اور غیر زرعی دونوں زمینیں آتی ہیں۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اصلاحات اراضی قانون زمین داری و دخل قانون کے مشابہ ہے لیکن پہلے غیر زرعی زمین کے علاوہ دیگر تمام اقسام کی زمینوں کو اس قانون کے دائرہ میں رکھا گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں نے زرعی زمینوں کو غیر زرعی زمینوں کی طرح پیش کر کے انتہائی حد سے زیادہ قطعہ اراضی اپنے نام کر رکھا ہے۔ ضلع ۲۴ پرگنہ میں زرعی قطعہ اراضی میں بانی واسطہ کو کے ۱۰۰۰ نہیں پھیلوں کی پرورش کے لئے پھیلوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سٹنڈرڈ پور ستانہ کے شاہگ برنامہ موضع میں ۳۳ ایکڑ کی پھیل کو بڑھا کر ۲۰۲ ایکڑ پر پھیل دیا گیا ہے۔ صرف ضلع ۲۴ پرگنہ میں ۵۰۰۰ ایکڑ زرعی

قطعہ اراضی کو پھیل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ایک جائزہ کے مطابق سارے زرعی پھیل میں پٹے پائی کے ۹۸۲۲۱۹ ایکڑ پر مشتمل پھیلوں میں گندہ پانی کی پھیل کے ۱۰۰۰۰ ایکڑ پر مشتمل پھیلوں میں اور پھیل پائی کے ۹۵۳۱۵ ایکڑ پر مشتمل پھیلوں میں پھیلوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ باغات کے سلسلہ میں اضلاع مالوہ اور مرشد آباد میں جو رعائیں دی گئی ہیں ان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہزار ہا ایکڑ قطعہ اراضی کو باغات کی طرح دیکھ کر لوگوں نے اپنے دخل میں رکھا ہے۔

قدرتی طور پر قطعہ اراضی کی انتہائی حد کے قانون سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اگر باغات اور پھیلوں کی شکلوں میں انتہائی حد سے زیادہ قطعہ اراضی رکھنے کی اجازت دی جائے۔ نیز موجودہ دور کی سائنسی ترقی کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج ہر قطعہ اراضی پر کسی نہ کسی قسم کی کاشتکاری کی جاسکتی ہے۔ زرعی اور غیر زرعی قطعہ اراضی کے درمیان معاشی فرق ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح باغات اور پھیلوں کی اہمیت کم نہیں ہوئی۔ جو لوگ پھیلوں کے باغات لگانے یا پھیلوں کی پرورش کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ۵۲ بیگھہ زمین پر اس کرنے کی اجازت ہے لیکن کچھ لوگ یہ شور مچا رہے ہیں کہ انہیں ۵۲ بیگھہ زمین کاشتکاری کے لئے دی جائے اور اس سے زیادہ قطعہ اراضی پر باہمی پروری یا باغات لگانے کی اجازت دی جائے۔ اس دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ سماجی جنگلات کی کمیت افزائی کرنے کے سلسلے میں اس ترمیم کی آٹھویں دفعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

پچھلے دو مخصوص قاریخوں سے قانون کی دفعات کو دوبارہ عمل لائف کا سوال۔

اگر یہ بل قانون بن جائے تو اس سلسلے میں اندازاً کئے گئے ہیں کہ اسے ۱۹۷۹ء راکٹ سے نافذ کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ اس بات کا گمان

کیا تھا کہ اب فی قاعدہ ان قطعات آراضی کی انتہائی حد کا قانون لاگو ہو جائے گا اور اس طرح لوگوں نے بھی حسب ضروری اقدامات کئے۔ سپریم کورٹ نے بھی ۹ مئی ۱۹۸۰ء کو اس قانون کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کیا۔ نیز دستور کے تحت بھی اس قانون کے سلسلہ میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے اپنے بہت سارے قطعات آراضی کو بے نامی قطعات آراضی میں تبدیل کر کے خود کو اس قانون سے باہر رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ایسے پوشیدہ قطعات آراضی کو ڈھونڈ نکالنے کے لئے محاصل افسروں نے ۵ مئی ۱۹۵۳ء سے کام شروع کر دیا تھا اور انہوں نے بہت سارے بے نامی قطعات آراضی کی کھوج لگائی۔ ان کی سرگرمیوں پر اگر غور کریں تو اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہو جائے گی، کیوں کہ اسی تاریخ کو گزیت میں اس قانون کو شائع کر دیا گیا تھا کہ زمینداری حصہ داری قانون کے تحت زرعی اور غیر زرعی دونوں زمینوں پر قطعات آراضی کی انتہائی حد کا قانون لاگو کر دیا گیا ہے کسی کسی کو اس ایکٹ کے خلاف یہ شکایت ہے کہ اس کے نتیجے میں چوٹے اور درمیانی درجہ کے کاشتکار، جنہوں نے بڑے زمین داروں سے وہ قطعات آراضی خریدے ہیں جو انتہائی حد سے زیادہ تھے، اس قانون کی زد میں آجائیں گے۔ بہت سارے کہیں اور مقدمے بھی ہوں گے، چوٹے اور متوسط درجہ کے قانون نے اگر صحیح معنوں میں ایسے قطعات آراضی خریدے ہیں تو اس بات کے پیش نظر کہ انہیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے، موجودہ ترمیمی قانون کی دفعہ ۵۱ کی تحتی دفعہ ۵۲ میں یا مذکورہ قانون کی دفعہ ۵۲ میں ان کی دشواریوں کو دور کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس لئے انہیں ناحق پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور رام معاملہ و مقدمہ شروع کرنے کا، تو خوشحال جہتدار غریب کا قانون کو معصیت میں ڈال کر اپنے مفاد کو برقرار رکھنے کے لئے، ایک نہ ایک بہانہ سے عدالت کا سہارا لیتے ہیں۔ حقیقی برگداروں کے نام رجسٹرڈ کرنے کے لئے کئے گئے حق بجانب اور صحیح اقدامات کے خلاف

۳۰ تا ۳۲ ہزار مقدمے دائر کئے گئے ہیں۔ معاملہ مقدمہ تو ہوتے رہیں گے لیکن ہم سماجی اور ترقی یافتہ قانون مرتب کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔

برگداروں کے نام رجسٹرڈ میں درج کرنے سے
چھوٹے کاشتکاروں کو سہولتیں

برگداروں کے نام رجسٹرڈ میں درج کرانے کی وجہ سے چوٹے جوت دارا ملکوں کی ان کی ضرورت کے وقت انکے اپنے قطعات آراضی کی فروخت کے سلسلے میں دشواریوں کو دور کرنے کے لئے اس ترمیمی ایکٹ کی دفعہ ۵۱ کے تحت ریاستی اور ضلعوں کی سطح پر زمین کارپوریشن قائم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ آبپاشی کے علاقے میں ایک ہیکٹر اور غیر آبپاشی کے علاقہ میں ڈیڑھ ہیکٹر تک قطعات آراضی کے مالکان جن کے روزگار کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اور اس زمین کی آمدنی ہی ان کی آمدنی کا واحد ذریعہ ہے، ان سہولتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ زمین کارپوریشن زمین کی بازاری قیمت کے مطابق اتنے روپے اس زمین کو رہن رکھ کر برگدار کو قرض دے گا۔ برگدار یہ رقم زمین کے مالک کو دے دیگا۔ پھر قرض ادا کرنے کے بعد برگدار اس زمین کا مالک بن جائے گا۔

پیشہ داری اور برگداروں کے لئے کوآپریٹو سوسائٹی

اس ترمیمی بل کی دفعہ ۵۳ کے تحت پیشہ داریوں اور برگداروں کی مدد کرنے کے لئے کوآپریٹو معاشرہ سوسائٹی قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ کسی بھی علاقہ میں سات یا اس سے زیادہ پیشہ دار یا برگدار جو ایک ایکٹ زمین میں کسی بھی شرط پر کاشتکاری کرتے ہیں، ایسی سوسائٹی قائم کر سکتے ہیں۔ یہ سوسائٹی کاشتکاری میں مدد کرنے کے لئے کاشتکاری کے لئے ہل، اعلیٰ قسم کے بیج، آبپاشی کی سہولتوں کا اور آسان سود پر قرض کا انتظام کرے گی اور نیز تیار فصل کی فروخت کا اچھا بندہ بہت کرے گی۔ ایک تجزیہ

یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ بڑے داموں کوئی کسی دو بیچکر زمین
 ملی ہے۔ اس سے پہلے پہل پہل بیچ اکھاد وغیرہ کے لئے سرکار
 سے یا بیچوں کے کسی قسم کی ادائیگی فراہم کی گئی تھی۔ انتظام نہ ہونے
 سے ان کے لئے کاشتکاری کرنی بہت مشکل ہو گئی ہے۔ برگدلوں
 کو بھی اسی طرح کی ادائیگی فراہم کی گئی ہے، ورنہ یہ سب زمین کے
 مالکوں سے زیادہ سود پر قرض لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
 اور اس طرح قرض کے بوجھ سے وہ غلام بن جاتے ہیں۔ پٹر
 داموں اور برگدلوں کی ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے ایسی
 کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کرنے کے لئے پہل کیا گیا۔ بلاشبہ
 ان سے پٹر دام اور برگدلوں بہت مستفید ہوں گے۔
 زمین کے استعمال میں تبدیلی لانے کے لئے حکومت
 کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

ترمیم قانون کی دفعہ ۱۱ میں کہا گیا ہے کہ اصل
 قانون کی دفعہ ۱۱ کے بعد دفعہ ۱۱ کا اضافہ کرنا ہو گا۔
 دفعہ ۱۱ میں کہا گیا ہے کہ اگر ایک رعیت اپنی زمین کے
 رقبہ میں یا زمین کے استعمال میں کوئی تبدیلی لانا چاہے تو
 اسے اس کے لئے ٹیکس کے پاس درخواست داخل کرنی ہوگی۔ ٹیکس
 کی اجازت حاصل کئے بغیر زمین کے استعمال میں کسی قسم کی
 تبدیلی لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ حکومت کی اجازت حاصل کئے
 بغیر ریت کی کھدائی، اینٹ کی تیاری، دھان کھیت کو جیل
 میں تبدیل کر کے مچھلیوں کی پرورش وغیرہ کا کام اتنی تیز رفتاری
 سے شروع ہوا ہے کہ اگر اس کی جلد روک تھام نہ کی جائے تو
 اس سے قومی ملکیت کا کافی نقصان ہوگا اور بہت سارے کاشت
 کاروں کا مستقبل برباد ہو جائے گا۔ بہت سے لوگوں نے احتجاج
 کیا کہ اس سے کسانوں کی دشواریوں میں اضافہ ہو جائے گا۔
 لیکن ایسی تشریحات کوئی بنیاد نہیں۔ کھیتی باڑی کی زمین پر
 کسان اپنی رہائش کے لئے گھر، تالاب اور کنوئیں تعمیر کر سکتے
 ہیں، باغیچہ میں پودے لگا سکتے ہیں لیکن کھیتی باڑی کی زمین کو
 پورے طور پر دوسرے کام کے لئے استعمال میں لانے کے سلسلہ

میں حکومت سے اجازت حاصل کرنی ہوگی۔ اس بات کی طرف
 خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ ایسی منظوری حاصل کرنے میں
 غیر ضروری تاخیر نہ ہو اور کسانوں کو دشواریوں کا سامنا نہ
 پڑے۔

ادری باسی اور برگدلوں کو نئی سہولتیں

ترمیم قانون کی دفعہ ۱۱ (اس قانون کی دفعہ ۱۱)
 میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ برگدلوں میں زمین پر کھیتی باڑی
 کرتے ہیں، اگر اس زمین کو فروخت کرنی ہو، تو برگدلوں کو پہلی
 ترجیح دی جائے گی اور وہ اس زمین کو خرید سکتے ہیں۔ اوری
 باسیوں کی منتقل کردہ زمین کو واپس لینے کے لئے اس قانون کو
 اور بھی مستحکم اور عملی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

منہابی اور خیراتی ٹرسٹ

تفتیش کے بعد یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ بہت
 سارے مذہبی اور خیراتی ٹرسٹ کی آمدنی اس مقصد کے لئے
 خرچ نہیں کی جاتی جس کے لئے ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے۔ اس سے
 اس بات پر شبہ نظر کہ ٹرسٹ کی آمدنی مکمل طور پر ٹرسٹ
 کے بنیادی مقصد پر صرف کی جائے۔ ترمیم قانون میں ایسی
 گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس قانون کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ٹرسٹ
 کے کام کا بج میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ اس سلسلے میں جو شور و
 غل مچایا جا رہا ہے، اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

گزشتہ پانچ برسوں تک مالی موٹل کرنے کے بعد
 ۱۹۸۷ء کو صدر ہنز نے اصلاحات آراہنی کی دوسری
 ترمیم (۱۹۸۱ء) کو اپنا منظوری دے دیا۔ بلاشبہ منظوری
 دی گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت سے یہ
 درخواست کی گئی ہے کہ مندرجہ ذیل نکات میں ترمیم لائی جائے؛
 ۱۔ جائے باغات کے لئے کھیتی باڑی کی ضرورت ہے
 اس کا اندازہ لگانے وقت اس بات کو بھی نظر رکھنا ہوگا کہ کئی ایٹل جائے
 باغات کے تحت جو زمین ہے اس کے رقبہ کو کم کیا جائے۔

۲۔ موجودہ لاگو قانون کے تحت اگر کوئی آئینہ ٹیٹا کی گئی ہے تو اس پر انتہائی حد کا قانون لاگو نہیں ہوگا۔
۳۔ کیفیت مزدور اور رعیت کی ایک اور حقوق اور سرکاری خاص زمین اور ان کی حد بندی کے سلسلہ میں جو قانونی طریقہ کے لئے حکم نامہ ۱۹۵۲ء کو (اسی دن ریاستی اسمبلی میں یہ ترمیمی بل بھی منظور ہوئی تھی) جاری کیا گیا تھا اس کا ذکر ہونا ضروری ہے۔

۴۔ زرعی زمین کو چھوڑ کر دیگر زمینوں کی انتہائی حد معر کوئے وقت منتقلی اور تقسیم کے لئے اس قانون میں حسب ضرورت دفعات کی گنجائش رکھنی چاہئے۔

۵۔ زمین کی غیر حقیقی منتقلی کے سلسلہ میں زمین کی حصولی کے قانون ۱۹۵۳ء کو رو بہ عمل لانا ہوگا۔

۶۔ ریونیو انسر کے ذریعہ نئے سرے سے تقیش کے دوران زمین کے رقبہ میں تبدیلی، حدود میں الٹ پھیر کرنے کی وجہ سے اگر کوئی دائعہ رونما ہوا یا غیر رسمی دستاویز میں ترمیم تبدیلی یا کسی طرح کی اور کوئی بات ہو تو اس کا ذکر اس تقیشی رپورٹ میں ہونا چاہئے۔

۷۔ ضلع کلکٹر کے پاس سے منظوری حاصل کئے بغیر کسی زمین کے رقبہ شکل استعمال یا فیو میں تبدیلی نہیں کیا جاسکتی ہے لیکن موجودہ قانون کے مطابق ملکیت کی منتقلی یا تقسیم کی وجہ سے زمین کے رقبہ میں کسی بیشی کے واقعات کو نظر انداز کر دیا جائے۔

۸۔ ضلع کلکٹر کے پاس سے منظوری حاصل کئے بغیر زمین کا رقبہ شکل اور استعمال وغیرہ کی تبدیلی کی بابت منظوری حاصل کرنے کا طریقہ اور قانون کی غلات و درزی کرنے کے سلسلے میں سنا کا سلسلہ اس قانون کے نفاذ کے ساتھ ہی ساتھ جاری ہو جائے گا۔ اس کے نتیجہ میں قانون کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہیں ہوگی۔

صدر ہند کی منظوری کے پانے کے بعد ۲ مارچ کو کلکٹر جوٹ میں اس ترمیمی قانون کو شائع کر دیا گیا۔ مذکورہ بالا ترمیمات کے سلسلہ میں اس بات کی پوری کوشش ہو رہی ہے

کہ ایک اور ترمیمی بل پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ترمیمی بل مرتب کرنے کیلئے انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس قانون کی دیگر دفعات جن میں کوئی ترمیم لانے کی بات نہیں ہوئی ہے انہی رو بہ عمل لانے کے لئے ضروری قانون یا منہما قانون وغیرہ مرتب کئے جا رہے ہیں تاکہ انہیں جلد از جلد رو بہ عمل لایا جاسکے اس قانون کو رو بہ عمل لاتے وقت بہت احتیاط برتنا جائیگا تاکہ کوئی غیر ضروری رد عمل رونما نہ ہو ۴۴

ریاستی ٹرانسپورٹ اتھورٹی کی تشکیل

ریاستی ٹرانسپورٹ اتھورٹی کی مندرجہ ذیل مجبوروں کی شمولیت سے از سر نو تشکیل کی گئی ہے۔

۱۔ سکریٹری، شعبہ نقل و حمل، حکومت مغربی بنگال جو اتھورٹی کے چیئرمین ہوں گے۔

۲۔ چیف انجینئر، شعبہ تعمیرات عامہ (سڑکی) حکومت مغربی بنگال۔

۳۔ پولس کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل، ٹرانک اور ریوے حکومت مغربی بنگال۔

۴۔ ریاستی حکومت کا ایک انسر، جنکی اتھورٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے تقرری ہوگی۔

۵۔ شری کرشنا چندر املدار (۶) شری شکیل محمد شاہ ٹنگولی (۷) شری کانیانی گول (۸) شری بھگل داس۔

مدنا پور ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کو عطیہ

ریاستی حکومت کے شعبہ صحت و خاندانی رفاہ نے مننا پور ہومیو پیتھک میڈیکل کالج کو اس کے اندیشہ اور غیر تدریسی ملازمین کی خواہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ۱۱۶۵۰ روپے بطور غیر منقولہ عطیہ دینے کی منظوری دی ہے ۴۴

اعلیٰ تعلیم کے وزیر شری شمشو گھوش کا انتقال

سرجیکل مہرجی اور ان کی کابینہ کے ساتھیوں نے انہیں گہائے عقیدت پیش کئے۔

مہرجی بنگال کے گورنر شری اوشنکر دگشت کی جانب سے ڈاکٹر گھوش کی لاش پر بھول چڑھائے گئے۔ شری دگشت اس دن دہلی میں تھے۔

ان کے جسد خاکی کو کچھ دیر کے لئے خارورڈ بلاک کے دفتر پترنجی ایونیو بھی لے جایا گیا جہاں پارٹی ممبروں نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔ جلوس کی شکل میں لاش اسمبلی ہاؤس اور اسٹریٹس بڑنگس بھی لے جاتی گئی۔ اس کے بعد فن کی لاش ان کے آبائی گھاؤں ہوگلی کے چمنورہ لے جاتی گئی۔

اتوار کو ان کی موت کے سوگ میں سرکاری عمارتوں پر قومی پرچم سرنگوں کر دئے گئے۔

الٹ انڈیا فاسٹڈ بلاک کی ریاستہائے متحدہ کی سر اور مہرجی بنگال کے وزیر اعلیٰ تعلیم شری شمشو گھوش کا گزشتہ ۵۸ سال قریب کلکتہ کے ایک نرسنگ ہوم میں انتقال ہوگا۔ ان کی عمر ۵۸ سال تھی۔ شری شمشو گھوش عرصہ مدداز سے گلے کے کینسر کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ علاج کے لئے انہیں روس، برطانیہ اور امریکہ لے جایا گیا تھا۔ پھر کراہیں تنفس کی تکلیف ہو رہی تھی۔ انہیں اسی دن نرسنگ ہوم میں داخل کیا گیا۔ سہجر کی رات کو ان کی حالت ابتر ہو گئی۔ اتوار کی صبح کو حرکت قلب کے بند ہو جانے کا وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔ شری شمشو گھوش کے جسد خاکی کو ایک جلوس کی شکل میں سب سے پہلے علیم الدین اسٹریٹ میں واقع بامیں محاذ کے صدر دفتر لے جایا گیا جہاں وزیر اعلیٰ شری چوٹی باسو، سسی پی ایم کی ریاستہائے یونٹ کے سکریٹری اور بامیں محاذ کے چیئرمین شری



وزیر اعلیٰ شری شری جیوتی باسوں نے ڈاکٹر شمشو گھوش کی موت پر گہرے مدھے کا اظہار کیا اور انکی موت کو ایک عظیم نقصان بتایا۔ انہوں نے کہا کہ شرک گھوش مغربی بنگال میں بائیں اور جمہوری تحریک کے اہم لیڈر تھے۔ انہوں نے ۱۹۶۹ء کے متحدہ محاذ کے دور حکومت میں جھوٹی اور گھریلو صفت کے وزیر کی حیثیت سے پھر ۱۹۷۷ء سے حکمران بائیں محاذ کے اعلیٰ تقسیم کے وزیر کی حیثیت سے بے چیدہ سے بے چیدہ مآئل کو حل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ انتظامیہ کی زبردست صلاحیت رکھتے تھے۔ شری سرودھ مکھرجی نے ان کے اہل و عیال اور فارورڈ بلاک کو تعزیتی پیغام بھیجا اور ان کی موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

سودار کے دن انکے جناح کی کوریج سرکاری اعزاز کے ساتھ ان کے آبائی گاؤں چنورہ میں نذر آتش کر دیا گیا۔ ۱۹۶۹ء شری شمشو گھوش چنورہ، ضلع ہنگلی میں ۲۰ ستمبر کو پیدا ہوئے۔ اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ مشہور انقلابی پروفیسر برائش چندر بوشن ان کے معلم تھے۔ فارورڈ بلاک کے کارکن ہونے کے ناطے ۱۹۳۹ء میں وہ نیپتا جی سمبھاش چندر بوس کے بہت قریب آ گئے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ کی طلباء کانگریس کے تنظیمی سکریٹری بنے اور بعد میں اس پارٹی کے نوجوانوں کی شاخ اکل ہند نوجوان لیگ کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ آپ فارورڈ بلاک کی ثقافتی شاخ لوک سنکرستی سنگ کی ریاستی کمیٹی کے بھی صدر تھے۔

شرک گھوش نے ہنگلی کالج سے بی۔ اے کیا اور ۱۹۵۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ آپ نے کچھ عرصہ تک سچر کالج میں پکڑا کی حیثیت سے کام کیا پھر بعد میں آپ الوبڑیا کالج چلے آئے جہاں آپ شعبہ فلسفہ کے صدر بن گئے۔

شری گھوش چنورہ اسمبلی حلقہ انتخاب سے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۸۲ء کے درمیان ۵ بار ریاستی اسمبلی کے ممبر منتخب

ہوئے۔ آپ دس سال تک متحدہ محاذ حکومت کے دور میں وی پی اور گھریلو اور جھوٹی صنعتوں کے شعبہ کے وزیر تھے اور موجودہ بائیں محاذ حکومت کے وزیر اعلیٰ تھے۔

پروفیسر گھوش نے اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کی تنخواہ کی شرحوں میں بہتری لانے اور ان اساتذہ کو دیگر سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔ موجودہ قومی تعلیمی پالیسی کی بابت ان کے تنقیدی نظریے نے بہت سا رد و کار کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرائی + + +

مضافاتی پانی سپلائی اسکیم کے لئے عطیہ

ریاستی حکومت نے موجودہ مالی سال میں اس ریاست کے ۱۳ ضلعوں میں پانی کے ذرائع جیسے ٹوب دیل / کنویں کی ازسیر نو کھدائی / تبدیلی / کھدائی کے کام کے لئے ۲۵ لاکھ روپے کی منظوری دی ہے۔ اس پروگرام کو مندرجہ ذیل ضلعوں میں رو بہ عمل لایا جائے گا۔ بانگورٹرا، مالہ، جنرلی اور شمالی ۲۴ پرگنہ، ہنگلی، ہولہ، اندیا، مرشد آباد، مناپور، مغربی دیناج پور، بیرجم، بردولن اور پرودیا۔

سیاحوں کی رہائش کیلئے میونسپل ٹورسٹ لوج

کوچ بہار اور جلیائی گڈی کے میونسپل حکام نے کوچ بہار اور جلیائی گڈی شہروں میں سیاحوں کی رہائش کے لئے دو ٹورسٹ لوج تعمیر کئے۔ ان لوجوں میں علی الترتیب ۴۲ اور ۵۵ بستر ہوں گے۔ ان میں سیاحوں کے لئے بہت ساری سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ ایک بستر کے کمرے میں غسل خانہ بھی منسلک ہے۔ نیز بڑے بڑے کمرے بھی یہاں ہیں جہاں بہت سارے بستر ہیں۔ یہاں رہائش کے لئے سیاح ان میونسپلٹیوں کے پاس درخواست داخل کر سکتے ہیں + + +

عامیوں کی انتخابات

بائیں محاذ کی نمایاں کامیابی

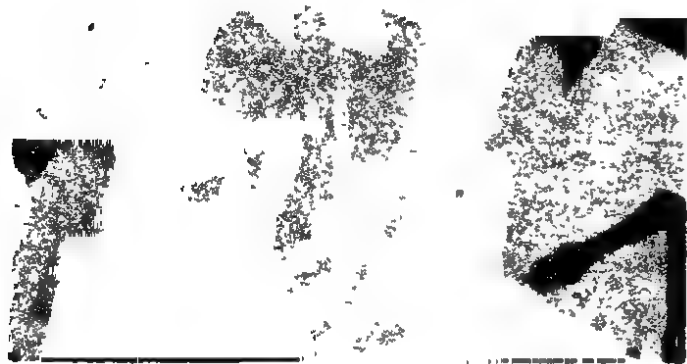
مغربی بنگال میں کل ۹۶ میونسپلٹیاں ہیں۔ ان میں سے ۵۷ میونسپلٹیوں میں جن میں ایک میونسپل کارپوریشن بھی شامل ہے، ۱۵ ارجن کو عام انتخابات ہوئے جن میں ۳۲۵۸ امیدواروں نے حصہ لیا۔ باقی ۲۱ میونسپلٹیوں کے لئے بہت ہی جلد انتخابات ہوں گے۔ ان انتخابات میں کم و بیش ۳۲ لاکھ ووٹروں نے ووٹ ڈالے۔ ان انتخابات میں نئی بات یہ ہوئی کہ پہلی بار ۱۸ سال کے لڑکھانوں کو بھی ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا۔

ان انتخابات کے لئے ۳۷۰۳ پولنگ بوتھ قائم کئے گئے جہاں تقریباً ۵۵ ہزار پولنگ افراد نے جو ریاستی حکومت کے حزمین ہیں بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیے۔ ہر پولنگ بوتھ میں ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد اوسطاً ۶۰۸ تھی۔ پولنگ صبح پرانے بجے شروع ہوئی اور ساڑھے تین بجے دن تک جاری رہی۔ ہر جگہ پولنگ کے دوران مجموعی طور پر امن و امان بحال رہا۔

ان انتخابات میں بائیں محاذ کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور ۵۷ میونسپلٹیوں میں سے ۵۶ میں بائیں محاذ کو اور گیارہ میں کانگرس قافی کو اکثریت حاصل ہوئی۔ ایک میونسپلٹی میں آزاد امیدواروں کو اکثریت حاصل ہوئی اور سات میونسپلٹیوں میں کسی بھی پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی۔

ان انتخابات میں بائیں محاذ کی کامیابی پر بائیں محاذ کے چیئرمین شری سروج مکرجی اور وزیر اعلیٰ شری جیتا باسو دونوں نے مغربی بنگال کے عوام کا دل شکریہ ادا کیا۔ شری سروج

مکرجی نے اپنے بیان میں کہا کہ جیتا باسو کے نتائج سے تمام پیش گوئیاں غلط ثابت ہو گئیں۔ وہ ٹروٹوں نے ریاست کی فرقہ پرست اور تفریق پسند قوتوں کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے ریاست کے لوگوں سے کہا کہ وہ سب رجعت پسند، تفریق پسند اور فرقہ پرست قوتوں کی عوام دشمن تحریک سے جو کس رہیں اور ریاست میں



مغربی بنگال میں عام میونسپل انتخابات، ۱۹۸۶ء کی پولنگ کا ایک منظر: تصویر: مدھو سن گھوش

اتحاد اور پرامن جمہوری ماحول برقرار رکھیں۔

وزیر اعلیٰ شری جیتا باسو نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ انتخابات کے نتائج سے ایک بار پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ عوام بھنگلی کے ساتھ بائیں بازو اور جمہوری قوتوں کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ نتیجے نے ہمارے ہاتھ اور مضبوط کر دیے ہیں اور ذمہ داروں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ہم میونسپل علاقوں میں قربانی پر دوگرام کے سلسلے میں اپنے عہد کو پورا کرنے کی پختہ کوشش کریں گے؟

میونسپل انتخابات کی بابت اعداد و شمار درج ذیل ہیں:

مغربی بنگال میں میونسپلیٹوں کی تعداد	۹۶
انتخابات ہوئے	۷۵
ووٹروں کی تعداد	۳۳۵۶۴۸۱
داروؤں کی کل تعداد	۱۲۴۱
امیدواروں کی تعداد	۲۲۵۸

امیدواروں کی تعداد پارٹی کے لحاظ سے

سی پی آئی (ایم)	۸۱۱
سی پی آئی	۱۲۶
ناروڈ ہاک	۱۰۷
آر ایس پی	۸
کانگریس قائل	۱۲۰۹
کانگریس (ایس)	۲
جنتا	۴۱
بی جے پی	۱۳۷
سی پی آئی (ایم ایل)	۱
لوک دل	۱
آزاد	۱۷۳۸

کل ۲۲۵۸

انتخابات کے نتائج

میاں مجاز — رانی گنج، کھن، رامپور
برہمپور، بانکپور، رام جین پور، کھرپال، کھوار، کھرپور، چندن نگر
کارپوریشن، نارکٹھور، چاندانی، کون نگر، ریشٹر، بدیا بائی، اترپڑا
آرام باغ، چنورہ، بانس پڑا، بالی، جلیانی، گوڑی، اولٹا لہرہ
کلبہنگ، بلور گھاٹ، رانی گنج، کوچ پھار، دین، لٹا، پرولیا
پال، شہر، گودلا، بدکپور، جلیٹ پڑا، شینا گودہ، نئی لٹا، اینو
بارک پور، نارکتھ، دم، ساوتھ، دم، بارانگر، چندر کونا، بلور
شمالی بدکپور، رانی گنج، برکت پور، باراسات، بھیراٹ

بجڑ، کچھوا پڑہ، رانا گھاٹ، نوا دیپ، بیزنگا، شانتی پور، گوبر
ڈانگا۔ (کل ۵۶)

کانگریس (ایم): تملوک، برہمپور، دنیا گنج،
جنگی پور، جھلا، بنگاؤں، بٹے نگر، بھیل پور، سوری، اسرا پور، گاندی،
ریشٹر پور (کل ۱۱)۔

مذکورہ ۴۷ میونسپلیٹوں اور ایک میونسپل کارپوریشن

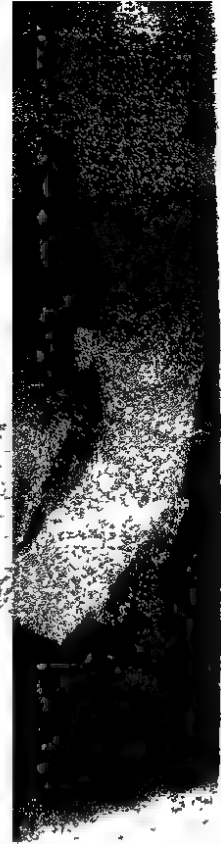
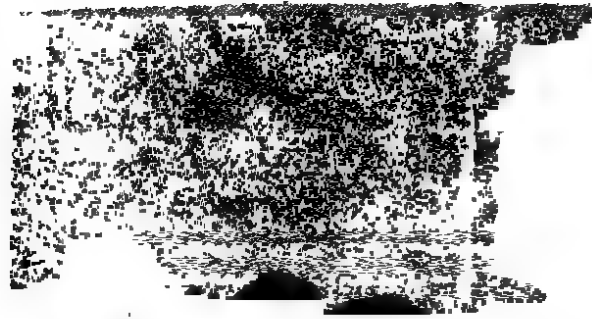


مغربی بنگال میں مام میونسپل انتخابات — ووٹوں کا گنتی کا ایک منظر

چلیں انتخابات ہرے اکوڑوں کی کشتیوں میں — ان میں
۶۳ کشتیوں میں آئیں محاذ کے امیدوار منتخب ہوئے اور ۳۲۳
کشتیوں میں کانگریس قائل کے امیدوار ۳۳ کشتیوں میں دیگر پارٹیاں
آزاد امیدوار منتخب ہوئے۔ ان ۳۳ کشتیوں کے لئے جو امیدوار منتخب ہوئے ان میں
امیدوار کٹال میں نہیں آئیں محاذ کی مختلف پارٹیوں کی امیدوار ماضی میں — اس طرح
کہ ایک سال کے بعد آئیں محاذ کے ۳۳ کشتیوں میں ۸۰ سے زیادہ امیدوار مسدود کیا جائے
ماضی کی۔

انتخابات کے ضلع دار نتائج

ضلع	میونسپلٹی	بائیں ملاز	کانگریس الگ	نہ بائیں ملاز اور نہ کانگریس الگ اگر اکثریت حاصل ہوگی	آزاد
برودان	۳	۳	۴	۴	۴
بیرجھوم	۳	۱	۱	۱	۴
بانکوتا	۳	۱	۱	۱	۴
منا پور	۸	۷	۱	—	۲
مچلی	۱۱	۹	۱	۱	۴
ہوش	۱	۱	۴	۴	۷
اقر ۱۲ پرگنہ	۲۱	۱۹	۱	۴	۱
دکن ۱۲ پرگنہ	۲	۲	۱	۱	۴
ندیہ	۴	۴	۴	۴	۴
مرشد آباد	۶	—	۴	۲	۴
جلیپائی گڑھی	۱	۱	۴	۴	۴
مالدہ	۱	۱	۴	۴	۴
دارجلنگ	۱	۱	۴	۴	۴
منوبادینا چور	۲	۲	۴	۴	۴
کوچ بہار	۲	۲	۴	۴	۴
پرولیا	۳	۱	۱	۱	۴
چندن نگر کارپوریشن	۱	۱	۴	۴	۴
	۷۵	۵۶	۱۱	۷	۱



وزیر بلدیات و شہری ترقی شری پرشانتو سوامی ۲۴ جون ۱۹۶۶ء کو پرودھ نگر میں پناہ گزینوں کو زمین کی دلیل پیش کرتے ہوئے۔
نیچے : وزیر موصوف جی سی۔ آر سی کی قیادت میں نو آباد کاری مرکز کی تعمیراتی سرگرمیوں کا معاہدہ کرتے ہوئے۔
تصویر : موصوف جی سی۔ آر سی کی قیادت میں نو آباد کاری مرکز کی تعمیراتی سرگرمیوں کا معاہدہ کرتے ہوئے۔



REGISTERED MAIL
1st JULY 1946



Postal Regd. No. W5C C-52
Vol-33 No-13
PRICE 12 Pence



بال پانڈا کلکتہ میں حکومت مغربی بنگال کا تعمیر کردہ پلٹر انگو بیس بجہ کی افتتاحی تقریب :
اوپر - مشہور ڈرامہ نویس اور فنکار شری مون موہن رائے منیچ کا افتتاح کرنے ہوئے ۔
نیچے - افتتاحی تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو بحیثیت مہمان خصوصی تقریر کرتے ہوئے ۔
تعمیرات : اجیت داس

مغربی بینک

مغربی بینک

۱۹۹۶ء

26 AUG 1996

26 AUG 1996



شجر خریداری

مبالغہ نمونہ ہے اس شجرہ کا قیمت : بارہ پیسے

قریبین زرگاہ

پرنسپل

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۲- آر این، سکریٹری

کلکتہ - ۷۰۰۰۱

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹاپارہ

مدیر : دھرمپراناتھ دت

مدیر معاون : مسند اعظم

جلد نمبر ۳۲ * ۱۵ جولائی ۱۹۸۶ * شمارہ نمبر ۱۲



مل ہی میں مسنق علاقوں کو آلودگی سے پاک رکھنے کے پروگرام کے تحت ہندیا میں وزیر جنگ شری اجنورا نے پودا لگاتے ہوئے۔



ترقی کی راہ پر گامزن

بائیں محاذ حکومت

از: شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

بائیں محاذ حکومت کے برسرِ اقتدار آنے کے وسائل ۲۱ جون ۱۹۸۶ء کو مکمل ہو گئے۔ ان برسوں میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے وقت جن پروگراموں کو ہم لوگوں نے پیش نظر رکھا تھا، انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہم نے مسلسل کوششیں کیں۔ ہم نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ عوامی نظام کے بہت سارے اقدامات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عام لوگوں کی دشواریوں کو دور کیا جائے۔ ہم لوگوں نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ ہمارے عوام کے تمام طبقوں کے جمہوری حقوق اور شہری آزادی برقرار رہے۔ ایسے حقوق اور آزادی کو، جنہیں جمہوریت میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، کانگریسی دورِ حکومت میں جبراً چھین لیا گیا تھا۔

اپنے اعلان کردہ پالیسی کے مطابق ہم لوگوں نے عوام سے انکی نمائندہ تنظیموں کے ذریعہ مسلسل رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ سیاسی نظریے سے مرکزی حکومت نے ہمیں سماجی انصاف سے محروم رکھا ہے، اسکی وجہ سے، ساتھ ہی موجودہ سرمایہ دارانہ۔ جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے ہم جن مسائل اور دشواریوں سے دوچار ہیں، ان سے ہم عوام کو وضاحت کے ساتھ آدھ شناس کر رہے ہیں۔ ہمارے برسرِ اقتدار آنے سے قبل بھی برسوں تک مغربی بنگال مرکز کی نظرِ کم سے محروم رہا۔ چند محاذوں پر چھٹا دہائی کے درمیانی عرصہ میں ہمدی ریاست کا غیر تشفی بخش ترقی کی وجہ حکومت ہند کی نا تفریقی اور نا عوامی رویہ ہے۔ ہم اس بات پر بخود پر غور کر سکتے ہیں کہ ہمارے نظریے کو کم و بیش مغربی بنگال کے عوام نے تسلیم کر لیا

گرچہ عوام زندگی کی مختلف شعبوں میں مسلسل مسائل سے دوچار ہیں لیکن اس کے باوجود وہ سب ہماری حکومت کے ساتھ پر خلوص تعاون کر رہے ہیں۔

عوام اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر امن کی کانگریسی حکومتوں اور ہماری حکومت کے درمیان بنیادی فرق کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہماری ریاست کی آبادی کی اکثریت کو کافی حد تک بیدار کر دیا گیا ہے اور اب وہ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ ریاستی حکومت بنیادی تبدیلی نہیں لاسکتی، بس یہ عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے چند اقدامات کر سکتی ہے۔ عوام کی شدید ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اہم اقدامات کرنے سے کانگریسی حکومتوں نے کافی غفلت برتی ہے۔ ہمارے عوام میں اس بات کا احساس بڑھتا ہی جا رہا ہے کہ ایک حکومت، جیسی کہ ہماری ہے، اگر حکومت کے نا انصافی پر مبنی اور عوام دشمنی اقدامات کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کرتی ہے۔ ہماری حکومت پہلی حکومت ہے جس نے دفاع کے صحیح جذبہ کے تحت مرکز۔ ریاست تعلقات کو از سر نو مرتب کرنے کا زبردست مطالبہ کیا ہے۔

ہم اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ تمام جمہوری اداروں میں انتخابات منعقد کئے جائیں۔ ریاست میں کانگریسی حکومت نے تقریباً دو دہائی کے عرصہ میں پنچا یٹوں اور شہری اداروں کے لئے انتخابات نہیں کرائے۔ لوگ اس امر سے واقف ہیں کہ یہ حکومت کے تحت معزورہ عرصہ کے بعد پنچا یٹ اور میونسپل انتخابات منعقد ہوتے ہیں۔ صرف چند دنوں قبل ۵۷ میونسپلیٹیوں

میں انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں لوگوں کی بڑی اکثریت نے ہمارے حق میں ووٹ ڈالے۔ اس نے ہماری ذمہ داریوں کو اور بھی مستحکم بنا دیا ہے اور یونیسپیوں کے ترقیاتی پروگراموں کے سلسلے میں ہم لوگوں نے جو وعدے کئے تھے انہیں پورا کرنے کے لئے ہم بھرپور اور پر خلوص کوشش کریں گے۔

گزشتہ ۹ برسوں سے مختلف شعبوں میں ہم ترقی کی راہ پر بڑی تیزی سے گامزن ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ اب لوگوں کی خود اعتمادی اور خود احترامی کی بجائے مثبتی نشانات رونما ہوئے ہیں۔ گزشتہ ۹ برسوں میں مغربی بنگال میں تشدد اور فسادات کے اہم واقعات رونما نہیں ہوئے۔ چند گمراہ عناصر کو جو فسادات پھیلانے رہتے ہیں، دبا کر رکھا گیا۔ اس ریاست میں مختلف مذہبی، لسانی اور ثقافتی فرقہ کے لوگ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہاں ہر بچوں، قبائلیوں اور عورتوں کو ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جاتا۔

زرمی اور صنعتی سیکٹروں میں چند نمایاں تبدیلیاں لانے کے لئے باہمی محاذ حکومت کی کوششیں خیر آمد ثابت ہوئیں۔

زراعت میں ہم نے بہت سارے اقدامات کو نوبہ عمل لایا۔ اس کی وجہ سے زرمی پیداوار میں بے درجہ اضافہ ہوا۔ صرف متواتر شدید خشک سالی کے دو برسوں میں پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا۔ ۱۹۸۶-۸۷ء کے لئے زرمی اجناس کی پیداوار کا نشانہ ۹۷ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔ گزشتہ سال ہم لوگوں نے ڈیچ امداد کے ساتھ مغربی بنگال میں ترائی کے پسماندہ علاقے میں ایک پروگرام شروع کیا تھا۔

اس پروگرام کا مقصد یہ تھا کہ ان علاقوں میں زرمی پیداوار میں اضافہ ہو۔ مضافاتی ترقی کے پروگرام میں اصلاحات آراغی پر کافی زور دیا گیا ہے۔ یہ کہ اہم کامیابی نہیں ہے کہ ۱۹۸۵ء تک ۸۱۰ لاکھ ایکڑ قطعات آراغی ۱۶۲ لاکھ غریب اور بے زمین کٹوں میں تقسیم کئے گئے۔ مستفید ہونے والوں میں شیعہ لڈکاسٹ وڑائپ کی تعداد نصف تھی۔ برگداروں کے نام کو ریکارڈ سس میں درج کرنے کا کام جاری ہے۔ دستیاب اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سال کے ستمبر مہینے کے آخر تک

۳۳۲ لاکھ برگداروں کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے۔

وہی ترقی کے کام میں پنچایتی ادارے بہت ہی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں دیانتوں کی حالت میں بہتری لانے سے وابستہ تمام اسکیموں اور پروگرام کی تکمیل کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دیہی علاقوں کے مختلف مسائل کو حل کرنے میں یہ ادارے بہت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں، جیسے جہاں ان بائوٹل کر دہرائی جاتا ہے جو میں نے ۱۶ اگست ۱۹۸۵ء کو وزیراعظم کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ ان تمام سرگرمیوں میں پنچایتوں کی کارگزاری قابل ستائش ہے، اصلاحات آراغی کے میدان میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہماری ریاست کو سارے ملک میں اعتبار کا خصوصی مقام حاصل ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پنچایتوں کے زیرِ اہتمام مقامی لوگوں نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسی طرح جاری ریاست میں کام کے لئے خوراک (غومی مضافاتی روزگار پروگرام اور مضافاتی بے زمین بے روزگار ضمانت پروگرام کی کامیابی کے ساتھ تکمیل میں عوام کی شرکت نے نمایاں کردار ادا کیا۔ منصوبہ بندی کمیشن کے اعداد و شمار کی تنظیم کی آخری رپورٹ میں یہ باتیں درج ہیں کہ مغربی بنگال میں پنچایتوں کی شرکت سے پروگراموں کی منصوبہ بندی اور تکمیل کے کام میں بہتر تالی میل پیدا ہوئی ہے۔ ۸۶-۸۷ء سے بلک سطح تک نام کو منصوبہ بندی کو رائج کرنے سے منصوبہ بندی کی طریقہ کار میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس تجربہ کو ہر جگہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ پورے منصوبہ بندی کے نظام میں لوگوں کو شمول کرنا ایک جرأت مندانہ ہے۔ پنچایتوں میں صحیح طور پر توجہ کو مرکوز رکھنے کے لئے منصوبہ مرتب کرنے میں بجلی سطح سے پہلے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ہم ریاستی سطح سے ملک سطحوں کے مابین مسلسل باہر گر عمل اور تالی میل پر زور دیتے ہیں۔ اب مغربی بنگال کی صنعتی فضا زور پاتی جا رہی ہے۔ چند برسوں قبل تک مغربی بنگال میں صنعتی وجود چھایا ہوا تھا اور اس کی وجہ مرکزی حکومت کی سربراہی کاری میں کمی اور پراپیٹی کا دوباروں کو ماحولیاتی اداروں سے ترقی کی بہت ہی کم سہولتوں

کی فراہمی ہے۔ بہت سے کیمونل میں تو مغربی بینکال میں صنعت کاروں کو صنعتی لائسنسوں سے محروم رکھا گیا۔ یہی اسباب کا ذکر کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ چند پرائیویٹ سرمایہ کار بھی مغربی بینکال میں سرمایہ کاری کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھے۔ اس ریاست میں صنعتی سرگرمیوں کا انحصار خاص طور سے حکومت ہند کی پالیسیوں اور اقدامات اور مرکزی حکومت اور عوامی مالیاتی اداروں کی سرمایہ کاری کی قیمت پر ہوتا ہے۔ بڑے صنعتی سیکٹر کے میدان میں ریاستی حکومت بہت ہی محدود کردار ادا کر سکتی ہے۔ مرکزی حکومت نے لمبے عرصہ تک مغربی بینکال سے بے التفاتی برتی، نیز مرکز نے ہمارے ساتھ بڑے مشترکہ سیکٹر کے صنعتی اداروں میں شریکیت کرنے سے انکار کر دیا۔ ان باتوں کے پیش نظر ہم لوگوں نے متوسط درجہ کے اور بڑے پیمانے کے صنعتی سیکٹروں میں پرائیویٹ سرمایہ کاروں کے ساتھ مشترکہ پروجیکٹوں کا خیر مقدم کیا ہے۔ ہم لوگوں نے مشترکہ سیکٹر کے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے اپنی تسلیم شدہ پالیسی پر نئے سرے سے زور دیا ہے۔ پرائیویٹ کاروباریوں اور صنعت کاروں نے ہماری اس پالیسی کا خیر مقدم کیا ہے اور اب انہوں نے ہمارے ساتھ مشترکہ سیکٹر میں ایسے پروجیکٹوں کے قیام کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ بسندہ علاقوں میں زیادہ تر سرمایہ کاری اور نئے انفراسٹرکچر کے امکانات کافی روشن ہیں۔ ہالدر پشور۔ کیمیکل کو بھگلس کے قیام کی راہ میں حائل اہم اہم دشواریوں کو دور کر دیا گیا ہے اور اب ہم اس پروجیکٹ کو چالو کرنے کے لئے حکومت ہند کی اجازت کے منتظر ہیں۔ سالٹ ایک، کلکتہ میں الیکٹرونکس صنعت میں مشترکہ سیکٹر اداروں نے معاشی سرگرمیوں کے نئے مواقع کی راہیں کھول دی ہیں۔ اس ریاست کے مختلف علاقوں میں مراکز انفراسٹرکچر کو ہماری صلاحیت کے مطابق فوری سہولتیں فراہم کی گئی ہیں تاکہ وہ ترقی کریں اور نئے سرمایہ کاروں کو مدعو کریں۔ خان میں برآمدات پر سیسٹم علاقہ کی بہت ہی اچھی شروعات ہوئی۔ گوشہ نور میں دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی جن میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم ہوتا ہے، اجیار نو اور ترقی کی

رفتار قابل ذکر ہے۔ اس سیکٹر کی ترقی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ہماری حکومت ان صنعتی علاقوں میں بحسن و خوبی خاطر خواہ اختیارات حاصل ہیں، تیزی سے اقدامات کرتی ہے۔ صنعتی شعبہ میں، ہم لوگوں نے ایک مناسب نفاذ کو برقرار رکھا۔ محنت کش طاقت نے ہم لوگوں میں ایک ایسی حکومت کو پایا جو ان کے کاڈ کی ہمدرد ہے۔ ہم لوگ مزدوروں کے جائز مطالبات کے لئے انکی جدوجہد میں ان کے پاس کھڑے ہونے کی ہمیشہ کوشش کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ وہ اس ریاست کی معاشی ترقی میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کریں۔ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تنازعہ کے تصفیہ ہونے کے بعد کچھ نئے شرائط پر زور اور مالک دونوں عمل کریں۔ اس سال ہماری ریاست میں بہت ہی خلوص کے ساتھ بوم مٹی کی مدد سائیکل بنائی جا رہی ہے۔ مزدوروں نے ایک بار پھر عہد کیا ہے کہ وہ سب اپنے اتحاد اور استحکام کو برقرار رکھیں گے۔

اس ریاست میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ کے لئے حکومت کے کئے گئے اقدامات کی وجہ سے، بجلی کی صورت حال میں کافی بہتری آئی ہے۔ ۱۹۶۰-۶۱ اور ۱۹۶۱-۶۲ کے دوران بجلی کی پیداوار کی تقییمی صلاحیت میں ۱۰۰ سے زیادہ میگا واٹ کا اضافہ ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بجلی کی پیداوار ۱۹۶۲ کے مقابلہ میں ۱۹۶۱ میں مسلسل زیادہ ہوئی۔ جوں کہ بجلی کی مانگ میں بھی تدریجاً اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اس کے لئے اس صورتحال کا متبادل کرنے کے لئے ہم لوگ مناسب اقدامات کر رہے ہیں۔ بجلی پیدا کرنے کے چند نئے پروجیکٹوں کے تعمیراتی کام بہت جلد شروع کر دئے جائیں گے۔ اب اس بات پر بھی زور دیا جا رہا ہے کہ بجلی کی صورت حال کو مستحکم بنانے کے لئے بجلی پلانٹ کی پیداواری صلاحیت میں بہتری لائی جائے۔

تعمیم کے میدان میں ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ حسب معمول صورت حال کو برقرار رکھا جائے اور موجودہ صورت حال کے تحت چنانچہ ممکن ہو سکے طلباء کو ایسی سہولتیں

قراچم کی ساتیوں ناکوہ و شگوار اور پڑاؤں میں اپنی تعلیم کو جاری رکھیں۔ ہم لوگوں نے حکومت ہند کی تہمت کو وہ سنگی تعلیمی پالیسی کا بابت اپنے خیالات کا واضح طور پر اظہار کر دیا۔ ہمارے خیال میں اس پالیسی کی بنیاد و عباد امان ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ سماج کے مستثنیٰ بھر لوگوں کے مفادات کی خدمت کی جائے۔ ہمارے اختیارات محدود ہیں اور ہمیں بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن ان کے باوجود ہم تمام شعبوں میں سرگرمیوں میں جیزی لائن کی کوششیں کر رہے ہیں۔ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ چند ملکوں میں اب بھی مسائل موجود ہیں۔ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے مسلسل اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

شاہراہ اعظم رینڈر انا تھ کی ۱۲۵ ویں سالگرہ کے موقع پر ہمارے حکومت نے سال بھر کے لئے ایک جامع پروگرام کو اپنایا ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ شاہراہ اعظم کی تحریروں کے مختلف پہلوؤں کے دور رس اثرات کی اشاعت کی جائے۔ اس پروگرام کا پہلا دور خیر عافیت سے پایہ اختتام تک پہنچا۔ دوسرے ادوار شروع کرنے والے ہیں۔ اس موقع پر نیگور کے شعور اور مطیع نگر سے وابستہ بہت سارے لیے عرصہ کے پروجیکٹوں اور پروگراموں کو رو بہ عمل لانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

اختتام سے قبل میں عوام سے پرندہ راہیں کرنا ہوا کہ ملک کی ایک جیتی اور اتحاد کو برقرار رکھیں یوں کہ چند شر پسند عناصر ہمارے قومی ڈھانچہ کو کمزور بنانے میں سرگرم عمل ہیں۔ افتراقی طاقتیں جیو جیو سر اٹھانے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ ملک کے تمام صوبے سوچ و چار کی طاقتوں کو اس بات کا افسوس نوحہ کرنا چاہتے کہ وہ ان تغیراتی پسند طاقتوں کے ناپاک ارادوں کو رکھیں کر رکھ دیں گے اور ملک کی ایک جیتی اور اتحاد کے علم کو بلند کر کے لہرائیں گے۔

اردو پڑھیے لکھیے اور بولے

بقیہ : غالب کے نقطہ

یہ لاشیں بے گفن اس پر خستہ جان کی ہے
حق مغفرت کرنے عجب آزاد مرد تھا
اپنے ایک عزیز کی موت پر یوں گویا ہوتے ہیں
نداں ہو جہنم ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب
فست میں ہے مرنے کی ٹٹا کوئی دن اور
خلو میں ایک جگہ اور نکلتے ہیں
ہندی کلام میں مرنے ڈیڑھ شعرا آگیا ایک
مطلع اور ایک معروف جو میر سے حسب حال

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ ضار کھتے تھے
جس خصوصیت نے ان کے اشعار میں انبیاء کی رنگ
بھریا وہ شوقی اور ظرافت قلمی سے

یہ مسائل تصوف، یہ ترا بیان غالب
تجہ ہم ملی سمجھتے جو بد بادہ خوار ہوتا
غالب کے طرز بیان کی خوبی یہ تھی کہ ایک بڑے مضمون
کو ایک شعر میں ادا کر دیتے تھے بلکہ ان کے کلام میں شہسپاں اور استعارے
نئے نئے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

جستی کے مت فریب میں آج بیاہتر
حالم تمام حلقہ دارم خیال سے
اور

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی بروہ داری ہے
آج غالب کے ہزاروں نقطے ہر کس و نا کس حکمران
پر چڑھ رہے ہیں اور روز مرہ کی بول چال میں استعمال ہوتے
ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کچھ ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

★★ (شکر یہ پاسبان جڑی گا)

بائیں محاذ حکومت کے ۹ سال

محنت کشوں کی فلاح و بہبود لیبر پالیسی اور پروگراموں کی کامیابی

بائیں محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں برسرِ اقتدار آنے کے نو سال پورے کر لئے۔ اس عرصہ میں مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے ریاستی حکومت کی لیبر پالیسی میں خاص طور پر ایک محنت مند اور مستحکم ٹریڈ یونین کی افزائش اور فروغ پر زور دیا گیا ہے، کیونکہ ایسے ٹریڈ یونین ہی محنت کش طبقہ کی ضرورتوں اور تئناؤں کو پورا کرنے کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں گے۔ بائیں محاذ حکومت نے ریاستی لیبر مشاورتی بورڈ کی احیاء کی اور اب اس سہ طرفہ فورم میں مزدوروں کی بابت تمام اہم مسائل پر بحث کیا جاتا ہے۔ حکومت نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس ریاست میں برابری اور سادگاری نسبی ماحول قائم رکھا جائے اور محنت کش طبقہ کے حقوق اور مفادات سے وابستہ تمام امور پر مرکزی ٹریڈ یونین تنظیموں سے بات چیت جاری رکھی جائے تاکہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر مزدوروں کو حقیقی اجرت اور تنخواہ ملے۔ ریاستی حکومت اس پالیسی پر عمل پیرا ہے کہ صنعتی تنازعات کا مختلف سطحوں پر مسلسل بات چیت کے بعد سمجھوتہ ہو۔ موجودہ دھماچے کے تحت ایک ریاستی حکومت کو بہت ساری بندشوں کے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے کام کرنا پڑتا ہے، لیکن ان تمام رکاوٹوں کے باوجود مغربی بنگال میں گزشتہ ۹ برسوں میں بے عرصے کے صنعتی دائرہ سمجھوتے ہمارے لیبر پالیسی کی کامیابی کی دلالت کرتے ہیں۔ اس ریاست میں بڑی بڑی صنعتوں میں بے ہنگام مزدوروں کا درد نفاذ اور ان کی کم از کم شرحوں میں مسلسل اضافہ ضرورتوں کے مطابق ہے۔ عیاں ہو چکا ہے کہ صنعتی تنازعات میں پائے جانے والے مسائل اور ان کے حل کے مسائل میں بائیں محاذ اور دارالحکومت

میں چائے باغات کے مزدوروں کی یومیہ اجرتیں علی الترتیب ۱۵ اور ۳۶۰ روپے، ۲۰۱۲ اور ۲۰۱۳ روپے، ۲۰۱۳ اور ۲۰۱۴ روپے، ۳۸۱ روپے، اور ۲۰۱۴ اور ۲۰۱۵ روپے تھیں جو بڑھ کر ۱۹۸۸ میں علی الترتیب ۸۹۹ روپے، ۱۹۸۵ اور ۲۰۱۴ روپے، ۲۰۱۴ اور ۲۰۱۵ روپے اور ۲۰۱۵ اور ۲۰۱۶ روپے ہو گئیں۔ مرکزی حکومت کی رو بہ عمل لائی گئی معاشی اور صنعتی پالیسیوں کی وجہ سے یہ یک شہرہ سماجی۔ معاشی بحران میں گہر چکا ہے۔ اس کے نتیجے میں تالاؤں کا ہٹنا، چھٹاؤ اور غیر وکی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ تمام مزدوری چیزوں کی قیمتوں میں بھی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک مسلسل افراد زر کے بوجھ سے ان تمام باتوں کی وجہ سے محنت کش طبقہ نے مسلسل جدوجہد سے جو مراعات حاصل کی تھیں وہ سب بے اثر ہو گئیں۔ مغربی بنگال میں آجروں کی طرف سے بڑھتے ہوئے حملوں اور اشتعال کے پیش نظر بہادر محنت کش طبقہ نے اس صورت حال کی بابت بہت ہی متعینانہ سوجھ بوجھ اور ضبط و تحمل کی نمائش کی ہے۔ ۱۹۸۵-۸۶ کے عرصہ میں ۱۱۴۶ تالا بندی کی وجہ سے کام کرنے کے ۷۲ کروڑ دن اور ۵۹۵ ہزار تالوں کی وجہ سے کام کرنے کے ۵۵ کروڑ دن ضائع ہوئے۔ اس بات سے یہ ظاہر ہے کہ مختلف تالا بندی سے تقریباً ۱۰ فیصد کام بندی اور کام کرنے کے دن ضائع ہوئے ہیں۔

ٹریڈ یونین کے حقوق

بائیں محاذ حکومت کا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ آجروں کے من مانی حقوق کو دبانے، صحت مند اور ہم آہنگ صنعتی تعلقات کو برقرار رکھنے اور مالکوں سے مزدوروں کی طرف سے بات چیت کرنے کے ایک تشفی بخش نظام کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ ٹریڈ یونین حقوق کی حفاظت کی جائے اور مالکوں سے بات چیت کرنے کے لئے مناسب لوگوں کو منتخب کیا جائے۔ ٹریڈ یونین (مغربی بنگال ترمیمی) بل ۱۹۴۷ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ریاستی لیبر مشاورتی بورڈ کے مشورہ سے پورے ملک کے ذریعہ بات چیت کرنے کے لئے ایجنٹ منتخب کئے جائیں اور ہر منتخب ایجنٹ کو نام کو صدر کی منظوری کے لئے بھیج دیا جائے۔ ایسا معلوم ہوا ہے

کہ حکومت ہذا اس بل کی دفعات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ خاص طور پر پوشیدہ ووٹ سے وابستہ دفعہ کو۔ لیکن یہ نظام بہت پرانے اور جمہوری ہے اور چند صنعتی یونٹوں میں اسے کامیابی کے ساتھ رو بہ عمل لایا گیا ہے۔

پاٹ صنعت:

پاٹ صنعت کے مزدور عرصہ دراز سے ایک بہت ہی مشکل صورت حال سے دوچار تھے۔ مغربی بنگال کی ۵۵ پاٹ ملوں میں تقریباً ۲ لاکھ مزدور برسہا روزگار ہیں۔ یہ قدیم صنعت آج بہت ساری دشواریوں جیسی صنعت کے ذریعہ فنڈ کی منتقلی، جدید ٹیکنائٹس اور آلات کے لئے سرمایہ کاری کی کمی، مالیاتی بد نظمی، گھوٹا سالیٹ کی کمی، بازار کی کمی، درمیانی لوگوں اور بااثر پاٹ ملوں کے ذریعہ خام پاٹ کی ذخیرہ اندوزی، خام پاٹ کی قیمتوں میں استحکام کی کمی کو غیر سے دوچار ہے۔ پاٹ صنعت کو خوبانے کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی اور اس ریاست میں نام مرکزی ریڈیو بین تنظیموں اور سیاسی پارٹیوں کی سفارشات کے معاملہ میں مرکزی حکومت سے ریاستی حکومت کو شدید خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس صنعت کے لئے مصنوعی مبادلہ مصنوعات تیار کرنے کے سلسلہ میں مرکزی حکومت کی پالیسی نے مزید مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

ہر سال مختلف مدتوں کے لئے تقریباً ۱۵ پاٹ ملوں میں انتظامیہ کی طرف سے تارہ بندی کا اعلان کر دیا جاتا ہے، یہ انتظامیہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ مزدوروں کا نقصان کو کم مزدوروں کے مسائل کو حل کیا جائے۔ پاٹ ملوں میں تارہ بندی کو اٹھانے اور مزدوروں کے روزگار اور دیگر حقوق اور سہولتوں کے تحفظ کے لئے باتیں محاذ حکومت اور ریاستی مصالحتی ادارے مسلسل کوششیں کر رہے ہیں۔

بونس کے معاملے میں ریاستی حکومت تنازعات کے بات چیت کے ذریعہ باہمی سمجھوتہ پر یقین رکھتی ہے۔ بہت سارے معاملات میں بونس کے سلسلے میں تنازعات کا دو درجہ سطح پر تصفیہ ہو گیا اور ایسے تنازعات جہاں ریاستی حکومت کی مصالحتی

مشینری کو داخلہ کوئی بڑی کی تعداد کم ہو گئی۔ بہر حال بائیں محاذ حکومت کا یہ خیال ہے کہ قیمتوں کی بڑھتی ہوئی سطح کے پیش نظر کم از کم بونس کو ۸۰ فی صد سے بڑھا کر کم از کم ۱۰ فی صد کر دیا جائے اور ۲۰ فی صد کی اضافی حد کو کم کر دیا جائے۔

کارخانوں میں مزدوروں کے تحفظ اور صحت کے لئے حسب ضروری اقدامات کرنے کے سلسلے میں نفاذ مشترک کو مستحکم بنانے کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ کارخانوں کی نظامت میں ایک کمیٹی کی شاخ قائم کرنے کی منظوری دی گئی ہے۔ اس شاخ کے سربراہ کمیٹی کی انجینئرس ہوں گے۔ اس نظامت کی صنعتی سمٹ سیکشن کو بھی کارخانوں کے مزید میڈیکل انسپکٹرز کی تقرری کے ذریعہ اور بھی مستحکم بنایا جائے گا۔ بونسلر نظامت کا ایک شاخ۔ دفتر فراخاہ کے نزدیک واقع ایک علاقہ میں قائم کیا گیا ہے تاکہ فراخاہ میں سوہنہ نقل پاؤں ٹرانٹ کی جانچ کے کام میں آسانی ہو۔ اسی دفتر کے ذریعہ شمال بنگال میں واقع دیگر بونسلروں کی بھی جانچ کی جائے گی۔

ملازمینوں کی ریاستی بیمہ اسکیم:

اس اسکیم کے تحت طبی مراعات کے انتظام کی ذمہ داری ریاستی حکومت کی ہے۔ اس اسکیم کے آغاز سے بیمہ شدہ مزدوروں اور ان کے خاندانوں کے لئے بوری طبی مراعات کی توسیع میں تاہم طبی اخروں اور نرسوں کی کمی ایک اہم مسئلہ بن چکی ہے۔ ماہرین کی اس کمی کو کچھ حد تک بی ایس سی کے ذریعہ نئی بھرتی سے اور مختلف طبی شاخوں میں پوسٹ گراجویٹ تربیت کے لئے جرنل ڈیوٹی میڈیکل اخروں کی تقرری سے پورا کیا جا رہا ہے۔ تاہم تقریباً ۱۹۸۵ میں نرسوں کے لئے ایک تربیتی مرکز قائم کیا گیا۔ اس کے مختلف ای ایس آئی شاخاؤں اور ہسپتالوں میں نرسوں کی کمی کو دور کیا جائے گا۔ ۱۲ ای ایس آئی ہسپتالوں میں جن میں ۲۱۰

بستر ہیں، ۱۲ سروس شاخاؤں، ۵۰ راجہ بیمہ انشورنس لاپ اور ۱۹۳۲ بیمہ ڈاکٹروں کے ذریعہ طبی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۵ میں ایک ترقیاتی کمیٹی

اور بالائی کورٹی میں زچگی کے ۲۰ بستروں کا اضافہ کیا گیا ہے اور
اضلاع ندیا اور شمالی چوبیس پرگنہ اور کلکتہ تبادلوں روزگار کے دفاتر
کے تقریباً سو لاکھ ملازمین کو پوری طبی سہولتیں فراہم کی جا
رہی ہیں۔

گزشتہ ۹ برسوں میں ریاستی حکومت نے اس
ریاست میں تبادلوں روزگار کے مزید ۲۲ دفاتر اور ۳۳۱ اطلاعات
روزگار اور امداد بیورو قائم کئے۔ ضلع پروڈیا کے رگھوناتھ پور میں
ایک اور ضلع بلار کے جھنپ میں ایک تبادلوں روزگار کے مزید ۲ دفاتر
کھولنے کی منظوری دی گئی ہے۔ ایسے دفاتر میں بے روزگاروں کے نام
درج کئے جاتے ہیں اور ریاستی حکومت کی پالیسی کے مطابق دفاتر
تبادلوں روزگار کے ذریعہ مختلف دفاتر میں اسباب پُر بھی کی جاتی ہیں۔
آج مغربی بنگال میں تبادلوں روزگار کے دفاتر میں ۴۰ لاکھ بے
روزگاروں کے نام درج ہیں، جبکہ سارے ہندستان میں رجسٹرڈ
بے روزگاروں کی تعداد ۲۵۰ لاکھ ہے۔ مذکورہ تعداد میں ایسے
بے روزگار بھی شامل ہیں جنہیں روزگار فراہم تو ہو گیا لیکن جن کے
بے روزگاری کے کارڈس کو آجوں نے تبادلوں روزگار کے دفاتر میں
واپس نہیں بھیجے۔ ایسے کارڈس حاصل کرنے کے سلسلے میں ایک مہم
جاری ہے۔

گزشتہ ۹ برسوں میں مغربی بنگال میں تبادلوں روزگار کے
دفاتر سے تقریباً ۱۱۵۰۰۰ بے روزگار افراد کو برسرِ روزگار کر دیا گیا۔
اس صورت حال میں مزید بہتری ہوتی اگر اس ریاست میں مرکزی
حکومت کے دفاتر اور ادارے اور پرائیویٹ ادارے تبادلوں روزگار
کے دفاتر کے ذریعہ اسامیوں کی بھرتی کرتے۔

خود روزگار اسکیم

ریاستی حکومت کے شعبہ محنت نے ۱۹۵۰-۵۱ء کے درمیان
۲۲ پرگنہ اور ہزارہ میں اور دیگر ضلعوں کے
ہزاروں زمینوں میں رجسٹرڈ بے روزگاروں کے لئے خود روزگار اسکیم
ابتداء کی۔ اس اسکیم کے تحت ایک پروجیکٹ کے لئے ۲۵۰۰۰ روپے
مقرر کیے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کی شرائط کو اور بھی آسان کر دیا گیا اور

اس کی دست میں اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس
ریاست کے زیادہ سے زیادہ بے روزگار افراد اس سے مستفید ہو
سکیں۔ پروجیکٹ کے کل اخراجات کا ۲۵ فیصد ریاستی حکومت
بجٹ اور امداد فراہم کرے گی۔ ۱۹۸۰-۸۱ء سال کی عمر کے ایک بے روزگار
شخص کو کم از کم ایک سال سے زیادہ عرصہ سے دفتر تبادلوں روزگار میں درج
ہے اور جس کے خاندان کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار روپیہ سے زیادہ
نہیں ہے، اب اس اسکیم کے تحت رجسٹریشن کا مستحق ہے، معذور
لوگ اور شہیدوں کے کاسٹ ڈرائف کے لوگوں کے لئے ان شرائط
میں مزید نرمی برتی گئی ہے۔ اس اسکیم میں شریک بننے والے ریاستی
حکومت کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ یکم اپریل ۱۹۸۶ء سے اس اسکیم
کو ساری ریاست میں پھیل دیا جائے۔ اب تک اس طرح کے ۶۰۰۰
کیسوں میں سے ایک ہزار سے زیادہ کیسوں کو بنکوں نے اپنی منظوری
دے دی ہے ۴۴

بقیہ : اصلاحات اراضی

جائیں گے اور پھر ان قطعات اراضی کو بے زمین لوگوں کے درمیان تقسیم
کر دیا جائے گا۔ اس ترتیبی ایکٹ کو دفعہ ۳۶ میں ایک تجویز یہ ہے کہ
ایک مونسٹر آرگنیزیشن اور علاقائی آرگنیزیشن کے بائیکاٹ۔ ان کارروائیوں
سے برکدار، جن کے نام ریکارڈس میں درج ہیں ان میں سے مانگوں سے
زراعتی زمین خریدنے کے لئے قرض حاصل کر سکتے ہیں۔ اس ایکٹ کی
دفعہ ۳۶ میں ایک امداد ہمسامہ صحت سوسائٹی قائم کرنے کی
گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ سوسائٹی جوئے قطعات اراضی کے
لوگوں کو قرض اور دیگر سہولتیں فراہم کر سکتی ہے ۴۵

مغربی بنگال زرنگ کونسل کو عطیہ

ریاستی حکومت نے حالیہ مالی سال کے دوران مغربی
بنگال زرنگ کونسل کو اس کے مناسب اخراجات کے لئے غیر محرک عطیہ
کے طور پر ۱۰۰ ہزار روپے دینے کی منظوری دی ہے ۴۶

بائیں محاذ حکومت کے نو سال

اصلاحات آراضی

بائیں محاذ حکومت کے اصلاحات آراضی پروگرام کے اہم مقاصد یہ ہیں کہ سب اقدار کے جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ نظام کو ختم کر دیا جائے، زرعی پیداوار کی راہ میں حائل دشواریوں کو دور کیا جائے اور کاشتکاری کو صحیح مقام پر بحال کیا جائے۔

۱۹۴۷ء سے بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے مضامین ترقی کے میدان میں جامع ترقیاتی اقدامات کو بروہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۵ء کے زمینی اصلاحاتی قوانین ایکٹ کے نفاذ کے بعد سے اصلاحات آراضی عدول سے زیادہ حصہ سے نفع دے، لیکن اس قانون کی دفعات اور ان کے اطلاق کے درمیان کافی فرق ہے۔ برسر اقتدار آنے کے بعد بائیں محاذ حکومت نے ان قوانین کو بروہ عمل لاکر اس صورت حال کو تبدیل کرنے کا مرحلہ لید گوشہ ۹ برسوں سے اس بات کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے کہ انتظامیہ میں بہتری لائی جائے تاکہ اصلاحات آراضی کے قوانین کی دفعات کو مناسب طور پر نافذ کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ ہی اصلاحات آراضی کے پروگراموں کو بروہ عمل لانے کے لئے ہر علاقہ میں کسانوں کی تنظیموں کے تعاون اور پنچائتوں کی سرگرم شرکت حاصل کی گئی۔ اس ریاست میں پہلی بار ترقیاتی پروگراموں میں لوگوں کی اور لوگوں کے نمائندوں کی براہ راست شرکت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

اصلاحات آراضی پروگرام کا پس منظر یہ ہے کہ اراضیات کی ملکیت اور آراضی تنظیم کے نظام میں جب ضروری تبدیلیاں لاکر مضامین معاشی و سماجی میں ترقی اور بے ضابطگی کو کچھ حد تک دور کر دیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر ایک جامع کثیر الشاخص

پروگرام کو بروہ عمل لایا گیا ہے۔ اس پروگرام کے تحت بے زمین کسانوں کے درمیان فاضل قطعات آراضی تقسیم کئے گئے اور برگداروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے امتیازات کئے گئے۔ نیز برگداروں اور قطعات آراضی کے نئے مالکوں کو سب ضروری زرعی سائز سامان فراہم کئے گئے، نیز انہیں اداوارہ جاتی قرض بھی فراہم کئے گئے۔ مضامین میں پہلے والے چند طبقوں کے لوگوں کو ان قطعات آراضی کے، جہاں ان کے مکان تھے وہاں اور چلندہ رہتے ہیں، حقوق ملکیت دے دئے گئے ہیں۔ موجودہ حکومت کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس ریاست میں قانون کے تحت قطعات آراضی کی انتہائی حد سے زیادہ فاضل قطعات آراضی کی کھوج لگائی جائے اور انہیں حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔ اگر اس کام کو تیزی سے بروہ عمل لایا جائے تو بہت سارے مفاد پرست اس رائج قانون کو پس انداز کر کے انتہائی حد سے گریز کرنے کا کوشش کر سکتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر انتظامیہ ان لوگوں کے خلاف جہنوں نے چاہو سکا سے فاضل قطعات آراضی کو اپنے پاس رکھا ہے، قانونی اقدامات کرنے میں مصروف عمل ہے۔ انتہائی حد سے زیادہ قطعات آراضی کی کھوج لگانے کے کام میں پنچائتوں کی مدد بھی لی جا رہی ہے۔ اب تک انتہائی حد کے دو قوانین کے تحت انتظامیہ کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ ۲۱، ۱۵ لاکھ ایکڑ زرعی زمین کے حقوق ملکیت حکومت کو حاصل ہو گئے ہیں۔

ان قطعات آراضی زمین کے حقوق ملکیت حکومت کو حاصل ہو گئے ہیں، ان کی تقسیم کے سلسلہ میں حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے قطعات آراضی بے زمین کسان کو دئے جائیں تاکہ وہ خود کفیل بن جائیں۔ اگر ان کسانوں کو زرعی سائز سامان اور مضامین ترقی دئے جائیں تو ان قطعات آراضی میں پیداوار میں اضافہ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کسانوں کو زرعی نقد ٹھکانے کے ذریعے پریشوں کی پرورش، کاشتکاری، صنعتی کاری وغیرہ بھی فراہم کئے گئے۔ ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ ان کی معاشی ترقی ہو اور اس ترقی کی رفتار تیز تر ہو۔ پنچائتوں میں اس کام میں سرگرم عمل ہیں۔ مشرک کوششوں سے ۳۱ دسمبر ۱۹۵۵ء تک ۱۸ لاکھ ایکڑ قطعات آراضی زمین کے حقوق ملکیت حکومت کو حاصل

ہو گئے۔ ۱۹۸۰ء لاکھ کنٹون کے درمیان تقسیم کئے گئے۔ یہاں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے کہ ان کنٹون میں ۵۵ فیصد کان شیلڈ وول کا سٹ ڈرائیو کے ہیں۔

برگنڈوں کے حقوق کا تحفظ اور اس بات کا خیال رکھنا کہ برگنڈ محفوظ طریقہ سے کاشتکاری کر سکیں اس پالیسی کی ایک اہم نیاں خصوصیت ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ۱۹۷۸ء کے بعد سے برگنڈوں کے نام کو ریکارڈس میں درج کرنے کے کام کو اعلیٰ ترین ترجیح دی گئی۔ ۱۹۸۵ء میں صرف ۳ لاکھ برگنڈوں کے نام ریکارڈس میں درج تھے۔ تب ریاستی حکومت نے ۲۰ اگست ۱۹۸۵ء کو اہم کا آغاز کیا اور ۳۱ دسمبر ۱۹۸۵ء تک ۱۳۳۹ لاکھ برگنڈوں کے نام ریکارڈس میں درج کئے گئے۔ برگنڈوں کے حقوق کا تحفظ کے لئے اور اس بات کے لئے کہ وہ محفوظ طریقہ سے کاشتکاری کر سکیں قانون میں حسب ضرورت ترمیمات لائی گئیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف مضافاتی معیشت کو مستحکم بنایا جائے تو دوسری طرف برگنڈوں کو اس بات کی ترغیب دی جائے کہ اپنے اپنے قطعہ آراضی سے پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کریں۔ اصلاحات آراضی سے مستفید افراد کو جن کو اور دیگر ادارہ سے زراعتی ساز و سامان، امداد، عطیات اور قرض و غیرہ کی سہولتیں فراہم ہوں۔ آئی۔ آر۔ ڈی۔ پی اور این۔ آر۔ ای۔ پی جیسے مضافاتی ترقی کے مختلف منصوبوں کے ذریعہ برگنڈوں (حکومت کے زیر اختیار قطعہ آراضی کی منتقلی ایسا اور برگنڈوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ ۱۹۷۹ء میں اس منصوبہ کے تحت ۵۰۰۰ لوگوں کو قرض دئے گئے جبکہ ۱۹۸۵ء کے خریف موسم میں ایسی سہولتوں سے ۲۵ لاکھ لوگ مستفید ہوئے۔

ریاستی زمین کی حصولیابی ایکٹ کے نفاذ کے سلسلے میں بھی کافی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس پروجیکٹ کے ذریعہ ۱۲.۸ لاکھ افراد کو نچاڑ کر کامیاب بنائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آراضی کے لئے مضافاتی آراضی کے لئے۔

شعبہ آراضی اور اصلاحات آراضی کی مسلسل رپورٹ

کوششوں کے ذریعہ ۱۹۸۵ء کے آخر تک اس ریاست کے شہری علاقوں میں ۷۸ لاکھ مربع میٹر قطعات آراضی پر ریاستی حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو گئے۔

۱۸ جنوری ۱۹۸۷ء سے کلکتہ ٹھیکہ راج کی ایکٹی کی وجہ سے کلکتہ اور چٹاگانگہ میں اور دیگر علاقوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ کلکتہ کے ۲۰۰۰۰ ٹھیکہ زمینوں اور ۹۰۰ زمین کے مالکوں سے باضابطہ رجسٹر مع امداد شدہ حاصل کی گئی ہے۔ ہرڑہ سے حاصل کردہ ایسی رپورٹوں کی تعداد ۹۰۰ ہے۔

برونڈیا اور مغربی وینا چ پر کے اسلام پور سب ڈویژن میں آراضی کے ریکارڈ جس میں قبائلیوں کے نام کے سلسلے میں تصحیح کے کام کی رفتار کافی تشفی بخش ہے۔ اس کام کے مکمل ہونے کے بعد قبائلیوں کے پٹے با اجارہ بردار کے لئے زمین پر حقوق مستحکم ہو جائیں گے۔

بائیں محاذ کے دور حکومت میں اصلاحات آراضی کے میدان میں بہت دور رس تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور اصلاحات آراضی کے قانون کی دفعات کے ذریعہ جہاں بھی ممکن ہو سکا سماجی انصاف کو وسیع کی گئی۔ یہ شعبہ ابھی مضافاتی اور شہری دونوں علاقوں میں قطعہ آراضی کے مناسب طور پر استعمال کی پالیسی کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کر رہا ہے۔ اس پالیسی کی تکمیل سے ایک متوازن معیشت کی افزائش اور ایک پرامن اور روشن مستقبل کے لئے کافی مدد ملے گی۔

ریاستی اسمبلی نے اپریل ۱۹۸۷ء میں مغربی بنگال اصلاحات آراضی (ترمیم) بل پاس کیا تھا اور اسے منظور کرنے کے لئے صدر کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ گزشتہ پانچ برسوں سے بائیں محاذ حکومت کی مسلسل کوششوں کے ذریعہ مالک میں ایسے بل کو صدر کی منظوری حاصل ہوئی۔ لیکن اس منظوری میں جذباتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کے لئے اس قانون میں چند ترمیمات کی ضرورت ہوگی۔

سرکار اہم نقطہ ہے کہ موجودہ زمینی بل کے پیش نظر مضافاتی آراضی کی ترقی میں کافی وسعت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ کافی مضافاتی آراضی پر حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو جائے گی۔

غالبؔ مقط

شاگردِ شاد تھی

ہوئی جب مرزا جعفر کی شادی
ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
کہا غالبؔ نے تاریخِ اسکی کیا ہے
تو دلا انشراحِ جشتِ جمشید
"انشراحِ جشتِ جمشید" ہے مرزا جعفر کی شادی کا سن
۱۲۷۰ ہجری نکلتا ہے۔

غالبؔ نے اکثر اپنے مقطعے میں محمد صغیر کا ذکر کیا ہے
جن میں بادشاہِ امراءِ اشعار سبھی شامل ہیں۔ بہادر شاہ نے
توق کے رحلت کر جانے کے بعد اپنا کلام مرزا کو دکھانا شروع کیا
چنانچہ غالبؔ نے قصائد کے علاوہ اکثر غزلوں کے مقطعے میں بہادر شاہ کا
شعار تو صیف کی ہے۔

غالبؔ دلیفِ خوار ہوں دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کر کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں
غالبؔ مرے کلام میں کہوں کہ مرزا نہ ہو
پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤں
اسی طرح ایک دفعہ جب بہادر شاہ نے بیماری سے
شفا پائی تو آپ نے کہا ہے

کہوں نہ دنیا کو جو خوشی غالبؔ
شاہِ دیں دار سے شفا پائی
خارسی شرار میں غالبؔ بیدل کے بڑے مرزا تھے۔
مرزا عبدالعزیز بیدل عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور مرزا غالبؔ
ان کے شیدائی تھے۔ مرناتے ہیں۔

یہ ظاہر یہ عنوان کچھ حامیانہ سا نظر آتا ہے، لیکن اس
حقیقت میں شک کی گنجائش نہیں کہ غالبؔ کے مقطعے ادبی اور سوانحی
حیثیت سے بہت اہم ہیں۔ ان میں آپ اپنی اور بگ بیتی دونوں کا
لطف موجود ہے۔ وہ خود اپنی روئدادِ زندگی کچھ اس طرح بیان کر
جاتے ہیں کہ یہ مقطعے ان کی خود نوشتہ منظوم سوانحِ عمری معلوم
ہوتے ہیں۔ یہ مقطعے بعض اوقات ہنگامہ آرائی کا سبب ہوئے۔
مثلاً مرزا غالبؔ نے جب شہزادہ جواں بخت کا سپہا کا تو مقطع
پر ہنگامہ بپا ہو گیا۔

ہم سخنِ جنم میں غالبؔ کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس سپہرے سے کہہ لے کوئی بہتر ہیرا
بادشاہ اور ناستلا شہزاد کو یہ ناگوار خاطر ہوا۔ چنانچہ
مرزا کو معذرت کرنا پڑی کہ ہے

مقطع میں آجڑی ہے سخنِ گسترانہ بات
مقصود اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
سو بخت سے ہے پیشہ آبارِ سپہرگی
کچھ شامی ذریعہ عزت نہیں مجھے
لیکن غالبؔ بھی بات کے دھنی تھے اور اپنی بات پھر
مقطع میں کہہ گئے۔

صادق ہوں اپنے قول کا غالبؔ خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ عجوبہ کی عادت نہیں مجھے
اسی طرح مرزا جعفر کی شادی پر ایک قطعہ تاریخ
آپ نے لکھا جس میں کہا ہے

استد ہر جانتی نے طرح بارغ تازہ ڈالی ہے
 مجھے رنگ بہار ایسا دیکھا بیدل پسند آیا
 مطربِ دل نے میرے تارِ نفس سے غالب
 ساز پر رشتہ پٹے لکھ بیٹل باندھا
 بلکہ ایک جگہ تو بلی تک فرما گئے ہیں
 استد قربانِ لطف جو رہ بیدل
 خسر لیتے ہیں لیکھ بے دلی سے
 مگر غالب کو آخسر طرزِ بیدل کی دشواریوں کا معترف

ہونا پڑا ہے

طسریز بیدل میں ریختہ لکھنا
 استد اللہ خاں قیامت ہے
 اردو شاعروں کے سر تاجِ مہرِ رتقی میر کے غالب
 بھی معتقد تھے۔ میر کے اشعار جا بجا غالب کے خطوط میں ملتے
 ہیں اور غالب میر کا نام بڑے احترام اور عقیدت سے لیتے ہیں اور

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہر غالب
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی مٹا
 بلکہ ایک جگہ تو اتنا فرما گئے ہیں کہ وہ
 مستر کے شعر کا احوال کہوں گا تم سے
 جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

غالب کے مقطعے واقعات و حوادث پر کچھ اس طرح
 صادق آتے ہیں جیسے کہ انہوں نے پیش گوئی کی ہو اور شاید ہی
 سبب ہے کہ ان کے مقطعے زبانِ زدِ خلایق ہیں اور خود مرزا کا یہ
 حال تھا کہ جب کوئی واقعہ بیان کرتے تو اپنا مقطع یاد آجاتا۔ مرزا
 نے مرثیے سے آٹھ برس پہلے اپنی تاریخِ وفات کا مادہ نکالا تھا جو
 ۱۲۷۷ھ تک تھا۔ حسن اتفاق دیکھتے اسی سال شہر میں وبا آئی
 لیکن مرزا غالب بچ گئے۔ اس امر کی بابت خطوط میں ایک جگہ
 لکھتے ہیں

”میں اس عام، لوٹ ایسی سخت اور کال
 ایسا پڑا تو پھر وہاں کیوں نہ ہو جبکہ لسانِ الغیب
 نے دس برس پہلے فرمایا ہے
 ہو چکیں غالب بل نہیں سب تمام
 ایک مرگ ناگہانی اور ہے
 اور میر نے ایسی وبا میں مرنا کبیر شان
 تھی“

اسی طرح اپنے خطوط میں ایک جگہ اور رقمطراز ہوتے

ہیں

”سترو بہترہ ترجمہ پیر حذف ہے۔ میری عمر
 ۷۳ سال کی ہے۔ اب یہ حال ہے کہ جو دوست
 آتے ہیں رسمی طور پر پرستشِ حال سے بڑھ کر
 جوابات ہوتی ہے کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا
 مغفوت ہے۔ صبح کو قند اور شیرہ بادام۔ دوپہر
 گو گوشت کا پانی اس پر شام تلے ہوئے
 کیاب اسوتے وقت پانچ روپے مہر شراب
 اور اسی قدر گلاب۔ سامع باطل بہت دلی
 سے تھا۔ رشتہ رفتہ اب وہ معدوم ہے۔ حرارت
 عزیز کی کا زوال ہے اور یہ حالت ہے کہ وہ
 معطل ہو گئے قوسے غالب
 اب عن امر میں اعتدال کہاں

اسی موقع پر ایک اور جگہ فرمایا ہے
 مر گیا عدد یک جنبش لب سے غالب
 ناتوانی کو حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

ایک شاعر نے میں غزل سنائی انوارِ شیف
 اور صدر الدین آزر دہ کہ جو ذکرِ حاضرین میں سے کسی نے داؤد کی
 میر نے شاعر نے میں مرثیہ آدمیوں کی داؤد کے متعلق یوں کہا ہے
 کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں

اب غالب غزل سنا نہ ہوا
 غالب کی بادیہ نوشتہ فرضی یا برائے شعر گفتنی نہ تھی بلکہ

وہ واقعہ دنیا نوشتیں تھے اور اس کا اقرار کھلم کھلا کرتے تھے۔
فرماتے ہیں یہ

مغل بچے بھی غضب کے ہوتے ہیں جس پر
مرتے ہیں اسی کو مار کر رکھتے ہیں۔ میں بھی
مغل بچہ ہوں عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ
دوستی کو میں نے بھی مار رکھا تھا۔ حالانکہ
اس واقعہ کو اب ہم برس ہو گئے ہیں لیکن
اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں تو
کھجور منہ کو آتا ہے !

مرزا کی عادت تھی کہ شراب اور گلاب ملا کر پیتے تھے
جبکہ ان کے منہ سے ظاہر ہے۔

آسودہ بادہ خاطر غالب کہ دوست
آسمین بن بادہ صافی گلاب را
شاید اپنی بادہ نوشی کی کیفیت دیکھ کر انہوں نے

فرمایا

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی !

لہذا اگر دشتی زمانہ اور بادہ نوشی نے جب قید فرنگ
میں ڈالا تو لباس کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو فرمایا
حیف اس چار گروہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا
یہ غالب کے ادائے بیان کی خوبی تھی کہ وہ خود اپنے
کسی عزیز کی موت پر اظہارِ الم کریں یا کسی کے سفر کا ذکر کریں لیکن
ان کے کلام کی کشش اور دلآویزی میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ چنانچہ ایک
جگہ فرماتے ہیں یہ

سر پہور بادہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ماہر سی اور غم کا بیان کرتے وقت یوں کہتے ہیں :
"نہ جزا نہ سزا، نہ نفرت نہ آفرین، نہ عدل
نہ ظلم، نہ قہر نہ پند، نہ دن پہلے تک

دن کو روٹی رات کو شراب ملتا تھی۔ اب
صرف روٹی مل جاتی ہے شراب نہیں ملواری
کے زمانے میں جس قدر کپڑا بچھونا اور لوٹنا
گھر میں حساب بچ کر کھایا۔ گویا اور لوگ
روٹی کھاتے تھے اور میں کپڑا کھاتا تھا۔ بے
رزق جینے کا دھب آگیا ہے۔ رمضان کا
مہینہ رونے کاٹ کاٹ کر کھایا۔ آئندہ
خدا رزاق ہے۔ اگر اور کچھ کھانے کو نہ ملا
تو غم ہے اور جینے کے واسطے اشک۔
سویاں ! ہم تو بے غم ہو گئے۔ تم اپنی فکر
کو رو۔

ہے اب اس معمورہ میں تخطی غم الفت آسودہ
ہم غیہ مانا کہ وہی ہیں رہیں کھائیں گے کیا ؟

جب زمانہ کی بے رحمتی نے ثابت کر دیا کہ دنیا میں کوئی بھی
کسی کا غم خوار نہیں ہے تو فرمایا

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

آخری عمر میں دنیا سے بے دلی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے

ہیں :

"میں اب انتہائی عمرنا پا بیدار کو بونچ کر
آفتاب لب بام اور ہجومِ امراض جسمانی سے
زندہ درگور ہوں۔ کچھ یادِ خدا بھی چاہئے
نعم و نثر کے علم رو کا التزام ایزد تعالیٰ کی مانت
واعانت سے خوب ہو چکا ہے۔ اگر اس نے
چاہا تو قیامت تک میرا نشان باقی اور قائم
رہے گا۔"

غالب بقول حضرت عاقلہ فیضی عشق

ثبت است بر جریۃ عالم و دام ما
لیکن اردو میں اس کی تشریح کرتے ہوئے

فرمایا

(بقیہ)

منجی بنگال میں زراعت اور آبپاشی

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
Printers, 34/1C, Shyampur, Street, Calcutta-700004.

MAGHREBI BANGAL
15 K - JULY 1986

Postal Regd. No. WBC C.
Vol-33 No - 34
PRICE 10 Pauc



مغربی بنگال میں ترقیاتی سرگرمیاں

اوپر : ہانک چک مالیہ میں آمدورفت کے لئے پختہ ہوئی
نیچے : گوجرل بالہ میں آدی باسپروں کے لئے مہاں اسکول





شرح خریداری

سالانہ تین روپے * اس شمارہ کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیل ذرا پتہ

پرنسپل

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور - حکومت مغربی بنگال
۶۳ - آر این اسکم چار روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ: پرنسپل بنگال پریس

مدیر: دھرم چندر ناتھ دت

مدیر کوٹاؤن: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * یکم اگست ۱۹۷۷ * شمارہ نمبر ۱۰

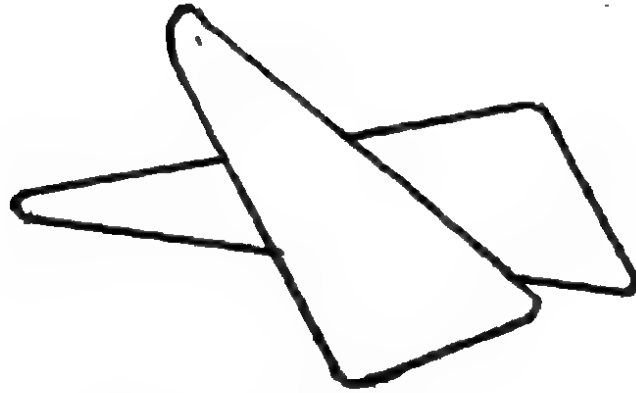


مغربی بنگال کے وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری پرو بھاش جھو دیکارہ ترکی دورہ کے وزیر ثقافت شری اینل سرکار اور مشرقی ہندوستان
کے ریاستوں کے نمائندہ کلکتہ میں مشرقی علاقائی ثقافتی مرکز، بولپور کے سلسلے میں مصفدہ اپنی ایک نشست میں ثقافتی امور کی
بابت گفت و شنید کرتے ہوئے۔



تم اپنی کرنی کر گزرو

اب کہیں اس دن کی منکر کرو
جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مٹ جائیں گے
تم خون و خطر سے در گزرو
جو ہونا ہے سو ہونا ہے
مگر ہنسنا ہے تو ہنسنا ہے
مگر رونا ہے تو رونا ہے
تم اپنی کرنی کر گزرو
جو ہو گا دیکھ جائے گا



اب کہیں اس دن کا ذکر کرو
جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مٹ جائیں گے
جو کچھ پایا کھو جائے گا
جو مل نہ سکا وہ پائیں گے

یہ دن تو وہی پہلا دن ہے
جو پہلا دن تھا جاہت کا
ہم جس کی تمنا کرتے رہے
اور جس سے ہر دم ڈرتے رہے
یہ دن تو کتنی بار آیا
سو بار بے اور آجڑے محنت
سو بار لٹے اور بھسپایا

فیض احمد فیض

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے لوگال

مضافاتی ترقی

۱۹۷۷ء میں جب مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت برسر

اقتدار آئی تو اس وقت پانچ لاکھ آبادی کے تقریباً ۵۰ فیصد لوگ غربت کی سطح سے بھی نیچے سطح پر زندگی گزارتے تھے۔ انکی مالی سہولت کے بغیر مغربی بنگال میں عمومی طور پر سماجی اور معاشی تبدیلی لانی ممکن نہ تھی، اور حکومت چنبرہ سول میں بائیں محاذ حکومت مختلف پروجیکٹوں کے ذریعہ مضافاتی ترقی کو بہت مددگار دور کرنے میں کامیاب ہوئی۔ ۸۲-۸۳ء میں قومی نمونہ جائزہ رپورٹ کے مطابق مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں غربت کی سطح سے بھی نیچے سطح پر رہنے والے لوگوں کی تعداد گھٹ کر ۸۳ فیصد ہو گئی۔ مضافاتی ترقی کے لئے کسی بھی منصوبہ بندی میں اصلاحات

آرامی کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بائیں محاذ حکومت نے دیہی ترقی کے لئے، جہاں اصلاحات آرامی ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہیں، ایک جامع نظریہ کو اپنایا ہے۔ اصلاحات آرامی کا اہم مقصد یہ ہے کہ زمین پر درمیانی لوگوں کے حق کو ختم کر دیا جائے اور ان پر حقیقی کانون کے حقوق کو بحال کیا جائے۔ اس کام میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

قطعات آرامی کی انتہائی حد سے زیادہ قطعات کی حصول یابی کے قانون کے نفاذ سے ایسے اقدامات کئے گئے ہیں کہ فاضل قطعات آرامی کے سلسلہ میں حکومت کو حقوق ملکیت حاصل ہو جائیں۔ یہاں رہائشی حکومت کی کارگزاری ہندستان کی دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں کافی شاندار ہے۔ جبکہ سارے ہندستان میں کئی دستیاب قطعات آرامی سے صرف ۱۱ فیصد فاضل قطعات برآمد کئے گئے جبکہ مغربی بنگال میں ان قطعات آرامی کے ۵۱ فیصد فاضل قطعات آرامی برآمد کئے گئے۔ سارے ہندستان میں ۱۱ لاکھ فاضل قطعات آرامی برآمد کئے۔ جبکہ مغربی بنگال میں ۱۲۱۵ لاکھ ایکڑ فاضل قطعات آرامی برآمد کئے گئے۔ قطعات آرامی میں سے ۸۱۰۰۰۰ ایکڑ قطعات آرامی ۱۹۴۰-۱۹۴۱ء میں برآمد ہوئے اور بڑے زمین کانون

کے درمیان تقسیم کئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر گروہ زمین کے نام کو رجسٹر میں نشان کرنے کا کام فوری طور پر جاری ہے۔ ۱۹۷۷ء میں صرف ۳ لاکھ سے کچھ زیادہ برآمدواروں کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے تھے جبکہ گزشتہ ۹ برسوں میں مزید ۱۵ لاکھ سے زیادہ ایسے برآمدواروں کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے۔

بہ زمین کانون کو دئے گئے قطعات آرامی یا برآمدوار کو شرکت پر کارشکداری کرنے کیلئے دئے گئے قطعات آرامی سے پیداوار پر مکمل طور پر انحصار کرنے سے یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کا خاندان معاشی لحاظ سے خود کفیل بن جائے۔ موجودہ حکومت کی پالیسی کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دیہی ترقی کے لئے حکومت کے تمام منصوبوں اور پروگراموں سے دیہی خاندان پر سے طور پر مستفید ہو۔ اسی مقصد کے پیش نظر پنچائتی تنظیموں کو اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ پروجیکٹوں کی تکمیل کے کام سے پنچائتی تنظیمیں نہ صرف براہ راست وابستہ ہیں بلکہ مختلف مضافاتی ترقیاتی پروجیکٹوں کے سلسلے میں یہ حکومت فیصلہ کرنے اور تکمیل کے کام کی ذمہ داری پنچائتی تنظیموں کو آہستہ آہستہ سونپ رہی ہے۔ مختلف سطحوں پر سرکاری عازمین کے سرگرم تعاون کے ساتھ پنچائتیں کام کر رہی ہیں۔

منصوبہ بندی اور منصوبہ کی تکمیل کے کام کو لا مرکز بنانے کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ کام کے لئے فوراً پروگرام کو کھپا پھینک دیا جائے۔ دیہی ترقی کے کام کے لئے فوراً پروگرام کی جگہ قومی مضافاتی روزگار پروگرام نے لے لی۔ حکومت ضلع وار فنڈ فراہم کرتی ہے۔ ایسے فنڈ کے پانے کے بعد ضلع پریشد اور گرام پنچائتیں اسکیمیں مرتب کرتی ہیں اور انہیں پائے تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔

گرام پنچائتیں جو قومی اسکیموں کو اور ضلع پریشد بڑی اسکیموں کو پائے تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ دیہاتوں کی مجموعی ترقی کے لئے بڑی بڑی سہولتیں، جیسے سڑکوں کی تعمیر، بجلی کی سہولت، پانی کی فراہمی وغیرہ فراہم کی گئیں۔ حکومت ہند کے منصوبہ بندی کمیشن کے تمام کردہ پروجیکٹوں اعداد و شمار تکمیل کی رپورٹ کے مطابق اس اسکیم کے لئے پنچائتی تنظیموں کی مرکز اور سرگرم شرکت بہت معاون ثابت ہوئی ہے۔ قومی مضافاتی روزگار پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ مضافاتی

ابن آرائی جی کے تحت اخراجات اور کام کرنے کے دن

سال	اخراجات (لاکھ روپے میں)	کام کرنے کے دن (لاکھ میں)
۸۰-۸۱	۱۲ ر ۹۷	۳۶ ر ۲۸
۸۱-۸۲	۹ ر ۳۳	۱۹ ر ۳۸
۸۲-۸۳	۲۲ ر ۲۳	۳۶ ر ۲۲
۸۳-۸۴	۲۱ ر ۱۸	۲۸ ر ۷۹
۸۴-۸۵	۲۲ ر ۷۱	۲۱ ر ۸۷
۸۵-۸۶	۲۱ ر ۱۹	۱۰ ر ۸۲
کل	۱۳۲ ر ۳۲	۱۹۳ ر ۳۷

محکمہ مضافات ترقیاتی پروجیکٹ کی تحلیلی کی خاص ذمہ داری پچائیت سمیٹیوں کو سونپی گئی۔ اس سلسلہ میں ہلاک ترقیاتی افسر اور ان کے اسٹاف پچائیت سمیٹیوں کی مدد کرتے ہیں۔ ضلع پریشہ اور ڈی۔ آر۔ ڈی۔ لمے کے مغربوں میں تال میل پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لئے ضلع پریشہ کے سبھا پتی اور چند نمائندوں کو ڈی آر ڈی لمے کا ممبر اور ضلع پریشہ کے سبھا پتی کو چیرمین بنادیا گیا ہے۔

اصولیات آرامی کے میدان میں اس ریاست نے نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ۱۶ لاکھ بے زمین اور حاشیائی کٹوں کے درمیان قطعات آراضی تقسیم کئے گئے۔ ان میں سے زیادہ تر افراد کو ایک سے دو پگھا قطعات آراضی دئے گئے۔ ان کے علاوہ ہر سال ایسے کئی لاکھ کٹوں کی رقم اکھاد اور مختصر عرصہ کے قرض سے بھردہ کی جاتی ہے۔

کے لوگوں کو سال بھر جب ضروری روزگار کے مواقع فراہم ہوں۔ اس پروگرام کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ مختلف اسکیموں کی تحلیلی کے ذریعہ مضافات سال پیدائے جائیں۔ گزشتہ ۹ برسوں میں کام کے لئے خوراک پروگرام اور قومی مضافاتی روزگار پروگرام کے تحت کام کرنے کے ۲۶۷۹۰۰۰۰ دن پیدا کئے گئے۔ ان دنوں پورے ملک کے تحت ۷۵-۷۶ لکھ سے لیکر ۸۵-۸۶ لکھ تک اخراجات ہوتے اور کام کرنے کے کتنے دن پیدا کئے جاسکے، ان کی تفصیل درج ذیل ہیں:

کام کے لئے خوراک پروگرام کے تحت اخراجات اور کام کرنے کے دن

سال	اخراجات (لاکھ روپے میں)	کام کرنے کے دن (لاکھ میں)
۷۷-۷۸	۱۰ ر ۲۲	۲۱ ر ۲۳
۷۸-۷۹	۵۲ ر ۲۸	۵۲ ر ۲۲
۷۹-۸۰	۲۰ ر ۱۰	۵۲ ر ۵۰
۸۰-۸۱	۱۶ ر ۲۳	۲۹ ر ۲۳
(ممبر پریشہ)	۱۱ ر ۷۸	۱۵ ر ۲۰

چھٹے منصوبہ کے پانچ سال کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں

سال	مستفید ہونے والے خاندانوں کی تعداد	مستفید ہونے والے شعبہ خاندانوں کی تعداد	مجموعی اخراجات (لاکھ روپے میں)	دئے گئے قرض (لاکھ روپے میں)	فی خاندان دی گئی رقم (روپے میں)
۸۰-۸۱	۲۸۲۸۱	۱۱۸۱۹	۸۰ ر ۵۳	۱۳۸ ر ۷۳	۷۹ ر ۵۰
۸۱-۸۲	۵۸۱۱۶	۲۲۰۵۵	۲۲۶ ر ۱۶	۳۶۱ ر ۸۳	۱۰۱۶ ر ۰۰
۸۲-۸۳	۹۶۶۱۶	۳۲۵۹۷	۷۲ ر ۲۸	۱۰۹ ر ۳۳	۱۱۷۵ ر ۲۳
۸۳-۸۴	۲۳۶۱۵۰	۹۰۹۰۸	۱۹۰۸ ر ۵۸	۳۰۱ ر ۵۵	۲۰۲۷ ر ۰۵
۸۴-۸۵	۲۷۵۱۰۶	۱۰۸۰۶	۲۳۹۲ ر ۲۳	۴۰۰ ر ۲۱	۲۳۱۲ ر ۳۰

پانچویں جلا وطنی کے نو سال

اعلى اتقسيم

قوتی اور ملک کی تعمیر میں تعلیم کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے یابیں مولد حکومت مغربی بنگال میں گزشتہ نو برسوں سے تعلیمی سہولتوں میں بہتری اور توسیع کیا جاسی کہ وہ برصغیر کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ تعلیم کے میدان میں انفرادی کی جغرافیہ چھائی ہوئی تھا اسے اس ریاست کے اساتذہ اعلیٰ اور تعلیم دوست لوگوں کی مدد سے ہمیشہ کئے وعدہ کر دیا گیا ہے۔ اب تعلیمی اداروں کو ناب طریقہ سے چھاننے کے لئے ایک سائنس دانوں کی پیدائش ہوئی ہے۔

اس نبات میں اصلی تقسیم کی تیز تر ترقی اس حقیقت سے
 عیاں ہو جاتی ہے کہ ۱۸۵۰-۱۸۵۱ء میں اس ند کے تحت بحث میں ۸۲-۸۳ کروڑ
 روپے کی گنجائش رکھی گئی تھی اور اب ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء میں اسی ند کے تحت
 ۱۸۹۵-۱۸۹۶ء کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ اس طرح کاجوں کی تعداد ۱۸۵۰-۱۸۵۱ء
 میں ۷۸۰ تھی جو بڑھ کر ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء میں ۳۷۸ ہو گئی۔

سماج کے پس ماندہ اور کمزور طبقوں کے لوگوں کے لئے ان
لوگوں کے لئے جس جو اپنی معاشی و سماجی بد حالی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کے
اداروں میں تعلیم حاصل کرنے سے قاصر ہیں، ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ
کیا ہے کہ اس ریاست میں ایک کھلی، جو سستی خاتم کی جائے اس معتد
کے لئے ایک ہی مغربی شکل قانون ساز اسمبلی کی سیکنڈ کمیٹی کے زیرِ غور

مذاہب میں وہ تباہ کر دیوڑ سنی سے کم کرنا شروع کر دیا ہے اور اب اس کی تعمیر کا یہ فیصلی عدالت میں باضابطہ کامیابی منظم ہوئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ نے ہمارے جنوری سیشن کو اس پروژہ سنی کار کی طور پر اور ایک ہفتہ قطع مذاہب میں واقع ۲۱ کالونی کو اس پروژہ سنی سے

[illegible]

دیارستان میں غازی خاں اور علی گڑھ کے حکیم کاؤ شیخ کے سفیروں
 جگہ کی غازی خاں کے چاہنے والوں کی ۴۲۴ آسامیوں اور جہانگیر کی
 سکھوں کی غازی خاں کے چاہنے والوں کی ۴۲۴ آسامیوں کو منظور دی گئی۔
 سرک نکلا دی کا باغ، گلہ اور جہانگیر کی غازی خاں کے چاہنے والوں کی
 میں کچھوں کی سپہ سالار فرام کرنے کے لئے امداد کے لئے گئے ہیں، جہانگیر
 ساتھی کے لئے ایس بن، رسی، شیشی، سنہری، قیام کے لئے ساتھی
 کے ملازمین ۱۰۰ ایکڑ قطعات، آراضی منت فرام کرنے پر راستی حکومت
 نے اپنی رضا خد کا اظہار کیا ہے۔

۱۹۸۵-۸۶ میں ہفتوں کی تعلیم کے میدان میں ۱۵ امریکی سیکٹر رضا خانی کی خواہنگی پروجیکٹس، ۶۶ ریاستی سیکٹر رضا خانی کی خواہنگی پروجیکٹس اور دیگر ۱۰ ریاستی تعلیم، تفریح و چیکس پونے زیر غور و مریم آٹھ نئے زرکاری سیکٹر پروجیکٹس نام لگے تھے۔

بائیں نماز حکومت قوم کا بنیادی نظامی روایت میں
تعلیم کے لئے فراہم ہر حصہ میں مزید اضافہ کرنے کی خواہش ہے۔ اس مقصد
کے بعضی فقر ریاستی حکومت نے کلکتہ میں کینڈریہ سنسکرت دیباچہ قائم
کرنے کا سلسلہ میں اقدامات کرنے کے لئے پہل کی ہے۔ حکومت نے اس
مجموعہ دیباچہ کے لئے ایسٹن میوزورین میں بائیں پاس کے نزدیک
تقریباً ۱۲ ایکڑ قطعات آراضی الٹ کر دیے۔ اس بات کی امید کی جاتی
ہے کہ یہ ادارہ سنسکرت کا بچ کلکتہ میں بھی تحقیق کے کام میں مدد دیگا
اور تعلیم کی سہولتوں میں بہتری کا عمل میں معاون ثابت ہوگا۔ یہاں اس
بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ کینڈریہ سنسکرت دیباچہ اس ریاست
میں اپنی نوعیت کا اولیٰ ادارہ ہے۔

اس عبارت میں جسمانی ورزش کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیتی پروگرام کی نیز ترویج کا بھی اور اس سلسلہ میں اس سال یونین نے انگریزوں کے عورتوں کے لئے جسمانی ورزش کی تربیت کے لئے ایک نیشنل کونسل کا بنیاد رکھ دیا۔ اس سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ عورتوں کے لئے (بغیر صوفیہ طور پر)

بانیات معاذ حکومت کے فوٹو

کھیل کود اور خدمات نوجوان

شعبہ خدمات نوجوان ۱۹۸۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ مغربی بنگال میں بامیں مملو حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل اس شعبہ کے زیرِ غور صرف چھٹا سیکشن مع داخلہ و زنگہ پیرا کرنے کی سہولتیں تھیں لیکن بامیں مملو نے اس شعبہ کو چلانے کے بنیادی نظریہ کو مکمل طور پر بول دیا۔ اب اس شعبہ کے پروگرام شہروں اور دیہاتوں کے زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ چونکہ اس کے عمل کے میدان کو وسیع بنا دیا گیا ہے اس لئے محدود وسائل کے اندر اس شعبہ کے بچے کے تحت مختصر رقوم میں بھی کافی اضافہ کیا گیا ہے۔ ۷۶-۷۷ء میں بجٹ میں اس شعبہ کے لئے ۹۹ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی تھی اور اب موجودہ مالی سال میں بجٹ میں ۹۵ کروڑ روپے (جن میں ۳۳ کروڑ ۲۸ لاکھ روپے این سی سی کے لئے مختص ہیں) مختص کئے گئے ہیں۔

یلم سٹی ۱۹۸۵ء کو شعبہ کھیل کود اور شعبہ خدمات نوجوان کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا گیا ہے اور ایک شعبہ بنایا گیا ہے۔ شعبہ کھیل کود اور خدمات نوجوان نام کیا گیا ہے۔ اب ہر شعبہ آزادانہ طور پر اپنے فرائض کو انجام دے رہا ہے۔ اس سے قبل اس شعبہ کی دو ذیلی شاخیں شعبہ تعلیم کے تحت تھیں۔

تنظیم: ۷۹-۸۰ء تک شعبہ خدمات نوجوان کے صرف ۴ چاک سٹاف تھے لیکن بامیں مملو حکومت نے اس ریاست کے ہر چاک میں ایسے دفاتر قائم کئے۔ ہر ضلع میں ضلع سٹاف دفتر جو اس سے ذیل عالم وجود میں نہ آنے قائم کئے گئے۔ مغربی بنگال تنظیمی طاقت کا اس طرح وسیع پیمانہ پر پھیل جانا بہت ہی اڑکی بات ہے۔ بین الاقوامی نوجوان

سلاحیں ۴۰ میونسپل علاقوں میں ایسے ۴۰ دفاتر قائم کئے گئے۔ پیشہ ورانہ تربیت: گزشتہ آٹھ برسوں میں نوجوانوں کے سرنگر کے تحت خدمات نوجوان شائع کے زیرِ اہتمام تقریباً ۶۰۰۰ نوجوان معاشی ترقی فراہم کئے گئے۔ اس کے نتیجے میں تقریباً ۶۰۰۰ نوجوان ۱۵۰۰ سے زائد پروجیکٹوں کی تکمیل کے ذریعہ خود کفیل بن گئے۔ غیر وابستہ سے زیادہ نوجوان زیرِ تربیت ہیں۔ خصوصی معاون منصوبوں کے تحت شہرہ آفاق کھیل نوجوانوں کے لئے پیشہ وارانہ تربیت کے زیادہ تر اسکیموں کو شعبہ خدمات نوجوان نے جاریہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس اسکیم کے تحت تقریباً ۵۰۰۰ نوجوان کو تربیت دی گئی اور اس کام پر ۹۰ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔

ریاستی سرگز نوجوان: ریوتھ سنٹرل سرگز نوجوان ۱۹۸۱ء میں سرکاری ملک میں ۱۰ اکڑ زمین پر ۵۵ لاکھ روپے خرچ کر کے تعمیر کیا گیا۔ سرگز سڑک کے نوجوانوں کے لئے انفرادی مرکز بن گیا۔ ہر ضلع میں جوئے پلانے میں ایسی یونٹیں تعمیر کرنے کا اسکیموں کو روپہ عمل نہ کام شروع کر دیا گیا۔ اضلاع مارہ، پروڈیا، سرشہ آباد، ہروڑہ، ۲۲۱ پرگنہ (جنوب) اور انگلی میں ایسے رتھ سنٹر کی تعمیر کئے گئے۔ مذکورہ فرائض کی منظوری دے دی گئی۔

نوجوانوں کا تھوار: شعبہ خدمات نوجوان ۱۹۸۶ء سے نوجوانوں کے تھواروں کا انتظام کر رہا ہے۔ ایسے تھوار عام طور پر ہر ملک ضلع اور ریاستی سطحوں پر منعقد کئے جاتے ہیں۔ بین الاقوامی نوجوان سال میں میونسپل علاقوں میں بھی نوجوانوں کے تھوار منعقد کئے۔ اب تک ریاستی سطح پر نوجوانوں کے چار تھوار، کلکتہ (۱۹۸۸ء)، اسٹیم گورڈی (۱۹۸۸ء)، کلکتہ (۱۹۸۹ء) اور برہمپور (۱۹۸۹ء) میں منعقد کئے۔ اس سال کے ایسے تھوار میں ۲۵۷۹۱۲ نوجوانوں نے اور ملک ضلع اور ریاستی سطح پر اس سال کے کھیل کود کے تھوار میں تقریباً ۱۰ لاکھ نوجوانوں نے شرکت کی۔

سائنسی بیداری: شعبہ خدمات نوجوان باضابطہ ہر ضلع میں اور ریاست میں سائنسی سیمینار کا انتظام کر رہا ہے اور اب سائنسی شوق کا بھی انتظام کر رہا ہے۔

دسمبر ۱۹۸۵ء میں اس شعبے نے یو با جاتی کی ٹیکنیکل اسٹاٹ

ایک ملک میں ریاستی سطح پر سائنس نیشن کا انتظام کیا جا۔ بآئیں ملاز
حکومت نے یہاں پر سرانجام دے کر کے بعد سے اب تک بڑا صنعتی اور تکنیکی
جلبب خانہ کی سندھ میں ۸۰ میں ام سائنس کمپن کو مالی امداد فراہم کی ہے۔
مرکزی امداد سے ۲۰ لاکھ روپے خرچ کر کے پڑھ لیا میں ایک مستقل سائنس مرکز
بنی قائم کیا گیا ہے۔

یوتھ ہاسٹل: اب تک اس ریاست میں ۲۶ نئے یوتھ ہاسٹل
اور ہائر کے ضلع نالندہ میں راجکپور کے مقام پر ایک یوتھ ہاسٹل قائم کیا گیا۔
یو و اے ڈی کیرنجنی ہاسٹل ایک میں نوجوانوں کے لئے ۹۷۴ بستروں پر
مشتمل ایک یوتھ ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے۔ سارے ملک میں شاید یہ سب
سے بڑا یوتھ ہاسٹل ہے۔

کھلی جگہ میں تعمیر اور اجتماعی ہال:

شعبہ خدمات نوجوان نے اس ریاست کے مختلف علاقوں
میں کھلی جگہ میں تعمیر اور اجتماعی ہال تعمیر کرنے کے لئے ایک اسکیم کو اپنایا
ہے۔ ہر ایک سطح پر اب تک ۱۰ کھلی جگہ میں تعمیر اور ۱۰ اجتماعی مراکز
تعمیر کئے گئے ہیں۔

تعلیمی سہولتیں: شعبہ خدمات نوجوان ثانوی سطح یا اس سے
اوپر کی سطحوں میں زیر تعلیم طلباء کی تعلیمی سہولت کے لئے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔
گزشتہ سال ۱۸۱۰ تعلیمی اداروں کے ۶۰۰۰۰ طلباء ایسی سہولتوں سے
مستفید ہوئے۔ اس مقصد کے لئے ۳۶۰۲۲ لاکھ روپے خرچ کئے گئے۔
ایسے نوجوانوں کو بھی جو طلباء رہیں ہیں، اس شعبہ سے ایسی سہولتیں
فراہم کی جاتی ہیں اور اس مقصد کے لئے گزشتہ سال ۱۱ لاکھ روپے خرچ
کئے گئے۔

اسکولوں کو اوپن میٹرو: اسکولوں کے طلباء میں امداد دہی
تحریک کو فروغ دینے کے لئے بآئیں ملاز حکومت کے دور میں ۱۱۹ اسکول
کو اوپن میٹرو سائنس قائم کی گئیں۔ گزشتہ تھوڑے عرصے میں اس ریاست کے
مختلف علاقوں میں اسکولوں میں زیر تعلیم طلباء کے لئے نصاب کی کتابوں کی
لاٹریریاں قائم کی گئیں۔ اس مقصد کے لئے ۳۶ لاکھ روپے خرچ کئے
گئے۔

جہالت کے خلاف جدوجہد: ضلع دار جنگ میں ایک سو
چائے بلغات میں بالعموم کی تعلیم کے ۱۰۰ مراکز قائم کئے گئے۔ نیز اساتذہ

کی تربیت کے لئے بھی منتقلات کئے گئے ہیں۔ ضلع وادی کے صنعتی علاقوں میں
اور آرام پانچ میں بالعموم کی تعلیم کے ۱۵۰ مراکز اس شعبہ کے براہ راست
زیر انتظام ہیں۔

نوجوانوں کے جابن الاقوامی سال میں سماجی پروگرام:

اقوام متحدہ نے ۱۹۸۵ء کو ۱۰ بین الاقوامی نوجوان سال

اعلان کرتے ہوئے بین نعرے رتبہ کئے: (۱) شرکت، (۲) ترقی اور
(۳) امن۔ ان نعروں کو اور بھی بڑھتی بنانے کے لئے ریاستی حکومت نے اور
جین نعروں کا اضافہ کیا: (۱) سبوں کے لئے کام، (۲) سبوں کے لئے تعلیم
اور (۳) سبوں کے لئے صحت۔ بین الاقوامی نوجوان سال کے دوران شعبہ
خدمات نوجوان نے بہت سارے پروگراموں کو اپنایا جن میں سے چند یہ ہیں:
(۱) جائزہ پر مبنی پروگرام: اپنے علاقہ کو جاننے، اس سال ایک اسٹینڈیم
کئے پڑا، (۲) سال ایک سے ہدیہ تک پڑا اور (۳) بین
الاقوامی نوجوان سال کے دوران گیتوں کا ایک کیسٹ تیار کرنا۔

جاک اور یونیسپی سٹوڈنٹس لیسکر ریاستی سطح تک

ثقافتی مابقیوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مرکزی اور دیگر ریاستی حکومتوں
کے مدعو کنندہ ریاستی سطح کے مقابلے میں کامیاب ہونے والوں میں سے چند
افراد کو مختلف مرقعوں پر بھیجا جاتا ہے۔ بین الاقوامی نوجوان سال کے عرصہ
میں ثقافتی مابقی میں تقریباً ۲۵۸۰۰۰ لاکھ اور لڑکیوں نے
شرکت کی۔

بین الاقوامی نوجوان سال منانے کے لئے ریاستی حکومت

کا پروگرام شری تر تھا کارپوری کے سوپر۔ میراٹھن ریس سے شروع
ہوا۔ اس سال نو تعمیر کردہ سالٹ لیک اسٹینڈیم کو نوجوانوں کے نام
منسوب کرنے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جوتی باسوتے اسٹینڈیم کا نام
'یو و اے ڈی کیرنجنی' رکھا۔ اسٹینڈیم کی طرف عام لوگوں کی توجہ مرکوز کرنے
اور عام لوگوں کو تائید جس کی اس ام پروجیکٹ کی انکیں میں ام عزت
ہے، حاصل کرنے کے لئے ۲۱ اپریل ۱۹۸۵ء کو اسٹینڈیم کے لئے پڑا
کا انتظام کیا گیا۔ اس پڑا میں زندگی کے تمام طبقوں کے لوگوں کی شرکت کی۔

بین الاقوامی نوجوان سال کا ایک ام پروگرام سالٹ لیک سے ہڈینک
پڑا تھا۔ سلی گوڑی میں ایک اسٹینڈیم جس کے ساتھ ایک یوتھ ہاسٹل
منسلک ہے، گزشتہ سال چارو کو دیا گیا۔ نیز وزیر اعلیٰ نے گزشتہ سال کے

اپریل مہینہ میں برکھور میں تعمیر کردہ ایک بڑے ہسپتال کا افتتاح کیا۔
سیمیٹار: گزشتہ سال کے جون کے مہینے میں یووا بھارتی
 کیرنگن میں اس شعبہ نے اسپورٹس میں عوام کی شرکت اور اس کی
 آبادی پر ایک سیمیٹار کا انتظام کیا۔ اس سیمیٹار کا اس وقت کے
 مرکزی وزیر کھیل کود اور خدمات نوجوان، شری بی اے، جے چند سنگھ
 نے افتتاح کیا اور اس میں مختلف ریاستوں کے وزراء، اسپورٹس
 تنظیموں کے نمائندے اور سرکاری افسران نے شرکت کی۔ ۲۳ فروری ۱۹۶۹ء
 کو بحث و مباحثہ کے دوسرے دور کے بعد سیمیٹار پایہ اختتام کو پہنچا۔
 اس سال ۲۲ فروری کو ریاستی حکومت نے یوم کھیل کود منایا۔ اس دن
 بہت ہی دلگلی، شادمانی اور عظیم جلسہ نکالیا گیا۔ اس میں زندگی کے
 مختلف لوگوں کی شرکت کی۔ اس دن یووا بھارتی کیرنگن اسٹاٹیک میں
 منعقد ایک تقریب میں مشہور اولمپین مسٹر ایمل زائویک اور ان کی
 بیوی رانا زائویک نے جہان خصوص کی حیثیت سے شرکت کی۔ اس
 موقع پر ریاستی حکومت نے چند پرانے کھلاڑیوں کا بھی استقبال کیا۔
 بین الاقوامی نوجوان سالانہ خانے کے لئے ریاستی سطح پر
 تمام کردہ کمیٹی نے یووا بھارتی کیرنگن میں گزشتہ ۲۲ فروری کو دو دن کا سیمیٹار
 منعقد کیا۔ اس سیمیٹار میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان کی ۱۲ ریاستوں
 اور مراٹھ کے زیر انتظام علاقوں کے تمام قومی سیاسی پارٹیوں اور بہت
 ساری ممتاز جماعتوں کو مدعو کیا گیا۔
ریاستی اسپورٹس تہوار: اس سال کے فروری
 مہینے میں ریاستی سطح پر شعبہ کھیل کود اور خدمات نوجوان کی ایما پر
 سالانہ ایک میں واقع اسپورٹس کے مینجمنٹ جی سبھاش قومی انسٹی ٹیوٹ
 کے احاطہ میں پہلی بار اسپورٹس مقابلہ کا انتظام کیا گیا۔
کوہ پیما مٹی: شعبہ کھیل کود اور خدمات نوجوان نے کلکتہ
 میں ۲۲ لاکھ روپے خرچ کر کے کوہ پیما کے ساندھ سائن کا ایک اسٹور فاکم
 کیسے۔ سبھی منسوب میں اس شعبہ کی یہ تجویز ہے کہ مغربی بنگال کو
 پیما بنیاد قائم کی جائے۔ یہ بنیادی ادارہ کوہ پیما اور دیگر جگہوں کا
 انتظام کرے گا۔ ۸۶-۸۷ء میں اسپورٹس چیکٹ کے لئے ۸ لاکھ روپے
 منظور کیے گئے۔
قومی یکجہتی کے لئے اسکیم: اس شعبہ نے قومی یکجہتی

کو مستحکم بنانے کے لئے کئی ایک اسکیموں کو رو بہ عمل لایا ہے۔ ۸۶-۸۷ء کے
 مالیاتی سال میں اس مقصد کے لئے ۲ لاکھ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ اس
 اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ قومی یکجہتی کے فروغ کے لئے ریاستوں کے مابین
 جلاوطن خیل کی جائے اور سیمیٹار منعقد کیے جائیں۔

بقیہ: ایکٹو لیجیٹیم

مختلف اداروں میں جسمانی ورزش کی تعلیم کو اور بھی فروغ حاصل ہوگا۔
 چونکہ تعلیم مشترکہ فہرست میں ہے اس لئے اس سے
 رونما ہونے والی انتظامی دشواریوں کی وجہ سے اس پر توجہ میں تعلیم کی
 توسیع اور اس میں مزید بہتری لانے کے لئے بائیں محاذ حکومت کو اپنی کوششوں
 میں بار بار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ سالیانہ بندش سے ریاستی
 حکومت محدود مدد کی کوشش کر سکتی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود بائیں
 محاذ حکومت اپنے اس عزم معمم پر قائم ہے کہ وہ تمام اوزار انفری اور گندگی سے
 تعلیم کا دنیا کو آزاد اور کھلے گا اور اس ریاست میں تعلیم کی بہتری اور توسیع
 کے لئے اپنے طور پر تمام ممکنہ اقدامات کرے گی۔

بقیہ: ماحولیاتی آلودگی

کالونا اور اسے استعمال میں لاندہ والی صنعتوں میں کام کرنے والوں کے
 لئے اس کا خطرہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ایس بیس نامی کورٹ سٹونڈ
 پروفنگ یا فائر پروفنگ انشولیشن یا اندرونی سجاوٹ کے لئے استعمال
 نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اسے بیئر اور سادہ بیرون کو نکلنے کے لئے بھی
 استعمال کیا جاتا ہے۔ ایس بیس ٹرس کے سفوف کو پانی میں ملا کر اسکوٹ
 میں سادہ مازنگ کے کام میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

بقیہ: حالتی کی سوانح نگاری

ادب میں ابھی تک نہیں گورا۔ میری نظر میں حیات جاوید نہ تو مل
 دے اور نہ کتاب المناقب بلکہ ایک کامیاب سوانحیات
 بشکرہ پاکستان چند لکچر

حالی کی سوانح نگاری

”حیات جاوید“ کی روشنی میں

فیروز احمد کسینی

اس نثر کا یہ دورہ سوانح حیات میں خامیاں رہ جائیں گی۔

حالی نے پہلے سوانح حیات لکھی ہیں:

۱: سوانح قری حکیم نامہ خسرو

۲: حیات سخی

۳: یادگار غالب

۴: حیات جاوید

۵: سوانح قری مولانا ابوالفتح

پہلے پر میرا موضوع ”حیات جاوید“ ہے۔ اس نے میں اس کی

روشنی میں حالی کی سوانح نگاری کا جائزہ پیش کر دیا ہے اور یہ ثابت کرنے

کا کوشش کلم ہو کر وہ اپنے مشق میں کس حد تک کامیاب ہیں یا ناکامیاب۔

”حیات جاوید“ میں حالی نے ستر سیر کے حالات زندگی اور کارناموں کو پیش

کیا ہے۔ چونکہ حالی ستر سیر کے مفقار میں تھے اس لئے انہوں نے ستر

کو فریبہ و فریاد دیکھا تھا۔ ستر سیر اپنی ذات میں ایک انجن تھے اس لئے

وہ سیدنی کے قول پر روتا تھے۔ حالی کا تکرار ستر سیر ایک عظیم

شخصیت کے ملک تھے۔ حالی اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

”ستر سیر احمد خاں درویش کے چلیں ہم پر اور بہت سے

احباب و دوستان اس میں سے ایک بڑا احسان یہ ہے

کہ وہ ہم سے تھے ایک ایسی بے باز غمگاہ غمخیز

گئے ہیں جس سے ہم اپنی موجودہ حالت کے ماضی کوئی

غور و خیر کی تاریخ میں نہیں پاسکتے۔ اگرچہ ہمارے قوم

میں بڑے بڑے ادا و العزم بدو شاہ، بڑے بڑے دانشور

معارف نگار کا فن نگری ادب سے توسط ہے یہ

دیکھنا۔ پرانے زمانے میں مرزا و نثر نگاروں میں سوانح لکھی جاتی تھیں

لیکن ادب میں پہلے مرتبہ حالی نے سوانح حیات لکھی۔ سوانح نگاری کا فن

ان ہی سے اور مشکل ہیں۔

ایڈیٹر نے گو سہارا دے کر:

”Biography is a faithful
portrait of a soul in its
adventures through life”

سوانح نگاری کے لئے عموماً چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری

۱۔ اول تو یہ کہ سوانح حیات میں سچے واقعات کا ذکر ہونا چاہئے، دوسرے

”ہیرو“ کو اپنے ہم معول سے ممتاز ہونا چاہئے، تیسرے کہ سوانح حیات

ہیرو کو سنجیدہ، مکمل اور کسی حد تک عظمت کا حامل ہونا چاہئے۔

سیڈنی کا قول ہے کہ:

”The hero must be one who may
be called serious, complete
and of a certain magnitude”

یہ جو حقیقت یہ ہے کہ سوانح حیات کو ادبی کسوٹی پر بھی چرنا اور چاہئے

۔ سوانح نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ”ہیرو“ کے متعلق پرکھ و آجیت

لگا کر تاکہ اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈال سکے۔ سوانح نگار اور ہیرو

مدرمیان ذاتی تعلقات ہوں۔ سوانح نگار کو اپنے ہیرو کی آئین ہمدردی

وزیر اور بڑے بڑے سب سے مل کر گزرتے ہیں مگر
ان کے حالات اس کٹھن منزل میں جو ہم کو اہل ہادی
نسلوں کو رہنمائی ہے اور راستہ پر ہم کو رہنمائی
کے لئے ہے۔ ہم کو اب دنیا میں حکوم کی رہنمائی
اس کے لئے وہ لائقین جو سلطنت کے شہر کی گلی کے
تھکے تھکے ہیں، ہمارے لئے سود ہو گی۔ البتہ
سرمد کی حالت ہمارے لئے ایک ایسے مثال ہے
جس کا پیروی سے ممکن ہے کہ ہادی قوم کی یہ کٹھن
منزل جو ننگائے دنیا میں تک پہنچا اس کا سب سے
آخری منزل ہے اس کی کڑھائی ہو جائے۔

حالی نے حیات جاوید کو وہ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔
پہلے حصے میں انہوں نے سرمد کے خاندان اور ان کے بچپن کے حالات
نکھیں ہیں۔ انہوں نے سرمد کے عہد جلال کا نقشہ بھی پیش کیا ہے لیکن
اس سلسلے میں کچھ حقائق سے چشم پوشا گیا ہے۔ شاید یہ سوچتے ہوں کہ
ان باتوں سے سرمد کی عظمت پر حریف آئے گا۔ اگر وہ ان تمام باتوں کو
لکھتے تو سوانح حیات زیادہ دلچسپ ہو جاتی جبکہ سرمد نے خود اعتراف
کیا ہے کہ انہوں نے لڑکپن میں کبھی ان کھیلوں اور کھڑاڑاؤں سے بلکل بچ
اور مجرے بچھو دیکھے۔ "حیات جاوید" کے پہلے حصے میں حالی نے سرمد
کی عزت اور انگریزوں کی رفاقت کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور تقریباً
تین سو صفحات میں لکھا ہے۔ "حیات جاوید" کے دوسرے حصے میں حالی
نے سرمد کے کارناموں کو بیان کیا ہے۔ سرمد کی امانداری کو بیعت
داروں، بے غرضی اور آزادی جیالی پر بھی روشنی ڈال دی ہے ساتھ ہی سرمد
کی مذہبی خدمات کا بھی جائزہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے "حیات جاوید"
کو ادبی اور تنقیدی نقطہ نظر کا مال بھی بنا دیا ہے۔ اس نے "حیات جاوید"
لکھنے کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ حالانکہ اس سبب نے ان میں اردو میں
Critical Biography کا رواج نہیں تھا۔ "حیات
جاوید" لکھتے وقت حالی نے ترتیب کا خیال نہیں رکھا ہے۔ پہلے حصے
انہوں نے سرمد کی ملکی اور قومی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا ہے
دوسرے حصے میں ان کے علمی کام لے کر چاہتے تھا لیکن انہوں نے
بیاہنی کیا اور کتاب کی ضخامت بڑھ گئی جس کی وجہ سے قاری کو

کو اکتاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ "حیات جاوید" کی طوالت کا سبب حالی
نے یہ بتایا ہے کہ سرمد اپنی خدمات میں ایک ایجنٹ تھے اس لئے ان کی تمام
خوبیوں کو تفصیل سے لکھنا لازمی تھا حالانکہ اس کی کوئی ضرورت
نہیں تھی۔ اگر اس کی ضرورت تھی بھی تو اس کا ذکر بار بار کرنا مناسب نہیں
تھا وہ سرمد کی بات یہ ہے کہ انہوں نے سرمد کے عہد کو بیان کرنے سے
گزرا کیا ہے۔ مولانا شبلی نے "حیات جاوید" پر محنت نکلتے چھپوا دیا ہے
انہوں نے "حیات جاوید" کو "مدل دماغی" اور "کتاب المناقب" کہا ہے۔
اگر "مدل دماغی" سے اتفاق بھی کیا جائے تو "حیات جاوید" کو "کتاب
المناقب" کہنا قطعی درست نہیں ہے۔ میرے خیال میں مولانا کا یہ قول
انتہا پسندانہ ہے۔ حالی نے سرمد کے حرف اخلاقی پہلو پر ہی روشنی
نہیں ڈالی ہے بلکہ ان کے عہد کو بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً انہوں نے سرمد
کے آخری عمر میں خدی کو نہ کاندھ کیا ہے۔ خواہ وہ دے بے لکچے میں ہی
کیونکہ بیان کیا گیا ہو۔ مگر سوانح نگاری کا یہ اصول ہے کہ سوانح نگار کو
اپنے "ہیرو" سے عقیدت رکھنا لازمی ہے۔ شبلی نے "حیات جاوید"
کو "کتاب المناقب" تو کہہ دیا ہے لیکن اس کے لئے انہوں نے کوئی
دلیل پیش نہیں کیا۔ میرے خیال میں شبلی کا یہ قول نظریاتی اختلاف پر مبنی
ہے۔ ڈاکٹر سید عید اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اردو میں سوانح نگاری بہت سے اہل علم نے کی
ہے مگر ان میں شاید کوئی بھی ایسا نہیں تھا
جس کے پاس سوانح نگار کا دل ہو۔ سوانح نگاری
کا دل صرف حالی کے حصے میں آیا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حالی کی سوانح نگاری
میں کچھ خامیاں ہیں مگر ان خامیوں کے باوجود بہت سی خوبیوں ہیں
جیسا کہ انہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے مواد جمع کیا ہے۔
وہ واقعات کا خیال اور اپنے "ہیرو" سے عقیدت رکھتے ہیں۔
انہوں نے واقعات کو بیان کرتے وقت اپنی ذات کو بالکل الگ کہا
ہے۔ ان کا انداز بیان میں محنت اور تصنع نہیں ہے۔ تمام
واقعات بڑے ہی سادہ اور سلیس زبان میں پیش کئے گئے
ہیں۔

میری ذاتی رائے ہے کہ حالی سے اچھا سوانح نگار اردو
(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

جن علاقوں میں دھند بٹھکے ہیں وہاں صنعتی کارخانوں اور گھر پلو چیمینوں کو دھول اور موٹر گاڑیوں سے خارج ہونے والی آلودگی سب دھند ہے۔ یہ کرسٹال پیداکرتے ہیں جو صحت کے لئے خطرناک ہونے کے علاوہ مسلسل دھند کی زد میں رہنے والے علاقوں میں معروف شہر اور ان پر آمد و رفت کے بڑے بڑے حادثوں اور گاڑیوں کی بھیڑ کے موجب بنتے ہیں۔

گرہی کی بدولت آلودگی:

ہم جب بھی کوئی ایندھنی مبادلے میں تو اس سے ماحول میں گرہی کا اضافہ کرتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی صنعت کاری اور برقیاتی طاقت کے فروغ کی وجہ سے گرہی کے اخراج میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ گرہی پیدا کرنے والی سرگرمیاں براہ راست اسی نسبت سے بڑھتی ہیں جس سے کوآبادی بڑھتی ہے۔ انسانی فروغ کی بہت سی سرگرمیوں کا وجہ سے ایندھن میں اضافہ ہوتا رہتا ہے جسے منعکس ہونے والی توانائی کہتے ہیں۔ اسکی مثالیں ہیں: پختہ اشیا اور اسخاٹ سے سڑکوں کی سطح تیار کرنا اور درختوں کو اندھا دھند کرنا۔ موجودہ دھند برقرار رہی تو اگلے پچاس سال تک یہ زمین صحت یا کسی طرح کی زندگی کے قابل نہیں رہے گی۔

سورج اور بیرونی خلا سے حرارت کا اشتداد جو کہ سطح زمین تک آتا ہے ایک دیگر نادریدہ سے آلودہ مضر کی صورت ہے۔ گیسوں اور ذرات چھوڑنے والی اشیا کسی علاقے کے اوسط درجہ حرارت میں تبدیلیوں کا باعث بن سکتی ہیں۔ ذرات بکھرے والی اشیا سورج کی روشنی کو بکھر کر درجہ حرارت کو کم کرتی ہیں۔ کچے گیسو سورج کی روشنی کو زمین تک آنے تو دیتی ہیں لیکن دھب کی گری کو سطح زمین سے اٹھ کر واپس خلا میں جانے سے روکتی ہیں۔ اس سے علاقے کے اوسط درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا نام ہے "سبز گھان کا اثر"۔ مٹی سے فضلے کی تہیں لگتی ہیں جن میں مردہ پودے اور جانوروں کا فضلہ شامل ہوتا ہے ان سے "یوس" پیدا ہوتا ہے۔ مٹی میں موجود جراثیم اسے نائٹریٹ فاسفیٹ اور دیگر غذائی مرکبات میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ان سے اگتے ہوئے پودوں کو خرابک مٹی ہے۔

کیمیائی گندہ کی بھاری مقدار ان جراثیم کے ان حوالوں میں

کمی لگتا ہے جن سے جراثیم یوس کی توڑ پھوڑ کوٹتے ہیں۔ بیماریوں کے جراثیم مارنے والی ادویہ کی زیادہ مقدار جراثیم کو تباہ کر دیتی ہے۔ مٹی کا کسٹو ایک اور گھنیا طرح کی مٹی کو آلودہ کرنے کی صورت ہے۔ درختوں کا اندھلا کھانا اور سطح زمین کے توازن میں غیر متوقع تبدیلیاں، جیسے دیہوں کی تعمیر پانی کے ذخروں کی تباہی یا مناسب پختہ پشترتوں کے بغیر نئی نہریں تیار کرنا آدھ مٹی کے کنڈک کا باعث بنتے ہیں۔ مٹی پر ڈالے گئے فضلے میں خالی مٹیوں، ڈھیلو کھوکھوں وغیرہ جیسی کباڑ کی چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ ان کو ٹھکانے رکھنا بھی آلودگی کے ایک دوسرے مسئلہ کو جنم دیتا ہے کیونکہ اس میں جلاتا گرم کرنا شامل ہے۔

پانی کی آلودگی:

انسانی ترقی اور تہذیب کو دریاؤں نے ہمیشہ زندگی بخشی ہے لیکن انسانی دہیوں کو غلط کر دیتا ہے جو اسکی زندگی کا سہارا ہیں۔ دریاؤں کی آلودگی کا بہت سا حصہ شہری فضلوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جنہیں اکثر کیمیائی طور سے ٹھکانے نہیں لگایا جاتا۔ پچاس ہزار لسنے نہایت آبادی والے ۵۲ شہر دریا کے کنارے واقع ہیں۔

جانوروں کو ہٹلانا، کوڑے کرکٹ اور صنعتی اخراج کو ان میں ڈالنا اور مردہ جانوروں اور انسانی لاشوں کا دریا میں ٹھکانے لگانا دریاؤں کی آلودگی میں اضافہ کرتے ہیں۔

کیمیائی کھادیں اور جراثیم کش ادویات جو کہ کھیتی میں استعمال کی جاتی ہیں آب پاشی کے پانی کے ذریعہ دریاؤں میں چلی جاتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں ان سب کا صحت کو نقصان پہنچاتی ہیں جو دریا کے پانی کو پینے اور نہانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ۸۰ فیصد بیماریاں پانی کے ذریعہ پھیلتی ہیں۔

سمندر کی آلودگی

ہم اپنے دریاؤں اور سمندروں میں تیل، کیمیائی اخراجات، بھاری دھاتوں کے ریڈیو ایکٹو فضولیات، صنعتی ادویات، جراثیم کش ادویات اور بہت سی دیگر اشیا ڈالتے رہتے ہیں۔ اب سمندر میں جیسے اور پارے کی بڑی مقدار ہے۔ لچیلیں جو کہ سمندر کے گہرے

مردن میں رہتی ہے جسے شدہ پارہ پی جاتی ہیں اور بیماری کا باعث بن جاتی ہیں۔ دنیا کے آدھے حصے سے زیادہ آبادی خودی پر دھن کے لئے چیلوں پر انحصار کرتی ہے۔

ایسی توانائی کی تشبیہوں سے نکلے ہوئے ریڈیو ایکٹو فضولیات کو گہرے سمندر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ سمندر کے اندر آتش فشاں پیدا ہوئے والے عناصر، تیل کے لئے گھوج کے کام اور گہرے سمندر کی صنعتیات جیسے متعدد عام ایسی حرکات پیدا کر سکتے ہیں جن سے گہرے پایاب اور سطحی پانی آپس میں مل جاتے ہیں۔ ایک ایسی آزمائش کے دوران، ریڈیو ایکٹو فضلے کے بعض آدھے تیل سے بحران کا حل کے دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبے میں تشریش تک سال پیدا ہوئے جبکہ جس مقام پر تیل کے ستائے تک ریڈیو ایکٹو فضولوں کی مقدار ۱۰۰۰ اٹن سے زیادہ ہو جائے گی تو ہم سوچ سکتے ہیں کہ کتنے خطرات ہمارے حصے میں آئیں گے۔

دھاتیں :

پارے کو ایک معاون کیمیا کی طرح پانی وٹل۔ کورائیڈ تیار کرنے میں نیز کاغذ بنانے اور دھاتوں کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دھات جسم کے عیلوں کو فرداً فرداً تباہ کر دیتی ہے اور خلیوں کے تمام ذریعے کو ختم کر دیتی ہے۔ اس سے بڑھا ہوا جلد آتا ہے، اس وجہ سے بوجھ بھٹ جاتی ہے اور موت جلد ہو جاتی ہے۔

اسکل بارہ دھندہ دینے والے جانوروں میں اولی نالی کی رکاوٹ سے جو کہ گزرتی ہے جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اشیا میں پیدا آتشیں طور سے پارے کا زہر ہوتا ہے۔

سیسے کا معاملہ یہ ہے کہ موٹر گاڑیاں جو میٹرا، انجین سیسے کو ایندھن میں ملا کر استعمال کرتی ہیں ان سے صنعتوں اور تعمیر کانات کے کامیابی کی نسبت زیادہ خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ روایتی طور سے صنعتوں میں استعمال ہونے والے سیسے کے زہر اور اس طرح کے زہریلی فرق یہ ہے کہ اس میں ظاہری علامتیں پیدا نہیں ہوتیں چاہے بیماری اندر آچکی ہو۔ زہر کے اثرات کی سطح گاؤں اور ساحلی سمندر کے علاقے میں رہنے والے لوگوں کی نسبت ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے جو شہروں میں رہتے ہیں اور ان

کے قریب رہتے ہیں۔

موٹر گاڑیوں میں سال ہوا میں ٹیون سیسے سمجھتی رہتی ہیں۔

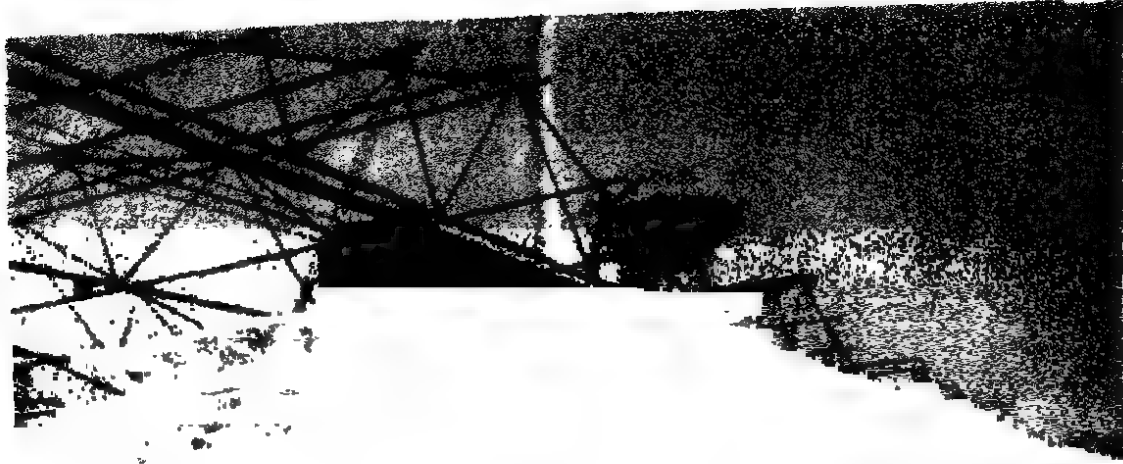
ہندستان میں مشرقی اور شمال مشرقی علاقوں کی ریٹائنز میں پیدا ہونے والے پٹرول میں سیسے کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ ہند اور گوالی میں جو ماہوں پر گندہ ہوا میں سیسے کی مقدار دہائی کی نسبت آٹھ سے دس گنا زیادہ ہوتی ہے۔ جس موٹر سپرٹ میں سیسہ ہوتا ہے اس کی کھپت ۱۹۸۳ کے بعد فیصد کے متوقع اضافے کی وجہ سے تقریباً دو گنی ہو گئی ہے۔ سیسہ خوراک میں وارد ہو جاتا ہے۔ لیڈ آر سینٹ کے اس اسپرے سے جو کھیتی میں استعمال کیا جاتا ہے سیسے کو ان ذیورنوں کے بند کرنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جن میں خوراک کی اشیا بھنگ جاتی ہے اس سے نہر پیدا ہوتا ہے۔ سیسے سے متاثر ہونے کی صورت حال صحت کے انتہائی آج کی سطح کی نسبت تین یا چار گنا ہو جائے گی کیوں کہ موٹر گاڑیوں کی تعداد بڑھتی رہے بڑھے گی۔

محض شمالی نصف کرہ ارض میں سمندر کی تہ میں پٹنے والا سیسہ پانچ لاکھ ٹن فی سال کے حساب سے اکٹھا ہوتا رہتا ہے۔ برتنوں کے اندر سے فیصلہ کرنے کے لئے جو کیمیا استعمال کیا جاتا ہے اس سے گرمی کو نقصان پہنچتا ہے اور یہ اعصابی نظام نیز تومر، سرطان اور اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ دھات جسمانی نظام پر اثر انداز ہونے سے پہلے کافی دیر تک جسم میں موجود رہتا ہے۔ کیمیا کی زیادہ تر مقدار ان پودوں کی چھوڑی ہوئی دھول سے آتی ہے جو جتنے سیسے اور تانبے کی کچی دھات رکھتے ہیں۔

بہت سی دیگر زہریلی دھاتیں بھی ہیں جو ماحول اور زندہ چیزوں میں آلودگی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ ان دھاتوں میں بیروم، نیشنیم، سسٹیم اور فیمیل شامل ہیں۔

ایس جیسے دھاتیں

دیکھنے میں بالکل بے فرد اور بہت استعمال میں آنے والی لیکن خطرناک اور نقصان پہنچانے والی تھیں کا نام ہے۔ ایس جیس ٹاسر کنڈرات جو جسم کا اندر جاتے ہیں ان سے وہ خطرناک سرطان ہوتا ہے جو پیچھے میں کوڈ چلنے والی جلی میں پیدا ہوتا ہے۔ ایس جیس ٹاسر کی (باقی صفحہ ۹ پر)



نیومارکیٹ، کلکتہ کے دکانداروں، جن کی دکانیں نذر آتش ہو گئی تھیں، کے لئے چوزنگی میدان کے علاقے میں نئے سٹینڈ کی تعمیر

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
Printers. 54/1C, Shyampur, Street, Calcutta-700 004.

MAGHREBI BANGAL
1st August 1986

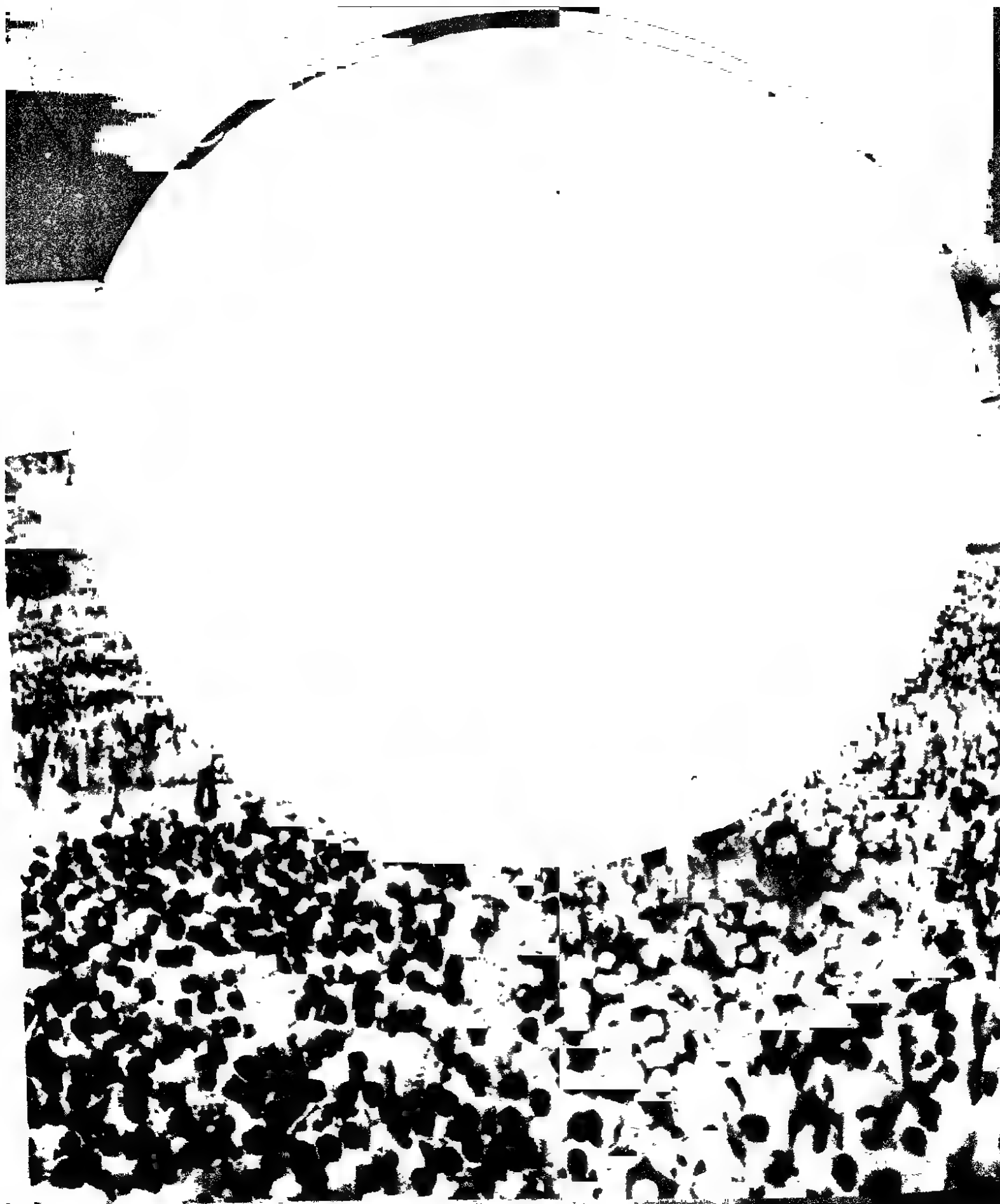
Postal Regd. No. W6/C C-52
Vol-37 No-28
PRICE 12 Paise



مشیر لکڑی اور اس کے قتل کے دو پہلے کے وقت پر منصفہ ایک تقریب میں مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ اور اصحابیت آرائشی شری بینے نے جو دھری اور وزیر بنگال شری اپنورا نے۔



گریٹ ایشیائی میناں میں ۴ جولائی ۱۹۸۶ء کو بنگال حکومت کے مشیر لکڑی اور دھری کے وزیر اعلیٰ منصفہ
دھری نے ایک تقریب میں ریاستی حکومت کے وزیر اعلیٰ اور اصحابیت آرائشی شری بینے نے جو دھری اور بنگال
کاشت کے قتل کے وقت پر منصفہ



پیشہ روزانہ مغربی بنگال

یوم آزادی نمبر

شرح خریداری

سالانہ : تین روپے * اس خصوصی شمارہ کی قیمت : ۲۵ روپے

توسیلہ زر کا پتہ !

پرنس شجر
شعبہ اطلاعات و ثقافت امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳- آرا این انٹرنی روڈ
کلکتہ - ۷۰۰۰۱

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چاریہ

مدیر : دھرمندرانا تودت

مدیر معاون : مسرتھ اعظم

جلد نمبر ۳۳ * ۱۵ اگست اور یکم ستمبر * شمارہ نمبر ۱۲۱۴



وزیر اعلیٰ مشنری جیوٹی باسوا ۱۵ اگست ۱۹۷۶ء کو گریٹ ایسٹرن ہوٹل، کلکتہ میں مغربی بنگال کے سابق گورنر اور اسٹیکرڈ کشت کے ساتھ ایک دعوت الوداع میں

صبح آزادی



یہ دلخ داغ احبالا، یہ شب گزیدہ
وہ امتکارتھ جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو نہیں
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شمس ست موبہ کا ساحل
کہیں تو مہب کے زکے کا سفید غم دل

جوں لہو کی پڑا سراسر شاہراہوں سے
چلے جو یار تو دامن پہ کتنے ہاتھ پڑے
دیار حسن کی بے صبر خواب گاہوں سے
پکارتی رہیں باہنیں، بدن بولتے رہے
بہت سبز تھی لیکن رہن سحر کی لکھن
بہت قرین تھا حسینان نور کا دامن
شبک شبک تھی تمنا، دبی دبی تھی ممکن

سنا ہے ہو بھی چکا ہے فراقِ ظلمت و نور
سنا ہے ہو بھی چکا ہے وصالِ منزل و کام
بدل چکا ہے بہت اہل درد کا دستور
نشاط و صحتِ صلال و غذائے ہجر حرام

جگر کی آگ، نظر کی امتگ، دل کی مہلن
نہی پہ چارہ، جوں کا کچھ اثر ہی نہیں
کہاں ہے آتی نگار صبا کہ ہجر کو گنتی
ابھی حیرانِ سر رہ کو کچھ خبر بھی نہیں
ابھی مگر آتی شمس میں چمکی نہیں آتی
نجات دیدہ و دل کی ٹھٹھی نہیں آتی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آتی

فیض احمد فیض

قوم پرستی کی تحریک ۱۸۵۷ء

بعض مورخین نے ۱۸۵۷ء کے شورش کو مسلح افواج میں بغاوت قرار دیا ہے جبکہ یہ تحریک اس سے کہیں زیادہ تھی جس میں دورانِ فسادہ خطوت غرض یہ کہ تمام گوشہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ لیا۔

برطانوی کہانی کی طرف سے جس نے کہ بعد میں غائب حکومت سنبھالی، کئے جانے والے جبر و استبداد پر عوام کے مختلف طبقوں کی جانب سے یہ پہلا بڑا رد عمل تھا۔ اس سے قومی بیداری کی تحریک کا آغاز ہوا۔ مختلف ریاستوں اور صوبوں میں متحفظ کاروائی کا پیغام پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ غیور ملکیت کو ایسا فوری خیرہ قرار دیا گیا جس سے چھوٹے موٹے اختلافات کو فسادات کو فساد کر کے نہا جاتا تھا۔

مسلمان عوام برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر اور زینت محل کی قیادت میں مشترکہ فوجوں نے جو کردار ادا کیا وہ بھارت کی تاریخ میں بقائے نام اور انہماک کی ایک نمونہ مثال ہے۔ بلاشبہ مسلح افواج میں بے چینی پائی جاتی تھی جو چربی لگے کارٹوس کے تارے پر بھڑک کر سامنے آ گئی۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شورش کی ایک وجہ یہ تھی کہ لیکن بعض دیگر پسو بھی تھے جنہیں عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

استعمال

بہادر شاہ ظفر کے ۲۵ اگست ۱۸۵۷ء کے اشتہار میں صول اور طبری سرویس میں ہندوستانیوں کو دلا جانے والی معمولی تنخواہ اور توہین آمیز سوک کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی تھی۔ اشتہار میں ایک اور الزام یہ بھی تھا کہ انگریز انگلستان میں تیار کردہ مال بھارت کو مقامی کاریگروں کو بے روزگار کر رہے ہیں۔

بہت سے برطانوی مورخین نے اس وقت کے سرکاری آف اسٹیٹ کی طرف سے دئے گئے سرکاری بیان کی نادرستہ طور پر تقلید کی اور ۱۸۵۷ء کی شورش کو بغاوت قرار دیا۔ لیکن یہ بعض افواج میں محدود نہیں تھی۔ فوج کے عہدہ داروں میں نفرت اور بے چینی پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا کیوں کہ انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں کی مدد سے بھارت پر فتح حاصل کی تھی۔ لیکن کچھ دستے عوام میں جیسے والیان ریاست کا رد عمل غریب کسانوں اور قبائلی افراد کا فم و غصہ اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے مذہبی جذبے کی توہین۔ باغیوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران زمین دار اسکاراکن اور قبائلی بھی شامل تھے۔

۱۸۵۷ء کی جدوجہد کو بغاوت قرار دینے والے مبصرین اکثر اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ یہ انگریزوں کو اس بات کا پہلا اشارہ تھا کہ پورٹ ڈالوا اور راج کر دے کی پالیسی اتنی نمونہ اور بائیدار ثابت نہیں ہو سکتی جیسی کہ وہ چاہتے ہیں۔ مثال کے طور پر بہادر شاہ ظفر کے ساتھ جو سوک کیا گیا اسے دلی کے ہندو اور

برطانوی حکومت نے بہت سے تعلیق داروں کو زمینداروں کو زمین کے علاقوں سے ہٹا کر دیہی علاقوں میں بھی کافی برہمن پیدا کر دی تھی۔ سرکار کے اعلیٰ متکلمین دیہی علاقوں میں پہنچ کر ہندوستانی زراعت پیداوار کا استحصال کر کے اسے برطانیہ برآمد کر رہے تھے جہاں اس کے ذریعہ صنعتوں کو فروغ دیا جاتا تھا۔

کلر نوٹس کے نئے نظام کے تحت دیہی علاقوں میں پرانے زمین داروں کی جگہ نئے زمین دار کو دے دی گئی۔ انہیں برہمن کی کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ان زمین داروں کو اپنی سرسبز زمین سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے میں دل چسپی تھی۔

نظام برہمنیت کا ردی کے لئے لڈیٹ دینے کے طریقے بھی اپنائے گئے۔ نام اہم شہر کی تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا اور چھوٹے کاروبار پر بھی حکومت نے بھاری ٹھوسات مائد کر کے اندر دل ملک تجارت کے لئے مالی دشواریاں پیدا کر دیں۔ ۱۸۴۳ء اور ۱۸۶۵ء کے درمیان راجوں کی برہمنیت حکمرانی کی گنجینی بن چکی تھی۔

انگریز انڈین کے سخت مالی خالصوں اور حاکمانہ انتظامی تعلقات کے سامنے عوام کے جذبات اور قدردانی نقصان کے نقصان کی کوئی حقیقت نہیں رہی۔ انہوں نے اپنے مفاد اور انگلستان کو مائدہ پونہ پانے کے لئے اتحادی کے لئے دلائل دینا شروع کئے اور بے شرمی کے ساتھ پنجاب، ناگپور، سندھ کے علاقہ بہت سے دوسرے راجوں کو نو بیوں کی ملکیتوں کا اتفاق کر لیا گیا۔

اپنی حکومت کو توسیع دیتے وقت انگریز خواہوں، راجاؤں اور حتیٰ کر دی کے منشی ستہنٹہ کے نظریات میں بھی مسلسل مداخلت کر رہے تھے۔ ایٹ ہڈیا گینہ نے ہم تھا میں ایک حکم جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ بادشاہ کی وفات پر جانشین کا انتخاب کرنے کے لئے ہر مرد بزرگ و جوان کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ انگریزوں نے جہانگیری کا رانی نکشی بھی لاکھا گود لینے نہیں دیا۔ سیاست کے اتفاق پر منع دیا۔

دایان ریاست چاہتے تھے اپنے علاقوں کو انگریزوں کی مداخلت سے سب آگے رکھ سکتے تھے لیکن اس حقیقت پر وہ بے چارے۔ برہمنی راج کے جو ستم کے خلاف آواز بلند کر رہی تھی۔ اس نے

کودج سے ہی جہانگیری کی نکشی پائی اور اس کے حضرت محل میں ان کی جگہ پر گود پڑی۔ بادشاہ نے اپنے ایک فرمان میں کہا تھا کہ ان کی یہ دلی خواہش ہے کہ یہودی لوگوں کو بھارت سے نکال باہر کیا جائے خواہ اس کے لئے کتنی ہی قیمت کیوں نہ چکانی پڑے اور کیسے ہی درائج استعمال کیے نہ ہوں۔ میری زبردست خواہش ہے کہ بھارت کو ایک آزاد ملک کی حیثیت سے دیکھوں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انگریزوں کے نکالے جانے کے بعد اپنے ذاتی مفاد کے لئے بھارت پر حکمرانی کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے بلکہ خدا کے برتر نے ان کو چھینے قیمتی تحائف سے نوازا ہے ان میں آزادی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

دایان ریاست نے ہندی مذہب پر بھی اعتراض کیا جس کی انگریز حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ اسی ہندی مذہب سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے جذبات عروج پورے تھے۔ اس طرح لوگوں کو غیر متکا راج کے غلط لڑنے کے لئے ایک اور معاہدہ مل گیا۔ ۱۸۴۵ء میں ایک محضر نامہ مرتب کیا گیا جس پر ہندو کے عوام نے کثیر تعداد میں دستخط کئے تھے اور انہوں نے صحت پانہ کر ان کے مابین مذہب اور مذہبات کے تحفظ کے لئے جس اقدام کی ضرورت ہوگی وہ اسے کریں گے

ہندو مذہب کی پیدائش

انگول اور چپائی کو انقلاب کی علامت کے طور پر جھانگیا اور غریب کے پیغام کی شورشیں کو بگڑا کر تک پیدائش گیا۔ شمالی بھارت میں بنگال سے پنجاب تک کھلی بغاوت ہوئی تھی۔ انگریز اس کی شدت کم تھی لیکن یہ دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی۔ بارک پور میں مسلح پانڈے کی بغاوت کے بعد میرٹھ، دہلی، انیسرا، بدایوں، کانبھور، جہانگیری، لکھنؤ اور آگرہ جیسے تمام شہر بغاوت کا مرکز بن گئے۔ ہمارا سنہ ۱۸۵۷ء میں بھی یہ لہر پھیل گئی۔

ملا سس میں فوج نے شہنشاہ دلی کے ساتھ خدا کی کا اعلان کر دیا۔ اڑیسہ میں گوم سورا باز اور انگول قبیلوں کے سرداروں نے کچی سالی ملک انگریزوں کے گنہگاروں کی خلاف ورزی کیا۔

جنہوں نے جانیں نثار کر دیں وہ قوم و وطن کی خاطر
فرشتے جتنی کچلتی لاشوں پہ اشکِ یزداں کے ہار لائیں

وہ آج یوں اپنی بند آنکھوں سے دیکھتے ہیں وطن کی حالت
قدم قدم پہ سنسکتی بہنیں، تڑپتے بچے، بلیکتی مائیں!

وہ بند آنکھوں سے دیکھتے ہیں، خوش ہونٹوں سے کہہ رہے ہیں
وطن کے مقتل کو دیکھتے ہیں اور اپنی روتوں پہ سہہ رہے ہیں

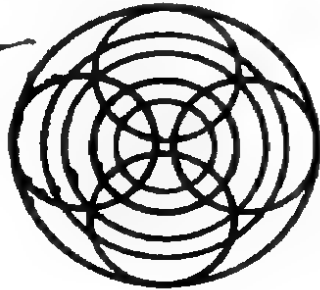
کہ کیا اسی ایک شکلِ مبہم کے واسطے کل تھی یہ مشقت؟
یہی شہیدوں کی ہے وراثت، یہی شہیدوں کی ٹھہری قسمت؟

یہی وہ منزل تھی جس کی خاطر حیات کے کارواں لٹے تھے؟
ہزاروں ہی بستیاں بھنکی تھیں، ہزاروں بے خانماں ہوئے تھے؟

ہزاروں غنچے سل چکے ہیں، ہزاروں کلیوں نے خون تھوکا
چمن ہمارا چمن نہیں ہے، یہ ایک مقتل ہے رنگ و بو کا

نہیں! یہ منزل نہیں ہے اپنی، بڑھو کہ منزل ہے ایک دھوکا
ابھی تو انا قدم ہیں اپنے، جواں ہے احساس، جھوکا

ساکت لکھنوی
۱۱ اگست ۸۶ء



ساکت لکھنوی

جنہوں نے جانیں نثار کر دیں
ایک طویل نظم "خوابِ آزادی" کا ایک ٹکڑا

ہندوستان کی جنگ آزادی میں خواتین کا حصہ

سلیمان خورشید
لیکچرار، شعبہ تاریخ، سیٹی کالج، کلکتہ

جب اٹلی تو اس نے محل کے آرام و آسائش کو تباہ دیا۔ انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنے لڑکے برجیس قدر کو اودھ کا بادشاہ بنایا۔ لکھنؤ سے انگریزوں کو نکال باہر کیا اور باغیوں کی لیڈر شپ سنبھالی۔ نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے جواب میں اپنا اعلان جاری کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے ہندوستان کی انتظامیہ کو چھین لینے کا اعلان کیا۔ غدر کے دوسرے اہم لیڈروں کا رابطہ قائم کیا خاص کر نانا صاحب کے ساتھ مل کر خود جنگ میں کود پڑی۔ انگریزوں نے جب لکھنؤ پر حملہ کیا تو دفاعی جنگ میں خود شریک رہی۔ لکھنؤ پر انگریزوں کے قبضہ ہونے پر وہ فرار ہو کر فیض آباد کے باغی مولوی کے اشتراک و تعاون سے شامیان پور پر حملہ کیا۔ ناکام ہو کر نان پارٹھ کی طرف لوٹی اور نیپال میں پناہ لی۔ نیپال کی ترالی میں پھر اس نے اپنے فوجیوں کو منظم کیا۔ نانا صاحب بھی اسی وقت نیپال میں فرار ہو کر پہنچے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر پھر ایک بار انگریزوں سے بھرپور لڑائی رہی۔ انگریزوں کے سامنے گھٹنے دینے سے اس نے ہمیشہ انکار کیا۔ نیپال ہی کے کسی گوشے میں اس کی زندگی کا چراغ بجھ گیا اور وہ ہندوستانی خواتین کا نام روشن ہو گئی۔

دوسرا اہم نام جہانسی کی رانی لکشمی بائی کا ہے۔ اتر پردیش کے دارا سہی کے علاقے میں پیدا ہوئی۔ اصل نام سنی کرینیکا تھا۔ جہانسی کے راج گھوڑاؤ سے شادی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں شوہر کے مرنے کے بعد جہانسی ریاست کی قائم مقرر ہوئی۔ انگریزوں نے اس کے لیے پاک لڑکے دامودر راؤ کو ماننے سے انکار کر دیا اور

ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کی ابتدا کو لے کر مورخین کے درمیان کافی اختلاف رائے ہے مگر اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کو ہم ہندوستان کی جنگ آزادی کی پہلی جنگ کہہ سکتے ہیں۔ لہذا اس مختصر سے مضمون میں خواتین کے رول کا جائزہ اس پس منظر میں لیا گیا ہے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد نے حصہ لیا۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ہر فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے اس جدوجہد آزادی میں شرکت کی اور اپنا خون بہا دیکر وطن کو آزاد کرنے کی کوشش کی۔ اس جنگ آزادی میں صرف مردوں نے ہی بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا بلکہ اس میں ہماری خواتین نے بھی نمایاں رول ادا کیا اور تحریک آزادی کو تقویت بخشی۔ ہماری خواتین نے بھی اپنے آپ کو آزادی کا پرچم بنایا اور مردوں کے شانہ بشانہ انگریزوں کے خلاف نکل آئیں اور اپنے سینوں پر گولیاں کھائیں، جب لوں کی کال کو ٹھروں میں نہ جانے کتنے ظلم و ستم کے پہاڑ ان پر توڑے گئے۔ سینکڑوں ان ظالموں کے ہوس کا شکار ہوئیں اس کے باوجود جب ان کی ثابت قدمی میں فرق نہیں آیا تو انہیں دابر پر چڑھا دیا گیا۔ اس مختصر سے مضمون میں تفصیل سے تمام خواتین کا ذکر کا احاطہ کرنا ناممکن ہے پھر بھی چند ایسے نام بار بار ذہنوں میں بجلی بن کر چمکتے رہتے ہیں جنہوں نے اس جنگ آزادی میں اپنے خون سے تحریک کی آبیاری کی ہے۔

ان خواتین میں سب سے روشن نام بیگم حضرت محل کا ہے جو اودھ کے نواب واجد علی شاہ کی بیگم تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی

ریاست سے اسے بے دخل کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اپنے
 مت میں جب ۱۸۵۵ء میں جنگ آزادی کی آواز بلند ہوئی
 نہیں باقی نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور انہیں
 کسی سے نکال باہر کیا۔ پھر اس نے انگریزوں کو آگے بڑھ کر
 پور اور بروداس گڑ کے مقام پر شکست دی اور اس طرح وہ
 ۱۸۵۷ء کا سب سے طاقتور لیڈر بن کر ابھرا۔ اس کی فوجی
 قیادت میں اور بھی اضافہ ہوا جب پانچرا اور شاہ گڑھ کے حاکم اس
 کو مل گئے۔ سر ہمت مدد کی قیادت میں انگریزوں نے زبردست
 کیا۔ وہ ہفتہ تک کشمیری باغی بڑے جگہ سے مقابلہ کرتا رہا
 باغیوں میں پناہ لی۔ وہاں راجا صاحب اور تانیا ٹوپ اپنی فوجوں
 ساتھ آئے۔ کوٹہ اور کھمبہ کے مقام پر پھر جنگ ہوئی۔ مخالفت
 نے اسے گوالیار میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ پیشوا کی حکومت
 ماتم کا اور انگریزوں سے نبھانے کی جنگ لڑنے پر آمادہ ہوئی۔
 ماکا لباس انارکرم مدوں کا لباس پہنا، فوجیوں کی کمان اپنے
 ہاتھ میں لی۔ بڑی بے جگری سے لڑی مگر گولیاں کے سرائے کی
 مابین برسی طرح زخمی ہو کر ۸ مارچ ۱۸۵۸ء میں اس دار فانی
 ہمیشہ کے لئے کوچ کر گئی لیکن انگریزوں کے سامنے ٹھٹھنے
 نہ گئے۔

اس جنگ آزادی میں صرف نواب زاریاں یا
 انہوں نے ہی حصہ نہیں لیا بلکہ اس تحریک میں وہ عام شہریوں
 دیوان، ہنسیں اور مائیں بھی شامل رہیں جنہوں نے کہیں گھسے
 چار دیواری کے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ
 دی کے شعلے بلند ہوئے تو ہر طرف انگریزوں کے خلاف
 بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی۔ انگریزوں نے بندوق کی نال پر اس
 مت کو دبانے کی کوشش کی۔ دہلی کے قریب مظفر نگر میں بھی
 مانے بغاوت کی۔ انگریزوں نے اس شہر پر حملہ کر دیا۔ یہاں
 درجن اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں اور جنگ میں حصہ لیا۔
 ساری عورتیں گرفتار ہوئیں۔ ۱۱ عورتوں کو پھانسی پر چڑھا
 لیا۔ ان میں آٹھ دیوی، جگوانی شہنا دیوی، حبیبہ اور حبیبہ
 بی عوان عورتیں شامل تھیں۔ سرکاری ذرائع کے مطابق

تقریباً ۲۵۵ عورتوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

جنگ آزادی کی تحریک چلتی رہی اور ہر دور میں ہمارے
 خواتین مردوں کے پیش بدھ بن رہیں۔ گاندھی جی کی قیادت میں
 تحریک آزادی نے عوامی شکل اختیار کر لی۔ انہیں یہ احساس
 ہوا کہ جب تک ہماری عورتیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں تحریک
 آزادی میں شریک نہیں ہوتیں اس وقت تک ہماری تحریک کمزور
 رہے گی۔ ۱۰ اپریل ۱۹۳۱ء کو انہوں نے اپنے اخبار "ینگ انڈیا"
 میں ہندوستان کی عورتوں سے مطالبہ ہو کر لکھا کہ انہیں بھی سستہ
 گاہ میں حصہ لینا چاہئے اور چرنے کا تنا چاہئے۔ اس اپیل کا
 اتنا زبردست اثر ہوا کہ ہر طبقہ کی تعداد میں دنیا فوسلی اور اعلیٰ
 خاندان کی خواتین اپنے گھروں کی چار دیواری اور پردے سے باہر
 نکل آئیں اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔
 انگریز حکومت ہندوستانی خواتین کی اس بے باکی اور ہمت پر حیران
 و ششدر رہ گئی۔ مس تیری کمپیل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ
 کس طرح صرف دہلی میں گاندھی جی کی آواز پر ۱۶۰۰ عورتوں نے
 سستہ گاہ کر کے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔

اسی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ تشدد پسند تحریک
 میں بھی ہماری خواتین پیچھے نہیں رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بنگال
 کی کماری پریتی ناتھ داوید کرشن نے تیسرے دہائی میں سر جیسن
 کی سربراہی میں جانگام کے مقام پر انگریزوں کے خلاف جنگ
 کی اور آخر میں گرفتاری کے بجائے خودکشی کو ترجیح دی۔ اس
 طرح مانگنی ماجرا کا نام بھی ہم فراموش نہیں کر سکتے جس نے
 "عدم تعاون" کی تحریک سے لیکر "بھارت چھوڑو" تحریک تک
 مسلسل انگریزوں کے خلاف احتجاج کرتی رہی۔ جس نے ناسلوک
 میں گورنر کے ایک دربار میں "واپس جاؤ" کا نعرہ لگانے کی ہمت کی۔
 ۱۹۳۲ء کے "بھارت چھوڑو" تحریک میں بے شمار

خواتین نے حصہ لیا۔ ان میں چند نام یہ ہیں :

شرمیتھ دلی اٹل مائی، شریکا، نکھتہ، خیرہ، شریکیتی
 سونائی، جیکے، اسدھا، کمار، شرما، سمپتہ دیوی، پیاری
 دیوی، پریمچاند دیوی، کھنٹی کمار، دیوی، بھو کیشوری، بھوکانانی، سونو
 (باقی صفحہ ۱۸ پر)

جدوجہد آزادی میں ہندوستانی جمہوری فوج کا کردار

از: سرنج چکورتی

آج بھی ہمارے دلوں میں ان مجاہدین آزادی کی یادیں تازہ ہیں جنہوں نے مادر وطن کی آزادی کے لئے اپنی اپنی جان عزیز کی قربانیاں دیں۔ جتندراناتھ داس ان شہدائیں میں سے ایک تھے جو ملک کی آزادی کے لئے انگریز حکمرانوں سے بہرہ آرماء ہوئے اور آج سے ۵۰ سال قبل لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ مادر وطن کی آزادی کی حصولیابی کے لئے ان کے مقاصد اور تصورات موجودہ دور کے نسل کے لئے مشعل راہ ہیں اور یہاں ان کا ذکر کرنا لازمی ہے۔

اس بابت سے تو ہم سب واقف ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی، جسے انگریز سپاہیوں کی بغاوت کہتے ہیں، کے بعد سے آزادی کے لئے سارے ہندوستان میں جدوجہد شروع ہو گئی اور آخر کار غیر ملکی حکمرانوں کو ۱۹۴۷ء میں ہندوستانوں کے ماتحت اقتدار کو منتقل کرنا پڑا اور ہمارا ملک مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ تحریک آزادی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمیں یہ بات معلوم ہوگی کہ گاندھی جی کے تحت عدم تشدد، شہری مزاحمت اور روسی اور آئرش انقلابیوں کے فوئر پر تشددی تحریک نے مجاہدین آزادی کے ایک طبقہ کو کافی متاثر کیا اور انہوں نے اپنے مقصد کی حصولیابی کے لئے اپنی جان عزیز کی قربانیاں دیں۔ جلیان والا باغ کے قتل عام کے سانحہ کے بعد ایک سابق فوجی سکھ نے ۱۹۴۲ء میں انڈین ری پبلیکن آرمی یعنی ہندوستانی جمہوری فوج کی تشکیل کی۔ اس جمہوری فوج کا مقصد یہ تھا کہ پہلے

قدم کے طور پر بدنام زمانہ برٹش ماکوں اور ان کی کٹھ چیلوں کو ایک ایک کر کے مار ڈالا جائے اور اس طرح برٹش حکمرانوں کے دل میں خوف پیدا کیا جائے اور آخر میں انہیں ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے نکال باہر کیا جائے۔ اس دوران یعنی ۱۹۳۵ء اور ۱۹۴۶ء میں ایک خفیہ پارٹی بنام ہندوستانی قومی فوج قائم کی گئی۔ اس پارٹی کے کمانڈر ایک ۲۴ سالہ نوجوان بھگت سنگھ تھے۔ اس پارٹی کے ممبروں کو ملک کے ہر صوبہ میں ہندوستانی قومی فوج قائم کرنے کی ہدایت دی گئی۔ خود بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں، سکھ دیو، راج گرو اور لاہور میں رہنے والے ایک بنگالی بالو کشنورت نے پنجاب میں پارٹی کی تنظیم کا کام شروع کر دیا۔ اتر پردیش میں اس طرح کی فوج تیار کرنے کا زبرداریاں چندر شیکھر آزاد کو اور بنگال میں جتندراناتھ داس کو سونپی گئیں۔ صرف چند لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ جتندراناتھ داس کا تعلق تحریک میں شامل تھے اور انہوں نے سبھااش بوس کی ۲۵۰۰ ملٹری رضا کاروں کا ایک دستہ تیار کرنے میں مدد دی۔ ان رضا کاروں نے کلکتہ میں ۱۹۴۹ء میں منفقہ کانگریس کانفرنس میں گوانقد رخصتات انجام دیں، لیکن باطن میں وہ اسی قومی فوج کے لئے نوجوانوں کی نئی بھرتی کرنے اور انہیں بذوق چلانے اور انہیں ہم تیار کرنے کی تربیت دیا کرتے۔ اس سلسلہ میں لاہور سازش کیس اور اس کے فوراً بعد چائنگام اسکول خانہ پر حملہ کیس کو جدوجہد

آزادی کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔

جندرا داس جنوبی بھارت کے علاقے میں رہتے تھے۔

انہیں بنگال میں اپنی پارٹی بونٹ کے لئے بم تیار کرنے کے الزام میں ۱۴ جون ۱۹۲۹ء کو گرفتار کر لیا گیا اور زبردست پولس دسٹریکشننگرائی میں لاہور میں میں منتقل کر دیا گیا۔ لاہور سازش کیس کے چند اہم ملزمین بھگت سنگھ، سکھ دیو، راج گرو اور باٹو کشوردت تھے۔ مقدمہ ۱۰ جولائی ۱۹۲۹ء کو شروع ہوا۔ ان میں سے چند ملزمین نے ۲۴ دنوں کی بھوک ہڑتال کر رکھی تھی اور انکی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ عدالتی کارروائی کے آخر میں بھگت سنگھ اور باٹو کشوردت پر دو الزامات عائد کئے گئے۔ الزامات یہ تھے کہ ۸ اپریل ۱۹۲۹ء کو جب صدر پارلیامنٹ وینٹل بمبائی پینل قومی تحریکی کی روک تھام کرنے کے لئے ایک سرکاری عوامی تحفظ بل ایوان میں غور و عرض کرنے کے لئے پیش کر رہے تھے تو اس وقت مذکورہ بالا دونوں افراد نے ہندوستانی جمہوری فوج کے نام پر سنٹرل ایبلی میں بم پھینکا اور دست راستی کیا۔

ان لوگوں کے خلاف مقدمہ یہ تھا کہ ان لوگوں نے بھگت سنگھ اور ان کے تقریباً ۵۰ کامریڈوں کے ساتھ ایک پارٹی بنام ہندوستانی جمہوری ایسوسی ایشن قائم کی تھی۔ بعد میں یہ پارٹی ہندوستانی جمہوری پارٹی میں ضم ہو گئی۔ اگست ۱۹۲۸ء کو اس پارٹی کی ایک نشست ہوئی جس میں ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی اور اس کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ یہ مختلف صوبوں کی سرگرمیوں میں مالی میل کو قائم رکھے۔

لاہور میں سائنس کمیشن کے دورہ کے موقع پر پنجاب کیساری لالہ لجپت رائے نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ایک پراسن جلسہ سائنس کمیشن کی آمد کے خلاف بطور احتجاج نکالا۔ لیکن لاہور اسٹیشن کے نزدیک اس جلسہ پر لالہ لجپت رائے اور لالہ لجپت رائے جو اس جلسہ کی سربراہی کر رہے تھے بری طرح زخمی ہوئے۔ انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا لیکن چوٹ اتنی شدید تھی کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکے اور ہسپتال ہی میں ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جاں بحق تسلیم ہوئے۔ ان کی موت سے پنجاب میں اور سارے ملک میں ایک

بے چین پھیل گئی۔ ہندوستانی جمہوری پارٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مجرم پولس افسر کو، جو اسکاٹ لینڈ کا باشندہ تھا اور جس نے پولس فورس کی رہنمائی میں تھی، لحد جو اس پولس کے سربراہ پر حملہ کرنے کے لئے براہ راست ذمہ دار تھا، موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن شناخت کی غلطی کی وجہ سے ایک اور پولس افسر سونڈرس کو، جو اس واقعہ سے براہ راست ملوث نہ تھا، ۱۲ دسمبر ۱۹۲۸ء کو لاہور تھانہ کے پاس گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مارنے والے بھگت سنگھ، آزاد اور گوردراج تھے جو وہاں سے فرار ہو گئے۔ فرار ہونے والے انہوں نے اپنا بیجا کرنے والے یورپی سر جیفٹ اور ایک حوالدار کو بھی مار ڈالا۔ بعد میں بھگت سنگھ اور دت کو ۸ اپریل ۱۹۲۹ء کو سنٹرل ایبلی کی عدالت میں گرفتار کیا گیا۔ سونڈرس کے قتل کے کیس میں انکی تنویر ثابت ہو چکی تھی اس لئے انہیں لاہور سازش کیس میں ملوث کر لیا گیا۔

ان لوگوں کے خلاف یہ الزام عائد کیا گیا کہ ملزمین بادشاہ کے خلاف، اسے برٹش ہندوستان میں اپنی حکومت سے محروم رکھنے کے سلسلے میں، جنگ کرنے کے لئے ایک سازش میں مصروف عمل تھے اور انہوں نے خزانہ طاقت کے ذریعہ ہندوستان میں قانون کے ذریعہ قائم شدہ حکومت کو مہربوب کرنے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے ہتھیار اوزار اور لوگوں کو اکٹھا کیا۔ انہوں نے طاقت کے ذریعہ یا بھوک اور خزانہ گھیر کر ہر حملہ کے اسی مقصد کے لئے غذا اکٹھا کئے۔ انہوں نے بم تیار کئے۔ انہوں نے لوگوں کو جان سے مار ڈالا جنہوں نے سازش کے مقاصد کو رد بر عمل لانے میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ ان لوگوں نے ریل گاڑیوں کو بھوں سے اڑا دیا۔ اپنے مقاصد کی معمولیابی کے لئے ان لوگوں نے ان تمام ذرائع کو اپنایا تھا۔

بھگت سنگھ اور باٹو کشوردت کے خلاف ۱۰ جولائی ۱۹۲۹ء سے مقدمہ شروع کیا گیا۔ اس دور ان لوگوں کو قید خانہ میں شدید جسمانی اذیت پہنچائی گئی۔ بھگت سنگھ اور باٹو کشوردت نے مقدمہ شروع ہونے کے ساتھ ساتھ بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ زیر سماعت عرصہ میں انہیں کھٹن اور جان فشانی کا کام نہ دیا جائے، انہیں بدترین قسم کے مجرموں کے ساتھ نہ رکھا

جلدے اور پڑھنے کے لئے کئی مہینوں اور رسالے فراہم کئے جائیں۔ اس طرح کی سہولتیں دیگر بورہ قیدیوں کے لئے فراہم تھیں۔ یہیں سے ابتدا ہوتا ہے عام جرائم کے مجرموں اور سیاسی قیدیوں کے درمیان فرق نہ کی۔ زیر سماعت عرصہ میں یا قید کے عرصہ میں عام مجرموں اور سیاسی قیدیوں کے الگ الگ رکھا جانے لگا۔ اس طرح سنگھ اندرت کو قید خانہ میں اپنے ایک مقعد میں کامیابی ہوئی۔

۱۶ جون ۱۹۲۹ء کو جتندراناتھ داس کو لاہور جیل میں رکھا گیا۔ انہوں نے بجلیکٹ سنگھ اور بانو کشوردت کے ساتھ بمبک ہرنال شرمہ کر دی۔ انہیں جیل حکام نے موٹے نازے مجرم قیدیوں کی مدد سے جبراً کھانا کھلانے کی کوششیں کیں لیکن نامکام رہے۔ کچھ قیدی نے شدید مزاحمت کی۔ ۲۴ جولائی کو جتندراناتھ داس کو جیل ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ قیدیوں کی بمبک ہرنال کی وجہ سے چند قیدیوں کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ یہ خبر جب باہر کے لوگوں کو پہونچی تو وہ سب سے چین ہوا۔ ۲۶ جولائی کو لاہور میں منعقدہ کئی ہندو کانفرنس کمیٹی نے اپنی نشست میں یہ قرارداد منظور کی کہ حکومت نے جن طریقہ کار کو اپنایا ہے وہ ایک ظالم ملک کے لوگوں کو بھی چڑکا دے گا۔

جتن کی مزاحمت کی وجہ سے جیل کے ڈاکٹروں نے اس بات کو اچھا نہیں سمجھا کہ انہیں معنوی طریقہ سے کھانا کھلایا جائے۔ رخصت کی حالت ۲۴ جولائی کو اور بھی ابتر ہو گئی اور وہ رہ رہ کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ چونکہ دو اکو پانی میں گھل دیا جاتا تھا اس لئے انہوں نے پانی پینا بھی چھوڑ دیا۔ بجلیکٹ سنگھ، بانو کشوردت اور دیگر قیدیوں نے لاہور کانگریس کی منظور کردہ ایک قرارداد کی دماغ میں ۴ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو اپنی بمبک ہرنال ختم کر دی۔ اسی دوران حکومت نے ایک جیل انکوائری کمیٹی قائم کی اور اس کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ وہ انسانی سیاسی قیدیوں سے اجتناب کے لئے وزیر سماعت ہیں یا جنہیں سزا دی گئی ہے، والیست قوانین کا جانچ کرے اور اپنی رپورٹ پیش کرے۔

جتن داس کی حالت تو بہت بگڑ چکی تھی اور وہ شریاب نہ ہو سکے۔ ان کے جسم کا بایں حصہ مغلوب ہو چکا تھا۔

۱۸ ستمبر ۱۹۲۹ء کو انہوں نے اپنی بمبک ہرنال کا ۶۰ واں دن مکمل کیا۔ ان کے ہاتھ بھی بے حس دیے حرکت ہو گئے اور ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو دن کے سوا ایک بجے انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

یہاں کلکتہ میں ان کا اپنا مکان تھا۔ میں نے سڑکوں میں دیکھا کہ جگہ جگہ دیواروں پر پوسٹر چسپاں ہیں اور جن میں جتن داس کی صحت کی رپورٹ روزانہ درج کی جاتی ہے۔ یہ خبر تو پوس ہسپتال کے کسی زکس مسرت سے باہر آ جاتی اور یہ خبر تو می اخباروں میں بھی شائع ہوتی۔ دیوار کے پوسٹروں میں لال روشنائی سے انگریزی میں بڑے بڑے حروف میں لکھے جاتے سارے ہندوستان کے لوگ یہی کریں کہ وہ بہت جلد رو بہ صحت ہو جائیں اور حکومت سیاسی لیڈروں کے لئے خصوصی سہولتیں فراہم کرنے کے مطالبے کو تسلیم کرے۔ لیکن حکومت نے اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا۔ حکام نے جتن داس کے والد کی اس درخواست کو منظور کر لی کہ کیور ائمہ شمشان گھاٹ میں جد خاکی کو نذر آتش کرنے کے لئے جتن داس کی نعش کو کلکتہ لے آیا جائے۔ جتن داس کی بھی یہی خواہش تھی کہ ان کی نعش کو جنوبی کلکتہ میں نذر آتش کر دیا نہ صرف اس لئے کہ وہ بنگالی ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ ایک ہندوستانی ہیں۔

ہوڑہ اسٹیشن میں لاکھوں لاکھ سو گوار جتن داس کی نعش کا انتظار کرنے لگے۔ آخر میں جب پنجاب سے انکی نعش کو لانے والی ریل گاڑی ہوڑہ اسٹیشن پہونچی، تو لوگ ان کی نعش کو گاڑی میں رکھ کر وہاں سے کائیو اسٹریٹ، ڈلہوڑی اسکوٹر اور چورنگی سے ہونے والے کالی گھاٹ کے کیر ائمہ لے گئے۔ جنازہ کے جلوس میں میں بھی شریک تھا۔ جب جلوس کائیو اسٹریٹ، ڈلہوڑی اسکوٹر اور چورنگی سے گزر رہا تھا تو اس وقت میں نے یہ دیکھا بڑے صاحبوں کی بیگمات اور رستہ دار سب کو ٹھیوں اور ہونٹوں کے برآمدوں سے محاسن جلوس کو سہمے سہمے دیکھ رہے تھے۔ جلوس لغو لگاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچھا رستہ بھلا اور خاتون کو ختم کرو۔ کئی ائمہ گھاٹ میں جتن داس کے جد خاکی کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت اس نوجوان انقلابی کے گزر جانے پر پورے ماحول پر خاموشی چھا گئی تھی۔

تقریباً پنجاٹ ہندوستان کے تمام قومی اخباروں میں شائع ہوئے۔ آئرلینڈ کے انقلابی رہنما سٹرک سولی نائی، جن کی موت بھی ایسے حالات میں ہوئی، کی بیوہ مسٹر بیچنے نے آنجنابی جتن داس کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے پیچھے ٹیلی گرام میں کہا: "جندراناتھ داس کی موت سے غیر نسلی، مذہبی، سماجی، نسل اور مذہب کے سب سے بڑے ہندوستانی تمہارے وطن کے لئے ایک المیہ ہے اور باقیات خیر و اقدار ہیں۔ ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا۔"

۴ ستمبر ۱۹۲۹ء کو جب لاہور سازش کیس کے لئے عدالت کی نشست ہوئی تو اس وقت سرکاری کاؤنسل کی طرف جتن داس کی موت پر ان خیالات کا اظہار کیا گیا: "میں سمجھوں گی کہ طرف سے جندراناتھ داس کی موت پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرنا ہوں۔ آنجنابی میں ایسے خوبیاں تھیں۔ خاص طور پر ایک مطیع نظر کردہ برہمن لڑکے میں ان کی ہمت اور اس عقول، جنہوں نے سبوں سے خراج تحسین حاصل کی ہے، اگرچہ ان کے مطیع نظر سے یہیں اختلاف ہے تاہم مقصد کی مصلحتیابی کے لئے ان کے غیر متزلزل اعتماد اور یقین کی انہوں نے ناشکی کی تعریف کئے بغیر نہیں کیے۔ بعد میں بھگت سنگھ، سکھ دیو اور راج گرو کو لاہور جیل میں بھانسیا دسوی گئی۔ ہاتھ لگاؤ میں سب سے بڑی کوشش کی کہ ان کی بھانسی کی سزا کو عمر قید کی سزا میں تبدیل کر دی جائے، لیکن وہ ناکام ہوئے، کیونکہ حکام کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا تھا کہ ہندوستان ایک ابھرتی ہوئی ایشیائی قوم کی طرح تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔"

بقیہ: جند و جہد آزادی کے اور۔۔۔

طاہر قیو آؤ تم بھی آ جاؤ تمہیں بھی بہا کر سمندر سے ملا دوں۔ ہاں! کسانوں اور مزدوروں کی تحریک سمندر کی طرح اتھاہ بن گئی یہ تحریک زحرف سارے ہندوستان بیکو ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس واقعہ کے بعد محنت کش طبقہ منظم طور پر سیاسی میدان میں کود گیا اور اس کی اور عوام کی مشترکہ اور مسلسل جدوجہد نے ملک کو خلائی سے نجات دلائی اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہو گیا۔

پروفیسر نور الحسن مغربی بنگال کے نئے گورنر

غیر متہ ۱۱ اگست کو پروفیسر نور الحسن نے مغربی بنگال کے نئے گورنری حیثیت سے اپنے جہد کا حلف اٹھایا۔ راج بھون میں کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری۔ تیش چند رائے اپنا حلف دلیا۔ حلف برداروں کی تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جوتی بابو، ان کا بیٹا، وزیر دار الحکومت کورپوریشن کے میئر شری کل باسو، ڈپٹی میئر شری مانی سانیل، اسپیکر جناب ہاشم عبد الحلیم، ڈپٹی اسپیکر جناب حکیم الدین شمس، محکمہ دفاع کے اعلیٰ افسران، کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ایک پنج شریک تھے۔ حلف برداری کے بعد گورنر پروفیسر نور الحسن نے ایک پریس کانفرنس میں نامہ نگاروں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس جذبے کے ساتھ مغربی بنگال آئے ہیں کہ ریاست سے عوام کے منتخب نمائندوں کے ساتھ مل کر کام کر سکیں۔ مغربی بنگال کے سابق گورنر شری ادا ماسکر دشت گوشہ ۱۱ اگست کو کلکتہ سے روانہ ہو گئے۔

بقیہ: قوم پرستی کی تحریک۔۔۔

کی۔ کھونڈ اور سر اور سن قبیلوں نے بھی غیر ملکی راج کے خلاف علم بغاوت بلند کئے۔

چوٹا ناگپور علاقے میں سنگھ بوم کے کوس اور پالامو کے چیر و نیز کچھوار قبیلوں نے بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی اور چھاپہ مار جنگ کا طریقہ اختیار کیا۔

۱۸۵۵ء میں بہار کے سنہال علاقے میں برہمانیہ کی بالادستی اور حکمرانی کے خلاف بغاوت بھڑک اٹھی۔

درحقیقت ۱۸۵۷ء کا انقباض آزادی کی پہلی جنگ اور قوم پرستی کی تحریکوں کی شروعات تھی جس نے غیر ملکی راج کے خلاف متحدہ کارروائی کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔

عرضِ معذور

محمد شفیق عزمی
چاپوالوی

انگریز کی زمانے میں مشہور، شاطری
پہنچی دیر ہند میں باشکل تاحبری
آئی تھی وہ ذرائع دولت خریدنے
قیمت ریا میں دے کے اطاعت خریدنے
یاں حکمران سروں میں موادِ غرور تھا
مدہوش کوئی تھا تو کسی کو سرور تھا
تھے سورا مگر نہ سیاست شناس تھے
مینار تھے منور مگر بے اساس تھے
ادراک ہو سکا نہ انہیں نبضِ وقت کا
ہر حکمران سیاست ذہنی سے پٹ گیا
تھا چند کو شعور وطن کے وقار کا
لے کر سپاہِ قصد کیا کارزار کا
ریشہ دوانیوں سے مگر مات کھا گئے
انکو انہی کے نائب بد ذات کھا گئے
دیوسفید غالب میدان ہو گیا
تذلیل اہل ہند کا سامان ہو گیا
تقسیم کار آئے فرنگی دولت سے
بانٹے قلوب ہند بہت احتیاط سے
نستارہ خزانہ ہندی بہ سلا
لندن کے سنگریزوں پہ بھی آگئی حبلہ

جاگے عوام ہند تو تھی دیر ہو چکی
حائل تھی ان کے بیچ میں دیوارِ مذہبی

سادہ عوام گر بہ تعصب میں آ گئے
اعصابِ فتنہ گر پہ بہر حال چھا گئے
دو ہاتھ دو طرف سے بڑھے ناپنے لگا
بھاگا سفید دیکر ٹٹنی محال تھا
دو ہاتھ جو بڑھے تھے وہ دوست رہ گئے
ریخ بریدگی بھی بہر کیف سہ گئے

آزادی وطن کا ستارہ چمک گیا
حبِ وطن کے جوش سے ہر دل دھڑک گیا
آئیں بنا کر جب سیاست حرام ہے
نبضِ عوام اب سے ریاست کا کام ہے
سو طرح کے حقوق عطا کر دئے گئے
یعنی طلب سے پہلے ہی منہ بھر دئے گئے
افلاس کے خلاف ہوا عزمِ جنگ کا
محنت سے روزگار کا رشتہ ملا دیا
دیوارِ امتیاز و تعصب کو ڈھا دیا
کمزور کو قوی کے برابر بنا دیا

لے روز عید آ، تری آمد سفید ہو
خاطر شکن نہ ہو تو گذارشِ شنید ہو
باشندگان ہند مبتلا تے رہے دئے
لرزاں ہیں جن کی جوت میں سائے امید کے
سایہ امید کا کوئی ہیئت نہ پاس کا

آسودگی کا چاند زمیں پر نہ آ سکا
نواور تیس سال کی مدت گزر گئی
محنت کی سطح اور بھی قدر سے اتر گئی
سرمایہ باوقار ہے، محنت ذلیل ہے
تحفیف کر دے سکتے ہیں اجرت قبل ہے
منع بہ زور و جنس کے اونچی نفیض ہے
محفوظ جس میں لوٹنے والا قبل ہے
تاریخ کا مذاق یہ کتنا عجیب ہے
ہندوستان سونے کا اب بھی غریب ہے
قانون ان گنت ہیں بہ انصاف بیچ ہے
ہر شق شرح طلب ہے تو ہر دم بیچ ہے
ہو منصب قضا کا بھی اب سے اعتبار
کونے لگا ہے عدلِ اصولی سے اعتبار
فتنہ طرازیوں ہوں نہ مذہب کے نام پر
ماہون ہر بشر ہو کسی بھی مقام پر
ہست دگر دباؤ نہ ڈالے زمام پر
ہر قافلہ رواں ہو پسندیدہ گام پر
اب سے جوابدہ ہوں معیشت کے دوتا
در سب کے واسطے ہو کھلا روزگار کا
تو اب کے سال آئے تو انداز ہو متبدا
پر جم ہر تیرے ہاتھ میں جذباتِ خلق کا
اونچی نفیض والوں کی نبضیں ٹوٹاں
میزانِ عدل میں زورِ افلاس تولتا

تحریک آزادی اور اردو شعراء

از: رام پیکاش راسی

از:

سہ سارے اب شہر سے ہوتا ہے یہ آخر رخصت
آگے بس اب نہیں کہنے کی ہے مجھ کو مرمت
چونہ بر بلو مرے ملک کی یارب خلعت
درود یوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں
کھلت اہل وطن! ہم تو سو کرتے ہیں

منزل شہنشاہ ابو ظفر بہادر شاہ ہیں ایک معروف
شاعر تھے اور غالب نیز ذوق چمے اس اندہ کے ہم معر تھے۔ جب
انہیں جلا وطن کر کے زنجون بھیجا گیا تو انہوں نے اپنی اذیتوں کی زد میں
قید خانہ میں یہ اشعار کہے تھے۔

سبھی جادو نام سخت ہے اکہوں کیسی یہ گردشِ بخت ہے
دوہ تاج ہے نہ وہ تخت ہے نہ وہ شاہ ہے نہ دیا رہے
نردہ بال و تن پہ ہے سرسرا، نہیں جان جانے کا ڈر ذرا
کسے غم ہی نکلے جو دم مرا، مجھے اپنا زندگی بار ہے

جاری تحریک آزادی ایک عوامی تحریک کے نقطہ نظر سے
گاندھی جی، بال، پال لال اور بہت سے دیگر رہنماؤں کے مسبق تنظیم
کے تحت صحیح معنوں میں بیسویں صدی کے اداسی سے شعراء کو آتی
ہے۔ ہندو برج ترانہ جیکبت جو ایک حب وطن شاعر تھے اس
جدو جہد میں پوری طرح شامل تھے۔ کیٹس کی طرح وہ ایک ذہین
شخصیت تھے اور قہوٹی عمر ہی میں انتقال کر گئے۔ تحت وطن کا جہد
ان کی جوشیلی شاعری میں رونما ہوا۔ ان کے اندر بھی ہوئی ذہانت
لکھنا اٹھی کہ ہندوستان کو بطور ایک آزاد ملک کے کم از کم جرم رول

شاید اس حقیقت سے کم لوگ آگاہ ہیں کہ
تحریک آزادی کو انقلاب زندہ باد کا پرکشش نعرہ اردو زبان نے دیا
یہ وہ نعرہ ہے جس کا فوری اثر ہوا اور انقلابیوں کے لئے یہ ایک
مستقل، مؤثر اور زبان زد جیسے کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ نعرہ
برطانوی آف آؤں کی مسلسل ستم رانیوں کے باوجود زندہ رہا۔ شہنشاہ ہند
کی بیٹی بیٹی بیویوں سے جنم لے کر اور عربی، فارسی الفاظ سے استفادہ
کر کے اردو نے ملک کے گوشے گوشے میں امتیازی ہر دل عزیزی
حاصل کر لی۔

ہندوستان کی جنگ آزادی بنیادی طور پر پرسکون
مزاقت اور منظم طرز کے احتجاج اور تحریکوں کا ایک سلسلہ تھا۔ بڑی
حد تک یہ ایک ایسی جدوجہد تھی جو احتجاج کی اوچنی سے اوچی آوازوں
پر مبنی تھی۔ اس صورت حال میں ہندوستان کی زبانوں نے کافی پیش
قدم کی اور اردو نے شاید ایسے حالات میں ایک امتیازی کردار ادا
کیا۔ کئی شعراء اور ادباء نے عوام کو تحریک دی اور ان کی سہرا رہی
کی۔ جب اردو کے شعراء جذبات کی رو میں آگے بڑھے تو انقلاب
زندہ باد بڑی توانائی کی اہمیت اختیار کر گیا۔ گویا ان کی انگلیاں قوم
کی بعض شناس تھیں اور ان کے بول عوام کی نوک زبان پر

ششما ہی شہرادر:

ایسویں صدی کی قبیلہ دہلی میں واقعہ علی شاہ اختر نے
جو اودھ کے حکمران اور ایک باوقار شاعر تھے، برطانوی حکمرانوں کے
ہاتھوں ملک بدر ہونے سے پہلے یہ اشعار کہے تھے:

ماصل کرنے کا حق پہنچا ہے۔ اسی موضوع پر ان کے یادگار اختصار
اس لح کے نوجوانوں اور بزرگوں کی نوک زبان پر تھے۔ ان میں سے
ایک بند ملاحظہ ہو

زبان کو بند کیا ہے، یہ غافلوں کو ہے ناز
ذرا دگن میں لہو کا بھی دیکھ میں انداز
رہے گلہ بن کے ہمارے دل کا سوز و گداز
چماے آئے گی مرنے کے بعد یہ آواز
غلبہ فحش ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہیں بہشت میں ہم ہم رول کے بدلے

اسی آواز میں مولانا غفر علی خاں بھی میدان جنگ کھینکا
ہیں گور بڑے۔ انہوں نے بڑے ہی طنز یہ اور برجستہ انداز میں
بہت کچھ لکھا۔ ان کی مشہور نظم "شعاع خانوس ہند" ان اشعار
سے آغاز کرتی ہے،

زندہ باولے انقلاب لے ستعد خانوس ہند
گرمیاں جس کی موزع مشعل جال و نمک
بتیوں پر چہا رہی تھیں موت کی تاریکیاں
تو نے حور اپنا جو پونکا محشر تارا ہو گئیں

شاعر جو شہید ہو گئے :

۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کا عرصہ ہندوستان کی سیاسی
تاریخ میں بڑا اہمیت رکھتا ہے جس میں بھرپور سرگرمیاں ہوئیں۔
شد آئینہ انقلابی واقعت رو پذیر ہوئے۔ سرکاری خزانے کو
لے جاتی ہوئی گاڑی کا کوری میل کو ٹوٹنے کے سلسلے میں کمی نوجوانوں
کو بھانسنہ دے دی گئی۔ ان کے ایک سربراہ انقلابی شاعر اور شاعر
بسمل کو ان کے رفیق کاراشفاق اللہ خاں کے ساتھ بھانسمار لکھا
دیگا۔ بھانسمار لکھنے وقت میں ان کی زبان پر غزل کا یہ مطلع تھا
سرفروشی کی تھاب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنے بازوئے قاتل میں ہے
اگر میں جیادالہ باغ میں جو کچھ ہوا اس سے

ہندوستانیوں کے دلوں میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ علامہ اقبال اس
جانکاہ حادثے سے بڑے متاثر ہوئے۔ بڑے اختصار لیکن بھرپور
جذبے کے ساتھ انہوں نے کہا

ہزارا رچیں سے یہ کہتی ہے خاکِ بدغ
غافل نہ رہ جہان میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خون شہیداں سے اس کا غم
تو آنسوؤں کا غسل نہ کر اس نہال سے

اس سانحے سے متاثر ہو کر علامہ اقبال کے نوجوان ہم
منشی ملک چند محروم نے احساس ہمدردی کے مارے یہ کہا تھا

حکم تیرا ہے کہ سر یاد نہ ہونے پائے
کوئی بیل کہیں آزاد نہ ہونے پائے
دہر میں شہرت پیدا نہ ہوئے پائے
نہ ترانے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے عیاں کی ہے

تحریک آزادی کے اس کے بعد تحریک خلافت اور ترک
موالات کی وجہ سے ایک نیا عوڑ لیا۔ وہ رویتے جو قطعی طور پر سیکو
نومیت کے تھے ایک نئی تحریک کا پیش قدمہ ثابت ہوئے۔ مولانا
غفر علی خاں نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کیا اور ہندوستان میں
میزملکی حکومت کے خاتمے کی پیش گوئی کی،

پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں
ہاں تم مسلمانوں کا خاں ہوا
زمین جب ہوا اس خون سے لالہ زار
تو اس پر بایا غلبہ پھاڑ
ہرانا ہوا دستری اقتدار
کچھ لو اب اس کا بھی ہے چل جلاؤ
کسی روز خود حق ہو جائے گی
بہت بہر چلے ہے یہ کامنڈ کی ناد

حالا حسرت مومنی جو اندین نیشل نامکریں کے آتش
راج کارکن تھے جبل کی کوٹری میں چکی پیستے ہرے گنگلیا کرتے

دولت ہندوستان، قہقہہ، غبار میں
بے درد بے حجاب دیکھتے کبت تک رہے
ہے تو کچھ اکھڑا ہوا، بزمِ عربیوں کا رنگ
اب یہ شراب و کباب کو دیکھتے کبت تک رہے
حسرتِ آزاد پر جو رخصتایاں وقت
ازدہ بعض وقت اب دیکھتے کبت تک رہے

مولانا محمد علی قزوینی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک دانشور تھے
کے کی تحریک آزادی میں انہوں نے بڑی خدمات سر انجام دی تھیں۔
ایک ایسے شاعر تھے جو طنز و شہرے تکلف سے کہتے تھے۔ اس
کی ایک مثال یہ ہے۔

حد ہے پستی کی کہ بستی کو بند دی جانا
اب بھی احساس ہو اس کا تو ابھرتا ہے ہی
ہونا یوں کہ ہے فتح کی تعجب شکست
تعب مومن کا مری جان نکھرتا ہے ہی
نقد جان نذر کر دو سوچنے کیا ہر جوت
لام کرنے کا ہی ہے نہیں کڑا ہے ہی

گاندھی جی کی سوشلسٹ تحریک اور رائے عامہ کو ہر طرح کی
بدیشی اشیاء کے خلاف ابھارنے میں اس کی نفسیاتی دسترس سے
بہت ہی متاثر ہو کر لالہ لال چند تلک آگے بڑھے اور بڑی بڑی امیدوں
اور توقعات کو لوگوں کے دلوں میں اب گڑ گیا۔ ان کی ایک یاد گار نظم
میں جذبہ عمل کو کچھ اس طرح پیدا کیا گیا ہے۔

سجے دستکبیں ب در اپنی ہونے والی ہیں
کہ مائل قوم پر اپنی طبیعت ہوتی مائل ہے
اٹا غفلت کا پردہ اپنے دل سے بعد وقت کے
نمایاں ملک کی اب ہم میں انصاف ہوتی جاتی ہے

ترقی پر ہے ان روزوں فلک پر چار دیواری
پہلے دیں گی چیزوں سے نفرت ہوتی جاتی ہے

شاعر انقلاب :

شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی بھی تحریک آزادی میں
سرگرم مل تھے۔ انہوں نے بڑے جذبے کے ساتھ کہا تھا
سنو لے ساکنہ بزمِ ہستی
صدائیاں آ رہی ہیں آسمان سے
کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر
غلامی کی حیات جاوداں سے

سازگار جیسے بے یارک شاعر کے لئے شاعری عمر
کا ایک جذبہ تھا۔ ان کے لئے حب وطن بہت بڑی چیز تھی جس کے
لئے انہوں نے سکھا اور بہت خوب سکھا:

جب مجھے پیرلوں سے فریاں کر کے باندھا جائے گا
گرم آہن سے مرے ہونٹوں کو داغا جائے گا
جب دکتی آگ پر مجھ کو لٹایا جائے گا
اے وطن اس وقت بھی میں ترے نئے گدوں کا
تیرے نئے گدوں کا اور آگ پر سر جھانڈا گا
علم آخر متسل گدے میں جب سنایا جائے گا
جب مجھے پانی کے تھے پر چڑھایا جائے گا
جب بیک ایک تختہ خویش ہٹایا جائے گا
اے وطن اس وقت بھی میں ترے نئے گدوں کا
مہر کوٹا ہوں کہ میں تجھ پر فدا ہوا ہوں گا
بھرتا فرما جب نے قوم کو سرگرم مل ہو جانے کیلئے لکھا:

تری قربانیاں زہن ر خلائع جا نہیں سکتیں
مگر پیدا دل بے کیف میں کیفِ شہادت کو
جو مستقبل میں فکرِ اہتمام سرخوئی ہے
تو اپنے خون سے رنگیں یا ضی ملک و ملت کو

قدم ہیں چند باقی مہ منزل تک پہنچنے میں
ابھی کچھ اور کوشش کر، ابھی کچھ اور محنت کر
قریب ایوانِ آزادی ہے کیوں مایوس ہوتا ہے
تبسم کا صبا بی کا مجھے محسوس ہوتا ہے

سید علی جوہر زید کا نے ایک نئی زندگی اور نئے
درد کو لبیک کہا جسے انہوں نے اپنی مشہور نظم 'حیات' میں پیرایہ
اظہار دیا۔ نظم کا کچھ حصہ یوں ہے۔

سہ نقاب رخ سے اٹھ دے، دکھا دے حسن کمال
ترا مسرور بجا چو سلی رفتارتوں کا زوال
ترے نظام میں دیر و سرم کی قید کہاں؟
یہ ساری جنگِ حرام، اور ایک جنگِ مہل
یہ جنگ وہ ہے کہ انسان سر اٹھائے گا
حیاتِ دعوت کی دو طاقتوں میں جوگی مہل
موسیقی زیت کے جہراںِ نعیم عاشق کو
زمانہ دے گا نویدِ خوشی، پیام وصال
ہست ہی جلد وہ ساعت بھلائے والی ہے
کہ تیرے رخ پہ لو کی مسین لانی ہے

’ہندوستان چھوڑ دو‘

گاندھی جی کی تاریخ ساز تحریک ’ہندوستان چھوڑ دو‘
نرا یہکا بیداری پیدا کی کہ شعلے سے ہی کوئی جیالا اس تحریک میں کود
جانے سے باز رہ سکا۔ فراق گورکھپوری اپنے سفرِ انداز میں پیکار
عمل کے لئے لٹکاراٹھے۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں

سہ کچھ ارادے بھی تو چلیں کیا قضا اور کس قدر
بعض مستقبل سے اپنی قسمیں کو چھینیں لو
راہ گھوٹی کر رہی ہے مسنیلہ یوں کی یاد
زندگی سے زندگی کی رجعتوں کو چھینیں لو
زندگی اور موت سے اے اہل دل کچھ سے رو
زندگی اور موت سے کی سب برکتوں کو چھینیں لو

کود و اک۔ بزمِ مہراغلاں شامِ ہجر لاکھ کو مشرق
کار و لال در کار و لال ان غلجھتوں کو چھینیں لو

۴۴

جیسے گاندھی جی اپنی تحریکوں میں سرگرم عمل تھے
اسی طرح شرارِ صفرات ان کے نقشِ قدم پر چلا رہے تھے وہ
ایک امید افزا روشن مستقبل کی آمد کے گن گار تھے تو مسعود اختر
جہاں بھی اپنی مشہور نظم ’کافور کا گیت‘ میں بکاراٹھے۔
سہ سپنوں کے سندھ آج کل سے آشادوپ دکھاتی ہے
اپنی ہی آواز کی لے پر ساری دنیا گاتی ہے
آج ترنگے کی لہروں میں بھلی سی لہراتی ہے
ایک ہی وار میں اب لے سا نکلوشمن سے چٹکارا ہے
یہ دھرتی یہ جون سا کر یہ سنار ہمارا ہے

۴۵

فراق گورکھپوری نے بھی اپنی نظم ’آزادی‘ میں اسی
احساس کو جذباتی رنگہ آہنگ دیا۔ یہ اشعار قابلِ ذکر ہیں:

سہ ہمارے دوزخ سے زنجیر تیرگی ٹوٹا
ہمارا سوز ہے جاوے نامِ آزادی
ترنمِ سحری دے رہا ہے جو چپ کر
حریفِ بیچِ وطن ہے یہ شامِ آزادی
ہمارے سینے میں شعلے بھڑک رہے ہیں لقا
ہماری سانس سے روشن ہے نامِ آزادی

۴۶

ہمارا گیت ہے نامِ ہندوستانِ آزاد ہو گیا۔ آزادی
کا موضوع بعد میں بھی شرار کو تخلیقی تحریک دیتا رہا۔ منشی شوکت چند
مردم اپنی نظم ’آواز کا‘ میں یوں نغز سراہا ہے۔
چھنے والوں سے اپنے داغ داتے رنگِ محکومی
وطن اپنا ہے اپنا سلطنت ہے، اقتدار اپنا
بگچیں غیر ہے کوئی نہ ہے عیار کا کھٹکا
چمن پانا ہے اپنے باغیلا لطف بہار اپنا

اب لے اپن وطن! اس کو بنائیں یا بگاڑیں ہم
مقد پر ہے اپنے ہم کو حاصل اختیار اپنا
وطن آزاد ہوا:

جان نثار اختر نے اپنی نظم "جشن آزادی" میں بڑی
بے ساختگی کے ساتھ آزادی کا گیت گایا جس کا ایک بندہ ملاحظہ
ہو۔
اے زور گنگا گیت گما اٹھلا کے چل موج حسین
ہاں لے ہمارے جہاں رقصاں ہو لے دشت و دمن
ہاں لے ایورا سکے ستو لنگہ سرا ہر لنگہ زن
آزاد ہے آزاد ہے آزاد ہے اپنا وطن
آزاد ہے اپنا وطن

شہد شاعر سراج کھنوی اپنی نظم "یوم آزادی"
میں اپنے بے لوث جذبات کا اظہار کراٹھے نظم کا ایک بندہ حاضر
ہے۔

زمین اپنی نفا اپنی آسماں اپنا
حکومت اپنی علم اپنا اور نشاں اپنا
ہیں بھول اپنے چین اپنے باغباں اپنا
اطاعت اپنی ہے سراپا آستان اپنا
جہاں کعبہ نہیں یاں جہاں دیر نہیں
سب اپنے ہی نظر آتے ہیں کھنڈ خرابی

سفر نامہ می صاحب جذبات قوی میں آکر اپنی نظم
"اے صبحِ وطن" میں لکھا ہے جس کا ایک بندہ پیش کرتا ہے۔
پریت پریت سا گرسا گرسا اپنا لہرا رہا ہے
معلوں پہ معلوں پہ قلعوں پر عقلت کے ترانے گاتا ہے
گلیاں بارود کے آلودہ، سیرتار جوانی کا پرچم
یا امن کے نعروں کا مطربا انصاف صداقت کا یوم
تہذیب کا یوم اپنی تعمیر کا یوم رعیت و امن
اے صبحِ وطن! اے صبحِ وطن

جناب کمال احمد صدیقی اپنی ایک نظم میں جس کا عنوان
"ہادی کہانی" ہے اپنے وطن کی جمہوری آرزوؤں کے اظہار میں بہت
کچھ کہہ گئے ہیں۔ ایک بندہ ملاحظہ ہو۔

آج آزادی جمہور کوگی خواب نہیں
آج آئین ہمارا ہے ہمارا ہے نظام
معتبر آج ہے دنیا میں ہمارا آواز
آج چڑھتا ہوا سورج ہیں کڑے سلام

اردو کی فضاؤں میں غریب آزادی سے وابستہ بہت
سے شاعر تھے جو اس جذبہ کے پرستار تھے۔ ایسے میں ایک انتخاب
کنا کنا ہے۔

بقیہ: ہندوستان کے جنگ آزادی میں۔۔۔

بائی پٹیل، شری مہی پری، کمال ناتھ، مول رانی، بیراجی مودھائی،
سکھرام ماتوڑ، متھورائی، اتے، سندو بالا، میتھی، کمار جانی،
جنمالی، کمار، اشو مہی کتور، باگدھی، شری مہی گنگو،
کمار، جیتو مولی گنگولی، دھتور، دیوی، سسی، بالا، راسی، سرسی
بالا، داس، کنگ، ترودا، شری مہی سویشیا، پال، شری مہی اکی دیوی
و غیرہ وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف اجتماعی جلسوں میں حصہ لیا۔
انہیں یا تو گرفتار کر کے چھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا یا تو پھر گولیوں
کا شکار بنا یا گیا۔ اور یہ سب اس وقت تک چل رہا جب تک
کہ ہندوستان کو آزادی نہیں ملی۔ آخر کار ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو
ہندوستان آزاد ہوا اور آج ۷۴ برس گزرنے کے بعد ان جانبازوں
کو جنگ آزادی کے شہداء کو جن پر ہندوستان خواتین بھی شامل
رہیں۔ خواجہ عقیقت پیش نہ کریں، یہ ہادی کم غری ہو گئے۔

ایک شعر || لے پھرتی ہے بلبل جو پتے میں گل
شہید نازی کی تربیت کہاں ہے

یہ چارہ گری کیسی ہے

مصطفیٰ اکبر

ایکے موسم میں یہ شوریدہ سسری کیسی ہے
بند ہے باپ حبسوں جامہ درری کیسی ہے

آنکھیں روتی ہی رہیں، از غم دروں پہنستے لہے
وقت کے ہاتھوں میں یہ چارہ گری کیسی ہے

نہ تبسم، نہ تسکیم، نہ کوئی لطفِ نظر
خشک ہے راہ روی، ہمسفری کیسی ہے

آستینوں کی غمبہ گری بھی کرتے رہے
دوستی میں یہ بھلا بے خبری کیسی ہے

ہم تو سمجھے تھے پگھل جائیگا نفرت کا وجود
اے محبت ایہ تری بے اثری کیسی ہے

جدوجہد آزادی اور اس کا تاریخی پس منظر

از: ۲۷ - لکھنؤ - نسیم

پر اپنے قبضے میں کر لیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان میں بہت ساری چوٹی چوٹی ریاستیں تھیں اور ہر ریاست "گجر بھلا تو ہم بھلے کے اصول پر کاربند تھا۔ ریاستوں کے مابین دوستی اور دشمنی عام تھا۔ انگریزوں نے اس نفاق کا فائدہ اٹھایا۔ انگریز ان ریاستوں کو ایک دوسرے سے برسر پیکار کر کے "آہستہ آہستہ تمام ریاستوں کے مالک بن بیٹھے اور اس طرح آزاد ہندوستان محکوم بن گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ نسلی غرور اور تکبر سے ستر شاہ انگریزوں نے یہاں بھی کالے گورے کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ ہندوستان کے دانشور اسے مسٹر نیوٹن نے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کو یہ خط لکھا "اس بات کو اپنے ماتحتوں کے ذہن نشین کرادیجئے کہ ہم سب انگریز شرفاء ہیں جو ایک کم حیثیت کی نسل کے لوگوں پر حکومت کرنے کے شہسار کام میں مصروف ہیں۔"

انگریزوں کے ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ اور نسلی غرور نے ہندوستان میں انگریزی راج کی بنیادی نوعیت سمجھوں پر مبنی کر دی اور اس طرح آہستہ آہستہ سارے ہندوستان میں سامراج دشمنی عریک شروع ہو گئی۔ ان تحریکوں اور جدوجہد میں سماج کے تقریباً تمام طبقوں کے لوگوں نے شرکت کی اور یہ جدوجہد قومی جدوجہد میں تبدیل ہو گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان کی متحدہ اور مرکز جدوجہد کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے۔ اس طرح انہیں ملک کو چھوڑنا پڑا اور ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہو گیا۔

لیکن کیا انگریزوں نے آزادی کو سونے کی طشتی میں رکھ کر ہم لوگوں کو پیش کیا تھا؟ جی نہیں۔ ہندوستانیوں نے تقاضا

روم کا بولیس سیز رجب شہرق میں انگلنڈ

پچا تو اس نے وہاں پہنچتے ہی یہ کہا تھا "میں یہاں آیا، میں یہ دیکھا اور میں نے فریخ کی۔" یہی بات انگریزوں پر صادق آتی ہے آج سے تقریباً تین سو سال پہلے جدت کی غرض سے ہندوستان نے تھے۔ پہلے ان لوگوں نے سونا اگلنے والی زمین کو دیکھا اور اس پر قبضہ کر لیا۔

یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بعد بھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کو رو بہ عمل لا کر ان لوگوں نے سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تاجروں کی بر قوم یعنی انگریزوں نے معاشی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھا۔ یہاں سے وہ خام اشیاء اور دیگر ضروری اشیاء روہ اپنے ملک کو بھیجتے اور وہاں سے تیار کردہ مصنوعات کو اس ملک میں فروخت کرتے کیوں کہ یہاں انہیں ایک اچھا بازار بھی ملا۔ اس کے نتیجے میں یہاں کی دیسی صنعتیں تباہ ہو گئیں اور دستہ بھر بیکار اور بے روزگار ہو گئے۔ بے روزگار دستکار کو چھوڑا کاشتکاری کا سہارا لینا پڑا لیکن یہاں بھی انگریز مائکروں میں مالگناری کی شرمین اتنی اونچی مقرر کی کہ اس کی ادائیگی غریب کسانوں کے لئے ممکن نہ ہو سکی۔ اس کے نتیجے میں غریب کسانوں کو اپنی زمینوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اب انہیں یومیہ اجرت پر مزدوری کرنی پڑی۔ انگریز تاجر تو یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے ان ضرورت مند مزدوروں کو بہت ہی کم اجرت پر اپنے اپنے کارخانے میں مامور کیا۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگریزوں نے ہندوستان کی معیشت کو مکمل طور

دھن کٹر پائیل سے کراڈ لای حاصل کی۔ چاری پہلی جنگ آزادی
 ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی لیکن اس سے سو سال قبل ہی انگریزوں کے
 خلاف مسلحانہ بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ ان مزارعتوں
 اور بغاوتوں میں معزول راج اور نواب، جاگیردار اور زمیندار
 سابق فوجی، کسان اور دستکار اور عام لوگوں نے شرکت کی۔
 بنگال اور بھارت میں توانگرزوں کی عملداری کے قیام کے بعد سے یہ
 بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۷۵۹ء میں بہار کے زمینداروں
 اور سیاحوں نے بغاوت کی۔ پھر ۱۷۷۰ء کو مہاراجہ کے راج
 دھرم (۱۷۶۹-۷۷ء) نے ایٹ لڑیا کپنی کو خراج دینے
 سے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی لیکن انگریزوں نے اس بغاوت
 کو کچل ڈالا اور اس راجہ کی ریاست کو اپنے قلمرو میں شامل کر لیا۔
 بنارس کے راجہ جیت سنگھ نے انگریزوں کو ۱۷۸۱ء
 میں بنارس سے مار کر نکال باہر کر دیا۔ انگریزوں کے ہارڈ پسینگی
 قوت پر جاگ نکلے ورنہ وہ بھی مارے جاتے۔ یہ بغاوت دیگر
 علاقوں میں بھڑپڑی۔ جیت سنگھ نے یہ بغاوت اس لشکر کی
 کراٹھریوں سے اس پر خراج کی لڑائی میں تاخیر کی وجہ سے ۵۰ ہلاک
 روپے کا جرمانہ عائد کر دیا تھا۔ ۱۷۹۲ء میں جب مہاراجہ پر انگریزوں
 نے قبضہ کر لیا تو وہاں کے راجاؤں نے جو برسوں تک انگریزوں سے
 جنگ کی۔ کوئی پام خاندان کے کیرتور راہا جاتے جنہیں عام طور پر
 "سائیکے" راجہ کہا جاتا تھا انگریزوں کو جنگ میں شکست دی۔ بعد
 میں انگریزوں نے ان سے صلح سمجھوتہ کر لیا۔ اس طرح ۱۷۹۹ء میں
 نال ناؤہ کے جاگیرداروں نے اور ۱۷۹۲ء میں دنیا ناگرام کے راجہ
 نے بغاوت کی۔ انگریزوں نے ان دونوں بغاوتوں کو دبا دیا۔ ۱۷۹۹ء
 میں اودھ کے معزول نواب وزیر علی نے اودھ میں انگریزوں کے اثر
 کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے بغاوت کر دی۔ انگریز فوجوں سے
 انہوں نے مقابلہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی اور وہ وہاں سے فرار
 ہو گئے۔ پہلے نیپال پہنچے۔ پھر گورکھ پور آئے۔ اس کے بعد
 راجہ مان سنگھ، لیکن وہاں جتے پور کے راجہ نے انہیں گرفتار کر کے
 انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ضلع گنیم کے زمینداروں نے ۱۷۹۸ء
 میں انگریزوں کے خلاف شورش شروع کی جو بعد میں بغاوت میں تبدیل

ہو گئی بعد بغاوت ۱۸۳۲ء تک جاری رہی۔ مرہٹہ کے دہلیہاگ
 نے ۱۸۰۰ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی اور جنگ کی۔ لیکن
 جنگ میں انہیں شکست ہوئی اور انگریز فوجوں نے انہیں جان سے
 مار ڈالا۔ ۱۸۰۱ء میں ضلع گنیم کے گھسکر کے زمیندار نے بغاوت کی
 جو تا ۱۸۰۴ء ہوئی۔ ۱۸۰۱ء میں مہاراجہ دہلی کے جاگیرداروں نے
 ۱۸۰۱ء سے ۱۸۰۵ء تک آندھرا کے ساحلی علاقوں کے جاگیرداروں
 نے اور ۱۸۰۲ء سے ۱۸۰۴ء تک پارلا گندھا سے جاگیرداروں نے
 بغاوتیں کیں۔ ۱۸۰۵ء ٹراڈنگور کے دیوان عیسیٰ نے علم بغاوت
 بلند کیا۔ مغربی ہندوستان کے موراشٹر کے راجاؤں نے ۱۸۱۶ء
 سے ۱۸۲۲ء تک بلہار بغاوتیں کیں۔ اسی عرصہ میں جزیرہ ہند کے
 مختلف علاقوں میں بغاوتیں بھڑپڑیں۔ ٹین دلی، سبیدر اضلع
 اور پیلوری، آنتور، کتاپا اور کرزن ضلع اور شمال بلوچٹ نے
 انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لئے بغاوتیں کیں۔ بیجا پور ضلع میں
 دسمبر ۱۸۲۲ء میں بغاوت پھیل گئی۔ وہاں ایک برہمن دیوا کرڈگشت
 نے اپنی حکومت قائم کر لی اور انگریزوں کو دلدے نکال باہر کیا۔
 اسی طرح ۱۸۲۰ء میں زسکھ دت داما نے بغاوت کی اور بلوچا
 قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ۱۸۱۶ء میں اڑیسہ کی باگ بغاوت
 اور پھر ۱۸۱۷ء میں ایدام بغاوت، ۱۸۱۶ء کی بریلی کی شورش، ۱۸۱۷ء
 کی کول بغاوت اور ۱۸۱۸ء کی گڈکاری شورش میں جاگیردار
 انگریز حکومت سے برسر پیکار ہو گئے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے شریزمہ تو بغاوتوں کا سلسلہ
 جاری رہا۔ کتورک بغاوت (۱۸۲۲ء سے ۱۸۲۶ء تک) اکوہا
 پور کی بغاوت (۱۸۲۴ء)، ستارا کی بغاوت (۱۸۲۱ء)
 اور گڈکاری کی بغاوت (۱۸۲۲ء) کا یہاں ذکر کیا جاسکتا ہے۔
 مشرقی ہندوستان میں بغاوتوں اور شورشوں کی کمی نہیں آئی۔
 ۱۸۲۲ء مغربی اڑیسہ اور مہاراجہ کے جاؤں اور بلہاس پور کے
 راجپوتوں کی بغاوت، ۱۸۱۲ء سے ۱۸۱۶ء تک علی گڑھ کے
 قلعہ اردوں کی بغاوت اور ۱۸۲۲ء میں جیل پور کے بندہ جیل
 کی بغاوت کا یہاں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بنگال میں مان
 بوم میں باغی سپہبراہمچان نارائن ۱۸۳۲ء میں انگریزوں کے

خلاف میدان مل میں کود پڑے۔ اسی طرح ۱۸۴۲ء میں بنڈیا شورش میں سپاہگیر اور انگریزوں کے خلاف نبرہ آڑا ہو گئے۔
اب آئیے سپاہیوں کی بغاوت کا بھی کچھ ذکر کریں۔
ہندوستانی سپاہیوں نے سب سے پہلے ۱۸۵۷ء یا ۱۸۵۸ء میں دیلور میں بغاوت کر دی۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حد اس پریسیدنسی کے فوجی افسر نے ہندوستانی سپاہیوں کے نام یہ حکم صادر کر دیا کہ وہ دارمی نذر رکھیں، تنگ نہ لگائیں اور اپنی روایتی بگڑی نہ پہنیں۔ ہندوستانی سپاہیوں نے مذہب میں انگریز حکام کی دست درازی کو پسند نہ کیا۔ پہلے تو انہوں نے احتجاج کیا پھر بغاوت کر بیٹھے۔ ان کی اس بغاوت کو انگریز فوجوں نے دبا دیا لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں اپنے اس حکم کو واپس لے لینا پڑا۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء میں بہا میں جنگ چھوڑ چکی تھی۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں سے ہندوستانی سپاہیوں کو بل پکڑ لیا گیا۔ یہاں سے انہیں رنگون جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن سپاہیوں نے احتجاج کیا کہ وہ اپنے مذہبی رسومات کے پیش نظر وہ سمندر پار نہیں کر سکتے۔ نیز یہاں سے سپاہیوں کو لے جانے کے لئے کوار کے سلیے میں بھی تازہ روٹا تھا۔ انگریزی حاکم انہیں پیدل چلنے کو کہتے تھے۔ بل گاڑی یا دیگر گادیاں فراہم کرنے یا فزیدے سے انگریز حکام نے انکار کر دیا۔ ان باتوں کی وجہ سے ہندوستانی فوجیوں نے بارک پور سے جانے سے انکار کر دیا۔ بھلا انگریز کب ہندوستانی سپاہیوں کی باتیں سنتے انگریز کمانڈر۔ ان۔ چیف سر ایڈورڈ پیچ انگریز فوجیوں کیساتھ بادک پور میں آ موجود ہوئے۔ انہوں نے ہندوستانی سپاہیوں کو مارچ پاسٹ کے لئے کھلے میدان میں کھڑا کر دیا۔ پہلے تو انہوں نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ برا کے لئے روانہ ہو جائیں، لیکن جب سپاہیوں نے انکار کیا تو انہوں نے انگریز فوجیوں کو حکم دیا کہ ان پر فائرنگ شروع کر دیں۔ انگریزوں نے ہتھے ہندوستانی سپاہیوں کو اپنی بندوقوں کا نشان بنایا اور وہیں ۱۰۰ سپاہیوں کو گولی مار کر ہاک کر دیا اور فوج کا اس خونخوار کو توڑ دیا۔
اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں انگریزی راج کی تاریخ کے پہلے سو سال میں کتنے زمین داروں نے اور چھوٹے

چھوٹے راجاؤں نے انگریزوں کے خلاف بغاوتیں کیں، لیکن وہ سب ناکام ہوئے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ بغاوتیں مقامی تھیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نیز باغیوں میں نہ تو نیا قومی جذبہ تھا اور نہ سماجی نظام کو سمجھنے اور نئے سماجی رشتوں کی بنیاد پر ایک نیا سماج بنانے کی صلاحیت تھی۔ نیز ان کی قیادت روایت پرستوں کے ہاتھوں میں تھا جو دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ اس لئے ان بغاوتوں اور شورشوں کو رنج کرنے میں انگریز حکومت کو زیادہ وقت نہیں ہوتی۔ لیکن غیر ملکی حکمران کے خلاف اس جدوجہد نے عام لوگوں کے دلوں میں بیداری پیدا کر دی۔
انگریزوں کی حکومت کے خلاف مخالفت ۱۸۵۷ء میں اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئی جب لاکھوں لاکھ بے دلاک لوگ دست کاروں، سپاہیوں اور عام لوگوں نے انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ آزادی میں شرکت کی۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی جسے انگریز آج بھی عوامی بغاوت کہتے ہیں اس کے بہت سارے اسباب ذاتی، سیاسی، معاشی، مذہبی تھے۔ نیز انگریزوں کے ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ نے ہندوستانیوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر دی تھی۔ یہ جنگ بریسی حکومت کے خلاف عوام کی مجموعی شکایت کا نتیجہ تھی۔ کان شاک تھے کہ انکی زمینیں حکومت نے جبین لی نہیں کیوں کہ وہ سرکاری مالگذاری ادا نہیں کر سکے۔ مذہبی اعد ہندی ہی کام کرنے والوں مثلاً پرموہت، عالم، پنڈت اور مولوی کو شکایت تھی کہ ان کے سرپرستوں یعنی دیسی حکمرانوں اور زمین داروں کا اٹھارہم ہوجانے کا وجہ سے ان کی آمدنی کے ذرائع ختم ہو گئے، زمین داروں نے نقد داروں اور جاگیر داروں کی اکثریت ایسی تھی جنکی زمینداریاں اور جاگیریں حکومت نے ضبط کر لی تھیں۔ لارڈ ولہوزی کی ایسی ریاستوں کو انگریزی ظلم و میں شامل کرنے کی پالیسی نے راجے، نوابوں کو خورخوہ کر دیا تھا۔ ایٹ اندیا کمپنی کے ہندوستانی فوج سپاہی کم تنخواہ، محنت ادا انگریز افسروں کے حقارت آمیزز کے شاک تھے۔ انگریز ہندوستانی سپاہیوں کو گھٹیا حقوق دیتے تھے۔

۱۸۵۷ء تک آتے آتے ایک عوامی انقلاب اور

کے لئے حالت سازگار ہو گئے۔ بارود کے لئے چربی ملے جوتے
 کا تو سون کا واقعہ جنگاری بن گیا۔ انگریزوں نے ہندوستانی سپاہیوں
 کو نئی رائفلیں سپاہی کی تھیں۔ ان رائفلوں کے کارٹریجوں پر چربی
 لگا کاغذ منڈھا ہوا ہوتا جسے استعمال کرنے سے پہلے دانت
 سے کاٹنا پڑتا۔ یہ چربی سور اور گائے کی تھی۔ اسی لئے مذہبی
 جذبات کی توہین نے ہندوستانی سپاہیوں کو ناراض کر دیا۔ وہ بغاوت
 کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے یہ واقعہ گلگتہ
 کے نزدیک بارک پور میں رونما ہوا۔ یہاں کے ہندوستانی سپاہیوں
 نے بغاوت کر دی لیکن یہاں انگریزی سپاہیوں نے انہیں دبا دیا،
 بہت سے ہندوستانی سپاہیوں کو لہذا 'بہت سے کو پھانسی کے
 پھندے سے لٹکا دیا۔ لیکن وہ بغاوت کے شعلے کو بجھانے سے نہ
 رہا سکے۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں سپاہیوں نے بغاوت
 کی۔ اس کے بعد یہ بغاوت پھیلتی گئی۔ میرٹھ کے سپاہیوں نے اپنے
 افسروں کو قتل کر دیا اور دہلی کے لئے روانہ ہوئے۔ دو سترہ سو
 کو دہلی پہنچ گئے۔ دہلی کے سپاہیوں نے بھی بغاوت کر دی۔
 اور شہر پربھنڈ کر کے عمر بہادر شاہ کی شہنشاہت کا اعلان
 کر دیا۔ اب یہ بغاوت جنگ آزادی میں تبدیل ہو گئی اور شمال
 میں پنجاب، جنوب میں نوبدا، مشرق میں بنگال، بہار اور مڑب
 میں راجپوتانہ کے وسیع علاقوں میں پھیل گئی۔ اس جنگ میں
 ہندوستان کے تمام سپاہیوں نے، جاگیرداروں اور زمینداروں نے،
 کسانوں، دستکاروں، مزدوروں اور عام لوگوں نے شرکت کی۔
 عوام بھلے، کلہاڑی، کمان اور تیر، لاشی اور درانی اور برائی قسم
 کی سزوق کے ساتھ میدان میں کود پڑے۔ عام لوگوں نے بڑی
 تعداد میں اس جنگ میں شرکت کی۔ ایک تخمینہ کے مطابق صرف
 اورہ میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں کام آنے والے ڈیڑھ لاکھ
 لوگوں میں سے ایک لاکھ عام شہری تھے۔ انگریزی سامراجیوں
 کو ہندوستان میں چند راجاؤں اور نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ مجلیں
 وطن انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکے کیوں کہ ان کے پاس نہ اسلحہ تھے نہ
 تنظیم تھی اور نہ متحدہ قیادت تھی۔ ان خامیوں کی وجہ سے انگریزوں
 نے اپنے وسائل اور جدید ترین اسلحہ جات کو کام میں لکرا نہیں سیکر سکے

سے کچل ڈالا۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور
 شہنشاہ بہادر شاہ کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔ دوسرے
 رہنما بہادری سے مقابلہ کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ ان سپہرو
 کو شکست ہوئی۔ کان پور میں مانا صاحب نے شکست کھا آئی جیانی
 کی رانی ۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو میدان جنگ میں کام آئیں۔ ۱۸۵۹ء
 تک بہار کے کنور سنگھ، بھگت خاں، جومہلی میں ہندوستانی فوج کے
 سپہ سالار تھے، برہمن کے خاں، بہادر خاں اور فیض آباد کے مولوی
 امان اللہ خاں سب فتنہ اڑ چکے تھے۔ اورہ کی بیگم کو ہندوستان چھوڑ
 کر نپال جانا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کے آخر تک ہندوستان پر انگریزوں کا
 تسلط ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں گرچہ ہندوستان کو
 شکست ہوئی تاہم اس جنگ نے دو نین باؤں کو بالکل عیاں کر دیا۔
 پہلی بات تو یہ کہ ہندو مسلم اتحاد قائم ہو گیا۔ اس جنگ کے دوران سپاہیوں
 عام لوگوں اور ان کے رہنماؤں، ہندو اور مسلمان دونوں میں مکمل اتحاد
 واضح ہو گیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ اس جنگ نے یہ ثابت کر دکھایا
 کہ ۱۸۵۷ء سے قبل کے زمانہ میں جسے غیر مسلم سمجھتے ہیں،
 ہندوستان کے لوگ اور یہاں کی سیاست فرقہ پرستی سے بالترقی۔
 تیسری بات یہ کہ شکست کے بعد ہندوستانیوں نے تنظیموں کی
 تشکیل کا کام شروع کر دیا اور ہندوستان کے لوگ ان کے قبضہ سے
 نئے ایک ہو کر جدوجہد کو جاری رکھا اس کے ساتھ ساتھ قومی
 یک جہتی کو فروغ دینا شروع کر دیا۔

اب آئیے قبائلیوں اور کسانوں کی تحریکوں اور جدوجہد
 آزادی کا ذکر کریں۔ قبائلی ملک کے ایک حصے میں پھیلے ہوئے
 تھے۔ ان لوگوں نے سینکڑوں بغاوتوں میں حصہ لیا۔ قبائلی اپنی
 سیدھی سادہ زندگی اپنے طور پر گزارنا چاہتے تھے لیکن انگریزوں
 نے انہیں اپنی معاشی نظام کے تحت لانا شروع کر دیا تاکہ
 ان کی بھی لوٹ کھسوٹ کی جاسکے۔ قبائلیوں نے انگریزوں کے خلاف
 بغاوتیں کیں اور قربانیاں دیں۔ وہ صرف کھنڈی اور تیوکان لیکر
 میدان میں اتر پڑے، لیکن وہ انگریزوں کا مقابلہ نہ کر سکے کیوں کہ
 انگریزی فوج جنگ کے جدید سامان سے ہمیشہ قبائلیوں کا

خلوتوں میں چند نام بناد میں درج ذیل ہیں: کوئوں کی بناد
 ۱۸۵۵ء تا ۱۸۶۴ء) مسند قالیوں کی بناد (۱۸۵۵ء
 سے ۱۸۵۶ء) رہوں کی بناد (۱۸۴۹ء) اور مندرجہ کی
 بناد (۱۸۶۵ء تا ۱۹۰۱ء)
 کانوں نے، جبکہ اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے،
 انگریز حکومت کے خلاف خود شریوں، بنادوں اور پہلی جنگ آزادی
 میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ۱۸۵۷ء سے
 زمین داروں یا چھوٹے موٹے راجہ یا زبوں کی رہنمائی میں جتنی بھی
 شورشیں اور بنادیں ہوئیں، ان کی راجہ راجہ روہاں ہوتے۔
 نو آبادیاتی نظام اور اس کے استحصال کے سب
 سے بڑے شکار توکان ہی تھے، اس لئے انہیں ہر قدم پر مزاحمت
 کرنی پڑی، لڑنا پڑا۔ انگریز حکومت کے ساتھ ساتھ زمیندار
 مالکان آراضی اور مہاجروں نے بھی کانوں کا استحصال کرنا شروع
 کر دیا۔ کان دن رات محنت کرتے، لیکن انہیں دو وقت کا کھانا
 نصیب نہیں ہوتا۔ ان باتوں کی وجہ سے سارے ہندستان میں
 کانوں نے چھوٹی جماعتیں بنائیں اور اس طرح متحدہ طور پر ان
 لوگوں نے اپنے مطالبات موانے کے لئے براہ راست حکومت
 جاتے اور کافی کے باغات کے انگریز مالکوں اور مقامی زمینداروں
 اور مہاجروں سے ٹکریں شروع کر دی۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ
 آزادی کے بعد سے کانوں کی اس جدوجہد نے شدت اختیار
 کر لی۔

گوشہ صدی کی سب سے بڑی کان تحریک ۱۸۵۹ء
 کی بنی کی تحریک تھی۔ اس کی زد میں پورا بنگال آ گیا۔ بن کی کاشت
 پر برہمن لوگوں کو اجارہ داری حاصل تھی۔ یہ برہمنی مالک کانوں
 سے بن کی کاشت کرنے پر مجبور کرتے اور ان پر طرح طرح کے نظام
 کیا کرتے تھے۔ نیز کانوں کو بنی غیر نفع بخش شرح پر فروخت
 کرنے پر مجبور کرتے۔ کانوں کو، انکار کرنے پر غیر قانونی طور پر انہیں
 جسمانی سزائیں دتے۔ کانوں نے ۱۸۵۹ء میں اپنے
 غم و غصہ کا اظہار کرنے کے لئے بن کی کاشت کرنے سے انکار کر دیا
 اور بن کی کوٹھیوں کے مالکوں اور ان کے مسلح ملازموں کے علم کا ڈٹ

کرتا تھا۔ بنگال کے دانشوروں نے بھی اس میں مدد کا ساتھ دیا۔
 آخر میں کاشت کاروں کو نفع حاصل ہوئی اور حکومت کو ایک کمیشن
 مقرر کرنا پڑا، تاکہ بن کی کاشت کاروں کی دشواریوں کو دور کیا جاسکے۔
 نیز درجہ بنگو اور چھاپوں میں بن کی کانوں نے ۱۸۶۲ء اور
 ۱۸۶۸ء میں وسیع پیمانہ پر بنادیں کیں۔ اسی طرح بنگال
 میں جیسور کے کانوں نے ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۹ء میں
 بنادیں کیں۔ ۱۸۷۰ء میں مشرقی بنگال کے کانوں نے زمین داروں
 کے خلاف بناد کی۔ وہاں زمین دار غریب کانوں پر طرح طرح کے
 ظلم کیا کرتے۔ بے دخلی، معاندی، قطعیت آراضی پر بے جا قبضہ
 لگان میں اضافہ عام بات بن چکا تھا۔ پہلے کے کانوں نے ۱۸۷۲ء
 سے ۱۸۷۶ء تک زمینداروں کو سخت ظلم ہو کر رہا کر دیا اور ان کی حکومت کو مجبور کیا
 کہ کانوں کو زمینداروں کے ظلم سے محفوظ رکھنے کیلئے قانون بنائے۔ سارے ہندوستان
 میں کانوں کی زمینداروں اور مہاجروں کی زیر قیادت تھی۔ حکومت کے کانگڈ اندکی شرح
 بہت اونچی تھی، جسے ادا کرنا غریب کانوں کے لئے ناممکن تھا، نیز
 غریب کانوں کو مہاجروں سے اعلیٰ شرح سود پر قرض لیکر
 کھیتی باڑی کرنی پڑتی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ غریب کان
 سال بھر محنت کر کے جو فصل لگاتے وہ سب کے سب حکومت زمین
 داروں اور مہاجروں کے گوداموں میں چلے جاتے۔ ان تمام باتوں سے
 براہِ رخسہ ہو کر ہمارا شہر کے پونا اور احمد نگر ضلعوں کے کانوں
 نے ۱۸۷۵ء میں بڑے پیمانے پر بناد کی۔ ۱۸۷۲ء میں احمد نگر
 کے کانوں نے مہاجروں کا بائیکاٹ کیا اور قطعیت آراضی کے قس
 قرض کی دستاویزیں مہاجروں سے چھین کر عام مجمع میں جلادیں۔
 اس شورش کو روکنے کے لئے حکومت کی پوری مسلح فوج میدان
 میں اترائی۔ اسی طرح ۱۸۶۸ء سے ۱۸۷۲ء تک ملبار کے
 موہاک انوں نے مالکان آراضی کے ظلم کے خلاف بنادیں کیں۔ پیر
 ۱۸۷۲ء سے ۱۸۸۰ء میں موہاک انوں کی ان بغاوتوں نے جنگ
 کی شکل اختیار کر لی۔ ۱۸۷۲ء میں مالگڈادی کے خلاف
 آسام کے کانوں نے مالکوں اور حکومت کے خلاف جم کر مظاہرہ کیا۔
 اس تحریک کو دبائے کے لئے حکومت نے فوج اور مسلح پولیس کو استعمال
 کیا۔ بہت سارے کان گولیوں اور سنگینوں کا نشانہ بنے۔ اسی

نمائندہ میں پولیس اور فوج نے جن دشمنانہ طریقوں سے کام لیا کہ
دبا دبا لے آسام کے لوگ آج تک خراسان نہ کر سکے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹ ویں صدی میں کانوں
نے جتنی بھی غریبیاں اور غلامیوں کیوں وہ کبھی بھی انگریز سربراہیوں
کے لئے باعث خطرہ نہ بن سکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ غریبیاں اور
غلامیوں، غلامیوں، غلامیوں، اس لئے انہیں نوآبادیاتی معاشی نظام
کے نظم و ستم کے خلاف کانوں کا فوری رد عمل کیا جاسکتا ہے۔
لیکن یہاں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جہاں کانوں نے زمینداروں
اور جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کی وہاں وہ حکومت کے ساتھ بند
آزما ہو گئے، کیوں کہ جب تک بدستور حکومت یہاں رہے گی، انہیں
حکم و ستم اور استحصال سے دوچار رہنا پڑے گا۔ ان سے یہ بات
عیاں ہو جاتی ہے کہ عملی طور پر ہندوستان کے ان پڑا اور غیر تعلیم
یافتہ کانوں اور لوگوں نے ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ اور امرا
کے مقابلہ میں نوآبادیاتی خطرے کو محسوس کرنے کی زبردست صلاحیت کا
ثبوت دیا۔ کانوں نے جدوجہد کی، اتر بانیادیں بے مثال بہادری
کا ثبوت پیش کیا لیکن جدید امتیازوں سے ایسی سامراجی حکومت
کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ کانوں کے پاس کوئی نیا نظریہ نہ تھا اور نہ
سامراج کے پیدا کردہ سماجی حالات کو سمجھنے اور ان کی بنیاد پر
سماجی، معاشی اور سیاسی منصوبے بنانے کی صلاحیت۔ ان
کے پاس سماجی تقاضوں کا ایسا کوئی تصور نہ تھا جو لوگوں کو بڑے پیمانہ
پر متحد کر سکے اور جدید سامراج کو شکست دے سکے۔ اس کے لئے تو
ایسی جنگ کی ضرورت تھی جس کی پشت پر جدید خیالات اور سچے
بوجھ، سماج کی ایک نئی تعبیر اور ایسے نظریات اور جماعتیں
ہوں جو لوگوں کو قومی سطح پر سیاسی قربانیاں کے لئے آمادہ کر سکیں۔
اس طرح قومی سیاسی بیداری نشوونما پانے لگی اور
انیسویں صدی کے آخری دو دہائیوں میں ہندوستان میں بہت ساری
سیاسی تنظیمیں قائم ہو گئیں۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل
کانگریس قائم کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت ساری مقامی اور
مقامی انجمنیں قائم ہوئیں جو سیاسی سرگرمیوں میں معروف عمل
فیل۔ ۲۰ ویں صدی کی دوسری دہائی میں روس میں اشتراکیت

کی فتح کھلی گئی۔ ساتھ ساتھ ہندوستان پر بھی اچھا خاصہ اثر
پڑا اور کونست اور اشتراکی پارٹیاں، مزدوروں اور کانوں کی
سیاستیں قائم ہوئیں۔ اب یہاں کے مزدوروں اور کانوں نے کئی ہند
پیمانہ پر جدوجہد آزادی شروع کر دی۔ اس دوران سامراجی
حکومت بھی خاموش بیٹھ نہیں رہی۔ اس نے ہر موقع پر مزدوروں
اور کانوں کے احتجاج کو طاقت کے ذریعہ دبانے کی کوشش کی۔
لیکن کان اور کنت کشش لوگ طاقت کے آگے سر نہ جھکائیں
اور قومی جدوجہد میں دیگر سیاسی پارٹیوں کے ساتھ سرگرم مل
ہو گئے۔

میں یہاں منشی گنج کے ایک حادثے باریوں کہتے کہ ایک
ایسے کا ذکر کروں گا، جہاں ظالم انگریز حکومت کی مسلح فوجوں اور
پولیس نے بے گناہوں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا اور سیکڑوں
کانوں کو مار ڈالا۔ اس کی وجہ تو یہ تھی کہ ایک اہم و جہیز
تھی کہ کانوں نے اپنی تنظیم قائم کر لی تھی اور حکومت اس تنظیم کو
ٹوڑنا چاہتی تھی۔ واقعہ کی تفصیل یوں ہے:

منشی گنج ایک گاؤں ہے اور ریلوے بریگیڈ کے پاس
سٹی نڈی کے کنارے واقع ہے۔ اس گاؤں سے شہر جانے کیلئے
اس نڈی پر ریلوں کے زمانے کا تعمیر کردہ ایک پل تھا، لیکن آج
سے ۲۰ سال پہلے پر پل ٹوٹ گیا۔

آج سے ۶۵ سال پہلے اس گاؤں میں تقریباً ۱۰۰۰
کانوں کا ایک احتجاجی اجتماع ہوا تھا۔ کان اس نڈی کے کنارے
تقریباً ڈیڑھ سو کیونٹریز تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس نڈی کے دائیں ایک
اونچا اور لمبا پستہ تھا، جہاں ریلوں کی آمد و رفت کے لئے ٹرکس لگتی
ہوتی تھیں۔ کان یہاں احتجاج کرنے کے لئے بیٹھا ہوا تھا کیونکہ
ان کے سربراہوں کو حکومت نے گرفتار کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے
وہاں سے ہٹ جانے سے انکار کیا کہ جب تک کہ ضلع مجسٹریٹ
ان کے رہنما شری امل شہرا اور بابا جانی داس، جو مشہور
کان رہبر بابا رام چند کے ساتھی تھے، کو رہا نہ کرے، شری
شہرا اور بابا جانی داس کو ۵۰ روزہ جیل سزا دی گئی اور ان کے
ساتھ تقریباً ۵۰ کیونٹریز کی تعداد پر واقع چند آگیا گاؤں سے گرفتار

لیا گیا تھا اور اسی گاؤں میں ہزاروں کانوں نے تعلقداروں کے علم کے خلاف ایک احتجاجی جلسے کا انتظام کیا تھا۔ جب کانوں نے سسر براہوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو انہوں نے رائے بریلی جیل تک جانے اور اپنے رہبروں کو دہاں سے آزاد کرانے کا فیصلہ کیا۔ تعلقداروں کے علم اور انگیز حکومت کی بے رخی اور بے دلی کے خلاف پرندہ احتجاج کہتے ہوئے تمام مذاہب و ملتوں کے ہزاروں ہزار کانوں نے "جئے جئے سیارام" کا نعرہ لگاتے ہوئے رائے بریلی کو روانہ ہوئے۔ اس سے صرف چار مہینے قبل پاس کے ضلع پرناپ گڑھ کے کانوں نے اپنی اجتماعی طاقت کا اظہار کر کے اپنے گرفتار رہبروں کو قید سے رہا کرایا تھا۔ اس بار بھی کانوں نے ویب ہی کرنے کی کوشش کی۔

دوسری طرف حکام نے پرناپ گڑھ کے دانت سے ایک سختی حاصل کر لیا تھا۔ اس لئے انہوں نے گرفتار سسر براہوں کو عدالت میں پیش کر دیا۔ عدالت نے ان کے سلسلے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور پھر انہیں لکھنؤ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ تمام کام چند گھنٹوں میں مکمل کر لئے گئے۔

۶ جنوری ۱۹۲۱ء کو رائے بریلی شہر میں حکم امتناعی نافذ کر دیا گیا اور منشی گنجے پل پر پیل گاڑیوں سے ناکہ بندی کر دی گئی تاکہ مزدور سب یہاں سے شہر کو جائزہ سکیں۔ اس دن شام ہونے سے پہلے وہاں ۱۰۰۰۰ مزدور جمع ہو گئے۔ انہیں منشی گنجے پل پر مسلح پولس نے روک دیا۔ لیکن کان اپنے مطالبات پر اڑے رہے کہ جب تک ان کے رہنماؤں کو رہا نہیں کیا جائے گا وہ سب وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ اس طرح پولس نے اس پل پر اپنی چوکی کو جاری رکھا۔ اتنے میں ایک افواہ پھیلی کہ اعلیٰ شہر اور جانکی داس کو پولس نے مار ڈالا۔ مزدوروں کے اجتماع میں اچلی پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی حکام نے یہ افواہ پھیلا دی کہ بازار لوٹ یا گیا ہے، ان باتوں سے صورت حال اور بھی سنگین ہو گئی۔ اس صورت حال کے پیش نظر مزدوروں کے چند مقامی رہنماؤں نے ہڈت موتی لال نہرو کے جوار آباد میں رہتے تھے، نام بلی گرام بھیج دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ یہاں آئیں اور صورت حال کو سنبھالیں۔ اس دوران اس

رات کو انتظامیہ نے لکھنؤ سے مزید فوج اور گھڑ سوار پولس کو بلا لیا اور انہیں پل پر متعین کر دیا۔

۸ جنوری ۱۹۲۱ء کی صبح کو پل ایک محاذ جنگ بن چکا تھا۔ اس کے ایک طرف ہزاروں ہتھیار کٹے کان اور مزدور تھے، جو پل پر بندی کے ساحل پر اور پاس کے کھیتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور دوسری طرف مسلح افواج اور گھڑ سوار پولس تھی۔ کان رہ کر پولس کے اس دھڑ کو توڑ کر پل پار کرنے کا کوشش کرتے تو پولس انہیں پیچھے دھکیں دیتی۔ اسی اثنا میں وہاں یہ خبر پہنچی کہ اسی دن سہ پہر کو الہ آباد سے دہاں جواہر لال نہرو آرہے ہیں۔ مقامی رہنماؤں نے ضلع مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ وہ مجمع کو منتشر کرنے کے لئے جو درجہ کا استعمال کرے اور نہرو کا انتظار کرے لیکن ان لوگوں کو یہ یقین تھا کہ نہرو کی نون کو پر امن طور سے واپس جانے کے لئے راعب کو سکیں گے۔ لیکن اس کی جگہ ضلع مجسٹریٹ نے ایک کانسنبل کر دیوے اسٹیشن بھیج دیا اور اس کے ہاتھ میں نہرو کے نام ایک خط بھیج دیا۔ اس خط میں نہرو سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ منشی گنجے نہ آئیں۔

نہرو اسٹیشن پر پہنچے۔ پہلے تو گاڑی کے لئے انتظار کیا۔ جب گاڑی نہ ملتی تو انہوں نے منشی گنجے پل جانے کا ارادہ کیا انہوں نے دہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ منشی گنجے تھمتی دوری پر واقع ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہاں سے تین میل کی دوری پر۔ تب انہوں نے پیدل چلنا شروع کیا۔ راستہ میں تقریباً ۱۵۰۰ لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ لیکن ان کے منشی گنجے پہنچنے میں صرف چند منٹوں کا دیر ہو گیا جیسے ہی جواہر لال نہرو دریا کے کنارہ پل کے پاس پہنچے تو پل کے اس پار سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور انہیں وہیں پر فوج نے روک دیا۔ اور پل پر جانے نہیں دیا۔

پل کی دوسری طرف کانوں کا مجمع نہرو کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ وہاں کے ضلع مجسٹریٹ کے دوست تعلقدار سردار بریل سنگھ نے جو اس وقت یہاں موجود تھے، جب انہیں نہرو کے آنے کی خبر ملی، فوراً وہاں سے کانوں کی بھر بھار کہ جبراً ہٹانے کا کوشش کی، لیکن وہ ناکام ہوئے۔ سردار بریل سنگھ تھے ایک تعلقدار بھلاہہ بریکسے برداشت کرنے کہ ان کی پر جان کی بات نہ مانیں، ا

کا حکم عدول کریں۔ غصہ سے وہ پھر اٹھے۔ اتنے میں انہوں نے اپنی ایک رعیت شیو بانگ کو دیکھا جو کہ ان کے ایک طبقہ کی سربراہی کر رہا تھا۔ انہوں نے شیو بانگ کو حکم دیا کہ وہ وہاں سے جلد جائے لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تعلقدار نے فوراً اپنے روالہ سے شیو بانگ اور اس کے تین ساتھیوں پر غارت کر دیا۔ شیو بانگ اور اس کے تین ساتھی وہیں ہلاک ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ انگریز فوجوں اور گھڑسواروں نے روالہ کی آواز سننے ہی پہنچنے کا ان پر گولیوں کی بوجھار کر دی۔ بہت سارے کان وہیں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ جو کہ ان کھیت کی طرف کھڑے تھے وہ تو بھاگ سکے لیکن جو کہ ان ندی کے ساحل پر کھڑے تھے وہ بھاگ نہ سکے، ان کے دائیں طرف بل تھا اور پل پر وہ جا نہیں سکتے تھے کیوں کہ وہیں سے فوجی گولی چلا رہے تھے، ان کے لئے بچاؤ کا واحد راستہ یہ تھا کہ وہ وہیں سے ندی میں کود جائیں۔ اس طرح بہت سے کانوں نے ندی میں کود کر خود کو گولیوں کے نشانہ سے بچا لیا۔ کئی ایک کان تو کنویں میں کود پڑے۔ چند ہی منٹوں میں وہ میدان ایک قبرستان میں بدل گیا۔

اس پل کی دوسری طرف ملٹری نے جواہر لال نہرو کو پل پار کرنے سے روک دیا تھا۔ اس بات کا نہرو نے اپنی سوانح حیات میں یوں ذکر کیا ہے کہ میں وہاں انتظار کر رہا تھا، اتنے میں بہت سارے کانوں نے مجھے گھیر لیا، وہ سب سچے ہوئے تھے اور فوج اور پولس کے در سے گھنٹوں میں چھپے بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے بات چیت کی۔ انہیں دلاسہ دیا۔ یہ بہت ہی غیر معمولی صورت حال تھی۔ عرف چند گزوں کے فاصلے پر ہمارے بھائیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور ہم سب بے بس کھڑے تھکے ہوئے کیوں کہ چاروں طرف فوج کھڑی تھی؟

فوراً ضلع مجسٹریٹ فائرنگ لائن سے وہاں واپس آئے اور وہاں سے وہ نہرو کو اپنے ساتھ لیکر کلکتہ کے دفتر میں آئے اور ہمیں نہرو کو ایک نہ ایک بہانہ سے دو تین گھنٹوں تک بٹھائے رکھا گیا تاکہ اسے رو جائے وقوع پر نہ جاسکیں۔ نہرو کو وہیں سے واپس جانا پڑا۔

رات ہو گئی، منشی گنج سنان ہو گیا۔ کھیتوں میں ادھر ادھر سینکڑوں نعشیں بکھری پڑی ہوئی تھیں۔ حکومت نے ان نعشوں کو چوری چھپے وہاں سے ہٹانے کا بہت جلد انتظام کیا۔ بہت سی نعشوں کو اسی کھیت میں دفن دیا گیا اور بہت سی نعشوں کو کشمیر کے زریہ دیگر علاقوں میں لے جایا گیا، نیز مذکی میں ڈبو بھی دیا گیا۔ وہاں بہت سے مزدور اجوگو میوں سے زخمی ہو گئے تھے وہیں پڑے تھے۔ ان میں سے چند کو ہسپتال لے جایا گیا۔ نیز پانچ چھ سو مزدوروں کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔

ضلع مجسٹریٹ کے بیان کے مطابق یہاں صرف پانچ منٹ تک فائرنگ ہوئی تھی اور صرف رشتہ افراد مارے گئے تھے۔ ریاست ہائے متحدہ آگرہ و اودھ (موجودہ اتر پردیش) کے گورنر نے بذریعہ تار ضلع مجسٹریٹ اور تعلقدار کو مبارکباد دی اور کہا کہ انہوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

جہاں تک سارے ہندستان کا تعلق ہے منشی گنج کو ایک مقامی معاملہ سمجھ کے فراموش کر دیا گیا، دو چار اخباروں کے سوائے کسی نے بھی اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر نہیں کیا، اور وہ کرتے بھی کیوں، شہید ہونے والے تو عزیز کان تھے اور ایک سرمایہ دارانہ نظام میں عزیز کو کوئی جگہ حاصل نہیں۔ منشی گنج کے واقعہ کو لوگوں نے تو فراموش کر دیا لیکن آج بھی منشی گنج میں چند ایسے بزرگ با حیات ہیں، جو سانحہ کے دوران موجود تھے۔ ۸۰ سالہ شری مدن موہن آج بھی منشی گنج میں موجود ہیں جو رائے بریل جابوین آزادی کی ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے وہاں کے کنویں سے ۵۰ نعشیں نکالی تھیں۔ انہیں یہ واقعہ اب بھی یاد ہے کہ یہاں فائرنگ میں کم و بیش ۷۵ کان مارے گئے تھے اور ہزاروں زخمی ہوئے تھے۔

آزادی کے ۱۲ سال بعد ۱۹۵۸ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہاں ان شہید کانوں کی یاد میں ایک مینار تعمیر کیا جائے۔ مینار تعمیر ہو گیا۔ لیکن اس کا افتتاح کسی نے نہیں کیا۔ نتیجہ میں اس مینار کو سستی ندی میں پھینک دیا گیا۔ سستی ندی نے شاید یہ سمجھ لیا کہ اسے قبول کر لیا کہ جب سینکڑوں شہید کانوں کو سمندر میں

از _____ کنائی بھوک

12

(۱۱) گھرے بوب دین احمد ربانوی سے پہلے انکار آیا شاہ کوٹہ کے پروفیسروں نے منہ کھجھوئی آیا شاہ کی تعصبات کو رکھ کر ملحد پر بیوقوفی کا جواب دیا ہے تاکہ خاطر خواہ احمد بہتر نتائج حاصل ہو۔ اس ریاستی آجی تعینات نہایت نے اپنے تئیں بیوقوفوں کے وقت کھوج کے لئے میں جو گھرے بوب دین نقیب نے تھے اب انہیں یہاں لاری بوب دین میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

(۱۲) یہاں احمد کا گھرے بوب دین کی امت کوٹہ کے پروفیسروں نے بھائی جادو ہے (۱۳) گھرے بوب دین کو پھر سے بھائی جادو ہے اب اسے بوب دین کے ساتھ دین

دوڑ پانی کی سطح تک پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔ نیز تیل سے چلنے والی ٹیوب ویل مشینوں کو بھی بجلی سے چلنے والی مشینوں میں تبدیل کر دیا جا رہا ہے۔ سات برسوں کے عرصہ کے بعد حکومت کی براہ راست نگرانی میں ۲۰۰ گھریے ٹیوب ویل کو بٹھانے کا کام جاری ہے۔ فٹک سائی کے عرصہ میں عارضی طور پر ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنے کے ۳۰۰ تنصیبات نصب کئے گئے تھے۔ اب انہیں مستقل بنادیا جا رہا ہے۔ زمین دوڑ پیم کے ساتھ ۳۰۰ گھریے ٹیوب ویل کو بٹھانے کے لئے جگہوں کی تلاش جاری ہے۔

جھولی آبپاشی پروجیکٹوں کے لئے لوگوں کے بڑھے ہوئے مطالبات کو پورا کرنے کے پیش نظر عالمی بینک کی مدد سے ایک ماسٹر پلان کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ پانچ سال کے عرصہ میں ان اسکیموں پر ۱۵۵ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے، اور اس کے نتیجہ میں ۱۳۸ لاکھ ایکڑ سرس قطعات آراضی کو جھولی آبپاشی کا سہولتیں فراہم ہوں گی۔ اس اسکیم میں جھولی آبپاشی کے لئے مندرجہ ذیل تعمیرات کی گنجائش رکھی گئی ہے :

- (۱) ۱۲۰۰ بڑے ٹیوب ویل (ہر ٹیوب ویل سے ۱۰۰ ایکڑ قطعات آراضی کو آبپاشی کا سہولتیں فراہم ہوں گی یعنی کمانڈ علاقہ ۱۰۰ ایکڑ ہے)
 - (۲) ۲۰۰ متوسط درجہ کے ٹیوب ویل (کمانڈ علاقہ ۵۰ ایکڑ)
 - (۳) ۱۸۰۰ چھوٹے چھوٹے ٹیوب ویل، ہر ٹیوب ویل سے زمین دوڑ پیم بھی وابستہ ہوگا (کمانڈ علاقہ ۱۵ ایکڑ)
 - (۴) ۵۰۰۰ گھریے ٹیوب ویل موچپ (کمانڈ علاقہ ۱۵ ایکڑ)
 - (۵) ۱۰۰۰۰ کھیلے کنوئیں
 - (۶) پانی کی ترسیل کے انتظامات کو مکمل کرنا اور ندی سے شاد پکا کرنے کے ۲۰۰ پلانٹس کو جدید طرز پر ڈھالنا۔
- عالمی بینک کی آخری منظوری ملنے کے بعد دیگر سرکاری

ہے اس وسیع پروگرام پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ شمالی بنگال میں پانی کی ترسیل کے علاقوں کی ترقی کے لئے نیچر لینڈ حکومت مدد سے شعبہ زراعت ایک پروگرام کو رد و بر عمل لارہا ہے، اور اس پروجیکٹ میں دیگر باتوں کے علاوہ جھولی آبپاشی کے بہت سارے پروجیکٹس شامل ہیں۔

ان تمام اور دیگر پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد ہم لوگ ساتو منصوبہ کے عرصے میں مزید ۲۵ کروڑ لاکھ ایکڑ سرس قطعات آراضی کے لئے آبپاشی کا سہولتیں فراہم کرنے کے منصوبہ کی پورا کر سکیں گے۔

شعبہ زراعت (جھولی آبپاشی شلخا کے تحت مغرا بنگال ریاستی جھولی آبپاشی کارپوریشن لینڈ نے مارچ ۱۹۷۱ء میں ٹیوب ویل بٹھانے میں ۱۴۵ جامع علاقائی ترقی اور ۲۰ کسانوں کی کوآپریٹو کے لئے تھے۔ یکم اپریل ۱۹۷۲ء سے ۲۰ مارچ ۱۹۷۲ء تک اس کارپوریشن نے ۲۵۴ گھریے ٹیوب ویل نصب کئے، ان میں سے زیادہ آبی تقبضی نظامات کے کھوج لگانے کے ۶ ٹیوب ویل میں جن میں پیدا ٹیوب ویل میں تبدیل کر دیا گیا۔ ۲۵۴ گھریے ٹیوب ویل میں سے ۲۴۹ ایکڑ بجلی فراہم کی گئی، نیز زمین سے پانی اٹھا کر آبپاشی کرنے کے ۵۰ پروجیکٹوں کو پانچ بجلی پمپا گیا اور اس کا راج سے ایک ۲۰۹ قطعات آراضی کی آبپاشی کا سہولتیں فراہم کی گئی۔

آبپاشی کے بڑے پروجیکٹوں یعنی دامودر سوراکشی اور کنگا جی کا کمانڈ علاقہ ترقیاتی پروگرام جاری ہے۔ اس پروگرام کا اہم کام کھیتوں سے گزرنے والی نہروں کی کھدائی ہے۔ لیکن ان علاقوں میں جہاں آبپاشی کے ان بڑے پروجیکٹوں کے تحت نہریں تعمیر نہیں کی گئیں وہاں گھریے ٹیوب ویل کو چھوٹے ٹیوب ویل ندیوں سے پانی اٹھا کر آبپاشی اور کم گھریے ٹیوب ویل موچپ نصب کئے جا رہے ہیں۔ ان کی تنصیب کے لئے حکومت کی طرف سے امداد دی جاتی ہے۔ ایسے امداد چھوٹے اور حاشیائی کسانوں اور مغربی بنگال ریاستی جھولی آبپاشی کارپوریشن لینڈ کو دی جا رہی ہے۔ کھیتوں میں نہروں اور ندیوں کی تعمیر کے کام میں پانچ تیس سرگرم تعاون کر رہی ہیں :

تبصرہ

کتاب : میر باقر مخلص مرشد آبادی

ولف : ڈاکٹر عبدالرؤف

خامت : ۳۱۸ صفحات

ہمت : ۱۸ روپے

اشر : مغربی بنگال اردو اکادمی، کلکتہ ۱۷

اردو ادب میں ڈاکٹر عبدالرؤف کا نام محتاج تعارف نہیں۔
الٹ وٹھ بین کی نظموں کا ترجمہ انکی تابیت و عظمت کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔
میر باقر مخلص مرشد آبادی مولف کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر
ملکت یونیورسٹی نے ۱۹۵۵ء میں انہیں ڈی۔ لٹ کی ڈگری تفویض کی۔ کتاب
نئی اہم ابواب پر مشتمل ہے جنہیں مجموعی طور پر سوانح حیات، اس عہد کی
تاریخی و لسانی خصوصیات کلام اور کلام کا جائزہ مکمل دئے جاسکتے
ہیں۔

مرشد آباد ادبی و تاریخی اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل
ہے۔ دہلی سلطنت کے زوال کے ساتھ فیض آباد، کھنؤ اور عظیم آباد
کی طرح مرشد آباد بھی روزی روٹی کا اہم مرکز بن گیا تھا۔ اہل کمال کی
لشرت شہر چھوڑ کر مختلف مراکز کی طرف روانہ ہوئی۔ کچھ مرشد آباد
آئے، سکونت اختیار کی اور پھر یہیں کی خاک زمین میں پیوست
ہو گئے۔ شجاع الدولہ، علاء الدولہ، علی وردی خاں، سراج الدولہ
د میر قاسم کی سرپرستی میں بنگال کی سرزمین آردو ادب نے کافی
وسعت و ترقی پائی۔ اس عہد میں مرشد آباد شعروادب کا ایک اہم
مرکز بن چکا تھا اور شعروادب کے ضمن میں نسبتاً اس کی برتری
سٹم تھی۔ میر باقر مخلص مرشد آبادی بنگال کے اس عہد زریں
کے عظیم المرتبت شاعر تھے جن کی ذات سے بنگال کی ایک پوری صدی
کی تاریخ وابستہ و وابستہ ہو رہی ہے۔ مخلص مرشد آباد کے پہلے صاحب
دیوان شاعر تھے جو مرشد آباد میں پیدا ہوئے اور یہیں پورے زندگی
ہوئے۔

مختلف تذکروں میں مخلص کا تعارف تو مختصر آئل جاتا

ہے مگر کہیں بھی ان کے منفعل و کمال زندگی کی تفصیلات سے متعلق اطلاع
ذرا کم نہیں ہوتی۔ تناسف کہ اردو شعروادب کی تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔
ڈاکٹر عبدالرؤف کا یہ اہم کا نام ہے کہ انہوں نے میر باقر مخلص مرشد آبادی
جیسے باکمال شاعر کو گوشہ نگہائی سے باہر نکالا۔ مولف نے شاعر سے
متعلق تاریخی و سوانحی تفصیلات، ان کے عہد اور ان کے کلام پر بڑی
کادوشوں سے غامض خواہ مواد یکجا کیا۔ زیر نظر کتاب میں جہاں مخلص کی شخصی
زندگی کی واضح تصویر ابھرتی ہے وہیں ان کے عہد کا تاریخی پس منظر اور
لسانی خصوصیات کے دھندلکے بھی روشن ہوتے ہیں۔

میر باقر مخلص کا دور اردو زبان و ادب کا وہ دور ہے جس
میں لیہام و ابہام اور تعلقات کے طہوں پر زبان و بیان کی فصاحت
سادگی اور منطربت کی عمارت کھڑی کی جا رہی تھی اور منظر جاں جاناں
میر، سودا اور درد کی امامت و قیادت میں قدر آؤل کی شاعری کے نونے
پیش کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ غزل کا وہ مخصوص رنگ و روغن جو اس عہد
کی دین ہے، مخلص کے یہاں پوری آب و تاب کیساتھ جلوہ یز نظر آتا ہے۔
درد، عشق، سادگی و شگفتگی ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ نونے

کے طور پر چند شعر ملاحظہ ہوں۔

مر گیا میں پر نہیں مبر تہہ خاک ہنوز

یعنی کرتا ہوں گریبان کفن چاک ہنوز

جاری ہے سیلِ فون آنکھوں سے

بخیر کیا دل کے زخمِ کٹھن کا ٹوٹا

نافع ہے وہ دل، عشق کے گزرا میں جبیک

للا کی طرح داغ غور دار نہ ہو دے

آتا ہے کون سا یہ گل اندام باغ میں

جھک جھک سلام کرتی ہیں پھولوں کی ڈالیاں

دیوان مخلص کے مطالعہ کے بعد بلاشبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

بنگال میں میر مخلص کو وہی مقام ہے جو دکن میں ولی احمد شمالی ہند میں تیر گو

حاصل ہے۔ — زیر نظر کتاب مرشد آباد کے ادب و تہذیب سے متعلق

مدفن خزانہ کی کھوج اور بازیافت کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا

ہے۔ مغربی بنگال اردو اکادمی اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں یقیناً

مبارکباد کی مستحق ہے۔ — مصطفیٰ اکبر

ہمارے یوم آزادی عہد

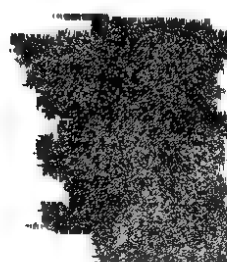
مغربی بنگال کی بائیس محاذ حکومت قومی یک جہتی کو
بلند کرنے اور تقویت بخشنے کا عہد کرتی ہے۔

یوم آزادی کے موقع پر آئیے ہم سب مل جل کر سماجی
اور جذباتی یکجہتی کو فروغ دیں اور اپنے عہد کی
تکمیل کریں۔

حکومت مغربی بنگال

1st September 1986

Vol-37 No-17
PRICE 25 Paise



پروفیسر زرار الحسن ۱۲ اگست ۱۹۸۶ء کو راج بھون گلڈن میں منجھو بھٹا کے گورنر کی حیثیت سے اپنے ہمراہ کاغذ اٹھاتے ہوئے

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
Printers: 54/1C, Shyampukur, Street, Calcutta 700 004.



31 OCT 1986



مغربی بنگال

شرح خریداری

سالانہ: تین روپے * اس شمارے کی قیمت: ۱۲ پیسے

ترسیل زر کا پتہ

بزنس مینجر!

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال
۲۳- آر این، مکھرجی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

مدیر اعلیٰ : پرمیتن بھٹا چاریہ

مدیر : دھرمیندرا ناتھ دت

مدیر معاون : مسعود اعظم

جلد نمبر ۳۳ * ۱۵ ستمبر ۱۹۸۶ * شمارہ نمبر ۱۸



مغربی بنگال کے گورنر اور بنگلہ دیش کے چانسلر پروفیسر سید نور الحسن ۱۶ ستمبر ۸۶ء کو کلکتہ یونیورسٹی کے سنٹری ہال میں منعقدہ خصوصی جلسہ تقسیم اسناد میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔ (تصویر از: مدعو سدن گھوش)



مغربی بنگال مزدوروں کی رفاہ بورڈ کی سرگرمیاں

تقریبی پروگرام کی سہولتیں فراہم ہیں۔ نیز یہاں مزدوروں اور ان کے اہل و عیال کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کا بھی انتظام ہے۔ ان میں ۲۲ مرکزوں میں آڈیو ٹریک بھی ہیں، جہاں ثقافتی اور دیگر پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔

۲۔ تعطیل گھر:

(الف) دارجلنگ۔ یہاں ۳۵ خصوصی کمرے اور ۲۱ عام کمرے ہیں، اور کرایہ فی کمرہ ۵ روپے، کمروں میں فی نشست ۲ روپے اور عام کمروں میں فی نشست ۱۰ روپے ہے۔

(ب) دیگھا۔ یہاں ۸ خصوصی کمرے اور ۲۲ عام کمرے ہیں اور کرایہ فی کمرہ ۵ روپے، کمروں میں فی نشست ۲ روپے اور عام کمروں میں فی نشست ۱۰ روپے ہے۔

ان دونوں تعطیل گھروں میں بستر، مسہری، مڈی برتن، اسٹورس وغیرہ مفت فراہم کئے جاتے ہیں۔

یہاں بکنگ کے لئے بورڈ سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ وظیفے: اس فنڈ میں چندہ دینے والے، جس کی سالانہ آمدنی ۱۲۰۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، کے بیٹے یا بیٹی کو، جس نے ثانوی امتحان میں ۶۰ فیصد نمبر حاصل کئے، میں ثانوی درجہ کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل شرحوں کے مطابق وظیفے دئے جائیں گے۔

اگر موصول ہونے والی درخواستوں کی تعداد دئے جانے والے وظیفے کی تعداد سے کم ہوئی تو ایسی حالت میں ۵۵ فیصد نمبر حاصل کرنے والے طلباء کے معاملہ پر غور کیا جائے گا:

مزدوروں کی رفاہ کا بہت سارا اسکیموں کو جلد از سر اٹھانے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچانے کے پیش نظر ریاستی حکومت نے آجروں اور مزدوروں اور عوامی اداروں کے نمائندوں پر مشتمل قانون کے مطابق مزدوروں کی رفاہ کے بورڈ کی تشکیل کی ہے۔

بورڈ شعبہ محنت کے وزیر یا وزیر ریاست کے چیئرمین شپ کے تحت اپنے فرائض کو انجام دے گا۔ مزدوروں کی رفاہ کی اسکیموں کی تشکیل کے لئے ریاستی حکومت نے ایک قانونی مزدوروں کی

اہ فنڈ کی تشکیل کی ہے۔ ایک آجر کو اس فنڈ میں ان کے یہاں

نے درکار کام کرتے ہیں، ہر چھ مہینہ میں فی مزدور ایک روپیہ کے حساب

ہ اور ہر مزدور کو ۵۰ پیسے فی کس سشما ہی چندہ دینا پڑتا ہے۔

روں پر قانون کے تحت یہ ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے کہ وہ ان

م کو ہر سال ۱۵ جنوری اور ۱۵ جولائی سے قبل جمع کرا دیں۔ اس

ملاوہ ریاستی حکومت بھی اس فنڈ کے لئے اتنی ہی رقم دے گی

ن کہ آجر دیتے ہیں۔ اس رفاہی فنڈ میں جمع کردہ رقم سے

مزدوروں کی رفاہ کی اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس بورڈ کے دائرہ عمل میں تمام صنعتی یونٹیں، تمام

بلدیہ ادارے، جہاں کم از کم دس افراد برسرِ روزگار ہیں، موٹر

سپورٹ تنظیمیں، چائے اور دیگر باغات آتے ہیں۔

مزدوروں کی رفاہ کے لئے بورڈ کی اسکیمیں:

۱۔ فی الحال اس بورڈ کے زیر انتظام مزدوروں کی رفاہ کے

مرکز ہیں۔ ان مراکز میں مزدوروں کے لئے بہت ساری رفاہی

ہولتیں فراہم کی گئی ہیں، یہاں تکمیل کو، جسمانی ورزشیں اور

فی طالب علم ماہانہ و وظیفہ کی رقم

کلاسوں

الف: کلاس اول اور II	۱۲۵- روپے
ب: کلاس III تا V	۱۷۵- روپے
ب: انجینئرنگ، میڈیکل، تفریحی اور دیگر تعلیمی کورس	۲۵۰- روپے
ج: پوسٹ گریجویٹ کورس	۳۰۰- روپے
متعلقہ کورس کے عرصہ کے لئے وظیفہ دیا جاتا ہے۔	
پیشہ ورانہ تربیت کے لئے وظیفہ:	

ایک مزدور جس کی سالانہ آمدنی ۱۲۰۰۰ روپے سے کم ہے، اس کے دست نگر شوہر یا بیوی اور بیٹے یا بیٹی کو حکومت یا یونیورسٹی کے تسلیم شدہ کسی بھی ادارے میں پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے کے لئے مالدانہ وظیفہ دیا جاسکتا ہے۔ مالدانہ وظیفہ کی رقم اس ادارہ کے مقررہ فیس (۲۰۰ روپے سے زیادہ نہیں) کی رقم کے برابر ہوگی۔ بلاشبہ اس وظیفہ کے مستحق ہونے کے لئے مزدور کو باضابطہ رہائشی فنڈ میں چندہ دینا ہوگا۔

کتابیں خریدنے اور تعلیمی سیر کے لئے عطیہ:

اس کارٹ یا وظیفہ پانے والے طلباء کو، اگر وہ درخواست داخل کریں تو ایسے بورڈ کن میں خریدنے اور تعلیمی سیر کے لئے عطیات دے سکتے ہیں۔

گشتی فلم یونٹس:

جنوبی بنگال کے علاقوں میں اور شمالی بنگال کے چائے باغات میں مزدوروں کے درمیان فلموں کی نمائش کے لئے اس بورڈ کے پاس دو گشتی فلم یونٹس ہیں۔ یہ یونٹس مزدوروں کی تفریح کیلئے مزدوروں کا رہائش گاہ کے مختلف مرکزوں اور صنعتی کمپنوں میں فلم شو کا انتظام کرتی ہیں۔

مزدوروں کے خاندان کے معذور لوگوں کیلئے پیشہ ورانہ تربیت:

اس سلسلے میں انتظامات کئے گئے ہیں کہ مرکزی حکومت کے تحت معذور لوگوں کے لئے تربیتی مرکزوں کے ذریعہ مزدوروں کے خاندان کے معذور لوگوں کو معذور بننے والے کام میں پیشہ ورانہ تربیت دی جائے۔ رزرو بلڈر، فٹر، ٹائپ رائٹر، انٹنگ، شارٹ ہینڈ، ریڈیو اور ٹی۔وی، مرستہ کا کام، برائھی گیری، خطاطی، بید کی کرسی، چمک سازی وغیرہ۔

اس کے علاوہ ریاستی حکومت کے تحت آئی ٹی آئی (انجینئرنگ کالج میں) ایسے معذور لوگوں کے لئے نشستیں منقص کرنے کے سلسلے میں انتظامات کئے گئے ہیں۔ ایسے معذور افراد کو تربیت کے عرصہ میں فی ماہ ۱۲۰ روپے بطور وظیفہ دئے جاتے ہیں۔

بورڈ کن زیر تکمیل اسکیمیں:

(۱) بوکھالی میں تعطیل گھر، (۲) ہدیہ میں رہائشی مرکز مع تعطیل گھر کی تعمیر (۳) پوکھریا بونگ، ادارہ جنگ میں ایک رہائشی مرکز کی تعمیر۔

بورڈ کن مزید اسکیمیں:

(الف): بانیوں کی تعلیم کے مراکز (ب) ماں کے لئے طبی دیکھ بھال اسکیم (ج) بوا دی (بچوں کا مرکز) (د) بچوں کے لئے طبی دیکھ بھال اسکیم (۵) بچوں کے لئے پوروش گاہ (۶) اور بھی زیادہ گشتی فلم یونٹس چالو کرنا (۷) طلبہ کے لئے ہاسٹل (مزدوروں کے خاندان کے طلباء کے لئے) (۸) میریک اور دیگر جگہوں میں تعطیلی گھروں کی تعمیر۔

سندربن علاقہ میں کھال کی ازسرنو کھدائی

حکومت مغربی بنگال کے شعبہ ترقیات و منصوبہ بندی نے سندربن کے پسلسہ علاقہ کی ترقی کے لئے متھورا پور تھانہ کے علاقہ میں موضع رادھا کانتا پور میں کالی تیر بول پیریا کھال کی ازسرنو کھدائی کے لئے چھ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی۔ ایک تخمینہ کے مطابق اس کام پر کل ۹۸۲۹۵۰ روپے خرچ ہوں گے۔

فیض — ایک عہد آفرین شاعر

شاعر اداس کہتے

ان گنت صدیوں کے تاریک ہیمیا نہ طلسم
رشیم واطلس وکم خواب میں بڑا نئے ہوتے
جا بجا بکتے ہوئے کوہِ دبازار میں جسم
خاک میں ٹھہرے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
جسم سے نکلے ہوئے اراضی کے تیزوں سے
پیپ بہتی ہوئی گھٹے ہوئے ناموریل سے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے
اب بھی دکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجئے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا
راحتیں اور بھی ہیں وصل کی راحت کے سوا
مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ

♦♦♦

فیض نے اردو کو کلاسیکی شاعری کا بڑا اگسرا اور
بالاستغیاب مطالعہ کیا ہے اور تیر، معنی، آتش، غالب اور موتی
جیسے اساتذہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے جہاں روایت
کی فنی ہنرمندی سے شعری لہجے کو شائستگی عطا کی ہے وہاں بدلتی ہوئی
زندگی کی جدید آسرا سے اسلوب کی مانگ میں تازہ کاری کی افشاں بھی
چنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں اگر ایک طرف قدیم کی تہذیبی
لطافت اپنے جلو سے دکھائی ہے تو دوسری طرف جدید کا بانگ بھی
ذہن کے درپے پر دستک دیتا ہے۔

فیض نے غزل اور نظم دونوں کو اعلیٰ خیالی کا وسیلہ بنایا
ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظم کے مقابلے میں ان کی غزل گویا زیادہ

اردو کے نامور نقاد اظہر قادی لکھتے — ”کسی بڑے
شاعر کی تحقیق کی کاوشوں کو نظریاتی اعتبار سے مختلف خانوں میں تقسیم نہیں
کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ بڑے شاعر کے فکری ڈھانچے اور اس کے فنی
اظہار میں کبھی تضاد نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مختلف
ادوار میں زندگی کے گونا گوں اور نئے حقائق سے اپنے تخلیقی عمل کے
تامنے بانی تیار کرتا ہے لیکن اس کی نظریاتی سالمیت اس کی فکر میں
نامواری پیدا نہیں ہونے دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ خیال کی رنگارنگی اور
بوقلمونی کے باوصف اس کے اندازِ فکر کی زیریں پر ہمیشہ یکساں رہتی
ہے جو اس کی تخلیقات کو تضاد کی بھول بھلیوں میں گم ہونے نہیں دیتی
اور تیرگی میں چراغ بن کر منزل مقصود کی نشاندہی کرتی ہے۔ فیض
احمد فیضی کا شمار ایسے ہی شاعروں میں ہوتا ہے۔“

جس وقت ہمارا جوان شاعر فیض کی مدھر اور وسیلی
تالوں سے گونجنا شروع ہوا اس وقت ترقی پسند ادبی تحریک
کی صحیح صادق نمودار ہو رہی تھی اور اس کی پہلی کرنیں اندھیروں سے
الٹنے کی کوشش کر رہی تھیں، ایسے کڑے وقت میں بعض دانشوروں
نے اس تحریک کو صرف سہارا ہی نہیں دیا بلکہ اسے نوک پلک سے
درست کرنے میں اپنا خون جگر صاف کیا۔ ابتداء میں تحریک کے تحت
تخلیق ہونے والے ادب کا لہجہ رومان کی راہ سے انقلاب تک
پہنچنے کا تھا۔

ابتداء میں فیض کے یہاں بھی رومانیت اور انقلاب کا جلا
نمودار ہے اور ان کے پہلے مجموعہ ”کلمہ“ نقشِ نریاری میں کچھ نظمیں
اس رجحان کی واضح نشاندہی ہیں۔ مثلاً —

مرحوم ذرا لطیف اور سادہ گوشت معلوم ہوتا ہے۔ وہ غزل میں اپنے
تصورات اور نظریہ حیات کو روایت سے مربوط رکھ کر اظہار کی
دشوار گزار راہ سے جسے ان بان اور بک روی سے گزرے ہیں
وہ ان کی جمالیاتی ہنرمندی اور سماجی شعور کی دلیل ہے۔ اور جہاں
غم جانناں کی کھلائی شام اور شب فراق کی تہہ بہ تہہ تیرگی ہے وہاں
غم دوروں کی صبح نشا ط بھی ہے۔ اس میں داستانِ جلدۂ جانان
کی دودھیا چاندنی کے پہلو بہ پہلو حدیثِ گہراں کے ترکے کی
سپیدی بھی ہے۔ اسی میں محبوب کے خرامِ ناز کی سحر انگیز
چاب بھی ہے اور رفتارِ وقت کی تیز رو آہٹ بھی۔ اس میں کہیں
زلفِ جانان کا نرم و نازک سایہ ہے، کہیں غمِ دوران کی جھلسا
دینے والی کڑی دھوپ۔ فیض کی فنی چابک دستی نے غمِ دوران
میں غمِ جانان کی رنگ آمیزی اس بانگچن سے کی ہے کہ وہ دونوں آپس
میں شیر و شکر ہو گئے ہیں۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

دوستِ اس چشمِ ولب کی کچھ کہو جس کے بغیر
گلستاں کی بات رنگینا ہے نہ میخانے کا نام

ہر اجنبی ہیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری لگی سے گزرنے لگتے ہیں

حنیائے بزمِ جہاں بار بار ماند ہوئی
حدیثِ شعلہِ رقاں بار بار کرتے رہے

مرے چارہ گر کو فید ہو صیفِ دشمن کو خیر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے چہ پرہ حساب آج چکا ہوا

کروج جیسے پر کفن مرے قاتلوں کو گمان نہ ہو
کہ غورِ مشتاق کیا نہیں پس پر گم نے جلدیا

وہ نامساعد تو نہیں تا کام ہی تو ہے
لمبی ہے غمِ شام مگر شام ہی تو ہے
فیض کے جہت میں تمام کھیری ملائم غزل کی روایت سے
آئے ہیں البتہ ان کی مقنیاتی تقلید ہوئی ہے۔ اردو شاعری میں سادگی
سماجی جہت کا اعجازِ تحریک آزادی کا تقاضا بھی تھا اور اس میں
فیض سے پیدا دیگر شعرا بھی شریک رہے تھے لیکن فیض نے
سیاسی سماجی شعور کو فانی عناصر کے ساتھ ملا کر ایک نئی
جمالیاتی شان پیدا کی۔ فیض کی سیکڑا شعی پر جہاں انگریز شاعری
کا اثر ہے وہاں ان کے رہے جوئے احساسِ جہاں کی تشکیلیں ہیں
ملاوہ فارسی اردو کلاسیکی اثرات کے پنجابی جڑوں کا بھی کچھ نہ کچھ
عملِ جنس ہے۔ انہوں نے اپنے انقلابی فکر کے اظہار کے لئے
غنائت کو اور غنائیت کے اظہار کے لئے انقلابیت کو قسربان
نہیں کیا ہے۔

بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ — ”انقلابی فکر اور
غزل کی آمیزش سے اردو شاعری میں ایک نئی جمالیاتی جہت پیدا
ہوتی ہے جس میں فیض کا بہت بڑا ملحقہ ہے۔ فیض نے اقبال کے
بعد کلاسیکی روایات کو لیکر اپنی شاعری کی بنیاد استوار کی اور
اپنے تجربات، مشاہدات اور سماجی حالات کے درد کو اس میں سو
دیا۔“

پروفیسر محمد حسن لکھتے ہیں: — ”اردو شاعری کی
اتحاد گہرائیاں فیض کی شاعری میں جا بجا بکھری ہوئی ہیں۔ انہوں نے
روایت کی بنیاد سے اٹھنے والی شاعری کو اعتدالی راہوں سے
استوار کیا۔ فیض کی شاعری کا دردِ دل و دماغ کو متاثر کرنے کے علاوہ
اپنے مقصد کے بدلنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔“

احمد ندیم قاسمی کی رائے میں — ”فیض انسانی
معاشرے میں مثبت انقلاب کا حامی تھا تا کہ ایک ایسا معاشرہ
تشکیل پذیر ہو سکے جس کی بنیاد عدل و انصاف، مساوات اور
انسان کے وقار پر ہو۔ اس انقلابی امگ کے باوجود اس کے
انقلابیوں کی سیاسی گرج کے بجائے ایک مترنم سرگوشی کا ساند
ہے۔ انقلاب کے حوالے سے جو شور مچا ہوا ہے وہ فیض کی

شاعری میں نہیں بلکہ اس کے اثرات میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فیض کی نفسی سرگوشی کو اپنے اندر اتار لے جانے والے کے باطن میں جو قیامت برپا ہوتی ہے اس کو فیض کے مثبت انقلاب کی شروعات سمجھنا چاہئے۔

فیض نے جہاں روایتی تشبیہات، استعارات اور فنی ماسن سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور انہیں نہایت سلیقے سے اپنی تخلیقی کاوشوں کا حصہ بنایا ہے وہاں خود بھی نئے استعارے، نئی تشبیہیں اور نئی ترکیبیں ہی ہیں ایک اچھے شاعر کی طرح انہوں نے روایت کے مبینہ سرائے سے فائدہ تو ضرور اٹھایا ہے لیکن اس پر قناعت کر کے بیٹھ نہیں گئے ہیں بلکہ اردو کو بڑی حسین، نئی تشبیہوں، استعاروں اور ترکیبوں سے مالال کیا ہے۔ انہوں نے شعروادب کے گھستاں میں فن کے نئے نئے پھول کھلائے ہیں جن کی خوشبو سے اظہار کی روشیں دور دور تک ہلک اٹھی ہیں۔

شبیہ نظر خیال کے انجم، جگر کے داغ
جتھے چراغ ہیں تری مصل سے آئے ہیں

بزم خیال میں ترے حسن کی شمع جھل گئی
در دکا ہنڈکچ گیا، جس کی رات ڈھل گئی

جب تجھے یاد کروں صبح ہلک ہلک اٹھی
جب ترا غم جگایا راستہ چل چل گئی

ہم اہل نفس تنہا ہی نہیں ہر روز نسیم صبح دہن
یادوں سے معطر آتی ہے، اشکوں سے منور جاتی ہے

کیٹس کا قول ہے — ”محبت انسان کی عظمت بھی ہے اور اس کی محرومی بھی۔ شاعر بھی انسان ہونے کے ناطے روایت سے قطع نظر ذاتی طور پر بھی محبت کے جذبوں سے سرشار رہتا ہے اور اس کے دل میں بھی اور چاہے جانے کی تمنا انگڑائیاں لیتی ہے اور یہی تمنا اس کے ذوقِ جمال کو تہذیب اور سائنس کی سوزائی ہے اور اس کی تخلیقی فکر کو دوزخ کی آگ اور جہنم کی آگ ہے۔ اگر شاعر

باشعور ہوتا ہے تو اس کے یہاں یہ انفرادی تمت احرف آخر نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے ذوقِ جمال میں پاکیزگی اور جہارت پیدا کرتی ہے اور اس کی نظر کو دسوت عطا کرتی ہے۔

فیض کے رچے ہوئے بالیدہ شعور کو جذب و شوق کی انفرادی منزل کی سرعت سے طے کر کے اجتماعی مرحلے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگتی۔ ذاتی تمتانے ان کے نہاں خازنہ دل سے نکل کر پوری انسانیت کا احاطہ کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ عام خوشامالی کی آرزو بھی بڑی چیز ہے لیکن فیض کی نظر میں صرف آرزو سے کام نہیں بنتا۔ تشکیل آرزو اصل مقصدِ حیات ہے۔

یہ آرزو بھی بڑی چسپاز ہے مگر ہدم
دھال یا رفعت آرزو کی بات نہیں

عالمی سطح پر سوچنے کے انداز نے فیض کے تصورات اور نظریہ حیات کو انسانی بنیادیں عطا کیں اور انہیں اپنی تخلیقی کاوشوں کو مدد قومیت، فرقہ پرستی اور تنگ نظری سے بالاتر رہنا سکھایا۔ ان کی نظمیں ”آج کا افریقہ“ اور ”ایرانی طلباء کے نام“ اور ”رقیب سے“ اور جنگ آزادی سے متعلق ان کی تخلیقی کاوشیں ان کے فن کا رشتہ حیات ان کی کو عالمی جدوجہد سے جوڑ دیتی ہے اور فیض کو کسی ایک قوم، کسی ایک زبان اور کسی ایک طبقے کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا شاعر بنا دیتی ہے۔ پس ان کی وہ انسان دوستی ہے جو انہیں انسانیت، مسرت و محبت اور زندگی کا پیغام دینا، استعمالی خونوں کے خلاف آواز اٹھانا اور جنگ سے محروم کرنا سکھاتی ہے اور انہیں اس کا شاعر بناتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ فیض کی نظمیں بھی روایت کے حسن سے مالال ہیں اور پڑھنے سے تعمق رکھتی ہیں لیکن ان کی غزلوں میں روایت کی تہذیب و شائستگی جس طرح ان کے انقلابی آہنگ کو نکارتی سوزاتی ہے اس سے ان کی تخلیقی کاوشوں کو رعنائی، دلکشی اور توانائی قائم ہے۔ آج جیکہ حالات کی انتہائی کیفیات کے پیش نظر نئی نسل کے علاوہ پراثراتِ عروں کا ایک طبقہ بھی ذات کے تنگ حصار میں اسیر ہو گیا ہے۔ فیض کی شاعری کی صاف و شفاف اور کھلی تضاد و داغ کے لئے تازگی و طراوت کا اہتمام ہے۔

مزدوروں کی فہم اور تحفظ کیلئے چند قانونی دفعات

۱۔ مزدوروں کا معاوضہ ایکٹ ۱۹۲۳ء :

اگر کسی مزدور کو ڈپٹی میں کام کرتے ہوئے جوت لگ جائے یا وہ زخمی ہو جائے تو اس ایکٹ کی دفعات کے تحت وہ اپنی جوت کی شدت کی بنیاد پر اور اپنی تنخواہ کے مناسب معاوضہ کا دعویٰ کر سکتا ہے اور اگر ڈپٹی میں اس کی موت واقع ہو جائے تو اس ایکٹ میں رکھی گئی شش کے تحت آجر کو معاوضہ کی پوری رقم اس کے قانونی وارثوں کو دینا پڑے گی۔

۲۔ ٹریڈ یونین ایکٹ ۱۹۲۶ء :

ایک ٹریڈ یونین کے رجسٹریشن کے لئے کوئی بھی ۷۰ درجہ ممبر جو یونین کو چندہ دیتے ہیں اور اس ایکٹ کی دفعات کی شرائط پر پورا اترتے ہیں، رجسٹریشن کے لئے مقررہ فارم میں ٹریڈ یونین رجسٹرار کے پاس درخواست داخل کر سکتے ہیں۔ اس درخواست کے ساتھ اس ٹریڈ یونین کے قوانین اور ضابطے کی ایک کاپی، درخواست کنندگان کے نام، بٹے اور پیشے، ٹریڈ یونین کا نام اور اس کے صدر دفتر کا پتہ بھی داخل کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس ٹریڈ یونین کے تمام عہدہ داروں کے نام، عمر، پیشے اور پتہ بھی داخل کرنے ہوں گے۔ مزید برآں اگر ایک ٹریڈ یونین رجسٹریشن کے لئے درخواست داخل کرنے کی تاریخ سے کم از کم ایک سال قبل قائم کیا گیا ہے تو اسے اپنے قرض اور اثاثے کی تفصیل بھی درخواست کے ساتھ منسلک کرنی ہوگی۔ رجسٹرار قانون کے مطابق تفتیش کرنے کے بعد رجسٹریشن کا سرٹیفیکیٹ جاری کر دے گا۔

ٹریڈ یونین کے فنڈ کو عہدہ داروں کی تنخواہ یا بھتوں کی ادائیگی، انتظامی اخراجات، مزدوروں کے مفاد میں خرچ، مزدوروں کے حقوق کے دفاع کے لئے قانونی خرچ، صنعتی تنازعات کے سبب مالی مشکلات سے دوچار مزدوروں کی مالی امداد یا ایک مزدور کی موت پر دی جانے والی امداد ایک مزدور کے کام کے دوران مجروح ہو جانے یا چھٹائی پر بیمار ہو جانے پر دی جانے والی امداد، مزدوروں کی تعلیمی اور سماجی ترقی کے لئے اخراجات پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یونین کے فنڈ کو صرف مزدوروں کی سماجی، معاشی اور ذہنی ترقی کے لئے خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے اس فنڈ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ٹریڈ یونین کو اپنے ممبروں کے شہری اور سیاسی حقوق کے تحفظ اور انہیں برسرِ کار رکھنے کے لئے ایک الگ فنڈ قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کے لئے چندہ اٹھا سکتا ہے۔ کسی بھی رجسٹرڈ ٹریڈ یونین یا اس کے عہدہ دار یا ممبر کے خلاف، متوقع صنعتی تنازعات یا ایسے تنازعات کی اعانت کے سلسلہ میں کئے گئے کسی بھی اقدام کے لئے کسی بھی عدالت دیوانی میں نہ کسی مقدمہ کو اور نہ دیگر قانونی کارروائی کو قابلِ تاخیر سمجھا جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ٹریڈ یونین کے قانونی طور پر تسلیم شدہ کسی بھی مقصد کی اعانت کے سلسلے میں مجرمانہ سازش کے الزام پر کسی بھی رجسٹرڈ ٹریڈ یونین کے عہدہ دار یا ممبر کے خلاف تاخیر کارروائی نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ اجرت کی ادائیگی ایکٹ ۱۹۴۷ء :

اس ایکٹ میں ان مزدوروں کیلئے جن کی اجرتیں ۱۰۰ روپے سے کم ہیں، اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر انہیں ان کی توانائیاں اجرتوں سے محروم رکھا جائے تو وہ سب اجرتوں کی ادائیگی کے لئے عدالت سے اپیل کر سکتے ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت اجرت سے مراد تمام مشاہرے (تختہ بختہ وغیرہ) ہیں اور اس میں وہ رقم بھی شامل ہے جو کسی بھی قانون کے تحت روزگار کے ختم ہوجانے کی وجہ سے یا اورر ٹائم کام، تعطیلات یا کسی قسم کی جھٹکی کے سلسلے میں کسی بھی ایوارڈ یا سمجھوتہ یا عدالت کے حکم کے واجب الادا رقم شامل ہے۔ لیکن گھر کا کرایہ، پنشن یا پروویڈنٹ فنڈ میں آجروں کا چندہ اور پنشن اس عدالت کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔ اس ایکٹ کے تحت اجرتیں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ تاخیر کردہ اجرت اور منہا کردہ اجرت۔ اگر کوئی مالک اجرت کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے یا اجرت میں غیر قانونی طور پر کاٹ چھانٹ کرتا ہے تو ایسے معاملہ کو انصاف کے لئے اس عدالت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس ایکٹ کی دہائیوں کے خلاف ورزی کرنے پر ۲۰۰ سے ۵۰۰ روپے کا جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔

ملازمین ریاستی بیمہ ایکٹ ۱۹۴۸ء

اس ایکٹ کے تحت کارخانوں یا اداروں کو، جو اس ایکٹ کے دائرہ عمل میں آتے ہیں، ملازمین ریاستی بیمہ فنڈ میں اپنے حصہ کا چندہ اور اپنے ملازمین کے چندہ سے باضابطہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس ایکٹ میں ان شرائط کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے تحت مالک ای۔ ایس۔ آئی فنڈ میں پہلی قسط کی رقم جمع دینے کے بعد مزدوروں / ملازمین کی اجرتوں سے اتنی رقم منہا کر سکتے ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت اس فنڈ میں چندہ دینے والے مرد اور عورت دونوں ملازمین کو بہت ساری مراعات فراہم کی جاتی ہیں۔ جیسے بیماری مراعات، عورت۔ ملازمین کے لئے زچگی مراعات، کام کے دوران زخمی ہوجانے

پر معذوری مراعات، بعض حالات میں کام کی وجہ سے پیشہ ورانہ مرض کے لئے مراعات، اس ایکٹ کے مطابق کسی بھی آجر کو حق حاصل نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایک ملازم کو اس کی بیماری معذور وغیرہ کی مدت میں نوکری سے برطرف کر دے۔ اس ایکٹ میں مالک کے لئے سزا کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے اگر مالک ای۔ ایس۔ آئی فنڈ میں چندہ نہ دے۔ مغربی بنگال میں ای۔ ایس۔ آئی (ایم بی) اسکیم کے تحت فی الحال ۱۲ ہسپتال ۲۱ سروس شفاخانے اور ۵ آر۔ بی۔ او ہیں۔

گراچیوٹی کی ادائیگی ایکٹ :

یہ ایکٹ ہر کارخانہ، کان، تیل کے میدان، باغات، بندرگاہ اور ریوے کمپنی پر ادران تمام کالون اور اداروں پر جہاں دس سے زیادہ افراد گزشتہ بارہ مہینوں سے برسر روزگار ہیں یا تھے، لاگو ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص نے دفتر یا کارخانہ میں مسلسل کم از کم پانچ سال تک ملازمت کی ہے تو اس کے پیرائے سال ہونے پر یا اس کے ریٹائر ہونے یا استغفے دینے پر یا کسی حادثہ یا بیماری کی وجہ سے معذور ہوجانے پر یا اس کی موت پر اس کے مالک کی طرف سے اسے گراچیوٹی دی جائے گی۔ اگر ملازمت کے ختم ہونے کی وجہ موت یا جسمانی معذوری ہو تو پانچ سال کی مسلسل ملازمت کی شرط ضروری نہیں ہوگی۔ گراچیوٹی کا شرح یہ ہے کہ ہر مکمل سال کی یا چھ مہینے سے زیادہ مدت کے عرصہ کی ملازمت کے لئے ۱۵ دنوں کی اجرت دی جائے۔ ملازم کی آخری بار مہنتی اجرت تھی اسی کے حساب سے گراچیوٹی کی رقم منحصر کی جائے گی۔ گراچیوٹی کی جو رقم ملازم کو دی جائے گی وہ اس کے بیس مہینوں کی اجرتوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔ ایک ملازم کو اس بات کے لئے کہ گراچیوٹی کی رقم اسے دی جائے، اپنے آجر کے پاس درخواست داخل کرنی ہوگی۔ اگر گراچیوٹی کی ادائیگی میں تاخیر ہو تو ادائیگی کیلئے کنٹرونگ آفیسر کی اس اپیل کی جاسکتی ہے۔ گراچیوٹی کے طور پر کتنی رقم دی جائے، اگر اس سلسلہ میں تنازعہ پیدا ہو

نویسے معاملہ کو آخری فیصلہ کے لئے متعلقہ کنٹریولنگ اتھارٹی کے پاس بھیجا جائے۔ ہر اسسٹنٹ لیبر کنٹریولر کو اپنے اپنے حلقہ اختیارات میں کنٹریولنگ اتھارٹی مقرر کیا گیا ہے۔

مسادى ۱۹۷۶ء ایکٹ

دستور کی دفعہ ۳۹ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مساوی کام کے لئے مساوی تنخواہ کے سلسلے میں ریاست اپنی پالیسی کو مرکوز کرے۔ نائون دفعہ کو علی جانہ پنہانے کے لئے اس ایکٹ کو نافذ کیا گیا۔

مساوی کام یا ایک جیسے کام کے لئے مرد اور عورت درجوں کو مساوی اجرت کی ادائیگی اور جنس کی بنیاد پر تفریق کی روک تھام کے لئے اس ایکٹ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ایکٹ میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ عورتوں کی نئی بھرتی کے سلسلے میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتنا جائے گا۔ اس سلسلے میں عورتوں کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے مشاورتی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

کم سے کم اجرت ایکٹ ۱۹۴۸ء

اس ایکٹ میں مندرجہ فہرست روزگار میں برسر روزگار ملازمین کو کم سے کم اجرتوں کی ادائیگی کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ایکٹ میں کام کرنے کے اوقات اور اور نام اجرتوں کی ادائیگی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی پہلی فہرست میں بارہ اقسام کے روزگار کے نام درج تھے اور اس ایکٹ کے تحت ریاستی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ روزگار کی تعداد میں اضافہ کرے۔ ایک مغربی بنگال میں پہلی فہرست میں ۳۲ اقسام کے روزگار کے نام درج کئے گئے ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت ریاستی حکومت کو فہرست میں درج روزگار میں برسر روزگار ملازمین کے لئے کم سے کم اجرت مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اب تک حکومت مغربی بنگال کے درج

فہرست ۲۵ روزگاروں کے لئے کم سے کم اجرتیں مقرر کی ہیں اور ۲۵ روزگاروں میں کم سے کم اجرتوں کی نظر ثانی کی ہے۔ متعلقہ قیمت اعشاریہ کا بنیاد پر کم سے کم اجرتوں کی شرحیں مقرر کی جاتی ہیں اور ان پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔

حالیہ برسوں میں اس ریاست میں کم سے کم اجرت مقرر کرنے یا اجرتوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے ہنگامی بجٹ کو مدافین قیمت اعشاریہ سے منسلک کر دیا گیا ہے تاکہ ملازمین بڑھتی ہوئی قیمتوں کا مقابلہ کر سکیں۔ درجہ فہرست مساوی روزگار میں کم سے کم اجرتوں کی جدید ترین شرح نظامت محنت سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلاشبہ مقرر کردہ کم سے کم اجرتوں میں سے چند کی بابت عدالتی حکم امتناعی جاری کر دیا گیا ہے۔ فہرست میں درج روزگاروں میں سے جہاں کم سے کم اجرتیں مقرر کر دی گئی ہیں، چند درجہ ذیل ہیں۔ تیل میل، وال میل، چاول میل، چکی میل، بیک نوڑ، زراں پورٹ، چمڑہ سازی، چھاپہ خانہ، سنگ تراشی، ریشمی چھاپہ، خیاطی صنعت، موزہ و بنیان صنعت، لوحہ کاری، شیشہ صنعت، چائے باغات، کوزہ گری صنعت، زرسنگ ہوم، یونسپٹیاں، سنیا، نانائے صنعت، زراعت وغیرہ۔

بیڑی اور سنگار مزدور (روزگار کی شرائط) ایکٹ ۱۹۴۴ء

اس ایکٹ میں مذمت کی چند شرائط کا اور چند مراعات کا، جن سے بیڑی مزدور مستفید ہوں گے، ذکر کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ میں کام کرنے کے اوقات اور نام کام کے لئے اجرت، آرام کے لئے وقف، ہفتہ واری چھٹی، اجرت کے ساتھ سالانہ چھٹی، چھٹی کے عرصہ میں اجرتوں کی شرحوں وغیرہ کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ میں صفائی، صاف ہوا کی آمد و رفت، پختہ پائینانے، ہاتھ منہ دھونے کی سہولتیں، فرسٹ ایڈ، بچوں کے لئے دایہ خانہ، کینٹین وغیرہ جیسے چند رعایا امدادات کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ایکٹ میں

اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ گھر میں بیڑی کے کام کرنے والوں کو اجرت کے ساتھ سالانہ چھٹی دی جائے، نیز اجرت کا حساب لگاتے وقت تیار کردہ بیڑی کی ۵ فیصد بیڑی کو رد کیا جاسکتا ہے۔

کارخانہ ایکٹ ۱۹۴۸ء :

اس ایکٹ میں کارخانوں کے مزدوروں کی صحت، تحفظ اور روناہ سے وابستہ بہت ساری باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس ایکٹ کی رو سے ہر کارخانہ کے مالک کو صفائی، گندگی کے اخراج، ہوا کی آمد و رفت، حرارت، پینے کے پانی کی سپلائی، بیت الخلاء، تھوکنے کی جگہ، اجی اور روشنی کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ نیز مصنوعات کی تیاری کے دوران ایک چھوٹی سی جگہ میں بہت سارے مزدوروں کے کام کرنے کا وجہ سے حرارت ساں اور بدبودار دھواں، ہوا باغلاط کے اخراج سے مزدوروں کی صحت کے تحفظ کیلئے نیز کام کرنے کے کمروں میں، جہاں مضمونی رطوبت کا استعمال ہے، ہوا میں باضابطہ نمی پیدا کر کے کام کرنے کے اچھے حالات پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے سلسلے میں بھی اس ایکٹ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان دفعات کی تکمیل کے لئے اس ایکٹ کے تحت تصدیق کرنے والے سرجن اور کارخانوں کے مینیجرل انسپکٹر کی تقرری کی ضرورت ہے۔

وزکروں کے تحفظ کے لئے اس ایکٹ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ مخصوص مشینوں کو یا ان کے چند حصوں کو تار سے گھیر دیا جائے، چند حالت میں چلتی مشینوں کے نزدیک یا مشینوں پر کام کرنے پر پابندی عائد کر دی جائے۔ خطرناک مشینوں میں نوجوان لوگوں کو کام سے وابستہ نہ کیا جائے۔ پہلی کی سیٹھی کو کاٹنے کے لئے بہت ہی نزدیک گھبراہٹ نہیں کیا جائے، یا دیگر طریقہ کار کو اپنایا جائے۔ روٹی کھانے والی مشینوں کے نزدیک عورت اور بچہ مزدور کو نہ رکھا جائے، جس سے زیادہ دھواں یا چیزوں کو اٹھانے والا ہر حصہ

جاننے کے لئے مزدوروں سے کام نہ لیا جائے، اسپتالی کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے جائیں، خطرناک دھواں سے دھوا کر خیر یا آتش گیر دھواں، گیس وغیرہ سے، آگ سے تحفظ کے اقدامات کی نیز عمارت اور مشینوں کی حفاظت کے سلسلے میں متعدد دفعوں میں گنجائشیں رکھی گئی ہیں۔ اس ایکٹ کے تحت ان کارخانوں میں جہاں ۱۰۰۰ سے زیادہ مزدور برسرِ روزگار ہیں یا جہاں مال تیار کرنے کا کام اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس سے مزدور جسمانی طور پر مجروح ہو سکتے ہیں یا وہ زہریلی گیس کا شکار ہو سکتے ہیں، یا وہ بیمار ہو سکتے ہیں یا ان کی صحت کو دیگر خدشات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایک سیکیوریٹی افسر کے تعین کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ملازمین پروویڈنٹ فنڈس (اور متفرق گنجائشیں) ایکٹ ۱۹۵۲ء :

اس ایکٹ کا مقصد یہ ہے کہ کارخانوں اور دیگر اداروں میں کام کرنے والے ملازمین اور مزدوروں کے لئے بھی پروویڈنٹ فنڈس کی سہولتیں فراہم ہوں۔ ہر ادارہ جو اس ایکٹ میں درج مخصوص صنعت کا ایک کارخانہ ہے اور جس میں بیس اور اس سے زیادہ افراد برسرِ روزگار ہیں پروویڈنٹ فنڈ کا مجبر بن سکتا ہے۔ یہ ایکٹ ان اداروں پر بھی لاگو ہوتا ہے جن میں بیس یا اس سے زیادہ افراد برسرِ روزگار ہیں اور جنہیں مرکزی حکومت اپنے اعلیٰ کے ذریعہ ادارہ تسلیم کر لیتا ہے۔ ہر آجر اپنے ہر ملازم کے پروویڈنٹ فنڈ اکاؤنٹس میں ملازم یا مزدور کی بنیاد پر اچھوتوں، ہنگامی بھرتہ اور ملازمت برقرار رکھنے کا بھرتہ اگر کچھ ہو تو، کی سواچھ فیصد رقم جمع کرے گا۔ مزدور اور ملازم بھی اپنے پروویڈنٹ فنڈ میں اتنا ہی روپیہ جمع کرے گا، جتنی کہ ان کے مالک ادا کرتا ہے۔ یہ آجر کی ذمہ داری ہے کہ پہلی بار وہ ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ میں اپنے حصہ کی رقم اور اپنے ملازمین، خواہ ان شخصوں کو اس آجر سے براہ راست یا کسی شخص کو ادارہ کے ذریعہ اپنے ہمار

ملازمت پر مامور کیا ہے۔ کے بعد کی رقم جمع کرے گا ملازمین اس فنڈ میں جتنی رقم جمع کریں گے وہ سب ان کی طرف اجرتوں سے منہ کش کر لی جائیں گی۔ پروویڈنٹ فنڈ کے حکام ہر ممبر کے نام پر ایک اکاؤنٹ کھولتے ہیں اور اسے چالور کھاتا ہے۔ اس اکاؤنٹ میں ملازم ممبر کے حصہ کی رقم اور مالک کے حصہ کی رقم دونوں جمع کر دی جاتی ہیں، نیز ان رقم پر جو سود حاصل ہوتا ہے اسے بھی اسی اکاؤنٹ میں درج کر دیا جاتا ہے۔ ایک ممبر کو رہائشی گھر کی خریداری کے لئے رہائشی مکان تعمیر کرنے کے سلسلے میں قطعاً آراضی خریدنے کے لئے انیز صنعتی مزدوروں کیلئے امدادی مکانات اسکیموں کے تحت تعمیر کردہ مکانات خریدنے یا مکانات تعمیر کرنے کیلئے اور ایل۔ ائی۔ جی مکانات اسکیم کے تحت مکانات کی تعمیر کیلئے اس فنڈ سے ایڈوانس دی جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ تالہ بندی، بندی وغیرہ سے روٹنا ہونے والے چند خصوصی حالات میں، بعض کیسوں میں بیماری کے لئے بیٹے بیٹیوں کی شادی یا درجہ مہم کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے، شدید آفات ناگہانی سے رونما ہونے والے ناموافق حالات میں اس فنڈ سے ایڈوانس فراہم کئے جاسکتے ہیں۔

بچہ مزدور کے سلسلے میں چند قانونی گنجائشیں

بچوں کا روزگار ایکٹ ۱۹۳۸ء میں چند ملازمتوں میں بچوں کو برسر روزگار کرنے کی ممانعت ہے۔ اس ایکٹ کے تحت مسافروں کو لے کر آمدورفت کرنے والی گاڑیوں، ریلوں کے ذریعہ اسباب یا ڈاک کے ترسیل، خاکسری یا رکھ دان سے راکھ ہٹانے اور عید و فزوں کی عمارتوں میں تعمیراتی کام، یا ریلوے اسٹیشن میں اچانے خانہ میں کام یا پھیری کے کام یا بندرگاہ سے وابستہ کام پر پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں کو کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پندرہ تا سترہ سال کی عمر کے بچہ مزدوروں کے لئے اس ایکٹ میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ کسی بھی بچہ مزدور کے لئے کسی بھی دن کام کرنے کے اوقات

اس طرح معذور رکھے جائیں کہ اسے کم از کم بارہ گھنٹے آرام کرنے کو ملیں، اس عرصہ میں رات دس بجے سے صبح سات بجے تک یعنی سات گھنٹے مسلسل آرام کا وقت شامل ہے۔ اسی ایکٹ میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ ان بچوں کو جن کی عمر چودہ سال کی نہیں ہے کسی بھی کارخانہ میں مزدور بنائی (۳) سمٹ ساز اور سمٹ کو بستر میں بھرنا (۴) پچس، ہم ادھ پٹا خول کی تیاری، (۵) کپڑا بننا، رنگنا اور چھاپہ دینا (۶) ابرق کو کاٹنا اور اسے الگ الگ کرنا (۷) لکھ یا چپڑا سازی (۸) صابن بنانا (۹) چمڑہ کمانا اور (۱۰) اون صاف کرنا، نیز بٹری اور سگار ورکرس (روزگار کی مشرانہ) ایکٹ ۱۹۶۶ء کا رخانہ ایکٹ ۱۹۴۸ء وغیرہ جیسے ایکٹس میں بھی ایسی پابندیوں کا ذکر ہے۔ کارخانہ ایکٹ ۱۹۴۸ء میں مزید اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ چودہ سال سے زیادہ عمر کے بچہ یا بالغ نوجوان کو کسی بھی کارخانہ میں کام کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دی جائے گی جب تک کہ وہ ایک اہل ڈاکٹر سرجن سے یہ سرٹیفکیٹ پیش نہ کرے کہ وہ کام کرنے کے قابل ہے یا جب تک کہ وہ ایسا نوکری حاصل نہ کرے جس میں ایسے سرٹیفکیٹ کا ذکر ہو۔ اس ایکٹ کے تحت کسی بھی بچہ کو ایک کارخانہ میں روزانہ ساڑھے چار گھنٹے سے زیادہ یا رات کو کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مغربی ہنگال دکان و ادارہ ایکٹ ۱۹۶۳ء

اس ایکٹ کے تحت مزدوروں اور ملازمین کے کام کرنے کے حالات اور ان کے لئے فراہم کردہ مراعات کا اختصار کے ساتھ ذکر درج ذیل ہے:

کام کرنے کے اوقات: کسی بھی شخص کو ایک مکان میں ایک ادارہ میں ایک دن میں ساڑھے آٹھ گھنٹے سے زیادہ یا کسی بھی ہفتہ میں ۴۸ گھنٹے سے زیادہ عرصہ تک کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہر ملازم کو دسویں چود گھنٹے کے کام کے لئے ایک

گھٹن تک آرام کرنے کا حق حاصل ہے۔

چھٹی: ایک ملازم کو یہ حق حاصل ہے:

(الف) ایک سال تک مسلسل ہر سہ روز گھر رہنے پر پوری تنخواہ کے ساتھ ۴۲ دنوں کی تریجی چھٹی (اس ایک سال کے عرصے میں تعطیلات، قانونی تعطیلات، کسی بھی ہڑتال جو غیر قانونی نہ ہو، یا نارہندی کا عرصہ شامل ہے) اس چھٹی کے عرصہ کو ۲۸ دنوں تک جمع رکھا جاسکتا ہے۔

(ب) ایک سال میں چودہ دنوں کے لئے نصف تنخواہ پر طبی چھٹی۔ اس چھٹی کے لئے ایک رجسٹرڈ ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ طبی چھٹی کو ۵۶ دنوں تک جمع رکھا جاسکتا ہے۔

(ج) ہر سال پوری تنخواہ پر دس دنوں کی اتفاقی چھٹی۔ یہ چھٹی جمع نہیں ہوتی۔

(د) عورت ملازمین کو مذکورہ بالا چھٹیوں کے علاوہ ۱۲ ہفتے کی زچگی چھٹی، بچہ کے جنم سے قبل چھ ہفتے اور بعد چھ ہفتے، دی جاتی ہے۔ اس ایکٹ میں اس چھٹی کے سلسلہ میں چند شرائط کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور جنہیں پورا کرنا لازمی ہے ڈکالوف / اداروں کا رجسٹریشن:

ہر مکان دار یا آجر کو 'خواہ اس کے یہاں کوئی ملازم ہو یا نہ ہو، اس ایکٹ کے تحت اپنے کاروبار کے چالو کرنے کے بعد ۳۰ دنوں کے اندر مقررہ فارم میں رجسٹریشن کے لئے درخواست داخل کر کے اپنے کاروبار کو رجسٹرڈ کر لینا چاہئے۔

جھوٹانے: اس ایکٹ کی دفعات کی خلاف ورزی کرنے والوں پر پہلے قصور کیے۔ ۵۰ روپیہ تک جرم بعد کے قصور کے لئے ایک ہزار روپیہ تک جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔

اس ایکٹ کا مقصد: اس ایکٹ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس کے نفاذ سے قبل جو مراعات ملازمین کو حاصل تھیں انہیں کم کر دیا جائے، اس ایکٹ کے گزرنے کے تحت مزدوروں اور ملازمین کے ان حقوق اور مراعات کو جو ان کیلئے بہت ہی سودمند ہیں حفاظت کی جاتی ہے ۴۴:

غزل

ہم پیچیں خودی، ایسے سوالی تو نہیں ہیں
حق مانگتے نیکے ہیں، بھکاری تو نہیں ہیں

آتا ہے ہمیں پیاس بجھانے کا سلیقہ
بدنام ہوں، ہم ایسے شربابی تو نہیں ہیں

دنیا کبھی دیکھ گئی مری سوچ کے جلوے
یہ خواب حقیقت ہیں، خیالی تو نہیں ہیں

مانا کہ بہت خوب ہے غزلوں کی جوانی
چہروں کے مگر رنگ شہابی تو نہیں ہیں

مقصود ہمیشہ رہی اصلاحِ زمانہ
شاعر ہیں کوئی جذبِ فساد تو نہیں ہیں

جذبۃ الاولوی

سرکاری خببین

چائے صنعت کی ترقی کیلئے مثبتی اقدامات

پروفیسر نرمل بوس، وزیر صنعت و حرفت و اعلیٰ تعلیم، حکومت مغربی بنگال نے، حال ہی میں مانی گوارا سلی گوڑی میں منعقدہ ترائی انڈین پلانٹر سس ایسوسی ایشن کی ۵۹ ویں سالانہ عام نشست کی صدارت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے چائے کی کوالیٹی میں بہتری لانے اور اس کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا کیونکہ محکمہ چائے کو ہندستان کے باہر کے ملکوں میں فروخت کرنے کیلئے بازار کے مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ چائے صنعت کی ترقی کے لئے چند مثبتی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے اور حکومت اس سلسلے میں تمام مثبت طریقوں سے چائے صنعت کی مدد کرے گی۔ شری بوس نے مزید کہا کہ ضلع جھاپائی گوڑی کے دوارس کے علاقہ میں چائے باغات کی توسیع کے لئے تقریباً ۷۰۰ ایکڑ سرس قطعات آراضی حاصل کر لئے گئے ہیں۔ لیکن دارجلنگ اور ترائی میں اس صنعت کی توسیع کے لئے قطعات آراضی نہیں ملے جاسکے کیوں کہ ان میں سے زیادہ تر علاقوں میں فوجیوں کا قبضہ ہے اور جنگلات ہیں۔ وزیر موصوف نے اس بات پر بھی زور دیا کہ چائے تیار کرنے کی صنعت میں الیکٹریکس استعمال کیا جائے۔ انہوں نے اس بات کا بھی اظہار کیا کہ حکومت نے شمالی بنگال میں بہت ساری صنعتی یونٹیں چالو کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ چائے روزگار فراہم ہو۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ضلع دارجلنگ میں چند انفراسٹرکچر منصوبوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے چائے صنعت بہت متاثر ہوئی ہے اور پیداوار بھی کافی کم ہو گئی ہے۔ انہوں نے لوگوں سے پر زور اپیل کی کہ وہ سب چائے صنعت میں شامل اور برسر روزگار لوگوں کی رفاہ کے لئے اس تحریک کو روکیں۔

مضافاتی طالبات کیلئے اسکول پوشاک

ریاستی حکومت نے ۸۷-۱۹۸۶ء کے تعلیمی سال کیلئے مضافاتی علاقوں میں ایک تاپا پنچیس کلاسوں کے پرائمری اور جونیئر ہیک اسکولوں کی طالبات کو فی طالبہ ۱۲ روپے کے حساب سے اسکول پوشاک سپلائی کرنے کی اسکیم کی تعمیل کے لئے ۱۲۴۵۸۹۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ مختلف ضلعوں میں سے ہندو پور ضلع کو اس سہ کے تحت سب سے زیادہ رقم یعنی ۲۷۷۲۲۲ روپے فراہم کئے جائیں گے۔

مضافاتی علاقوں میں پانی کی سپلائی کی اسکیم

ریاستی حکومت نے موجودہ مالی سال میں اس ریاست کے گیارہ اضلاع میں ۶۲۸ پانی کے ذرائع (ٹیوب ویل/کنوئیں) کو از سر نو بٹھانے/تبدیل کرنے/بٹھانے/تعمیر کرنے کے لئے ۵۰۰۴۵۶۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ ان اضلاع میں ان علاقوں میں جہاں ٹیوب ویل بٹھائے نہیں جاسکتے ۱۶۱ بجٹ کنوئیں تعمیر کئے جائیں گے۔ پمپائٹ سمیت ان کے ذریعہ ان اقدامات کو رو بہ عمل لایا جائے گا۔

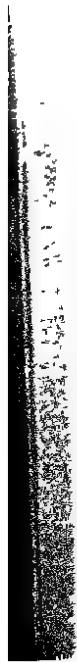
شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلبہ کیلئے وظیفہ

حکومت مغربی بنگال کے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے شعبے نے ۸۷-۱۹۸۶ء میں ثانوی درجہ کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے شیڈولڈ کاسٹ کے طلبہ کو ۵۷۳۹۶۳ روپے اور شیڈولڈ ٹرائب کے طلبہ کو مزید ۸۵۴۷۵۰ روپے بطور وظیفہ دینے کیلئے منظوری دی ہے۔



حکومت مغربی بنگال کے وزیر ریاست برائے نقل و حمل شری ایس۔ این۔ اچودھری کا ۱۵ اراگست ۱۹۸۶ء
کو سلی گورڈی میں این۔ پی۔ ایس۔ ٹی۔ سی کے ایک درکشاپ کا افتتاح کرتے ہوئے۔

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
Printers. 54/1C, Shyampukur. Street, Calcutta-700 004.



شرح خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی برج * سالانہ : تین روپے

ترسیل زر کا پتہ :

بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۲۳- آراین مکھری روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

مغربی بنگال

مدیر اعلیٰ : ہر تین بجٹ اپاریہ
مدیر : دھرم چندر ناتھ دت
مدیر معاون : محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء * شمارہ نمبر ۱۹



وزیر اعلیٰ مشری جیوتی باسوی، ۲۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو راسٹر سن بلڈنگس، کلکتہ میں جاپان کے
دفتر کے ممبروں سے ملاقات (تصویر از : اراجیت جھٹاپریا)



اردو ادب انجمن - اردو

اچار یہ پرفلا چند رائے

کچھ یادیں کچھ باتیں

دودھ رائے نے میرا دل موہ لیا۔ وہ اکثر یہی کہا کرتے: "بہی کے ایک سیل میں الیکٹرون کو ڈالنے سے کیا نائمہ ہوگا جب کہ سارا ملک غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور لوگ نیم بھری کے شکار ہیں۔"

سیدھی سادہ زندگی اور اعلیٰ خیالت کی ہندوستانی روایات پر ان کا عقیدہ تھا اور انہوں نے ان باتوں پر عمل بھی کیا۔ پریسڈنسی کالج میں (۱۸۸۹ء سے ۱۹۱۵ء تک) سرکاری ملازمت کے عرصہ میں پہلے قودہ کیمسٹری کے جوئیئر محمد فیض تھے، پھر بعد میں وہ اسٹوڈنٹ کے سربراہ اور پروفیسر بن گئے۔ اس عرصہ میں ان کی تنخواہ فی ماہ ۲۵۰ روپے تھے ۸۰۰ روپے تک تھی۔ لیکن وہ سوئی کپڑے کا سوٹ پہنتے اور سوٹ کے کپڑے کی قیمت چار آنے فی گز ہوتی۔ مجھے اور شام کو سستے دام کی دھوٹی پہنتے، کبھی کبھی تو بھٹی دھوٹی کو سجائی کر کے پہن لیا کرتے۔ آپ اکثر ریڈر وڈ میدان کلب جایا کرتے۔ آپ اس کلب کے ممبر بھی تھے۔ کبھی کبھی آپ اس کلب میں سسر کے بال کے شیو کیش بنی تیل کھینے کے مالک کو براہِ نگہداشت ناٹھ سین، بنگلہ باشی کالج کے پرنسپل شری جی۔ سی۔ جوسا سرمد رائے بھنڑی کے مشہور شاگرد اور اچار یہ رائے کے عزیز دوست سنجے چنداوس اور ان کے شاگردوں کے ساتھ جایا کرتے اور وہ ان اپنی بیٹی دھوٹی اور قمیض کو دکھاتے اور بھٹی

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے ۱۹۰۵ء میں پہلی بار ہمارے محمد اچار یہ پرفلا چند رائے سے رہنے کا بچہ مجھے اب سریندر ناتھ کالج کہتے ہیں، میں اپنے کا موقوفہ ملا۔ اس کالج میں اسی سال آئی ایس سی کو کس شروع کیا گیا تھا۔ میں نے اس میں داخلہ لے لیا تھا اور اس کو کس کے لئے کالج کو صوبہ ہندو کی آلات و سازد سامان فراہم کرنے کے سلسلے میں اچار یہ رائے اور چندرا بھوشن بھلوری اس کالج میں معاونت کرنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن جب ۱۹۱۹ء میں میں نے کیمسٹری میں بی۔ ایس سی (آنرس) کو کس میں پریسڈنسی کالج میں داخلہ لیا تو اس وقت اس عظیم ہستی، مشہور استاد اور عالم سے روزانہ ملاقات ہوتی۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں انہوں نے ۹۱ رابر سرکھرہ ڈھیں راتھ بنگال کیمیکل اور فارماسیوٹیکل ورکس کی عمارت کی بالائی منزل میں آنے کیلئے مجھے مدعو کیا۔ میں وہاں گیا اور تین سال تک وہاں ان کے ساتھ رہا۔ پھر ۱۹۱۵ء میں ایچ پی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس طرح مجھے انہیں بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے خیالات اور نظریات سے آگاہ ہوا اور اس طرح اس عظیم ہستی کی خوبیوں نے میرے دل میں ان کے لئے پیار و احترام کا جذبہ اجاگر کیا۔ ان کی عظیم حب الوطنی، دیکھوں کے دکھوں کو دھونے کیلئے ان کی کوششیں، اعلیٰ درجے کے لئے ان کی محنت اور ان کی دانشمندی

محسوس کرتے۔ جب وہ بریڈنس کا کارڈ میں مقیم تھے تو اس
 وقت وہ کارڈ میں کچھ انگریزی میں لکھ کر آئے اور ہر شپ
 کے لئے چار آئے بطور گراہ دیتے۔ انہوں نے بہت سے مواقع
 میں مجھ سے کہا کہ جب وہ نیل رتن سکھار انگریز شاہکار مزار
 ڈاکٹری کے اسٹل کے ساتھ شمالی ہندوستان کے دورے پر
 جاتے تو ہمیشہ ان کے ساتھ کچھ سونے کے ٹکے لے کر سفر کرتے اور کچھ
 وہ معمولی سانس میں بیوس ہوتے۔ شام کے وقت مشاہیر
 سے قبل ہم لوگ مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے۔ آپ
 اکثر مغربی تہذیب کی شان و شوکت اور عظمت کا عقارت سے
 ذکر کرتے مگر جب آپ یورپ کے باشندوں کی روزمرہ کی
 زندگی میں ایماندارانہ فریب اور امیر و غنی کے لئے مواقع کی
 مساوات مشہور منہائی کی بابت خیالات، قانون کی پابندی
 دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ، وقت کی پابندی، سائنس
 سے محبت وغیرہ کی بڑی تعریف کیا کرتے۔ آپ نے ایڈنبرا
 یونیورسٹی میں چار سال تک (۱۸۸۳-۱۸۸۶ء) تعلیم
 حاصل کی۔ پھر بعد میں آپ نے چار بار یعنی ۱۹۰۱ء،
 ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۶ء میں یورپ کا دورہ کیا اور
 وہاں ایڈنبرا یونیورسٹی کانگریس میں شرکت کی اور کیمیاوی
 سائنس کی دنیا کی نئی دریافتوں اور متعلقہ باتوں میں دیگر
 مشرکوں سے تبادلہ خیال کیا۔ لیکن اس محفل میں بھی انہوں
 نے کبھی یورپی سانس نہیں پینا۔ لیکن برفلات اس کے اس
 وقت کے دیگر عظیم افراد جیسے سر جے۔ سی۔ بوس اور
 گوپال کرشنا گوکھلے، جو اجاریہ کے دوست تھے اس اصول
 پر گامزن تھے کہ جب روم میں رہو تو رومی بن جاؤ، اس لئے
 وہ سب جب یورپ میں رہتے تو یورپی لباس پہنتے۔ ۱۹۱۲ء
 میں جب گوکھلے ہندوستانی اصلاحات کے لئے آسٹریلیا
 کیشن کے جبر کی حیثیت سے نکلے آئے، تو اس وقت وہ بیان
 بریڈنس کا بلج کے کیمسٹری لیور بٹوری (تجربہ گاہ) میں آئے
 بیان انہوں نے اجاریہ کے شاگردوں کو جانچ کے لئے اپنا
 پیشاب دیا کہ انہیں شک تھا کہ ان کے پیشاب میں شکر

تھا۔ یوں تو گوکھلے شکر کے مرین تھے۔ اجاریہ یہ کہا کرتے
 تھے کہ گوکھلے نے بنگال کے لئے ۵۰۰ روپے آف انڈیا
 سوسائٹی کی خدمات کو کافی سہارا دیا تو گوکھلے یہ کہا کرتے
 تھے کہ ۵۰۰ روپے جو آئے سوچا ہے، ہندوستان اسے آگے لے
 سوچا ہے۔

بہت عرصہ تک اجاریہ رائے نے کلا کے کالون
 کے غروریت و خطیہ کی مدد کے لئے ہر ماہ ۵۰۰ روپے دیا
 کرتے۔ انہوں نے سامعین برہمن سماج اور برہمنوگرس
 اسکول، جس کی سرگرمی ان کی دوست لیڈی ابا بوس تھی، کو
 بھی دل کھول کر مالی امداد دی۔ جب کبھی کسی اچھے کام کیلئے
 لوگوں کو پیسے کی کمی محسوس ہوتی تو وہ سب لیڈی بوس کے پاس
 جاتے اور لیڈی بوس ان کے لئے اجاریہ رائے کے کافی رقم
 بطور امداد حاصل کر لیتیں۔ مزید برآں ان کی ابا بوس بنگال
 کیمیکل اور فارما سیوٹیکل ورکس، اپنے خرچہ گاہیوں کی تعلیم
 دینے والے کالون کو سب قوری آلت اور ساز و سامان
 سنبھال کر آتے۔ میں آج بھی ان کامیوں ہوں کہ جب میں ۱۹۵۵ء
 میں ریاستی اسکول کی حیثیت سے تحقیقی کام کرنے کے لئے
 یورپ کے لئے روانہ ہوا تو انہوں نے مجھے ۵۰ پونڈ (۵۰۰
 روپے) دیے۔ ایچ۔ کے۔ سین کو، جو بعد میں کلکتہ یونیورسٹی
 کی ایڈیٹ کیمسٹری کے پروفیسر بنے، جب وہ طالب علم تھے
 شری اجاریہ نے انہیں ۵۰ روپے فی ماہ دیا کرتے تھے۔ بعد میں
 شری اجاریہ رائے جب تک یونیورسٹی میں کیمسٹری کے پائل
 پروفیسر رہے، کوئی خواہ مذہبی۔ انہیں ۵۰ روپے فی ماہ
 پنشن ملا کرتا اور اسی پر وہ گزارہ کیا کرتے۔ وہ اپنا تنخواہ
 زیادہ رقم، انڈین کیمیکل سوسائٹی کو کیمیاوی تحقیق کے لئے
 "نگر جونا پرائیز" عطا کرنے کے لئے کلکتہ یونیورسٹی کو اور
 سائنس میں ریسرچ فیلوشپ قائم کرنے کے لئے اور خدمات
 دینے کے لئے خرچ کرتے۔ مگر وہ بڑے فیاض اور ان کی
 دوست تھے ساتھ ہی ساتھ وہ بہت سحرگرم اور علمی
 انسان بھی تھے۔ انہوں نے کیمیاوی اسٹاپا بنانے کے لئے

کیمیکل اور خاص سیوٹیکل وکس قائم کیا۔ آج اس صنعت کی شاخیں سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں جب اجاریہ رائے ورم یونیورسٹی سے اعزازی ڈی۔ ایس سی ڈگری حاصل کرنے کے بعد یورپ کے دورہ سے ہندوستان واپس آئے تو انہیں پریسیڈنسی کالج کے طلباء نے ایک استقبالیہ دیا جس کی صدارت اسی کالج کے اس وقت کے پرنسپل ایچ۔ آر۔ جیمس نے کی۔ مسٹر جیمس نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے اجاریہ رائے کا خوبوں اور سائنس کی دنیا میں گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا۔ انہوں نے کہا کہ جس منزل پر بڑے بڑے کاروباری ناکام ہو چکے تھے وہاں انہوں نے کامیابی حاصل کی۔ مسٹر جیمس اجاریہ کا بہت احترام کیا کرتے اور انہیں پریسیڈنسی کالج کے گورننگ باڈی کا واحد پروفیسر مقرر بنا دیا۔

اجاریہ اپنے شاگردوں کو بہت چاہتے تھے۔ ان کے بہت سارے شاگردوں، جیسے پروفیسر پی۔ رائے، ڈاکٹر ایچ۔ کے۔ سین، ڈاکٹر بی۔ بی۔ رائے، آر۔ سی۔ رائے، ایم۔ این۔ سالم، جے۔ سی۔ گھوش، جے۔ این۔ مکھرجی، بی۔ بی۔ سرکار، ایس۔ ایس۔ جھانگر، پی۔ سی۔ گوہا، بی۔ سی۔ گوہا، جے۔ این۔ رائے، پی۔ کے۔ بوس اور دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ میں نے بھی ان سے استفادہ حاصل کیا۔

اجاریہ رائے کا کیمسٹری سے دلی لگاؤ تھا۔ انہوں نے بہت سارے تجربات سے نئی نئی دریافتیں کیں۔ انہوں نے جگہ جگہ تقریریں کیں اور اپنے تجربات کا مظاہرہ پیش کیا۔ ان سے ان کے سائنسی تعقولات کے اصول بالکل عیاں ہو جاتے تھے۔ وہ اکثر اپنے طلباء کے پیکر۔ نوٹ کی تصحیح کر دیا کرتے۔ ایک بار میں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ پانی میں ترسیل برق کی طاقت ہے۔ اس طاقت کو روک کر عمل لاکر نائٹریٹ محلول کی ترسیل برق کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے تجربہ کر رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت اجاریہ رائے تجربہ گاہ میں گھنٹوں میرے ساتھ بیٹھ رہتے اور تجربہ کے نتائج پر بحث و مباحثہ کیا

کیا کرتے۔ جب وہ تیسری بار ۱۹۱۲ء میں یورپ گئے تو اس وقت انہوں نے یورپ میں طریقہ کار سے جو تجربہ کیا تھا اسے بھی وہ اپنے ساتھ لیتے گئے۔ انہوں نے ایک غیر مستحکم مرکب ایونیم نائٹریٹ کا اعلیٰ میں بھاپ نقل نوی معلوم کرنے کے لئے یورپ میں کے طریقہ کار کو اپنا لیا تھا۔ عام درجہ حرارت میں ایونیم نائٹریٹ نائٹروجن اور پانی میں منتشر ہو جاتا ہے۔ اس رد عمل میں ۱۸ کیلو ریزہ گرمی پیدا ہوتی ہے۔

($NH_4 NO_2 = N_2 + 2H_2O + 710 K Cal$)
اجاریہ نے کیمیکل سوسائٹی لندن کی ایک نشست میں اپنے ان تجربات کو تفصیل کے ساتھ دہرایا۔ انہیں سر و علم رہا اسے سرگرمی۔ ای۔ او۔ کو اور برطانیہ کے دیگر مشہور کیمسٹروں نے دلی مبارکباد دی۔ ڈاکٹر ویلے نے کہا کہ ڈاکٹر رائے ایک ایسی قوم کے نمائندہ ہیں جو سائنس اور تہذیب کی دنیا میں بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ جبکہ ان کا ملک (انگلینڈ) ایک مایوس کن دلدل میں ہے۔

حکومت، مجلسی اور مدراس کی یونیورسٹیوں نے ۱۹۵۷ء میں اپنی اپنی صدارت سالگرہ منائی، لیکن ان یونیورسٹیوں میں شروع شروع میں تحقیقات کے کام نہیں ہوئے اور اس صدی کے شروع میں ہندوستانی تاریخ، فلسفہ، سنسکرت و غیرہ پر تحقیقی کام منظم طریقے سے شروع کیا گیا۔ اجاریہ رائے اور اجاریہ جے۔ سی۔ بوس نے ۱۸۸۸ء سے ہی پریسیڈنسی کالج میں خیراتی تفتیش کا کام شروع کر دیا اور انہوں نے تجربہ گاہ میں کسی کی مدد کے بغیر کام کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد سے چند ہونہار نوجوانوں اجاریہ رائے کی ہدایت سے متاثر ہو کر ادا انہوں نے ان کے تحت ریسرچ کا کام کرنا شروع کر دیا۔ سارے ہندوستان میں یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی بار حکومت میں کیمیاوی تحقیق کرنے والوں کی ایک جماعت نے تحقیق کا کام شروع کر دیا۔ سر سی۔ وی۔ رمن ایک اکادمی افسر نے ۱۹۰۶ء میں ۲۱۰ بٹوا بازار اسٹریٹ، کلکتہ میں واقع سائنس کے فروغ کے لئے انڈین ایوسی ایشن

کی تہہ گاہوں میں دیکھیں میں یقین کا دم بھر رہا گیا۔
ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بہت سارے افراد، ان تجربہ
گاہوں میں من کے ساتھ اور انکار ہنٹائی میں دیکھیں میں
ریسرچ کرنے کے لئے تھوڑے عرصہ کے بعد اجاریہ رائے کے
شاگردوں نے ملک کی بہت ساری یونیورسٹیوں میں تحقیق
اور مطالعہ کے مراکز کھولے۔ سر ڈی۔ این۔ پالت، سر راجش
بھاری گھوش، کھیرا کے راجہ کی فراہمی اور قانون کے ذریعہ
۱۹۷۱ء میں یونیورسٹی کا بڑا آئ سائنس قائم کیا گیا، اور
اجاریہ رائے کو اس کا بے پالت پروفیسر آف کیمسٹری اور
سی سی سی میں گوبالت پروفیسر آف فیزکس مقرر کیا گیا۔ یہ
واقعہ ہماری قومی ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا
ہے اور اجاریہ رائے کو وہ موقع فراہم ہوا جس کی انہیں
توقع تھی، اور ان کے الفاظ میں "میری زندگی کے خواب
کی تعبیر ہوئی۔"

اجاریہ رائے نہ صرف ایک اچھے اور عظیم معلم تھے
بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں اور نوجوانوں کے لئے تخلیق و
تعلیم کا منبع تھے، اور پوری مشہرت کے سائنس دانوں
کے پیرسک، ریسے، لائی ٹک، وہ کر، اوسٹو اور ہرز بیس
ارمین اور سلون کی صفوں میں ان کا شمار کرنا چاہئے۔

اجاریہ رائے کو تاریخ اور انگریزی ادب میں بھی کافی عبور
حاصل تھا۔ وہ فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں لکھی کتابوں
اور رسالوں کا بھی مطالعہ کیا کرتے۔ ان کی لکھی شہرہ ہستی
آف ہندو کیمسٹری (ہندو کیمیاوی سائنس کی تاریخ)
کیمیاوی سائنس اور قدرتی اور طبعی سائنسوں کی تاریخ
کی بابت ان کے علم کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے عزیز شاگرد
پروفیسر رائے نے اس کتاب پر نظر ثانی کر کے احدث و وسیع
کر کے اسے پھر شائع کیا۔

گوجہ انہوں نے اپنی کتاب کا نام "ہندو کیمسٹری" رکھا
لیکن وہ ایک برہمن تھے اور شیو ناتھ شاستری، بیل رتن سرکار
بی کے اجاریہ، ستیا ناتھ تھو اور سوسری جیسے عظیم برہمن

سیاحی سربراہوں کا انہیں اعتماد حاصل تھا۔ میں ان کا
مشکوکوں کو رہ مجھ بہت چاہتے تھے اور مجھے ان کا
اعتماد حاصل تھا۔ انہوں نے جیسور یا آباد میں میرے قریب
خانہ میں کئی بار شریف فرما دیے۔ میں نے ۱۹۳۸ء میں
شیلا دیوی سے شاد کا کی۔ میرے گرد بہت خوش ہوتے
کیوں کہ میری بیوی ایک برہمن لڑکی تھی اور اچھی کمپنی تھی۔
ان کا انتقال ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ اس سے تقریباً دس سال
قبل میں راولی۔ کائی بارہ، کھن میں ان کے گھر گیا۔ یہاں وہ
گرنائی چٹیاں گزار رہے تھے۔ یہاں بھی وہ نوجوانوں کی
ایک مثال پیش کر کے ایک سیدھی سادی دیسی زندگی گزارنے
کے لئے ہمت افزائی کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ جلد خوشگوار
دن گزارنے کے بعد جب میں الہ آباد کے لئے واپس آنے لگا تو
انہوں نے آنسو بھری آنکھوں سے مجھے الوداع کہا۔ میں اس
واقعہ کو آج تک فراموش نہ کر سکا اور نہ اس محبت کو فراموش
کر سکوں گا۔ ایسے گود، محب وطن، انسان دوست، عظیم
سائنس دان، مورخ اور ایک انسان، جنہوں نے اپنی زندگی
دوسروں کے لئے وقف کر دی، نوجوانوں کے لئے ایک مشعل راہ
ہیں، اور ان کے بنائے ہوئے راستہ پر چل کر ہم قوم کی بحسود
خوبی خدمت کر سکتے ہیں۔

ان کی محبت اور ان کی یاد کے احترام میں کلکتہ
کارپوریشن نے ایئر سیرکل روڈ کے ایک حصہ کا نام اجاریہ
پرنٹا چند روڈ رکھا۔ ہم ان کے ہم وطن، ان کے نمونہ ہیں
ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی، کیوں کہ ان کی
زندگی، بنی نوع انسان کی خدمت کی ایک شاندار مثال ہے۔

اسی کوکب کی تابانی سے ہے سارا جہاں روشن
زوال آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا
اقبال

بائیں محاذ حکومت کے ۹ سال

طبی سہولتیں

بائیں محاذ حکومت نے طبی دیکھ بھال کی جس پالیسی کو اپنایا ہے اس میں تدارک، اقدامات اور اجتماعی طبی دیکھ بھال خدمات پر خصوصی طور پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ان اقدامات اور خدمات سے اس قدر زیادہ سے زیادہ عوام کی اکثریت مستفید ہو۔ صحت کے شعبہ کے نقطہ نظر سے "کم تر بچ اور اچھے نتائج" کے اصول کو اپنایا گیا ہے اور اس طرح تدارک اور طبی دیکھ بھال خدمات میں اضافہ کیا گیا ہے اور انہیں جدید طرز پر ڈھالا جارہا ہے۔ آج تدارک اور طبی دیکھ بھال کا نظام جدید ترین تفتیش اور تکنیکی اقدامات پر مبنی ہے۔ مضافات سے وابستہ ہندوستانی کالوں کے شعبہ جات تشخیص اراضی، مطالعہ جراثیم کو مستحکم بنا یا جارہا ہے تاکہ یہ اراضی کے علاج اور روک تھام کے لئے طبی دیکھ بھال کی ضرورتوں کو، اراضی کی نوعیت، وجوہ اور ادویہ کی بابت مشورہ دے کر پورا کریں۔ نیز طبی دیکھ بھال کے تشخیصی ڈھانچہ کو انتہائی حد تک بروئے کار لانے کے پیش نظر طبی خدمات کی خاص طور پر مضافاتی علاقوں میں توسیع کے لئے ایک ماہرین کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ یہ کمیٹی طبی خدمات کی توسیع کے لئے اقدامات کے سلسلے میں سفارشات پیش کرے گی۔ نیز مضافاتی علاقوں میں طبی خدمات کی فراہمی کے لئے طبی مرکز، ذیلی مرکز، ابتدائی مرکز صحت اور مضافاتی ہسپتال قائم کئے گئے ہیں۔

طبی تعلیم

صحت عامہ خدمات میں وسعت اور مزید بہتری کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ نیز طبی اور معاون طبی معہ دانوں کے مطب اور نرسنگ افراد کے لئے یہ بات صادق آتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ طبی تعلیم پر دو گرام کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کو مضافات سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مضافاتی ماحول میں کام کرنے کے لئے ڈاکٹر تیار کئے جائیں۔ تین شاخوں میں ایم۔ ڈی۔ ایس کے مختصر کورس اور بی۔ ایس سی نرسنگ کورس رائج کیا گیا۔ ڈاکٹروں کو جدید ترین سائنسی معلومات فراہم کرنے کے مقصد کے لئے مسلسل طبی تعلیم لازمی ہے۔ اور ان باتوں کی وجہ سے مرض پر کنٹرول کرنا اور اس کے علاج میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر مشہور طبی سائنس دانوں پر مبنی ایک ٹاسک فورس اس کام میں مصروف ہے۔

قوی ادویہ پالیسی

صحت عامہ دیکھ بھال خدمات کو بہتر طریقہ سے روبہ عمل لانے کے لئے ایک قوی ادویہ پالیسی کافی اہمیت کی حامل ہے۔ اس سلسلے میں بائیں محاذ حکومت نے ایک ادویہ پالیسی مرتب کی ہے اور اس نے حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ ایک قوی ادویہ پالیسی مرتب کرے۔ اس دوران او۔ پی۔ ڈی، آئی۔ جی۔ ڈی معہ اراضی تک کے لئے لازمی اور جان بچانے والی ادویہ کی ایک فہرست تیار کی گئی ہے۔ ادویہ اور غذائی اجناس میں آمیزش کی روک تھام کے لئے خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اس وبا کو دور کرنے کے لئے شعبہ شہری ترقیات، شعبہ خوراک و رسد اور شعبہ پولس کے ایک مشترکہ منصوبہ کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔

خون بینک

خون بینک کی اہمیت اور خدمات سے لوگوں کو

زچہ و بچہ دیکھ بھال پر وگرام

زچہ و بچہ صحت خدمات کے فروغ کا بھلائے مرکز
طور پر کوششیں کی جا رہی ہیں، نگران خدمات کے تحت
خاندانی رفاہ پروگرام کو بھی مددہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ان
پروگراموں کو عوام کی تائید حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ
میں زچہ و بچہ کی احوال کی مشورہ میں کافی کم ہو گئی ہیں اور
لوگوں نے عام طور پر چھوٹے خاندان کے اصول کو اپنایا ہے۔
مضافات میں تختی مراکز صحت، معاون مراکز
صحت، ابتدائی مراکز صحت اور مضافاتی ہسپتالوں میں اس
پروگرام کو مددہ عمل لایا جا رہا ہے۔ نگران مراکز اور ہسپتالوں
میں علاج کی فراہم سہولتوں میں مزید اضافہ کیا جا رہا ہے۔
بستروں اور اشاف کی تعداد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ ادویات اور
دیگر ضروری چیزوں کی گنجائش میں اضافہ کیا گیا۔ بھگتہ میں
چند بیماری ہسپتالوں میں دن رات ایک سرے، تشخیص
امراض، حیاتیاتی، بیماری اور انا۔ جی خدمات فراہم
ہیں۔

اس ریاست میں ہندوستانی طریقہ علاج اور
ہومیو پیتھی تو طبی دیکھ بھال کے اہم جز ہیں۔ ہندوستانی
طریقہ علاج میں یونانی اور آیورو وید مت شامل ہیں۔ ریاستی
حکومت کی قائم کردہ یونانی ادویہ منبری بنگال کی ریاستی کونسل
نے یونانی حکیموں کے ناموں کے رجسٹریشن کا کام مکمل کر لیا
ہے۔ چند ریاستی یونانی شفا خانے کا قیام زیر عمل ہے۔
آیورو وید نظام کے تحت تعلیمی اداروں، طبی دیکھ بھال
یونٹوں اور ادویہ تیار کرنے کے مراکز میں نمایاں تبدیلیاں
لائی گئی ہیں۔ تعلیم اور علاج کے میدان میں ہومیو پیتھی میں
کافی بہتری لائی گئی ہے۔

اس ریاست میں ابھی بہت سارے ادویہ کمپنی
چلی ہیں۔ ان کمپنیوں میں عالمی بینک، مرکزی حکومت اور
ریاستی حکومت سرگرم عمل ہیں۔ کلکتہ شہر کی ترقیاتی پرو جیکشن
ٹاور عمارت کو سی۔ ایم۔ ڈی۔ ای کے چند بہتوں میں

دو ششماں کو ای۔ سی۔ ای۔ اور اسس بلت کی کوششیں کی
جا رہی ہے کہ زیادہ تعداد میں لوگ رفاہ کارانہ
طور پر خون کا عطیہ دیں۔ خون کا عطیہ قبول کرنے کے لئے بہت
سارے مستقیم خون بینک ہیں، نیز گشتی خون بینک بھی خون
کا عطیہ حاصل کرنے کے کام میں سرگرم عمل ہیں۔

اس مقصد کی حصول یابی کے لئے زیادہ سے
زیادہ تعداد میں لوگ صحت عامہ خدمات میں شامل ہو جائیں
لوگوں کو صحت کی تعلیم دینی ضروری ہے۔ طبی علم کے فروغ
کے لئے اور ایسے علم کو عمل میں لانے کے لئے تمام دستیاب
ذرائع کو مددہ عمل لایا جا رہا ہے۔ ریاستی طبی تحقیق کونسل
کا مرکز بہت ہی جلد چلا ہو جائے گا۔ یہ مرکز نوجوان کھوپڑیوں
کا ساتھ ہی نوجوان محققوں کی بہت افزائی کرے گا۔
نیز آئی۔ سی۔ ایم۔ آر کے ساتھ قریبی تعلقات کو قائم رکھے
گا۔ شروع شروع میں یہ کونسل مندرجہ ذیل پانچوں باتوں
کا طرف مرکز طور پر دھیان دے گا۔

(۱) امراض متعدی کا جانچ پر وگرام (۲) اسبیتوں
میں تغذیہ کی اقسام کا مطالعہ اور اس سلسلے میں اصلاحی
اقدامات (۳) پیش جیسے امراض کا جانچ پر وگرام (۴) اس
آزار کی روک تھام اور علاج اور (۵) آنکھوں میں کرم کے
امراض کا مطالعہ۔

امراض متعدی کی روک تھام

امراض متعدی جیسے ملیریا، جذام، فائیلیریا
اور تپ دق پر کمزور کرنے پر کافی زور دیا گیا ہے۔ نیز آنکھوں
کے امراض کا آزار، جاپانی امراض و مائے اور متعدی امراض
جگو کا مقابلہ کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً خصوصی ہم چلائی جاتی
ہے۔ نابینائی کی روک تھام کرنے اور امراض چشم کے علاج
کے لئے اس ریاست میں ایک وفاتی اسکیم کو مرکز طور پر
رو بہ عمل لایا جا رہا ہے۔ مریضوں کے آپریشن کی تعداد میں حالیہ
برسوں میں کافی اضافہ ہوا ہے۔

پایہ تکمیل تک پہنچا گیا۔ ان پروجیکٹوں کے تحت بستیاں
میں بار بار گھر گھر لوگوں کو ابتدائی صحت عامہ خدمات فراہم
کی گئیں۔ ان خدمات کے ایسے نتائج کے لئے شکر اظہار اس
بات کی امید کی جاتی ہے کہ کلکتہ شہر کی ترقی، پروجیکٹ
سے کے تحت ایسی ہو انہیں سی ایم ڈی کے مختلف
علاقوں میں اقدامات کئے جائیں گے اور لوگوں کو بھی ہولستیک
فراہم کی جائیں گی۔ ہندوستانی آبادی پروجیکٹ کے کو بیس کے
لئے تقریباً ۱۰ کروڑ روپے خرچ ہوں گے اب اس مہم
کے بار اضافہ بردوان، بانکوڑا، بیرہوم اور پردلیا میں
موجود عمل لایا جا رہا ہے۔ اس پروجیکٹ کے تحت جو اقدامات
کئے جا رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی
کی بلے، اموات (خاص طور پر بچہ ذریعہ کی) میں کمی کی
جائے اور خاندانی رغلہ کے پروگرام کو وسیع پیمانہ پر فروغ
دیا جائے۔

سارے ہندوستان میں دو اضلاع ہیں سے
ایک ضلع پرولیا میں کثیر اردو پروجیکٹ کی شاندار کامیابی
کے پیش نظر مرکزی حکومت نے یہ جرات مندی منہ کیا کہ
۱۹۸۰ء تک سارے ملک سے جزام کو مکمل طور پر نیست
و نابود کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہماری ریاستی حکومت
نے بہت سارے اقدامات کئے ہیں۔ ہم لوگ رضا کار تنظیموں
پنچابی اداروں اور جمہوری تنظیموں کے سرگرم تعاون کے
فائدہ اس اسکیم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش
کر رہے ہیں۔

صحت عامہ خدمات کی رفتار (رقمی)

۱۹۸۵ء	۱۹۷۶ء	
۳۷۷ روپیہ	۱۵۹ روپیہ	۱- صحت عامہ پر فی کس اخراجات
۲۰۹	۳۴۲	۲- ہسپتالوں کی تعداد

۸۲۰	۷۱۸	۳- آبادی مراکز صحت
		۴- ہسپتالوں میں
۶۲۳۲۱	۵۲۶۲۱	۵- ترقی کی تعداد
۷۸	—	۵- گشتی شفا خانے
		۶- تربیت یافتہ
۱۸۷۱۶	۱۹۸۵	۷- نرسوں کی تعداد
		۷- تربیت یافتہ صحت
۲۱۲۳۲	—	۸- رضا کی تعداد
		۸- خاندانی رغلہ پروگرام
		۹- بچوں کی پیدائش کی
۱۷۸۱۱	۳۵۸۶۷	۱۰- روک تھام
۲۱۹۳۸۰	۷۱۲۲	۱۱- (ب) آئی۔ یو ڈی

بقیہ: آکبر الہ آبادی کی شاعری

نہیں تھے۔ یہ درست تھا کہ انہی چیزوں کو حاصل کیا جائے
مگر خاص کر اس کے نظریہ فکر و عمل میں ان باتوں پر رد عمل ہو
جاتا جو ہمارے معاشرے اور ہماری تہذیب کے لئے مفہ
تھے۔ سب غرض کے تحت اکبر نے فرنگی تمدن کو سماج کی جڑ
سے ہٹانے کے لئے اپنا نظریہ طنز و طعنت سے کام لیا۔
بدشہر اکبر ایک حقیقت پسند شاعر تھے۔
وہ زندگی کو اجتماعی حیثیت سے دیکھتے تھے اس لئے عام شعور
سے ان کا نظریہ فکر مختلف ہے۔ وہ طنز و طعنت کے تیسرے
انوں پر چبکنے ہیں لیکن اس میں انسانی دوستی کا جذبہ ہوتا
ہے۔ اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ طنز و طعنت کے تیروں
سے نشر لگاتے ہیں۔ مگر وہ نشر دل میں گدگدی لگاتے
ہے اور اس طرح وہ ہنسنے ہنساتے بڑے حسن ادا کیجے
مطلب کی بات کہہ جاتے ہیں۔

بشکرہ ناسبان چندی گڑھ

اکبر الہ آبادی کی شاعری

اے۔ کے راہو پورٹی سہر ساوی

ام نہیں کھتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

بہت رہے وہ اسپچوں میں حکمت اسکو کہنے میں
میں سمجھا خیر خواہ ان کو محنت اسکو کہتے ہیں

رقیبوں نے ریٹ لکھوائی ہے جا جا کے قہانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اکبر کے کلیات میں غزلیں، مثنویاں، رباعیات،
نطحات اور متفرق اشعار ملتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ
نمایاں معد غزلوں کا ہے۔ ان کی غزل کی خوبی طنز و طعنت اور
نقوف و معرفت ہے جو اس زمانے کے تغیرات اور انقلابات
کو ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے چند کلام
ایسے بھی ملتے ہیں جن سے اکبر کے عاشقان مزاج اور حسن پرست
طبیعت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ ان کے ابتدائی دھڑ کا انداز ہے۔
جیسا کہ ان کے اشعار سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند اشعار بطور
نمونہ درج ہیں۔

دشمن راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی
جس حبیب سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی

غزہ نہیں ہوتا کہ اشعار انہی ہوتا
آنکھ ان سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

اردو ادب کی دنیا میں اکبر آج بھی ایک چمکدار
ستارے کی طرح درخشاں ہیں۔ وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے
جس وقت کہ مغل حکمران کا اقبال رو بہ زوال تھا۔ ہر طرف باؤسی
اور افراتفری تھی۔ جاگیردار کٹے سانچے میں ڈھل رہی تھی۔ ہر
گوشے میں تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ ہندوستانیوں کے مال و
جائیداد، عزت و حرمت اور ان کے مذہبی اور مالی حیثیت سب
پامال ہو رہی تھی۔ اکبر نے ان سب عبرت ناک اور زہرہ
گداؤ واقعات اور انقلابات کا مشاہدہ کیا اور اس کے دھتکے
بھی کھائے۔ اس لئے ان کے کلام میں سب سے زیادہ مذہبی
زوال کا سبق ملتا ہے۔ ان کے بیشتر اشعار میں رجعت پسند
فنا مر ہیں اور مذہب کے خلاف ان کی صدائیں بارگشت ہیں۔
اکبر کی پیدائش ۱۶ نومبر ۱۵۷۶ء کو قلعہ بارو میں
ہوئی جو الہ آباد سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ علوم
مذاہب گھر پر ہی ہوئی۔ وہ انتہائی خوش مزاج اور نجاست
پسند واقع ہوئے تھے۔ جیسے جیسے ان کے علم میں وسعت
ہوتی گئی ان کے حسیات بھی لطیف تر ہوتے گئے۔ انہیں
قدرت کی جانب سے عالمانہ دماغ اور شاعرانہ جذبات عطا
ہوئے تھے۔ اس وقت کی سیاست پر ہنگامہ آرائی کی دھول
ماحول کو تاریک کرتی جا رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے موجودہ علم
تہذیب، اخلاق و معاشرت، رسم و رواج، میلانات و
رجحانات، تعلیم و تربیت غرض یہ کہ سارے معاشرے اور ذہنی
تصورات و فوہات پر نظر لیانا تنقید و تبعہ کو نہایت خوش اسلوبی
سے نظم کیا۔ جس سے اس زمانے کی پوری پوری عکاسی ہوتی ہے۔

نشیہ ترسے جسے کوئی دھماکتی ترسے
ہوتا ہے شکستہ شکستہ اس میں ہوتا

حیلے سر جھکا لیتا، اداے سکر ادینا
جسوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

حسن و عشق کا رشتہ درست و گریبان جیسا ہے۔
عشق و حسن کے فرائض میں بے قرار ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عقل
ناکھد ہری کرے لیکن عشق اس کی ایک نہیں سنستا ہے۔ عقل
ہر بند صبر ضبط، توبہ اور درگزر کی تلقین کرے اسے گوارا
نہیں کرتا۔ اس کے تمام لوازمات ناز، ادا، دلربائی، خوشنمائی
قامت اور لطافت کو دیکھتا اپنی دھن میں دارت آجے بڑھتا
چلا جاتا ہے۔ دوسرے طرف حسن بھی اپنے گوہر مقصود کی
تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود
تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کے یا تو دونوں کامیاب ہوتے ہیں
یا دونوں فنا فی المقصد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اکبر کا دامن عشق
اب نہیں، ان کی جذبات پسند طبیعت نے ان پر منفرد رنگ
چڑھا دیا اور پھر یہ عشق مجازی رفتہ رفتہ عشق حقیقی کی بند
منزل تک پہنچ گیا ہے جیسا کہ حقیقی کیفیت کا اظہار انہوں نے
خود کیا ہے۔

جنون عشق سے ان کی طبیعت سوزتی ہے
یہی سستی ہے وہ جو عقل کو مٹیاد کرتی ہے

تصوف ایک عجیب طرز فکر ہے۔ ایک طرف اس
سے تخلیق اور ادراک سے دل و دماغ سب کو کین ملتی ہے ہر
طرف عشق ہی عشق کا جلوہ نظر آتا ہے۔ تو دوسری طرف فنی
جہالات، مذاق اور معیار کی تربیت ہوتی ہے۔ بے عادت اور
بعیرت کو تقویت ملتی ہے۔ مضامین میں دلگدازی اور سخن میں
آب و رنگ چڑھا جاتا ہے۔ لیکن اکبر کے مذہب کا تصوف اس
درجہ تک نہیں پہنچتا کہ اسے اپنے جذباتی تھے کہ زندگی کے قریب

ہو کہ سوچنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ مذہب کو
روح کو نہیں سمجھ سکے۔ ان کا نظریہ تصوف اپنے منبع امر
نیک پر منحصر ہے جس کا مایاب بنا رہے۔ وہ نفسیاتی تصوف
مخالف ہیں جس کی بنیاد صرف عقل پر ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ
عقل کو کچھ نہ ملتا علم میں حیرت کے سوا
دل کو بھاری نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

صدیقہ فدا سخی کی چنا اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی رہی رہی

اکبر کے کلام میں تصوف و معرفت، حکمت و توحید
عشق و محبت وغیرہ کی دل گیر چاشنی ملتی ہے جو اس نے اور
شاعری کو ایک جدید اسلوب سے آشنا کیا ہے۔ لیکن ان کی
شاعری کی ایک خوبی جو سب سے بڑھ کر بتائی جاتی ہے وہ غزل
اور شوخ طبعی ہے۔ اردو ادب میں اکبر سے پہلے بھی غزلت
طنز موجود تھا۔ میر، انشارا اور سعفی اپنے اپنے خاص انداز
کے ساتھ اس فن میں نظر آتے ہیں۔ میر کے یہاں غزلت کا آج
مثالیں ہیں۔ لیکن انشارا کی غزلت میں مردانہ وقار نظر نہیں آتا
ہے۔ اس کے بعد غالب کا زمانہ آتا ہے۔ غالب نے اپنے زمانہ
میں طنز و غزلت کے بڑے ہی دلوانہ نمونے پیش کئے ہیں جو
اردو ادب کا مستقل سرمایہ ہیں۔ مگر اکبر کی غزلت نے زندگی
میں ایک نئی راہ کو ہموار کر دیا۔ اگرچہ وہ پر خلوص راہ تھی مگر ان
کے پر خلوص غم نے کلیہ طور پر تعمیر کر دیا۔ اس طرح غالب نے
اپنی غزلت سے زندگی کو پیار کرنا سکھایا اور اکبر نے زندگی میں
برکت دینے کی کوشش کی۔

اکبر شریعت کے دلدادہ اور مغربیت سے بیزار
تھے۔ اس وقت ماحول میں جو رسم و رواج، نئی تہذیب اور
نئے نظام چڑھتے جا رہے تھے وہ سب مذہبی عقائد کے
خلاف تھا اس لئے انہوں نے مغربی تعلیم اور تہذیب و تمدن کو
مستحکم اور نیکو کرنے کی کوششیں کیں۔ وہ مغربی تعلیم کے خلاف
(باقی صفحہ پر)

بانی محارکومت کے نوٹس

دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت

دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت مغربی ممالک کی معیشت کو مستحکم بنانے میں بہت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے اور روزگار کے امکانات کے نقطہ نظر سے یہ صنعت حرف زراعت کے بعد دوسرے نمبر پر آتی ہے۔ اس ریاست میں دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی بہتری اور ترقی کے لئے ریاستی حکومت کے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کے شعبہ کی سرگرمیوں کو تین اہم سیکٹروں کی طرف مرکوز کیا جاسکتا ہے (۱) دیہی اور چھوٹی صنعتیں (۲) ہتھ کرگما اور (۳) ریشم سازی۔

دیہی اور چھوٹی صنعتیں:

دیہی اور چھوٹی صنعتوں کی افزائش اور فروغ کے لئے یہ شعبہ صنایع سلع ایجنسیوں یعنی صنایع صنعت مرکز کے ذریعہ فراخ دلی سے امداد فراہم کرتا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے صنایع میں اس شعبہ کے پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے پانچاچی ادارے زیادہ سے زیادہ تعاون کر رہے ہیں۔ یہ شعبہ چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹوں کے فروغ کے لئے بہت ساری معاون اسکیموں کو رو بہ عمل لارہا ہے۔ معاون اسکیمیں یہ ہیں: مشاورتی خدمات کے لئے امداد، کارخانہ کے حصص کے لئے کرایہ کے سلسلے میں امداد، قطعیت آرائی کے کرایہ کے لئے امداد، خام اشیاء کے لئے بطور چھوٹ امداد، خصوصی روزگار امداد (دی گئی سالانہ اجرت کا ۱۵ فیصد رقم، زیادہ سے زیادہ ۵۰۰۰ روپے فی سال،

اس اجرت میں یونٹس، امداد نام، ایجنسی گریڈنگ اور اعزازی رقم مشال نہیں ہے)۔ فاضل امداد خصوصی طبقوں یعنی شیڈولڈ کاسٹ و پری کاسٹ کے لئے (۱) اس اسکیم کے تحت سب معمول امداد فراہم کی جاتی ہے، لیکن یہ فاضل امداد حسب معمول شرحوں پر مذکورہ امداد کے سوا ہوگی۔ فاضل روزگار پروگرام کے تحت کاروباریوں کو پروڈیکٹ کے کل اخراجات کی دس فیصد رقم بطور حاشیائی قرض فراہم کی جاتی ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ و ڈرائیو کے سلسلے میں یہ رقم پروڈیکٹ کے کل اخراجات کی ۲۰ فیصد کردی گئی ہے۔ ۷۹-۷۷ء میں حاشیائی امداد کے طور پر ۱۸۱۵۵ لاکھ روپے اور ۸۶-۸۵ء میں ۱۷۹۹ لاکھ روپے دئے گئے۔ اس امداد سے مستفید ہونے والی یونٹوں کی تعداد ۷۷-۷۹ء میں ۵۵۴ تھی جوڑ کر ۸۶-۸۵ء میں ۷۵۰ ہوگیا۔ موجودہ حکومت نے چھوٹی یونٹوں کو ماحولی ریسٹریکشن دینے کے نفاذ کو رائج کیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ چھوٹی یونٹیں مالیاتی اداروں اور دیگر ایجنسیوں سے خام اشیاء حاصل کرنے کے لئے بات چیت کر سکے۔

چھوٹی صنعت ترقیاتی ایجنسی:

۸۲-۸۱ء میں چھوٹی بچت ترقیاتی ایجنسی قائم کی گئی۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس ایجنسی کے ذریعہ نئے نئے کاروباریوں کو حسب ضروری خدمات اور سہولتیں فراہم کی جاتی۔ یہ ایجنسی مالیاتی اداروں، بجلی سپلائی حکام، دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت کی نظامت اور دیگر اداروں کے نمائندوں کے تعاون کے ساتھ چھوٹی یونٹوں کے قیام اور انہیں چالو کرنے کی سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ اس ایجنسی نے اپنے کاروباری ترقیاتی پروگرام کے تحت ۷۷-۷۹ء افراد کو، کاروبار کرنے کیلئے، چترہ کی مصنوعات، اسٹیل کی مصنوعات، گھریلو بجلی کی مصنوعات، ادویہ سازی وغیرہ میں تربیت دی ہے۔ فردری ۱۹۸۶ء تک چھوٹے کاروبار شروع کرنے کی ۱۵۰ تجویزیں کو، جن میں سرمایہ کاری کے لئے کل ۲۵۸۲ کروڑ روپے کی ضرورت ہوگی، مالیاتی

مالیوں نے اپنی منظوری دے دی۔
ایکٹرولکس یونٹیں:

اس شعبہ کا الیکٹرونکس سہولتی کاروباریوں کو
ترہیت اور خدمات کی سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔ ان یونٹوں
کو نئی الیکٹرونک یونٹیں قائم کرنے کے لئے تکنیکی منظوری
دی جا رہی ہے۔ رجسٹرڈ الیکٹرونک یونٹوں کی تعداد ۱۹۸۵-۸۶
میں ۲۰۰ تھی جو ۱۹۸۵-۸۶ میں ۱۶۲۱ ہو گئی۔

جدت کاری کی اسکیم:

چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹوں کو جدید طرز پر ڈھالنے
کی اسکیم کے تحت ریاستی حکومت منتخب یونٹوں کو، اپنی تکنیکی
میں بہتری لانے اور اسے جدید بنانے کے لئے مالیاتی اداروں سے
مختلف عرصوں کیلئے لئے گئے قرض کے سود کی ادائیگی کے سلسلہ
میں مالی امداد فراہم کرتی ہے، نیز حکومت مشین، مکان، کارخانہ
وغیرہ کے لئے عارضیاتی رقم بطور امداد فراہم کرتی ہے، اس پروگرام
کو مقبول عام بنانے کے لئے تین چھوٹی یونٹوں، پادروٹی تیار
کرنے والی، مسٹائیل تیار کرنے والی اور لاکھ تیار کرنے والی
یونٹوں کے سلسلے میں نوک سمینار مع ورک شاپ کا انتظام
کیا گیا۔

نو کاروباریوں کیلئے ریاستی انسٹی ٹیوٹ:

ریاستی حکومت انتظامیہ اور مناسب تکنیکی
کے میدانوں میں موجودہ اور نئے کاروباریوں کی تربیت کیلئے
۱۹۷۴-۷۵ میں کاروباریوں کے سلسلہ میں تربیت کے لئے
ایک ریاستی ادارہ قائم کرنے کا تجویز پر غور کر رہی ہے۔

کلکتہ صلیع صنعت مرکز:

کلکتہ صلیع کی گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کو فروغ دینے
اور انہیں مالی امداد فراہم کرنے کے پیش نظر کلکتہ کے لئے ایک

نیا صلیع صنعت مرکز مال ہی میں قائم کیا گیا ہے۔
مضافاتی بازار:

مضافاتی بازار کے فروغ کے لئے ۸۶-۸۷ میں
راج گرام (جلپائی گوڑی)، نیا گرام (مدنا پور)، علم بازار (بیر بھوم)
اور چوک اسلام پور میں مضافاتی دیہی اور چھوٹی صنعتوں کی
مصنوعات کی فروخت کے لئے 'فروخت گھر یعنی شید نمبر
کرنے کی منظوری دی گئی ہے۔

دستکاری کی مصنوعات کی فروخت:

دیہی صنعت اور دستکاری کی مصنوعات کی
فروخت کیلئے صلیع صنعت کو آپریٹو، پرائمری یونٹوں اور صلیع
خدمات مع بازار صنعتی کو آپریٹو یونٹوں کو موثر طور پر منظم کر دیا
اور انہیں چھوٹی صنعت، چمڑہ سازی اور دستکاری کے
سیکٹروں میں ریاستی اداروں سے منسلک کر دیا۔ مغربی
بنگال دستکاری ترقیاتی کارپوریشن کے ریاست کے باہر
کے علاقوں میں قائم کردہ ایسپوریا اس ریاست کی دستکاری
کی مختلف مصنوعات کی فروخت میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔
مغربی بنگال کی چھوٹی صنعت کارپوریشن:

اس مقصد کے پیش نظر کہ چھوٹی صنعتی یونٹوں
کو لوہا اور اسباب، پرائمری موم وغیرہ جیسی ضروری خام اشیاء
کی سپلائی کی جائے اور ان کے لئے بڑی بڑی سہولتیں جیسی
پختہ سڑک، پانی، بجلی وغیرہ فراہم کی جائے، ۱۹۷۱ء میں
مغربی بنگال چھوٹی صنعت کارپوریشن قائم کیا گیا۔ اس کارپوریشن
نے اب تک ۳۳۱ صنعتی رشڈ اور ۷۹ کاروباری اسٹالس نمبر
کئے اور چھوٹی یونٹوں کے قیام کے ۲۱۳ قطععات آراہنی کو بہتر
بنایا۔ دو چینی مٹی و اسٹیریئر بیر بھوم میں قائم کئے گئے اور ایک
دائری بہت ہی جلد بانکھوڑا میں قائم کیا جائے گا۔ یہ کارپوریشن
لیجو سمٹ اور ملٹی اینڈ اینٹ تیار کرنے کے لئے مشترکہ

سیکرٹری جنرل کے ساتھ معروف مل ہے۔
 مغربی بنگال ریاستی پٹرول کے صنعت ترقیاتی کارپوریشن

اس کارپوریشن نے ہولہ اور ہدیہ میں شوروم قائم
 کیے ہیں۔ اس کے علاوہ بن بیل کوڈ کے سامان تیار کرنے کیلئے یہ
 کارپوریشن ہولہ تیار کرنے کیلئے دو مصنائی کارخانے قائم
 کرنے کے لئے شوشن کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بلارسات
 کے علاقے میں خام اسٹیل کا ایک بنگ قائم کیا گیا ہے۔
 مغربی بنگال دستکاری ترقیاتی کارپوریشن

دسمبر ۱۹۸۵ء تک اس کارپوریشن نے ۱۷ دکانیں
 ڈرامہ دیہ اکھو میں یہ کارپوریشن اس ریاست کے ۳۲ سسٹم
 کارپوریشن کو سسٹم فراہم کر رہا ہے اور ان کی مصنوعات کو بلار
 میں فروخت کرنے کا انتظام کر رہا ہے۔ نیز یہ کارپوریشن قانون
 بنکوں کی ۱۱ کو آپریٹو سوپائیوں کی تیار کردہ مصنوعات
 کو بلار میں فروخت کرنے کا بھی انتظام کر رہا ہے یہ کارپوریشن
 نوادب علاقہ میں پینل اور علوان رحلت کی مصنوعات تیار کرنے
 والی چھوٹی بونٹوں کے لئے سب ضروری سہولتیں فراہم کر رہا ہے۔
 سکھادی اور دیہی صنعت بورڈ :

یہ بورڈ پنجایتوں کے تعاون سے اضلاع میں پختہ
 سڑکوں کی تعمیر، بجلی اور پانی کی سپلائی کے لئے دیگر
 اقدامات کر رہا ہے، نیز دیہی فنکاروں کو مالیاتی اور دیگر امداد
 فراہم کر رہا ہے۔
 ہتھ کرگھا :

ریاستی حکومت ۷۶-۷۷ء سے ہتھ کرگھا بنکوں
 کی معاشی حالت بہتری لانے کے لئے بہت ساری پروگراموں
 کو رو بہ عمل لارہی ہے۔ ۸۵-۸۶ء میں ۳۴۵ فیصد ہتھ کرگھا
 بنکوں کو کو آپریٹو سیکٹر میں لایا گیا جبکہ ۷۷-۷۸ء میں

۸۵-۸۶ء میں ۸۸۵۱۳ ہتھ کرگھا بنکوں میں ۲۵۰۰ ہتھ
 کرگھا بنکوں کی تعداد ۱۲۰۰۰ بن گئی۔ ۸۶-۸۷ء میں ۸۵۰۰۰ ہتھ

مراج میٹر کپڑے تیار کئے گئے تھے، جبکہ ۸۶-۸۷ء میں
 ۳۶۰ لاکھ مربع میٹر میٹر کپڑے تیار کئے گئے۔ تانوجا اور تانوشری
 دکانوں کی تعداد ۷۷-۷۸ء میں ۴۸ بن گئی لیکن ۸۵-۸۶ء میں
 اسے دکانوں کی تعداد ۱۸۴ بن گئی۔ ۸۵-۸۶ء کے آخر تک
 تانوجا اور تانوشری کو کپڑے، لباس اور دیگر اشیا کی
 فروخت سے علی الترتیب ۲۸ کروڑ اور ۵۳ کروڑ روپے
 حاصل ہوئے جبکہ ۷۷-۷۸ء میں ان کی کل پکری علی الترتیب
 ۴۲ کروڑ روپے اور ۶۶ کروڑ روپے بن گئی تھی۔

بنکوں کی صلاح دیہود کے لئے چند اسکیموں کو
 جیسی مختلف میں مکانوں کی تعمیر کو آپریٹو سوپائیوں کے
 حشر۔ بنکوں کے لئے پروڈیٹ فنڈز کفایت شعری فنڈ کا
 سہولتی اور مستحق بنکوں کو چھوٹی سچائی وغیرہ کو رو بہ
 عمل لایا جا رہا ہے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ سپر امپور میں
 مغربی بنگال کو آپریٹو اسپننگ مل کی توسیع کے پروگراموں کو
 جون ۸۶ء تک پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ مدناپور میں
 تاراپن کو آپریٹو اسپننگ مل کے لئے تعمیراتی کام اس مالی
 سال کے عرصے میں مکمل کر لیا جائے گا۔ بوجور، بانکورا میں
 گنگا بنی اسپننگ مل قائم کرنے کے کام کو جلد از جلد مکمل کرنے
 کے سلسلہ میں وہاں پانی کی پائپ لائن بٹھانے کے لئے اس شعبہ
 نے ۲۷ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ یہاں اس بات
 کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ ہتھ کرگھا سیکٹر میں ۷۷-۷۸ء میں
 ۲۰ کروڑ میٹر کپڑے تیار کئے گئے تھے جبکہ ۸۵-۸۶ء میں
 ۳۷ کروڑ میٹر کپڑے تیار کئے گئے تھے۔ کنا پریٹو سیکٹر میں
 کپڑے کی تیاری ۷۷-۷۸ء میں ۷۶۲ لاکھ میٹر سے بڑھ کر
 ۸۵-۸۶ء میں ۱۵۲۶ لاکھ میٹر بن گئی۔

پانچویں ایشیا



چارلس کوریا، چیئر مین، ٹاؤن ڈیولپمنٹ کمیشن مال ہی میں گریٹ ایسٹرن ہوٹل، کلکتہ
میں سماجیوں کے ساتھ جو گفتگو۔
(تصویر از: اجیت داس)

PRICE 40 Paise

MAGHREBI BANGAL
1st October 1984



وزیراعظم شری راجیو گاندھی ۱۸ ستمبر ۸۴ء کو راج بھون کلکتہ میں مغربی بنگال کے وزیراعلیٰ شری جوتی باسو
اور دیگر وزراء اور کام سے گفت و شنید کرتے ہوئے -
(تصویر از: مدحوسن گھوشا)

Chief Editor : Pritindra Krishna Bhattacharya, Editor : Dharendra Dutta. Associate Md. Azam
Published by the Information & Cultural Affairs Dept. of Govt. of West Bengal and Printed by G. R. T.
Printers, 54/1C, Shyampukur, Street, Calcutta-700 004.

16 DEC 1986

مغربی بنگال

۱۹۸۶

20



پندرہ روزہ مغربی بنگال کلکتہ

مدیر اعلیٰ : پرتین بھٹا چارپہ

مدیر : دھرمیندر ناتھ دت

مدیر معاون : محمد اعظم

شرح خریداری

قیمت : بارہ پیسے فی پرچہ * سالانہ : تین روپے

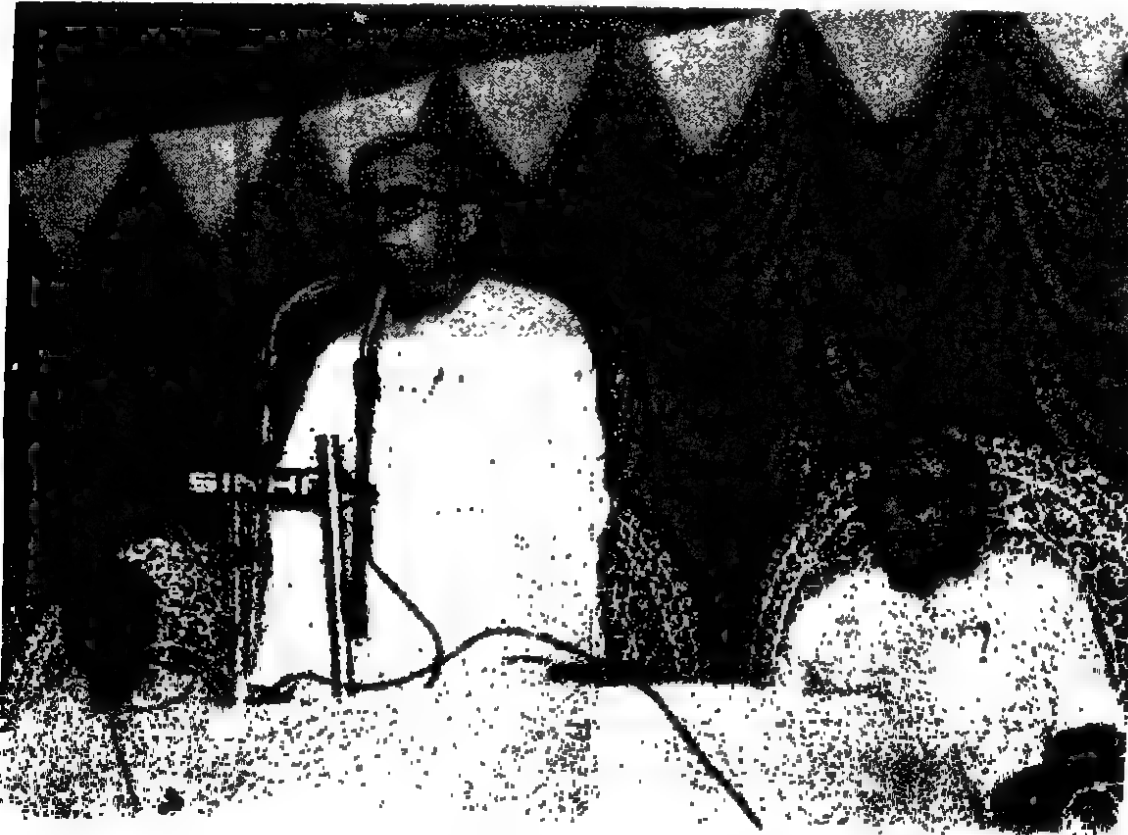
ترسیل زر کا پتہ

بزنس مینجر !

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال

۲۳- اری، این اسکیم جی روڈ - کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

جلد نمبر ۳۳ * یکم نومبر ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر ۲۰



راج بھون، کلکتہ کے شمال میں جاہلانہ آزادی، بنگال سرگت و سس کے نفع کردہ مجسمہ کی نقاب کشائی کرنے کے بعد وزیراعلیٰ شری چوٹی باسو تفریر کرتے ہوئے۔

منصوبہ مرتب کرنے کے سرمایہ دارانہ طریقہ کار عوام کے مسائل کو حل کر سکتا ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

منصوبہ بندی میں سرمایہ دارانہ طریقہ کار عمل کو اپنایا ہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اور سماج میں بنیادی تبدیلی لانے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے اور اس جدوجہد کے لئے لوگوں کا سب سے بڑا اختیار تنظیم ہے تنظیم جتنی مستحکم اور وسیع اور موثر ہوگی زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے دائرہ عمل میں آتے رہیں گے۔ ان لوگوں کو جو ابھی تک منظم نہیں ہوئے ہیں، جلد از جلد تنظیم قائم کر لینی چاہئے۔

ہمارے ملک میں منصوبہ بندی کینٹینی ہے، لیکن یہ حکومت کے ایک شعبہ کی طرح کام کرتا ہے۔ بہت اس کے پاس کوئی مفروضہ دستور اختیار نہیں ہے اور نہ اسے منصوبہ مرتب کرنے کے لئے کوئی قابل ذکر آزادی حاصل ہے۔ اگر صحیح معنوں میں ایک اشتراکیتی منصوبہ مرتب کرنا ممکن ہوتا تو اس سے ہمارے ملک میں بہت سارے امکانات پیدا ہوتے۔ لیکن اس کے لئے نہیں کیا گیا۔ سادہ حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ سماج میں اب ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس کے خلاف تحریک کی ضرورت ہے۔ اس طرح یہاں طبقاتی جدوجہد کا جاری ہونا ہی لازم ہے۔

جند مفلوک کی طرف سے سستے ٹرے میں لگائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر چند برسوں قبل قریبی ہٹائو کا منہ دیکھا گیا تھا لیکن غربی دور کرنے کے لئے سبب غریب کا اقدامات نہیں کئے گئے۔ اس کے نتیجے میں غربت و بے روزگاری اور بے روزگاری کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اب ایک اور نمبر ۲۱ ویں صدی میں داخل ہونے کا ہے؟ ملکی بار بار اس دن تو گزرتا جائیگا جو لوگ اس وقت زندہ رہیں گے تو وہ خود بخود ۲۱ ویں صدی میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس حالت میں ۲۱ ویں صدی میں قدم رکھیں گے۔ کیا اس وقت بے روزگاری کا کام ہو جائیگا یا بڑھ جائیگا؟ کیا چھوٹی چھوٹی کمپنیوں کی حالت ہو جائیگی یا بڑھ جائیگی؟

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں یو ایچ آر سی کوآرڈینیٹ اسٹریٹجک ایگنڈہ میں منعقدہ مغربی بنگالہ ماتحت انجینئرنگ خدمات ایسوسی ایشن کے ساتھ سالانہ اجلاس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ منصوبہ مرتب کرنے کے سرمایہ دارانہ طریقہ کار عوام کے مسائل کو حل نہ کر سکیں گے۔ وزیر اعلیٰ کی افتتاحی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

چھٹے پانچالہ منصوبے کا عرصہ گزر چکا، لیکن وہ مقاصد جن کے لئے یہ تمام منصوبے مرتب کئے گئے تھے، اب بھی قسطنجیل رہ گئے۔ یہ کہا نہیں جاسکتا کہ صورتحال میں بہتری ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔ جبر و کی قیمتیں مسلسل بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ لوگوں کی قوت خرید گرتی جا رہی ہے۔ کیا ہم اسے منصوبہ بندی کر سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک سرمایہ دارانہ نظام میں منصوبہ بندی کا اس کے سوا دوسرا لہجہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ صحیح معنوں میں ہمارے جو سماجی اور اشتراکیتی تصور ہیں، ہمارے ملک میں پانچالہ منصوبے اس کے عین مطابق نہیں ہیں۔

ایک سرمایہ دارانہ نظام میں حکمران طبقہ "معاشرتی منصوبہ بندی" کا محاورہ استعمال کرتا ہے تاکہ اس محاورے سے وابستہ تصور کا استعمال کیا جائے اور اس طرح لوگوں کو خوش فہمی میں مبتلا رکھا جائے۔ لیکن درحقیقت حکمران طبقہ اشتراکیتی طرز کی منصوبہ بندی کو پسند نہیں کرتا، اس لئے ایسے منصوبوں میں ایک بڑی غلطی جاتی ہے اور اس غلطی کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا ہے۔ کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی جاتی۔ اگرچہ اب غریبوں کے درمیان فرق وسیع ہوتا جاتا ہے پانچالہ میں کسی قسم کی کمی دکھائی نہیں دیتی۔ ان تمام باتوں کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے

پھر اس کی تعلیم میں توسیع ہوگی یا ناخاندان کا سہارا
 لگتی رہے گی۔ ان تمام باتوں کا اظہار ان پالیسیوں پر ہے جنہیں
 اب ہم رو بہ عمل لے رہے ہیں۔ یہ پالیسیاں اس بات کا تعین کریں گی کہ ہم
 ایک پھر معاشی حالت میں اڑویں صدی میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں
 لیکن بدستوری یہ ہے کہ ہمیں اس سمت میں مرکزی حکومت کی طرف سے
 سنجیدگی کے ساتھ کی گئی کوئشنیں نظر نہیں آتیں۔ اس سال کا فریب
 دشمن مرکزی بجٹ درحقیقت مرکزی حکومت کی لاتعلقی کا نشانہ ہی
 کرتا ہے۔ اس میں توجہ کی کوئی بات نہیں ہے کہ اس سال کے مرکزی
 بجٹ کے خلاف سارے ہندستان میں احتجاج ہوا ہے۔ دہلی میں بھی ہڈ
 بونچے احتجاجی مارچ ہوا۔ یہ کافی اہم بات ہے۔

یہ بات تو اب بالکل عیاں ہو چکی ہے کہ سسٹے نفروں کے
 زریعوں کو گنا کی بے وقوف بنایا نہیں جاسکتا۔ اب عوام بیدار ہو چکے
 ہیں۔

ہندستان سے ملحق ریاستوں کے اختیارات بہت ہی محدود
 ہیں۔ اس لئے موزی بنگال جیسی ایک ملحق ریاست کے لئے یہ بات ممکن نہیں
 ہے کہ وہ اپنے محدود اختیارات کے ساتھ سماج میں بنیادی تبدیلی لائے۔
 ایک ریاست کے ہاتھوں میں اس مقصد کے لئے اختیارات نہیں ہیں۔ اس
 بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ سے ملازمین کے
 مطالبے جتنے میں اضافہ کر دیا گیا اور ایسا کرنا حق بجانب ہے۔ لیکن سارے
 ملک میں اس مسئلے کی کوئی تقریر نہیں ہے۔ مرکزی حکومت کی پالیسیوں کی
 وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے لیکن ریاستی حکومتوں کو ان دشواریوں
 سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مرکزی حکومت کو زیادہ سے زیادہ نوٹ چھاپنے
 اختیار حاصل ہے اور اس طرح وہ اپنے وسائل میں اضافہ کر لیتی ہے
 اور ریاستوں کو روپے نوٹ چھاپنے کا اختیار ہے۔ ان کے پاس اس کے
 قائل ہیں اور نودہ اس سلسلہ میں انتظامیہ کی کوئی بھی سہولت
 زمین کی انیسویں دہائی میں ملک کا بڑا زبردستی کر دیا گیا ہے۔
 یہ اضافہ کے لئے جو شرائط ہیں وہ ہم پر آئیں گے۔
 ریاستی حکومت اپنے ملازمین کا دستاویز اور حکومت سے
 راضی ہے۔ اس بات کا ایک جائزہ ہے کہ پرمانہ کے بعد ملک کی

کمیونٹی کی تشکیل کی جائے گی۔ ریاستی حکومت کے ملازمین کی خدمات اور
 حکومتی تالیفات پیش ہے۔ ان لوگوں نے سسٹے کے سیلاب کے عرصہ
 میں بہت ہی گناہ ندر خدمات انجام دیں۔

مجھے اس بات کا فحش ہے کہ ہر سال کرنے والے انجینئر
 بڑی بے حس سے برتاؤ کر رہے ہیں۔ انکی پتہ کے لئے ہم سے جو کچھ کرنا
 ممکن ہو سکام نہ گیا۔ ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے کہ ہم
 حکومت کے صرف دیاتین شعبوں سے یا سینئر انجینئروں سے وابستہ
 نہیں ہیں۔ ہم جب بھی کوئی فیصلہ کرتے ہیں یا ایک خاص پالیسی کو رو بہ عمل
 لاتے ہیں تو اس وقت ہمیں اس کی بے چیدگیوں اور دیگر شعبوں پر اس کے
 اثرات کو بھی زیر غور رکھنا پڑتا ہے۔ بہر حال جہاں تک ممکن ہو سکام لوگوں
 نے انجینئروں کے مطالبات کو تسلیم کر لیا۔ مجھے امید ہے کہ اب وہ سب
 اس نقطہ کو پیش نظر رکھیں گے اور تعاون کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔

سیلاب

ضاحیل - ۳۸۰ ڈھم
 او۔ آر سی۔ پکیٹ - ۹۰۰۰
 آئرن کی بیاری کی ادویہ - ۳۱ لکھ ٹکے

۴۵ میڈیکل ٹیمیں اور بہت ساری پیرامیڈیکل ٹیمیں
 سیلاب زدہ علاقوں میں کام کر رہی ہیں۔
 اس نشست میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سیلاب کے متاثرہ علاقوں
 میں کل آبادی کے زیادہ سے زیادہ ۱۰ فیصد لوگوں کے درمیان خصوصی
 بے استحقاقی امداد تقسیم کی جائے۔ بے استحقاقی کی امداد کی شرح کو
 فی ماہ فی کس ۸ کیلو گرام سے بڑھا کر فی ماہ فی کس ۱۲ کیلو گرام کر دیا گیا
 ہے۔

اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ متاثرہ علاقوں میں ٹرپ
 فریوں کی فوری رست کو بند کر دیا جائے۔ بے گناہ کے لئے عارضی مدد کے
 طور پر مندرجہ ذیل کے کام
 کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ یہ سبب ہے متاثرہ لوگوں کو
 خوراک فراہم کرنے کے لئے ۲۱۵۰ عام باغیچے بنائے گئے۔ سیلاب
 کے متاثرہ علاقوں میں کھانے کی چیزیں فراہم کی گئی ہیں۔

مغربی بنگال میں

سیلاب

وزیر اعلیٰ شری بنوٹ باسوتے حال ہی میں ملک میں
دیگر وزراء کے ساتھ مغربی بنگال میں سیلاب کی صورتحال کا جائزہ
لیا۔
حالیہ سیلاب سے مغربی بنگال کے بہت سارے علاقے
بری طرح متاثر ہوئے، جنہی تباہی و تباہی درج ذیل ہیں:

مدنا پور ضلع میں ۳۳ بلکوں کے علاقے، ضلع ۲۴ پرگنہ جنوب
میں ۲۶ بلک، ضلع ۲۴ پرگنہ شمال میں ۲۲ بلک، ضلع ہوڑہ میں ۱۴ بلک،
ضلع برہمن پور ۱۸ بلک اور ۱۵۱ اضلاع کے یونین علاقے اور کلکتہ کمرپوش
کا پور علاقہ۔ نیز اضلاع مرشد آباد، بیرجھوم، ندیا اور مالہ کے بھی کئی ایک
علاقے سیلاب کی زد میں آ گئے۔

ایک ابتدائی جائزہ کے مطابق ندیوں پر تعمیر کردہ مجموعی طور پر
۱۰۰ گز بنڈز، تریلے، بندوں میں جگہ جگہ شکاف پڑ گئے ہیں، خاص طور پر کھلی
گھٹائی، ندیاں، پناہ پر، ایریا، اربانی، رام چوک، کھویریا، کھلی کوری،
گوکھپور، سبھاگ اور کپشوری کے علاقوں میں تعمیر بندوں کو کافی نقصان
پہنچا۔ اسی طرح ضلع مدنا پور میں بالی گھاٹی کھلی اور ضلع ہوگلی میں
اردولی کھلی کو بھی نقصان پہنچا۔ سندربن بند تو کئی ایک جگہوں میں ٹوٹا
پھوٹ گئے۔

تقریباً ۱۲۵ لاکھ ایکڑ سرسبز زرعی قطعات آراضی زیر
آب ہو گئے۔ گھری فصلوں کا کتنا نقصان ہوا اس کا تخمینہ کیا جا رہا ہے۔

سیلاب
زدگاہ



اگرچہ انفرادی اور اجتماعی امتیازی یا انگ انگ علامتیں ہوتی ہیں
لیکن احمدی نظام کے ضل کی عام اور بکثرت پائی جانے والی علامتیں جو کس کی کما
غذا کی لذت کا محسوس رکھنا، انگلی میں شکیف، بیڑوں میں دروایٹ پہننا،
ڈاکا میں آنا، اچھی مٹکنا، ستلا ہونا، غریبوں سے زیادہ خرچ کرنا اور آسٹون
کے ضل میں تھری میٹا تبیل ہونا یا کچھ بیش آدمی کے نظام میں ضل کی لذت
بغذا کی کمی اور مسکادہ میں ہوسکتی ہے۔ انگ انگ علامتوں کے جو اسباب
ہیں ان کا اس مضمون میں ذکر نہیں کیا جا رہا ہے اگرچہ کم و بیش ہر مرض جو ایک
فرج ان پر اثر کرتا ہے سن رسیدہ افراد کو بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ مضمون ایسے
بیماریاں ہیں جو زیادہ تر بزرگوں میں ہی پائی جاتی ہیں۔ بھڑیا اور زفرے
کے اثرات کے سبب اکثر بزرگیوں کی غذا کو انگلی میں شکیف محسوس کرتے ہیں
یا سب سے پہلے برقعہ ہے۔ عمر زیادہ جانے والی عورتوں کی غذا کو بھی
بھڑیا اور شیشے دیکھ جاتے ہیں جن سے بھڑیا اور شیشے کی علامتیں
کھٹک جاتی ہیں۔ انگلی میں کھٹک محسوس ہونے کی علامتیں اکثر بزرگوں میں

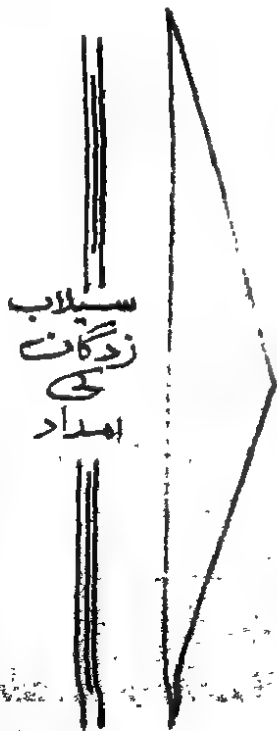
محکامات کے منہدم ہوجانے سے، اراکات ہو گئے۔

کئی ایک حکامات کو سبب میں نہ سمجھتے۔ تقریباً ۱۱ لاکھ افراد سیلاب میں غرق ہو گئے۔ ان میں سے ۱۱۵۰۰۰ افراد کو متاثر علاقوں سے محفوظ مقامات پر لے جایا گیا اور انہیں حکمتہ اور امداد میں ۲۰۰۰ سے زیادہ سمیٹوں میں رہائش کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

ابتداءً ریپرٹ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ۱۴۵۰۰ کانات منہدم ہو چکے ہیں اور ۵۰۰۰ کانات کو جزوی طور پر نقصان پہنچا ہے۔ اس بات کا مذہب ہے کہ بارش کے ختم ہوجانے کے بعد اور بھی بہت سارے کانات منہدم ہوجائیں گے۔

حکومت اور اضلاع میں سڑکوں، اسکولوں، عمارتوں اور
پانی سپلائی کے نظام کو اور دیگر ڈھانچوں کو کافی نقصان پہنچا۔ نقصان کا
تخمینہ لگایا جا رہا ہے اور بہت ہی جلد یہ کام مکمل کر لیا جائے گا۔
اکتوبر ۱۹۶۶ء کے پہلے ہفتہ تک بریاستی حکومت نے سبیل
زدگان کی امداد کے اخراجات کے تحت تقریباً ۸ کروڑ روپے خرچ کئے۔ امدادی

قیمت (کوڑہ روپے میں)	مقدار	اشیاء
۳۹۵۵۰	۱۹۰۰ میٹرک ٹن	چاول
۸۱۵۱۱	۳۷۹۰ میٹرک ٹن	گیہوں
۱۷۱۱۰	۲۹۹۹۵ میٹرک ٹن	دودھ پاؤڈر
۳۱۵۹۵	۳۱۳۰۰ عدد	ثریال
۷۹۵۶۰	—	انتظامی مصارف
۲۵۶۰		بے استحقاقی امداد (زیر نظر میں)
<hr/>		
۸۷۷۵۰ عدد	۳۳ ٹن	بیس - دھوئی ساڑھی، بچوں کا لباس، انگلی - ادویہ
<hr/>		
ملازمن کیے - ۵۰۶ روپے بیکنگ پاؤڈر - ۵۰۶ روپے (باقی صفحہ پر)		



خود کوئی بیماری نہیں ہو سکتی بہت سی بیماریوں کی علامت ہے۔
 جنگلی خرابی اور بہت تیز سکڑنا ہمارے ملک میں کوئی غیر
 معمولی بات نہیں ہے اس لیے بڑا چاہیے میں اس مرض کا ہر نا کوئی خاص
 بات نہیں۔ یہ عام طور پر شراب نوشی اور مستی اور امراض کے زہر سے
 جنگل کے سوزش کے سبب ہوتا ہے۔ دیرینہ شراب نوشی کی عادت جگر اور
 پتے کے نقصان پہنچاتا ہے۔ اگرچہ صرف ۲۰ فیصد پرانے شرابیوں کو جگر
 کی سوزش ہوتی ہے اور جگر کا کام بند کر دیتا ہے لیکن قبل ازنت یہ
 بتانا مشکل ہے کہ کسی شخص کو یہ بیماری ہو جائے گی۔

سن رسیدہ افراد میں خرابیوں کی آماجگاہ بڑی آنت ہو
 سکتی ہے۔ بزرگوں کو بچھنی لگنے یا پیٹ میں کڑے پیدا ہونے کی علامات
 نوجوانوں سے قدرے کم ہوتے ہیں۔ پانچاٹھ میں تازہ خون کی موجودگی بجلی
 بڑی آنت میں زخم کی علامت ہے جبکہ سیاہی مائل یا خانے سے ظاہر ہے
 کہ خون اسی سے بالائی حصوں سے آ رہا ہے۔ بڑی آنت کے آخری حصے
 سے خون آنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں جو بواسیر یا درازوں سے لیکر
 عام ہوتی ہیں کم عام اسباب مثلاً بچھنی اور اس سے بھی کم یعنی اندر سے
 کسی پھوڑے کے پھٹنے تک ہو سکتے ہیں۔ پانچاٹھ کے اخراج کے بعد بڑا مقدار
 میں خون آنا بواسیر کی علامت ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ سخت درد ہو
 تو ہمیں آنت کے اندر درازوں یا زخم کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ یہ دونوں
 امراض جراحی کے اذامات سے درست ہو سکتے ہیں۔ بڑی آنت کے اندر
 کسی پھوڑے کا ہنہ زیادہ تر مزاج کے خلع میں ہوتا ہے اور یہ اودے یا
 بڑی آنت کے فعل میں تبدیلی کے سبب ہو سکتا ہے یا مزاج سے خون پیتے کے
 سبب ہو سکتا ہے۔ ان دونوں شکایات کے لئے فوری طبی توجہ کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ مزاج کی ان بیماریوں کا علاج جراحی اور اسپتالوں سے ہٹا کر کیا
 جاسکتا ہے۔ مہذب مغربی ممالک میں عمر رسیدہ لوگوں میں عام پانی جلنے والی
 ایک بیماری ڈائریکٹو کورسٹروسیس منتی سے ہمارے ملک میں نہیں ہے کیوں
 کہ خیال کیا جاتا ہے کہ بڑی مقدار میں ریشے دار خوراک اس بیماری کو نہیں
 ہونے دیتی۔

خود کوئی بیماری ہو جاتا ہے۔ رشک کے تیز خرابی اجزاء کا کچھ حصہ نکل
 کر کئی نالی کے نیچے حصے میں جلا جاتا ہے جس سے وہاں سوزش ہوجاتی
 ہے لیکن اس مرض کو بڑھانے کے لئے پیرا ہوسنے والی حالت لگنے کی نالی کی
 ایک اور بنیاد ہے انکسٹ کے دیکھنا چاہئے۔ اگر ہرگز کے سبب
 جہاں کے درمیان بعض حصے میں درد ہوتا ہے تو اسے قطعی سے دل کا درد
 خیال کی جاسکتا ہے لیکن ایک ڈاکٹر ان دونوں حالتوں میں اختیار کرنا چاہئے
 جسے کینسر کی مٹن کو کھانے کی مقدار میں کمی کر کے چکنائی سے بھر کر غذاؤں
 پر مزید کر کے یا اپنے پیٹھ کے ایسے طریقوں سے گزیر کرے دور کیا جا
 سکتا ہے جن سے پیٹ کے اندر دباؤ بڑھتا ہو۔ اگر چار پانچ کے سرانے
 کھانے کی جگہ پر اپنی اپنی کردی جائے تو اس سے آنتوں کے اڑنے میں
 ٹکا کرنے میں مدد ملے گی اور لعاب کا جز روک جائے گا۔

پیٹ کے نیچے حصے کی آنت میں ناسور اکثر نوجوان بالغ
 افراد میں پائے جاتے ہیں لیکن معدے کا ناسور زیادہ تر سن رسیدہ لوگوں میں
 ہوتا ہے۔ اس ناسور کی بڑی علامت کھانے کے بعد پیٹ میں درد ہونا
 ہے اور کبھی کبھی تھک جاتی ہے۔ لیکن یہ حالت اکثر نہیں ہوتی۔ اب
 معدے اور پیٹ کے نیچے حصے کی چوٹی آنت کے ناسور کا علاج کرنے کیلئے
 موثر ادویہ بن گئے ہیں۔ کبھی کبھی جراحی بھی کرنی پڑتی ہے۔ اگر درد کے ساتھ
 ساتھ ہموک میں تیز کا سے کم ہو جائے تو ناسور کو شدید صورت اختیار
 کرنے سے روکنے کے لئے ڈاکٹر کی صلاح لینا بہتر ہوگا۔ اگر ناسور کی ابتدائی
 مرحلے پر ہی تھک جائے تو اسے عام طور پر جراحی سے ٹھیک کیا جاسکتا
 ہے۔ ناسور یا پھوڑے کے ریشوں کو دیکھنے اس کی نوعیت معلوم کرنے
 اس کے اجزاء کا تجزیہ کرنے بلکہ اس کی تصویریں اٹانے کے جوہر پر پڑتے
 ایجاد ہوتے ہیں وہ پیرامیکسی سے تھک گانے کے دوائی کا طریقہ سے
 بہتر ہیں۔ یہ سہولت بہت سے بڑے ندرسی اسپتالوں میں موجود ہے۔
 یہ زمان کسی بھی طریقہ میں ہو سکتا ہے اور یہ عموماً جگہ پاتے کے
 نسل میں نقص کی علامت ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ یہ نالی کی حالت میں
 ڈاکٹر سے مشورہ کیا جائے اور ضروری پڑنا لگائی جائے۔ سن رسیدہ
 افراد کا یہ نالی اگر شدید ہو تو معدے کی نالیوں میں رکاوٹ کے سبب ہو سکتا
 ہے جس کا علاج جراحی سے ہو سکتا ہے۔ یہ نالی کی مناسب تشخیص اور
 علاج کے لئے ایک سائنسی نظر کی ضرورت ہے۔ دراصل یہ نالی بجائے

عمر رسیدہ لوگوں کو عام طور پر قبض کی شکایت رہتا ہے بعض
 کے کئی سبب ہو سکتے ہیں جیسے کہ خرابی میں ریشے دار اجزاء کی کمی خوراک
 کا کم مقدار یا جنوں کی حرکت میں کمی اور اسیر یا نالی میں شعلہ خراشیں یا صفی

عصبانی و جذبات۔ اس شکایت کو دور کرنے کی مناسب طریقہ بڑی مقدار میں ریٹھے دار یا مٹی خوراک، مانع اشیا کا بکثرت استعمال اور زرخشی عادات میں باقاعدگی اور اعتدال کے غفل کو دور کرنا ہے۔ جلاب آور اشیا کا بانی صراحتاً استعمال جو کبھی کبھار ناگزیر بھی ہو سکتا ہے کم کیا جانا چاہئے۔ تبصق اور اسہال کی باری باری ہونا عضوی بیماری کی علامت ہو سکتا ہے اور اس کی جانچ کرائی جائے۔

اسہال اگر شدید صورت میں ہو تو یہ عام طور پر خوراک میں احتیاط نہ رکھنے کے سبب ہو سکتا ہے اور اسے بجائے خور محرومی کی جا سکتا ہے۔ دیرینہ پیشہ عمر رسیدہ افراد کو زیادہ نہیں ہوتی اور اگر ہو تو اس کی بالنتفیں جانچ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑی آغوں کا عام فعل الگ الگ لوگوں میں اتنا مختلف ہوتا ہے کہ ایک بار پانچا خانہ بننے کا نظریہ عمل میں نہیں ملے کہ صرف کتبوں میں پایا جاتا ہے۔

پیٹ میں زیادہ مقدار میں ہوا اپنے شکایت عمر رسیدہ لوگوں کو عام ہوتی ہے۔ چونکہ اس کے کئی اسباب ہیں اس لئے ٹھیک ٹھیک کچھ شکلی ہے کہ گیس کیوں بنتی ہے۔ مثلاً یوں تلی ہوئی خوراک، دالوں کی ضرورت سے زیادہ استعمال، بدعقیمی، انٹریوں کے فعل کا سستی جو بڑھاپے میں ہوجاتی ہے۔ ذیابیطیس، پیٹھ رہنے کی عادت یا معفن ہوا خوراک اس کے کچھ اسباب ہو سکتے ہیں۔ گیس کو روکنے کا کوئی تیر بہدف علاج نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایک مربوط نظریہ اپنانے کی ضرورت ہے جس میں عادات کی بات مددگار، خوراک میں اتیاز اور اعتدال اور ورزشی شالی ہیں۔ گیس کی بگڑاؤ سے نجات پانے کے طبیعتی علاج کا اشتہار بازاری سے گمراہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

بازار میں گیس کے علاج کے لئے بے شمار ادویہ ملتی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بے ضرر نہیں ہے۔ اس لئے ان ادویہ کے بلا اعتبار استعمال کا بلکہ نامور و حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے۔ عمر رسیدہ لوگوں کے لئے تو ایسا کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ ان کے جگر اور گردوں میں ادویہ کر استعمال کرنے کی صلاحیت کمزور ہوجاتی ہے۔ عمر رسیدہ لوگوں کے جلاب آور اسکون بخش اطباء کی کشیدگی اور ذیابیطیس کو روکنے والی اور درد ختم کرنے والی ادویہ استعمال کرنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے لیکن اس قسم کی ادویہ کا استعمال اعتدال اور احتیاز سے کیا جانا چاہئے۔ ان میں سے بہت سے ادویہ ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں لہذا بھی غور پر ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں۔ اگر یہ

دیکھنا کہ بنیادی طور پر ڈاکٹر کا فرض ہے لیکن سرسینہ کو بھی ادویہ کے غلط استعمال سے تھما رہنا چاہئے۔

ہموک میں کمی، وزن میں کمی، تھکنا، پیٹ میں بار بار درد ہونا یہ تمام کی طرح سے خون آنا اور آنتوں کے فعل میں تبدیلیوں پر خاص طور پر عمر رسیدہ لوگوں کی حالت میں مناسب توجہ دی جانی چاہئے۔ اگر مناسب طور پر علاج کیا جائے تو ان علاماتوں کا سبب اکثر بیماریوں کو ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ بڑھاپا کوئی فتویٰ نظریہ اپنانے کا بہانہ نہیں بن سکتا۔

اب کچھ خوراک کے بارے میں عمر رسیدہ لوگوں کی خوراک صحت بخش اور متوازن ہونی چاہئے۔ اس میں اتنے حرامے ہونے چاہئیں جو ان توانائی کی ضرورت پوری کر سکیں۔ لیکن ضرورت سے زیادہ حاروں کے استعمال سے موٹاپا آسکتا ہے۔ خوراک میں کافی مقدار میں ریٹھے ہونے چاہئیں جن میں حیاتیات کے اضافے کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے۔ ایک ایسے شخص کی جیسے بوا سیر جو معدنیات جیسے کہ لوہے کا اضافی ضرورت پوری کی جانی چاہئے۔ اس کی خوراک میں کافی مقدار میں دورہ، تازہ سبز پھل، سبز دال اور پل شان ہو جانے چاہئیں۔ ذیابیطیس، اعضاء کی کشیدگی اور گردوں کی بیماری والے افراد کی الگ الگ ضروریات کے مطابق ان کی خوراک بھی طے کی جانی چاہئے۔

اور آخر میں یہ کہ عمر رسیدہ افراد کی نفسیاتی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بڑھاپے کے سبب کسی شخص کی عزت نفس کیوں نہ ہو اور اسے جذباتی عروسی کا احساس کیوں ہو، ایک بھر پور اور شاندار دن بسر کرنے کے بعد ان کی زندگی میں سے شام کی برتیاک چمک نکلتی چاہئے۔ ہم ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں بڑا گھوڑا کو سماج کا بے کار دم چھتہ نہیں سمجھا جاتا۔ وہ دانشمندی کا خزانہ ہیں، ماضی اور مستقبل میں رابطہ ہیں اور ہم انہیں صرف اپنا نقصان کرنے کے اندیشے کے ساتھ نظر انداز کر سکتے ہیں ۶۶

شیڈولڈ کاسٹ طلباء کے لئے ہاسٹل

حکومت مغربی بنگال نے جلیان گوڑی میں پانچ کون گوڑی پرومیدیائی اسکول سے ملحق ہاسٹل کی عمارت کی تعمیر کے لئے ۵۰۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔ شیڈولڈ کاسٹ طلباء اس ہاسٹل سے مستفید ہوں گے ۶۶

باقی خانہ حکومت کے تو سال

دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی

(دومری اور آخری قسط)

کام کرنے کے سرمایہ کے مسئلہ

کر گئے بگروں کو کام کرنے کے سرمایہ بطور قرض دینے کی منظوری دی جا رہی ہے۔ نیز زراعت اور مضافاتی ترقی کے لئے قومی بینک کی اسکیم کی تحت ابتدائی بنگر امداد باہمی سوسائٹیوں اور مرکزی امداد باہمی سوسائٹیوں کو ۸۶-۸۷ء میں ۲۵ کروڑ روپے بطور زر نقد قرض فراہم کئے گئے۔ جبکہ ۸۷-۸۸ء میں انہیں ۲۹.۱۰ لاکھ روپے بطور زر نقد قرض فراہم کئے گئے تھے۔

گزشتہ پانچ برسوں میں ۱۲۲۳۸۸ کروڑوں کو جدید طرز پر ڈھالا گیا۔ اب اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ طرح طرح کی مصنوعات تیار کی جائیں، جیسی اونی کھل، ترکی تولیہ، پولسٹر قمیض وغیرہ، پہاڑی لوگوں کی فلاح کیلئے کلمپونگ میں اونی کھل تیار کئے جا رہے ہیں۔

ریشم سازی:

۸۷-۸۸ء سے قبل اس زیاست میں ریشم سازی صنعت کم و بیش مرشد آباد، مالدہ اور پیر بھوم تک محدود تھی۔ غیر روایتی اضلاع جیسے کوچ بہار، ندیا اور ۲۴ پرگنہ میں ریشم سازی کی توسیع کر دی گئی ہے۔ ۸۷-۸۸ء کے بعد سے اس زیاست میں ریشم سازی کی صنعت نے کافی تیزی سے ترقی کی ہے۔ ۸۷-۸۸ء کے بعد سے اس پالیسی اور پروگرام کی چند خصوصیات

یہ ہیں: غیر روایتی اضلاع میں اس صنعت کی توسیع، اس صنعت کی مرکز ترقی، ایشور اور ایری صنعت کی ترقی اور سماج کے کمزور طبقوں جیسے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگوں کے لئے خصوصی پروگرام۔

اس عرصہ میں شہنوت کے زیر کاشت علاقہ میں کافی اضافہ کیا گیا ہے اور اب ۱۸۱۵۷ ایکڑ کی جگہ ۳۱۸۵۷ ایکڑ علاقے شہنوت کے زیر کاشت ہیں۔ اس طرح اس بات کی امید کی جاسکتی ہے کہ خام ریشم کی تیاری میں تقریباً ۱۵-۳۵ لاکھ کلوگرام کا اضافہ ہوگا۔

صنعت کی مرکز ترقی کے کام میں بہتر کوالٹی کے پتے پتے اور خام ریشم کی تیاری کا کام شامل ہے۔ گزشتہ ۹ برسوں میں اضلاع بایکوٹا، پیرولیا، مڈناپور اور پیر بھوم میں شہر صنعت کی ترقی کے لئے چند محسوس اقدامات کئے گئے۔ چونکہ خاص طور پر قبائلی اس صنعت سے وابستہ ہیں اس لئے کمری تشر مرشد آباد میں شیڈولڈ کاسٹ لوگوں کے مفاد کے لئے ایک مظاہرتی فارم اور گزولا، مالدہ میں شیڈولڈ ٹرائب لوگوں کے مفاد کے لئے ایک اور مظاہرتی فارم چالو کر دیا گیا ہے اور مرشد آباد میں آخری گھانا شہنوت اضلاع نام نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ درمیان کاروباریوں کو ملانے کے لئے اور ریشم کے کپڑے کو یا اور ریشمی دھاتے کی فروخت کیلئے مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ خام ریشم کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے پرانے جڑوں کی جگہ نئے اور بہتر جڑیں استعمال کئے جا رہے ہیں۔ خام ریشم کی پیداوار ۸۷-۸۸ء میں ۲۸.۵ لاکھ کلوگرام سے بڑھ کر ۸۶-۸۷ء میں ۴۸.۷ لاکھ کلوگرام ہو گئی ہے۔

ہلو جا کی تعطیلات کی وجہ سے "مغربی بنگال" کا
۱۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء کا شمارہ شائع نہیں
کیا گیا۔

میر

اودے گری اور کھنڈ گری

تجربہ

گیہائیں

از: رام پرکاش راہی

اڑیسہ میں اودے گری اور کھنڈ گری کی پہاڑیوں میں واقع جرمان گجھا میں ہندستان کے فن اور گیہاؤں کے فن تعمیر میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ چونکہ ان میں سنگتراشی کا کام بڑی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے لہذا ان کی ماہیت سے ان مذہبی اور سماجی رجحانات کا پتہ چلتا ہے جن سے ان کی تشکیل ہوتی نیز ان کے معماروں کی اس دل چسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کی بدولت اس زمانے کے سماجی حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ گیہائیں اڑیسہ میں بمونیشور ریوے اسپٹن کے مغرب میں تقریباً پانچ کسومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ ایک ایسی سڑک کے ذریعہ منسلک ہیں جن پر موٹریں چل سکتی ہیں اور مقامی بس نیز کسی بھی ذریعہ آمد و رفت کے ذریعہ پہنچا جاسکتے ہیں۔

یہ دو پہاڑیاں ایک وسیع بے برگ و گیدہ میدان میں اچانک ابھرتی ہیں اور ایک تنگ و تنے کا درجے سے ایک دوسرے سے جدا ہیں جس میں چھوٹے بمونیشور سے چند اکا۔ جانے والی تھامس سڑک گزرتی ہے۔

کھنڈ گری کی چھاڑیاں

سرکاری ریکارڈ میں پہاڑیوں کے اس نام سلسلے کو کھنڈ گری کا نام دیا گیا ہے لیکن مقامی روایت کے تحت اسے باس کے پہنچانے والے لوگ اس سلسلے کے بارے میں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔ شمال مشرقی سلسلے کو اودے گری یعنی علو چ آفتاب کی پہاڑی کہا

جاتا ہے۔ دوسرے کو کھنڈ گری یعنی شکستہ پہاڑی پکارتے ہیں۔ تیسرے سلسلے کا نام ہے "پنل گری" یعنی پنل پہاڑی اور چوتھے سلسلے کو دھول گری یعنی سفید پہاڑی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اودے گری اور کھنڈ گری الگ الگ پہاڑیوں کے اعتبار سے تو بنیاداً ایک سوگڑ چوڑی اور تنگ سی دادی کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ان چھاڑیوں کا مواد گونا گوں سافٹ کے کھدوے ریتیلے پتھر پر مشتمل ہے جو کہ بیشتر نرم، مسام دار اور آسانی سے کھدائی کے قابل ہے لیکن رصع سنگتراشی کے لئے موافق نہیں ہے۔ پتھر چونکہ چٹخنے والا ہے لہذا یہ گیہائیں جو کبھی پہاڑیوں سے مختلف اوجوں پر واقع مقامات پر تراشی گئی تھیں ان میں کم چروکستروں کا آسانی سے شکار ہو گئی۔

راجہ کھار یوہلا

ان گیہاؤں کی تعمیر کا کوشش کو کالنگا کے حکمران راجہ کھار یوہلا سے منسوب کیا گیا ہے۔ اسے چنید (جینی) خاندان کا ایک عظیم بادشاہ گردانا گیا ہے اور اس خاندان کو شاہی فخر اور کے ایک طویل سلسلے کا فخر حاصل ہے۔ وہ مہاسنگھ واپنی خاندان سے وابستہ تھا۔ اس کی مہارانی اور اس کے دو بیٹے کدب اور دو کو مہا پوری گیہاؤں کی نیکیں میں معاون رہے جو کہ اودے گری گیہاؤں کے سلسلے میں نوز درجہ پر ہیں۔ ماہرین تحقیق اس بات پر متفق ہیں کہ راجہ کھار یوہلا پہلی قبل از مسیح صدی میں کالنگا کے حکمران تھے۔

دونوں پہاڑیوں کی گیہاؤں میں کھدی ہوئی غریبیں کالنگا میں جین مت کی صورت حال پر روشنی ڈالتی ہیں۔ مقلع گیہاؤں کی غریبہ اشوٹ اور شروٹوں کے نیکیں بندگی سے آغا کرتی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ کھار یوہلا جینی تھا۔ راجہ گدی پر بیٹھنے کے بعد اس نے جین مت کا پیرو بن کر اسے مزید زور عطا کیا۔ اس کی دگ ورجے (علاقائی نئی یا انے شمال میں سمورا مغرب میں ستر و جی اور تیر پوری اور جنوب میں ساراویل گول جیسے نامے ہوئے مقدس مقام کا احاطہ کر لیا تھا۔ ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ جینیوں کے عظیم معبود کا لنگا مینا کو کھار یوہلا نے گودھ سے واپس بلا لیا تھا۔ مقلع گیہاؤں کی تحریر لکھنا ہنگ نامہ سراسر اس کے الفاظ کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور جینیوں کے روایتی پانچ لکھنا

کے مطابق ہے جنہیں جینی دستور کے اعزاز میں گھار پو پلانے لپٹا پاندا

گچھا گچھا

اودے گری پہاڑی میں اٹھارہ گچھائیں ہیں جن کے نام رانی گچھا، اگھی گچھا وغیرہ ہیں۔ اسی طرح کھنڈ گری پہاڑی میں چودہ گچھائیں ہیں جن کے نام تھوٹو گچھا، مہار گچھا، ایکادسی گچھا وغیرہ ہیں۔

اودے گری پہاڑی میں پہلی گچھا رانی گچھا اپنی بہت ہی خوبی سے تراشی ہوئی محرابوں بہت سی کوٹھڑیوں اور سانے کے کھلے چوکور کے اعتبار سے چٹانوں میں کھدی ہوئی معمری گچھاؤں میں اہم مقام کا حامل ہے۔ اس کی زیریں اور بالائی دو منزلیں ہیں۔ دائیں دروازے کے اوپر کی توسی محراب یکے بعد دیگرے آم اور پلینٹن کے پھلوں کے نقوش سے سجی ہوئی ہے۔ وہیل جن کے ساتھ بریل جڑے ہوئے ہیں دو برشیروں کے منہ سے نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ تھدی پراک محراب کا ستراج عنقریب محراب کا پھل حصہ۔ ممتاز جانوروں کے اگلے حصوں کے ساتھ طیفین کے ستونوں میں پیش کیا گیا ہے۔

درمیانی دروازے کی محراب پتھر میں تراشے ہوئے شہد کے چھوٹے اور ان کے مرکز میں مکمل طور سے کھلے ہوئے کنول کے پھولوں سے سجی ہوئی ہے۔ کنول کے یہ پھول دو لیٹے ہوئے ہاتھوں کے منہ سے نکلنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

سری ویشاکو ایک مقدس شگون کی صورت میں محرابی بندش کے اندر اندر محراب کی نوکلی چوٹی پر منقش کیا گیا ہے جس کا تاج "تھدی پرا" ہے۔ ٹھنی دار کنول کی کلیاں ابھرے ہوئے نقوش کی صورت میں دکھائی گئی ہیں۔ دو سنبڈرل وہاں موجود ہیں جن میں سے ایک مکمل اور دوسرا کدھا ہے۔ انسانی شکلوں کا ایک سلسلہ تراشا گیا ہے جو کہ اظہار عقیدت کے مختلف حوال میں معروف ہیں۔ داہنا پسو جس کا جنوب مغرب کی طرف رخ ہے اس میں ایک بڑا اور اکیلا حجرہ ہے جس میں داخل ہونے کا مقام استون دار برآمدہ اور سامنے ایک بیچ بنا ہوا ہے۔ حجرے کی اندرونی دیواریں، آرائش سے بے نیاز ہیں اور اس کی چھت تراش کر چھٹی بنائی گئی ہے۔ داخلے کے تین دروازوں کے دائیں بائیں مربع شکل کے ستون ہیں۔ دروازوں کے راستے اوسط

ساتر کے ہیں۔ ان میں جانے کئے گئے گھنٹوں کے پل پڑتا ہے۔ ستونوں کے سر پر سار اور پرندہ پیر شہر ہے۔ اونٹ چن چکر سہارے دار پتھر کی چوکی پر ہیں۔ دروازوں کے اوپر ایک محراب میں آرائشی نقوشا کندہ ہیں جن کے پچھلے حصوں کو جنگلے سے بنایا گیا ہے۔

انت گچھا

کھنڈ گری کی گچھاؤں میں انت گچھا چوٹی ہونے پر بھی بہت اہم ترین گچھاؤں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ گچھا ایک تنگ اور لمبے کمرے پر مشتمل ہے جس کے چار دروازے ہیں اور سانے کی طرف برآمدہ ہے۔ برآمدے میں تین ستون ہیں جو اپنے سروں پر تگے کعبوں سے چار راستے بنادیتے ہیں۔ ستون تین حصوں میں منقسم ہیں جن میں سے مرکزی حصہ آٹھ طرف ہے اور دوسرے دو حصے مربع ہیں۔ دروازے بڑے کمرے کی طرف لے جاتے ہیں۔ کمرے کی عقبی دیوار پر سیرھی دار تختے کے اوپر ایک "تھدی پرا" کھنڈ ہے جس کے دونوں طرف سیرھی دار تختے پر ایک تھوٹی سر والی علامت، ایک سر براتہ اور ایک سواستیک کا ایک ایک سیٹ بنا ہوا ہے۔ ایک ایکے تیر شکر کی شبیہ چمر دھاریوں اور دیا دھاریوں سمیت ان علامتوں کے گردہ کے قریب دیکھی جاسکتے ہیں۔

اس گچھا کا سب سے زیادہ دلچسپ پہلو یہی نظریات کو ظاہر کرنے والے سنگ تراشی کے نقوش اور ان آرائشی نمونوں میں موجود ہے جو محرابوں کے اندر کندہ ہے۔

برآمدہ ایک کھلے اور کشادہ معنی سے لگتا ہوا ہے جس کا سامنے کا حصہ شاید راہوں اور عقیدت مندوں کے آپس میں ملنے کی جگہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ گچھا کے دائیں طرف کا پیدل راستہ پہلے تو "دیوسجا" کا طرف جاتا ہے اور بعد میں اس نے بین مندر کی طرف جاتا ہے جسے پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کیا گیا ہے۔

موجودہ گچھائیں اپنی بوسیدہ حالت میں بھی اپنے مختلف حصوں ان کی کھدائی کی تکلیف اور ان کی انتہائی صورت عالی کے بارے میں بھی کافی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ جنگلے ایلروہ داروں کی شبیہیں محرابوں کے منقش حصے اور مازوں کے ستون آرائش کا حصہ ہیں لیکن بند

آرائشی عسبروں کے لئے جن نباتات کو استعمال کیا گیا ہے
ان میں شامل ہیں وہ درخت جو لینڈ سکیپ پینوں میں ہیں اور وہ
بیلین، پھل اور پھول جو دروازوں کے سرروں کے اوپر عمرانی بندوں کی
چھٹی سطحوں پر کندہ ہیں۔

حیوانات

حیوانات کی پیشکش کے بارے میں بیظام چھ کو نیم زمانے
کے عسبر ساز بہت سے قلم اقسام کے جانوروں کی جسمانی مسانت کا علم
رکھتے تھے۔ باغی اسلڈ اور شیر گھوڑے وغیرہ ابھی ہوئی نقاشی کے
پینوں کی صورت میں بریکٹوں پر کھدائی شکل میں دکھائے گئے ہیں۔ ان میں
سرس، ہنس، اوطوط، ناخاتیں بھی ہیں۔

راجہ کمار یو بلا کا دور حکومت واقعی امن و معاشی خوشحالی
کا زمانہ تھا جس نے عوام کی سماجی ذہانت کو تحریک و ترقیب دیا اور اودی
گھرے اور کھنڈ گری میں واقع تعمیراتی آثار کی تخلیق کو ممکن کر دیا۔
پہلی صدی قبل مسیح کے عوام کی زندگی میں بلوسات اور
زیورات میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ شاہی افراد، اہل اور عوام کے بلوسات
میں کوئی زیادہ فرق نہیں دکھائی دیتا۔ مردوں کی ایک لمبی دھوٹی 'اوپری
پوشاک' بھاری دستار 'شانہ پوش' کافن میں بھاری کندھوں اور سر پر
برج و حار تاج پر مشتمل تھا۔ خواتین کا لباس ایک ایسی دھوٹی پر مشتمل
تھا جو کمر پر بندھی ہوئی تھی اور جسم کے نیچے سے کوکھی اٹھتی تھی۔
لیٹی تھی۔ اوپری پوشاک دونوں شانون سے گزر کر پیٹھ کو چلی جاتی تھی۔
عورتیں بھاری پازبوں، چوڑیوں، بالیوں اور بالوں کی آرائش سے لدی
ہوتی تھیں۔

جنگی امتیادوں میں کمان، نیز، زرخش، تلواریں، نیزے اور
ڈنڈے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

تفریحات

عسبر سازی کے کئی پین مسیحی کی سنگت میں رقص
کی ترجمانی کرتے ہیں۔ استعمال میں لاتے جانے والے ساز کے نام
ہیں دینا، بانسری، ڈھول، مردنگ اور کھڑتالیں۔ رانی گھما میں ایک

تیراں اہمیت کے حامل ہیں۔
کھدائی کے طریقے اور ان میں سنگتراشی کے ڈیزائن
بنانے کا کام انہیں نمونوں کی تقلید کرتے ہوئے گھٹے ہیں جنہیں آج کے
معاصر اور فن کار اپناتے ہیں۔ پتھر اچھی قسم کا نہ ہونے کا وجہ ہے کھدائی
کرنے والوں کو مناسب مقامات کا پتہ لگانا پڑتا ہے اور اسی لئے بیشتر
گھما میں پہاڑیوں کے کناروں پر مختلف سمتوں اور بلند یوں پر واقع ہیں۔
ناہرین تعمیرات نے لازمی طور سے خصوصی ڈیزائن اور دیگر تفصیلات
کو حامل کوئی بنیاد کا منصوبہ تیار کیا ہوگا۔
یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک گھما کا ڈیزائن اپنا بنا باگ تھا کہ وہ
ایک کپڑے یا رہائشی مکان جیسے نئے جس کا برآمدہ کھلا ہوا ستون
دار ہو۔

فن تعمیرات

گھرے اور سامنے کے برآمدے کے عام دروازوں، راستوں
کھمبوں، ستونوں، پنچوں، طاقچوں، آرائشی پٹیوں اور منقش کھدائی کی
شبیہوں سے اس شہر کی تعمیرات کی صورت حال کا علم ہوتا ہے جو
اس علاقے میں گھماؤں کی تشکیل سے پہلے عموماً موجود تھی۔ رہائشی گاہوں
کو قاعدے کے ساتھ کوٹھڑیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے فرضی کو مناسب
سطح اور ڈھلان دی گئی ہے۔ حقیقی فوس دار یا چھٹی ہیں۔ دروازوں
کمر کیوں، دروازوں، برآمدوں، کھمبوں اور ستونوں کی تعداد بالکل مناسب
ہے۔ لینٹ، بریکٹس، انحرابیں، اچکے، کھلی جگہیں یا مہن بالعموم جہاں خردی
تھے وہیں تعمیر کئے گئے ہیں۔ سہولیات کے لئے باڑوں کے پانی کے لئے ناپاں
بٹھنے کے لئے پنج، سامان رکھنے کے لئے طاقچے وغیرہ تراشے گئے ہیں۔

کھنڈ گری کی کچھ گھماؤں میں عہد وسطی سے متعلق جینی قبر
منکروں اور سادہ پوئیوں کے بت موجود ہیں۔ جیسے اور آرائشی فن
بارے دو قسم کے موجود ہیں۔ پہلی قسم کے تحت آتے ہیں بڑے پینل جو
مقبول عام واسطوں، تاریخی واقعات، مذہبی تقریبات، رقص کے مظاہر
وغیرہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے تحت آتے ہیں افرادی پریرا
بریکٹوں کی شبیہیں، دیوار بھاری ستونوں کے منقش برآمدے اور آرائشی
ڈیزائن کا ایک سلسلہ۔

رقم پیش کرنا ہوا نقشبندی اہل حق کے لئے کشش کا باعث رہا ہے۔ اسے ہندوستان کی مسکرتہ اشی میں ایک مکمل منظر رقم تصور کیا جاتا ہے جس نے کہ اس زمانہ میں اس قدر عظمت حاصل کر لی تھی۔ برآمدے کے دائیں طرف چار درخت تھے موجود ہیں جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک سبز پتہ دائیں طرف کے سرے پر موجود شبیر بالہری بٹائی ہے۔ دوسرا تامل والا ایک درباب بچھا ہوا ہے اور اگلے دو افراد دھوپچی ہیں۔ رقامہ خود زرخیز و لائق حالت میں اپنے اکتاف فن میں پورے اعتماد کا اظہار کر رہی ہے۔ رقمیں موسیقی اور نکل کے پھولوں کی جھل میں کھیل کود کے علاوہ پینوں کا ایک سلسلہ کھیل میدانوں کے کھیلوں وغیرہ کی ترجمانی کرتا ہے جن میں انسان اور حیوانات دونوں حصہ لیتے ہیں۔ تیرکمان کے ساتھ ہرن کا ببر شیر کا نیزے اور دھال کے ساتھ اور اعلیٰ کا ڈنڈوں کے ساتھ شکار کرنا اور اس کے علاوہ آدمی اور ببر شیر و سانڈ کے درمیان لڑائی کے منظر بڑے زوردار انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

روزانہ استعمال میں آنے والے گھریلو ساز و سامان میں سے بستر پوش 'اسٹول'، بچے آسنے، کھڑے، بیٹھ، گھڑے جیسے برتن، ٹشٹروں، بیٹیاں، بڑے، پٹیکے، اچھاتے، ہار، بتیوں کے اسینڈلٹان، گچھلوں میں مٹی موقوفوں پر پیش کئے گئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا رتبہ ہندو معاشرہ میں خواتین سر عام آتی ہیں تو اپنے خاوندوں کے ساتھ رقص دیکھنے یا نہ ہی رقص میں شامل ہونے کے لئے آتی ہیں۔ ایسے پین موجود ہیں جو عورتوں کی ترجمانی رقص بلور رقامہ یا موسیقار کرتے ہیں بلکہ جو اعلیٰ ایک کر ببر شیروں کو مار کر اور پیروں پر تیرہ کر بلور افراد اپنی جسمانی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

رائی گھما میں کھدی ہوئی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیر زن آدمیوں، اچھاتوں، جھنڈوں اور پسریداروں پر مشتمل جمائیکوں کا اہتمام فحش کا جشن منانے کے لئے کیا جاتا تھا۔ مذہبی رقص، مزاحیہ مظاہرے، گانے، ناچ، راگ رنگ کے مظاہرے اور دعوتوں کا اہتمام بھی راجہ کھاریوید عوام کی تفریح کے لئے کیا کرتا تھا۔

گچھلوں میں کندہ تحریریں بڑے فن کے ساتھ راجہ کھاریوید کو دھاراجہ یا خوشحالی کے بادشاہ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ یہی خزانہ

سونا، چاندی، جوہر اور قیمتی پتھروں سے مجرور ہوتا ہے کہ ہر ایک خود ایک کی اسٹیو اور دیگر خوردہ اسٹیو سے سالانہ طور پر تحفہ پیش کی اور خوردہ اسٹیو یا پیکسین ذخیروں سے پیش ہوا ہر ایک ہوا ہوا قیمتی جہیزات، گھڑے اور اعلیٰ اور دیگر جہیزات کی شکل میں بے پناہ دولت کا ہوا اس وقت کی خوش قسمتی اور خوشحالی کی شہادت پیش کرتا ہے۔

ادے گری اور گھنڈا گری دونوں پہاڑیوں کی اہم گچھائیں اس دور میں جینی مبدوں کے طرح طرح کے تلوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ علامتوں، درختوں، تخت، سورج، دیوتا اور گچھائیں کی پرستش کی بدولت ظاہر ہونے والے جین مت کا کافی ثبوت گچھائوں کے مختلف پہلوؤں میں دیکھا گیا ہے۔ ادے گری اور گھنڈا گری کی گچھائوں جیسی عظیم تعمیرات میں حکمران خاندان بڑی دلچسپی رکھتے تھے اور وہ تعاون، تخت اور عقیدت کی روح جسے تمام پیشوں اور کاروبار کے لوگ بڑی مقدار میں پیش کرتے تھے ان سب کی وکاس کی گئی ہے تاکہ اس زمانے کی ثقافتی عمارت آئندہ کیلئے بھی ہمیشہ برقرار رہے۔

آفات ناگہانی کے شکار لوگوں

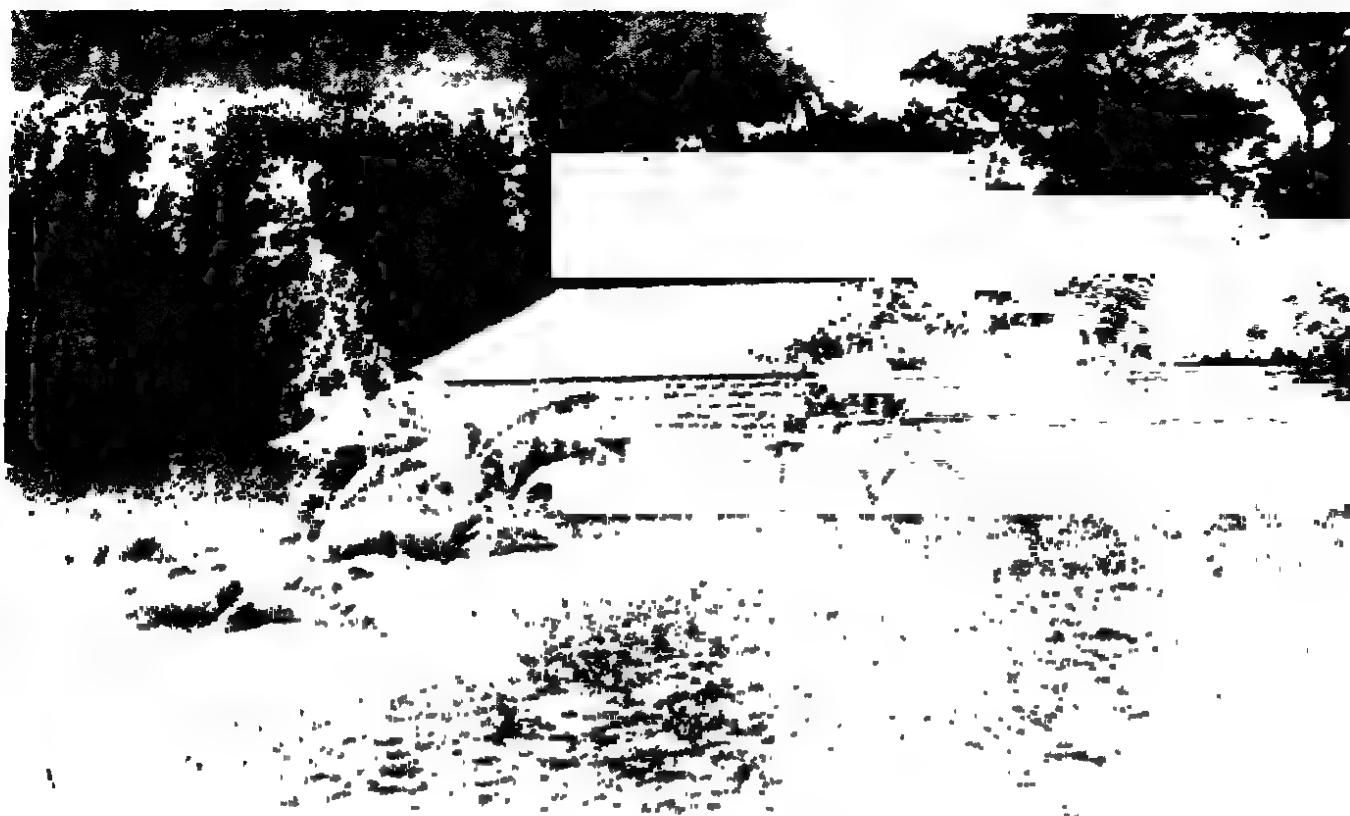
کے خاندانوں کو عطیہ

آفات ناگہانی سے مرنے والے لوگوں کے خاندانوں کو دئے جانے والے عطیہ کے سلسلے میں ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بے استحقاق عطیہ کے طور پر دی جانے والی رقم کو خاندان ۲۰۰۰ روپے سے بڑھا کر ۵۰۰۰ روپے کر دیا جائے۔

فقیر شہر کے تن پر لباس باقی ہے

امیر شہر کے ارماں ابھی کہیں تک

ساحر



کھربھا اسکول اور بادشاہی گرام، منڈاپور، سیلاب کی زد میں



تھوریج، ٹولڈاس

منڈ ٹوٹ گیا



آئینہ بک - I - خلیج ہوٹل میں سیلاب زدگان کو خوراک و دوا فراہم کیا جا رہا ہے





مغربی بنگال

پندرہ روزہ

کلکتہ

شرح خریداری

سالانہ تین روپے * اس خصوصی شمارے کی قیمت ۲۵ پیسے

ترسیل زر کا پتہ:

بزنس منیجر:

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر-این-کھوجی-روڈ-کلکتہ-۷۰۰۰۱

التوبہ انقلاب منبر

مدیر اعلیٰ: پروتین بھٹا جاریہ

مدیر: دھرنندراناتھ دت

مدیر معاون: مسعود اعظم

جلد نمبر ۳۳ * یکم دسمبر ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر ۲۱ اور ۲۲



پروفیسر سید نور الحسن، گورنر مغربی بنگال، ۱۳ نومبر ۱۹۸۶ء کو گریٹ ایسٹرن ہوٹل، کلکتہ میں پٹرولیم کنزرویٹو ریسرچ ایسوسی ایشن کے زیر انتظام تحفظ قرائن پر منعقد سیمینار میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔ تصویر: مدھو سدرن گھوش



عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب ۱۹۱۷ء

ارد: ای۔ کو مارو

اکتوبر انقلاب عام لوگوں کا انقلاب تھا کیوں کہ آبادی کے تمام محنت کش طبقے اس میں شامل تھے۔ محنت کش طبقہ اور اس کے سیاسی ہر اہل دستہ۔ کمیونٹ پارٹی نے اپنے ارد گرد روس کی تمام مظلوم قوموں کے لاکھوں لاکھ کمزور اور سیاہیوں کو اکٹھا کر دیا اور پھر اس پارٹی نے سرکار دارانہ نظام پر حملہ کرنے کے لئے ان کی سربراہی کی۔

جس شخص نے اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کا منصوبہ تیار کیا اور اس کے لئے فوجوں کو ابھارا وہ تھے وی۔ آئی۔ لینن۔ لینن بہت سرگرم انقلابی، سنجیدہ سیاست دان، بہت ہی اچھے پارٹی ناظم، ایک اچھے اسکالر اور بہت ہی دانش مند تھے اور ان کی سربراہی کی وجہ سے انقلاب کامیاب ہوا۔ لینن نے اپنی زندگی انقلابی جدوجہد کے لئے وقف کر دی تھی اور ان کی جتنی بھی تحریریں ہیں وہ سب انقلاب کے موضوع سے وابستہ ہیں۔ ان کی مکھی کتابیں 'پھٹلٹس' 'مضامین' 'تقریرات' اور پارٹی کی اور سرکار کی دستاویزات روس میں اشتراکیتی انقلاب اور نئے سماجی نظام کی تشکیل کی تاریخ سے گزر رہے ہیں۔

لینن مارکسٹ تھے۔ ان کے اور ان کے پیروکاروں کی نظر میں مارکسزم تو ایک عقیدہ تھا اور مارکس ان لوگوں کے لئے انقلابی اقدامات کے رہبر تھے۔ اکتوبر انقلاب نے روس کی خصوصی حالات میں مارکسزم کے تخلیقی اطلاقی کی مثال پیش کی۔

اکتوبر اشتراکیتی انقلاب ۱۹۱۷ء کے ۶۹ سال ہر چکے ہیں اور یہ تاریخی واقعات دنیا میں چلے گئے اور ان کے اثرات آج بھی ہم محسوس کر رہے ہیں۔ اس انقلاب نے عالمی انقلابی طریقہ کار کے لئے عوام کو بیدار کر دیا اور انہیں محرک بنا دیا۔ اس نے سرمایہ داری سے اشتراکیت

۱۹۱۷ء کے عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کو

ہمارے طوفانی دور کے تاریخی واقعات کے درمیان ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ اس نے بنیادی سماجی تبدیلیوں کا، جنہوں نے ہمارے سیارہ کی شکل کو بالکل تباہ کر دیا، سنگ بنیاد رکھا۔ تمام گزشتہ انقلابات کے برخلاف اس اشتراکیتی انقلاب نے عوامی حکومت لوگوں۔ محنت کش طبقے اور محنت کش کمزوروں کے ہاتھوں میں دے دی، انہیں نئے سیاسی اختیارات دئے اور محنت کشوں کے استحصال اور انہیں قومی اور سماجی نابرابری سے پاک اور آزاد، امن اور سماجی ترقی کے تصور کو فروغ دینے والے سماج کا سرگرم مہم بنادیا۔

عظیم اکتوبر انقلاب اسی وقت رونما ہوا جب عالمی سطح پر کی غریب بام عروج پر تھیں اور جن کی وجہ سے پہلی عالمی جنگ جھڑپ گئی۔ ۱۹۱۷ء میں اکتوبر انقلاب کے وقت عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں روس معاشی، سماجی، سیاسی، قومی اور تصوراتی لحاظ سے سب سے زیادہ کمزور تھا۔ روس کے سماجی تضادات بڑھتے گئے۔ کسانوں نے زمین کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ مزدوروں نے اپنے معاشی حالات کو برطرف پیداوار کے ذرائع اور اسباب کی سرمایہ دارانہ ملکیت کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کی اور دونوں اس خونریز جنگ کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ بورژوائی۔ جاگیردارانہ حکومت ملک کے کسی بھی مسئلہ کو حل نہ کر سکی۔

ان تمام باتوں نے روس میں ایک انقلابی صورت حال پیدا کر دی جب کہ بھول کارل مارکس، امام لوگ پرانے طرز پر اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے اور جن کے لوگ پرانے طرز پر اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے۔

بقیہ: لیٹن کے تعلیمات

لیٹن کا اہم علمی تعلیم کیونستپارٹی کی بابت تسلیم ہے۔

ان کی تعلیم کے مطابق یہ ایک تمام قسم کا انقلابی پروٹاری پارٹی ہے۔ یہ ایک ایسی پارٹی ہے جو ریاست اقتدار حاصل کرنے کے لئے محنت کش لوگوں کی جدوجہد کی رہبری کر سکتی ہے۔ تاریخ میں پہلی بار ان کی تشکیل کردہ پارٹی نے مارکسی نظریہ کو عمل سے ہم کن کر کے روس میں اشتراکیتی انقلاب کی سربراہی کی اور اسے پارٹیکل تک پہنچایا۔ اس مثال سے بے شمار ملک میں کیونست پارٹیاں عالم وجود میں آئیں۔ فی الحال ۱۰۰ ملکوں میں کیونست پارٹیاں سرگرم عمل ہیں اور ان کے آئندہ کردہ مہمراں ہیں جو محنت کشوں کی مزاح و بہبود کے لئے جدوجہد کئے جا رہے ہیں۔

بہت سے ملکوں کے انقلابیوں کے لئے جمہوریت اور اشتراکیت کے لئے جنگ میں پروٹاری طبقہ کے معاہدے سماجی نجات اور قومی آزادی کے مطالبہ حاصل کردہ انقلابی سہولتوں کے ساتھ پرامن طریقہ سے رہنے کے اصول کی بابت لیٹن کے نظریہ بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔

اشتراکیت اور کیونست کی تشکیل کے طور و طریقہ کے علم نے لیٹن کی علمی تخلیقی سرگرمیوں کو جلا بخشی۔ لیٹن نے جو سے زائد برسوں تک اشتراکی سماج کی تشکیل کی رہنمائی کی۔ ان کے تصورات کو حقیقت کا جامہ پہنا کر روسی عوام نے کیونست پارٹی کی رہنمائی میں متحدہ اشتراکیتی روسی ری پبلک کی سر زمین پر ایک اعلیٰ ترین ترقی یافتہ سماج کی تشکیل کی ہے۔ جو معاشی طور پر مستحکم ہے، جو سائنس اور ترقی کے میدان میں بلند پایہ کو چھو رہا ہے۔ جہاں حقیقی جمہوریت رواں دواں ہے اور جہاں ایک انسانی زندگی کا رفا ہے۔

موجودہ دنیا میں لیٹن کے نظریہ کا اثر بڑا بڑا اثر ہے پھیل رہا ہے ایک ہائی انان جو آج اشتراکیت کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے۔ یورپ اور ایشیا امریکہ اور افریقہ کے ملکوں میں اشتراکیت کی تشکیل ہو چکی ہے یا اس کی کامیاب تعمیر کے لئے سنگ بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ جیسے رفتہ رفتہ تقویت مل رہی ہے۔ روح اور قوت جو لیٹن نے اپنے تصورات اور زبردست سرگرمی کے ذریعہ ترقی کے ایجنڈے میں ڈالا ہے وہ ضرور پل لائے گا۔

کی طرف منتقلی اور صدیوں پرانے نوآبادیاتی نظام کے زوال کے ذریعہ ایک نئے تاریخی دور کا آغاز ہو گیا۔ دنیا کی صورت بدل گئی۔ ایک عالمی اشتراکیتی نظام رونما ہوا اور یہ نظام مستحکم ہونا جا رہا ہے اور آج سماجی ترقی میں اس نظام کو کافی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اب عوام کی قومی آزادی تحریک بہت ہی وسیع ہو چکی ہے۔ نوآبادیاتی حکومتیں منہدم کر دی گئیں اور ان کے تختہ رات پر نئی سماجی سستیں نمودار ہو رہی ہیں۔

عظیم اکثر انقلاب کے تصورات اور کامرائیوں کو ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک بھی محسوس کرنے لگے، ان ملکوں میں سماجیت کو دور کرنے کے لئے محنت کش لوگ متحد اور منظم ہو چکے ہیں اور جمہوری اور اشتراکیتی اصلاحات کے لئے محنت کش لوگ برسرِ پیکار ہیں اور جہاں اشتراکیتی اور مزدوروں کی جماعتوں کے اثرات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ آج سماجیت کے خلاف ساری انقلابی تحریکیں ایک دوسرے میں غم ہو کر متحدہ جہاد پر نبرد آزما ہیں۔

اکتوبر انقلاب نے بین الاقوامی تعلقات میں بنیادی تبدیلی لائی۔ آج دنیا کے تمام ملکوں میں لاکھوں لاکھ افراد اکتوبر انقلاب کے تصورات سے واقف ہیں اور بہت سارے ممالک میں یہ معاشی، سیاسی اور سماجی مسائل سے دوچار ہیں۔ ان تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے اکتوبر انقلاب کو ایک مشعل راہ بن چکا ہے۔

اکتوبر انقلاب کے برسوں میں سرمایہ دارانہ نظام اور عالمی ترقی کی ضدوں کا مطالعہ کرتے ہوئے لیٹن نے بار بار انقلاب کے مسائل کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے اس بات کی نشاندہی کی کہ سرمایہ دارانہ ملکوں کی ناہموار معاشی اور سیاسی ترقی اشتراکیت کی ایک یا کئی ایک ملکوں میں ترقی کی جا سکتی ہے۔

بقول لیٹن اکتوبر انقلاب بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا اثر نہ صرف عالمی انقلابی تحریکوں پر براہِ راست پڑا بلکہ بالائیوں میں لے کر حکمت عملی کا ایک نمونہ بھی بن گیا۔ انہوں نے اکتوبر انقلاب میں دیگر ملکوں میں مستقبل میں رونما ہونے والے انقلابات کا عکس دیکھا ہے۔

کل ملاوٹ تو زلفیں نری سلجھاؤں گا
آج لجا ہوں ذرا وقت کے سلجانے میں

عظیم اکتوبر انقلاب

اول

ہندوستان

از: اے۔ ڈی۔ لٹمین
ڈاکٹر، فلسفہ

(۱) عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کا بنی نوع انسان اور ان کے مستقبل پر کتنا زبردست اثر پڑا ہے یہ بات آج کے دنوں کی گہری سماجی تبدیلیوں اور تیز تر سیاسی طریقہ کار سے عیاں ہو جاتی ہے۔ ۶۸ سال قبل روس کے کسانوں اور مزدوروں نے جو شمع روشنی کی تھی اسکی کو ۱۹۱۷ء کے اہم واقعہ کے بعد سے آج بھی ساری دنیا کو کم و بیش منور کر رہی ہے۔

ایشیائی اور اتر میں قوموں کی آزادی کے لئے قومی تحریکیں اور اس کے ساتھ ساتھ سامراجیت کے شرناک نوآبادیاتی نظام کا انہدام تو عظیم اکتوبر اشتراکیتی انقلاب کے عالمی تاریخی نتائج تھے۔ اکتوبر انقلاب کے عظیم نعتب العین اور ملیح نظر ہندوستان پر بہت گہرا اثر پڑا۔ ہندوستان برہمن سامراجیت کا سب سے بڑا کالونی تھا لیکن یہاں قومی آزادی کی تحریک اور جدوجہد کافی مرکز اور مستحکم ثابت ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے مجاہدین سوویت حکومت کے فرمانوں سے

اس کا فرمان، آراضیات کا فرمان، روس کی قوموں کے حقوق کا اعلان ہے۔ سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو ان قانونی ایکٹس میں جنہوں نے اکتوبر انقلاب کی کشتی میں جنم لیا۔ امن، آزادی، مساوات اور ترقی کی بابت لاکھوں لاکھ منطوق محنت کش لوگوں کے صدیوں پرانے خوابوں کی تکمیل نظر آئی۔ ہندوستان اور دیگر کالونیوں کے لوگ اس واقعہ سے زبردست متاثر ہوئے اور عالمی تاریخ میں پہلی بار نئی سوویت حکومت نے سرکاری طور پر کالونیائی نظام کی محنت کی کو یہ جہاز اور غیر قومی نظام نے قومی آزادی کا خریٹوں کی صحیح نوعیت کی شناخت کی اور روس میں رہنے والی تمام قوموں کی مکمل آزادی

اور مساوات کا اعلان کیا۔ اس سے قبل وزارت شاہی روس کے ٹرانس کوکیشیا، مرکزی ایشیا اور شمال میں رہنے والے روسی باشندوں کو شدید کالونیائی نظام کا نشانہ بنایا گیا۔

روس کی قوموں کے حقوق کے اعلان کا ذکر کرتے ہوئے شہر ہندوستانی مورخ اور سفیر کے۔ ایم پانیکرنے بعد میں یوں لکھا کہ "یہ اعلان تو ایک دھماکہ ہے جس نے آزادی کے لئے جدوجہد کر کے والی تمام ایشیائی قوموں کے دلوں میں نیا امیدیں اجاگر کر دیں۔

یہ توقعاتی بات ہے کہ ترقی پسند ہندوستانی سیاست رہاؤں، مفکروں اور ادیبوں نے اکتوبر انقلاب میں اپنا اپنا دل حبس کیا، انہیں ریلیاں، مشہور جواہر لال نہرو کے الفاظ میں "اشتراکیتی نظریات اور روسی انقلاب کے اثرات نے چارے سوچے و چار کو زبردست تحریک بخشتی؟ کالونیائی اور سامراجی طاقت اس بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ روک سکی۔

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد پر اکتوبر انقلاب کا ایک نمایاں اثر یہ ہوا کہ یہاں کی "سامراجیت کے غلات، جدوجہد کر۔ والی قوموں نے اپنی انقلابی اتحاد کو مستحکم بنایا۔

ہندوستان کے قومی انقلابیوں نے شروع سے ہی سوویت روس کے ساتھ ہندوستانی سامراج دشمنی تحریک کو ملا دینے اور روس کے لوگوں کی باہمی دوستی کے لئے پہل کی۔

اکتوبر انقلاب کے براہ راست شرکت کے وقت ہندوستان کی آبادی کی بڑھ اکثریت نے قومی آزادی کی جدوجہد میں شرکت کی۔ بٹھریا نگرانی، عدم تشدد اور عدم تعاون کی تحریکوں نے سارے ملک کو اور بھارتی حکومت

کو ہار کر رکھ دیا۔ اس عوامی و بھونے اچھی طرح باخبر تھے۔ بہت ساری کاد ویز میں اس سوال پر اہم۔ ایندرا نے اس کے ساتھ بات چیت سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ لینن نے سارا جیت کے خلاف ہندستان کے لوگوں کے سربراہوں کی خدمات کو سراہا۔

ہندستان کے انقلابی اس کے معنی تھے کہ وہ ماسکو میں اور اپنی آنکھوں سے وہاں اکتوبر انقلاب کی کارایہوں کو دیکھیں۔ دسمبر ۱۹۱۸ء میں دہلی میں منعقدہ ایک نشست میں ہندستان کے لوگوں کی طرف سے سوویت روس کو مبارکباد پیش کی گئی۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں چند ہندوستانیوں پر مشتمل ایک وفد ماسکو پہنچا اور اس نے وہاں آل یونین سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے صدر بے۔ ایم۔ سویتو کو خصوصی میوزم پیش کیا۔ اس میوزم میں یہ کہا گیا کہ برطانیہ کی تمام کوششیں کے باوجود قوموں کی خود مختاری کا نعرہ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اسی وفد کے ایک ممبر بریڈینر جبار نے کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ روسی انقلاب نے ہندوستانیوں کے دلوں میں نئی امید کا دیار روشن کر دیا ہے اور جدوجہد کے ایک نئے طریقہ کار سے انہیں روشناس کرایا ہے۔ بعد میں ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو مشہور ہندوستانی انقلابی رہنما برکت اللہ نے ماسکو کے اخبار ازوبستیا لنگو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ہندوستانیوں کے لئے سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سوویت روس نے زار اور سامراجیوں کے عائد کردہ غلام بنانے والے تمام معاہدوں کو منسوخ کر دیا ہے اور قوموں کو اپنی اپنی حکومت منتخب کرنے کی کھلی آزادی دے دی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسی ایکٹ نے ایشیا کے استحصال کے شکار تمام قوموں کو سوویت روس کے ارد گرد متحدہ طور پر لا کھڑا کر دیا ہے۔

۱۹۲۰ء کے اوائل میں ہندستان کے انقلابیوں نے ماسکو کے پاس تہنیت کا ایک پیغام بھیجا جس میں انہوں نے روس کی قوموں کے حقوق کے اعلائیہ کو کافی سراہا۔ ہندوستان کے انقلابیوں نے سوویت حکومت کے سربراہ وی آئی لینن کو یہ تیا کو انگریزیوں کی تقسیم کردہ اور حکومت کردہ پالیسی کے برعکس، قومی آزادی کی جدوجہد کے دوران ملک کے تمام جماعتی و قومی طاقتوں کو سارا جیت کے خلاف متحد کیا جا رہا ہے اس خبر کے بعد مولوی نے لینن سے ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء کو یوں جواب دیا:

یہ سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ خود مختاری کے اصولوں اور طریقوں اور روسی سربراہی دلوں کے استحصال سے جیسا کہ مزدوروں اور کسانوں کی ری پبلک نے دیکھا گیا ہے، مظلوم قوموں کی نجات اور آزادی پر قومی یا فتنہ ہندوستانیوں نے دل و جان سے خوش آمدید کہا۔ ہندوستان کے عوام بھی آزادی کی حصول میں بہت ہی بہادری کے ساتھ جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہم اس بات کی پر غور امید کرتے ہیں کہ یہ اتحاد مشرق کے تمام محنت کشوں کے درمیان پھیل جائے اور مستحکم ہو جائے۔

روس میں انقلاب نے ہندوستانی مجاہدان وطن پر یہ حقیقت عیاں کر دی کہ محنت کش لوگ خواہ ان کا کتنی بڑی طرح سے استحصال کیوں نہ کیا جائے، محظور نہیں یا ان میں طاقت نہیں ہے یا وہ سب بے کس اور بے بس ہیں، متحدہ طور پر یہ سب آزادی لانے والی ایک زبردست فوج بن جاتے ہیں، جنہیں سارا جیت اور کالونیائی طاقتیں روک نہیں سکتیں۔ سوویت روس کے تجربات نے قومی آزادی کی تحریک کے سربراہوں کو اس بات سے مطمئن کر دیا کہ سبجوں کی سیاسی، سماجی مقاصد ایک ہیں اور مستحکم ہیں؟ انہوں نے اس بات کا احساس ہوا کہ صرف سورا جی ہی کافی نہیں بلکہ معاشی اور ثقافتی پس ماندگی کو دور کرنے کے سلسلے میں غربت اور بھوک، جو فوجیاتی نظام سے لاکھوں لاکھ ہندوستانی محنت کشوں کو دراشت میں ملی ہیں، کو دور کرنے کے سلسلے میں سماجی۔ معاشی تبدیلی لانے کے لئے یہ پہلا قدم ہے۔

ایک عظیم انقلاب ہندوستان کی قومی آزادی کی تحریک کی انتہا پسندی، اس کی سماجی بنیاد کی لامتناہی توسیع اور ایک آزاد سیاسی طاقت کی طرح پروتاریت کے لئے اہم اقدامات نے مشرق میں جہاں اکتوبر انقلاب کے اثرات کے تحت سارا جی دشمن جدوجہد خاص طور پر کافی تیز ہو گئی تھی کالونیوں اور ماتحت ملکوں کے لئے صفِ اول کی رہنمائی کا کردار ادا کیا۔

لینن کی نظر میں ہندوستان ان عظیم ایشیائی ملکوں میں سے ایک ملک تھا جسے سارا جیت کے کالونیائی نظام کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنے کے لئے بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑا۔ قومی آزادی کے لئے ہندوستان کے عوام کی جدوجہد کا تاریخی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لینن نے اپنی عمر کے آخری دنوں کے ایک مضمون میں وی آئی لینن کی آخری تقریر میں

۱۹۲۰ء

لینن

اور

ہندوستان

از: ڈاکٹر لے۔ لٹمن

اس سال سوویت روس کے عوام اور تمام ترقی پسند لوگ عظیم منکر اور انقلابی تمام محنت کشوں کے سربراہ اور معلم ولادیمیر لینن کی ۱۷ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے عظیم اکتوبر اشتراکینی انقلاب کی تاریخ ساز فتح میں لینن ازم کے جو نمودرات اور مطمح نظر پوشیدہ تھے، اندر بھی ترقی کے ہر دور نے ان کی افادیت کی تصدیق کر دی ہے۔

لینن کی انقلابی تعلیم تو اب معلوم ہوا ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی صدیوں سے علم کے خزانہ سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ وہ ہمیشہ سائنسی نقطہ نظر سے عالمی اور کاملاً موعود کیا کرتے۔ ساری دنیا میں محنت کش طبقہ کی عالمی قریب، قومی آزادی کی جدوجہد اور سماجی، سیاسی اور فلسفیانہ تصورات کی کامیابیوں کا جائزہ لیا کرتے، ان کا تجربہ کرتے اور اس کے بعد ہی کچھ فیصلہ کرتے۔ ایسا کرتے ہوئے لینن نے ابھیاری کی بیداری کی طرف خصوصی توجہ دی۔ یہ بیداری اس وقت رونما ہو رہی تھی جب وہ باحیات تھے اور مشرقی ممکن کی خصوصی سماجی، معاشی حالات، ثقافتی اور تاریخی روایات اور مطمح النظر سے یہ بیداری وابستہ تھی۔

لینن نے ہندوستان میں بہت زیادہ دلچسپی لی، کیوں کہ اس وقت یہ سب سے بڑی کالونی تھا۔ ہندوستان کو برٹش راج میں شدید استحصال اور ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا۔ اسل با توں کی روشنی میں لینن نے اپنی تیسری مرتبہ کی میں میں انہوں نے سماجی نظام کو سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے اعلیٰ اور بدترین نمونہ تسلیم کیا اور نوآبادیاتی سوالات پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

سماجیت کی کالونیائی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس کے ظلم و ستم کی مذمت کرتے ہوئے لینن نے ہندوستان میں رونما ہونے والے واقعات اور ہندوستان کی ترقی پر اظہار کیا۔ ہندوستان کی قومی آزادی تحریک کا اور عوام کے خلافت حکمران انگریزوں کے ظلم و ستم کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے معنون "عالمی سیاست میں آتش گیر مادے" میں یوں لکھا: "کچھ عرصہ میں ہندوستان میں جہاز برٹش سرمایہ داروں کے یہی غلام اپنے آقاؤں کے لئے درمیان میں بن گئے ہیں۔ ہندوستان میں حکومت کے برٹش نظام کے نام پر رکھے جانے والے لوٹ کھسوٹ اور تشدد کی کوئی انتہا نہیں ہے۔"

لینن نے اشیاء کی بیداری میں ایک اہم نوعیت کا ذکر کیا۔ اور وہ یہ کہ قومی اور سماجی آزادی کے لئے عام لوگوں کی جدوجہد میں مسلسل برہمتی حق تسلیم اور اتحاد ہے۔ پھر انہوں نے ہندوستان کو قومی تحریک آزادی کے تجربہ کے مثال کے طور پر پیش کیا۔ انہوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ جب سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف عوام بیدار ہو جاتے ہیں اور سیاسی جدوجہد شروع کر دیتے ہیں تو نوآبادیات کے حکمران ظالم بن جاتے ہیں اور باضابطہ "جنگل خان" کا کردار ادا کرنے لگتے ہیں۔ بی۔ جی۔ تلک کی دفاع میں کی گئی متعلم مہم کی طرف لینن نے خصوصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں تو انہوں نے یوں لکھا: "ہندوستانی جمہوریت پسند تلک کو برٹش کے گیدڑوں نے سزا دینے کا اعلان کیا، اس سے جیتی کی سرگرمیوں پر مظاہرہ کئے گئے اور پوچھا گیا کہ اس مثال کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ہندوستان میں سرمایہ دارانہ نظام ابھی اور سیاسی رہنماؤں کے لئے تیار نہیں کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید لکھا کہ ہندوستان میں سرمایہ دارانہ نظام ابھی اور سرمایہ دارانہ سرشت پر مبنی ہے۔"

"لینن" ایک دور اندیش عالم نے ہندوستان اور دیگر نوآبادیاتی
 ملکوں میں رونما ہونے والے واقعات میں نوآبادیاتیوں اور محکوم ملکوں میں
 سامراجیت کے خلاف بڑھتی ہوئی جدید جد کے امکانات دیکھے۔ ۱۹۱۳ء
 میں اپنے ایک مضمون "کولنیاں کی تنظیم کی تاریخی منزل" میں انہوں نے اس
 بات پر زور دیا کہ دنیا کی کئی طاقت عوام کی، جو کہ دنیا کی تسلط کے خلاف
 اٹھ کھڑے ہو رہے ہیں، بہادرانہ جہاد کی جدید جد کو پرے نہیں رکھ سکتی۔
 عظیم اکتوبر انقلاب کے اثر کے تحت مشرق کے محکوم ملکوں
 میں سامراجیوں کے خلاف بہت ہی مرکز اور مستحکم جدید لینن کی پیشین گوئی
 کا تصدیق کرتی ہے۔ انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ پہلی سامراجی
 جنگ اور دوس کے انقلاب نے محکوم اور غیر محکوم ملکوں میں ناکوں لوگوں کو
 عالمی سیاست کا سرگرم رکن بنادیا اور اس طرح انہوں نے سامراجیت
 کے نوآبادیاتی نظام کو انقلاب کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔
 ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیان والا باغ اور تیسری ہزاروں
 ہفتے ٹوگول پر 'جوداں ایک جلسہ کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے' انگریز کے فوجیوں
 اور پولیس نے گولیاں چلا دیں، جن سے ہزاروں لوگ مارے گئے۔ اس سانحہ کی
 خیر دستاویزات سے ظاہر ہے، لیکن "کوآرٹ بازار پریکا" انگریزی
 اخبار سے ملے۔ انہوں نے فوراً جاریہ ماحول کی جتنے مظاہرین پر اس جونک فلم
 کی پرزور مذمت کی۔ انہوں نے ذاتی طور پر اور سودیت حکومت کی طرف
 ہندوستان کے لوگوں کے نام ایک تعزیتی پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس بات کی پیشین
 گوئی بھی کی کہ اگر تیس سال قبل عام کے بعد اب عوام کی جھلک نہ ملے کہ اس لئے
 آئے گی۔

بلاشبہ اس کے فوراً بعد سامراجیت کے خلاف عوام نے
 جود پر دست اندازت کئے ان کا وجہ سے کانوٹائی اور محکوم قوموں کی قومی
 آزادی کی تحریکوں کا ہندوستان سربراہ بن گیا۔ ۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو
 کمیونسٹ انٹرنیشنل کے جسے کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے لینن نے
 کہا تھا "برٹش ہندوستان ان ملکوں کا سربراہ ہے۔" بیان ایک طرف صنعتی
 اور ربرجوسے پروڈاکٹس کی افزائش سے اور دوسری طرف برٹش کی دشمنانہ
 نظریہ جیسے اتر سر میں قتل عام وغیرہ میں اٹھانے سے اسی تناسب میں
 انقلاب کی شوق کا ہر رہی ہے۔

لینن نے ہندوستان میں سامراجیت کو نکال باہر کرنے کیلئے

ہندوستان کے عوام کے لئے گئے اندازت کو کافی سراہا، لیکن کو انہی تحریکوں
 کے پس پردہ ہندوستان کی عظیم ہستیاں بھی برسرِ میل نہیں
 ہندوستان کے لوگوں کی اپنی قومی و سماجی آزادی کے لئے
 مستحکم جود کرنے کے لئے بیداری کو خوشامیڈ رکھتے ہوئے لینن نے کہا
 تھا کہ ان کی کامیابی کا انحصار براہ راست عوام کے اتحاد اور خطاب پر
 ہے۔ ایک ایسی صورت میں جہاں کانوٹی کے حکمران تقسیم کردار حکومت
 کر کے اصول کے تحت خاص طور پر ہند اور مسلمانوں کے درمیان مذہبی
 اور مذہبی دارانہ فسادات کی آگ کی پھیر دکا رہے ہیں اور اس طرح ہندوستان
 کی قومی آزادی کی تحریک کو گمراہ کرنے اور فوڈنگ کو شش کر رہے ہیں۔
 سامراجیت کے خلاف ملک کی طاقتوں کے اتحاد کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔
 لینن نے قومی آزادی اور سماجی نجات کے کام میں عوام کے
 طبعی اور انقلابی شعور کو ادھر بھی اجاگر کرنے پر بہت زیادہ زور دیا
 ہندوستان کے محنت کش لوگوں کو بیدار کرنے میں لینن ازم کے تصورات
 نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا، کیوں کہ اس وقت عظیم اکتوبر اشتراکیتی
 انقلاب کی فتح کے بعد ہندوستان میں لینن کے تصورات عام ہو گئے
 تھے۔ ان تصورات نے ہندوستان کے محنت کش عوام پر انقلابیوں پر بجا ہونے
 آزادی پر گہرا اثر ڈالا۔ ان تنظیموں کے بہت سارے اہم قائدوں نے
 لینن کے تصورات کو تسلیم کیا اور لینن کی بہت تقریریں بھی کی۔ ان لوگوں
 نے سامراجیوں کی لینن کے خلاف انفراردازی اور جھوٹ کے پروپیگنڈے
 کا موثر طور پر مقابلہ کیا۔ اکتوبر انقلاب کے نہیں پیچھے رہے لینن اور جمہوری
 ۱۹۱۸ء کو بھیجی کرڈیکل نے ایک مضمون بعنوان "لینن — ایک انسان
 اور اس کی منزل" شائع کیا۔ اس مضمون میں لینن کے کام کی کامیابی پر
 اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ اسی سال کے جنوری کے آخر میں ملک کے کساری
 اخبار میں روسی رہنما لینن کی بابت ایک ادارتی شائع کیا، جس میں لینن
 کی بابت برٹش حکام کے جوئے الزامات کی دھجیاں اڑا کر رکھی گئیں۔
 لینن کا نام ہندوستان اور دیگر ملکوں میں بہت ہی مقبول بن چکا ہے
 لیکن کوئی نام ہندوستان کے نام لینن کی گولڈ اور تقابلیہ لوگوں کی آزادی، انصاف اور
 ترقی کا علمبردار ہے اور لینن کی تقسیم نے تمام انصاف کی قومی اور سماجی جبر سماجی نا انصافی اور
 استحصال کو دور کرنے اور علم اور جنگ کے ذریعہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے لئے
 صحیح راستہ کی نشان دہی کی ہے۔

از: ڈاکٹر سٹوڈ پیٹری کاٹے ماکو

النسائے کی زندگی میں تیس سال ایک محقر مدت نہیں ہے۔
 یہاں افسوسناک عرصہ ہے جسے قسمت نے دی۔ آئی لینن کو ہزاروں کتابوں،
 مضامین، رپورٹوں اور مباحثات کی تصنیف کے لئے عطا کیا گیا۔ ان کی یہ
 تصانیف جو آج ہم تک پہنچیں ان کی اعلیٰ نظر پائی دراشت ہیں۔ ۳۴۰۰۰
 سے زائد لینن کے خطوط و دستاویزات مارکسزم و لینن ازم
 کے ادارہ ماسکو جو سی۔ پی۔ ایس۔ یو مرکزی کمیٹی کے تحت ہے، میں
 محفوظ ہیں۔ ان کی چند تصانیف اور تخلیقات ۵۵۰ جلد پر مشتمل لینن
 کی تصانیف کا مجموعہ کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ ان کی تصانیف
 ملبورہ کتابوں اور کتابوں کی شکل میں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کی مضامین
 کے ۳۹ جلد اور ان کی سوانحیات کے مباحثات کی ۱۲ جلدیں بھی
 شائع ہو چکی ہیں۔ لینن کی تصانیف لاکھوں کی تعداد میں نہ صرف روس
 میں بلکہ روس کے باہر بھی درجنوں ممالک سے ۱۳۴ مختلف زبانوں میں
 پہنچ چکی ہیں۔

لینن کے انتقال کو اکٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن آج بھی عالمی معاملات سے متعلق لینن کے نظریہ کے اثرات زائل نہیں ہوئے ہیں۔ دنیا کے سیاسی نقشے پر جہاں اشتراکیت کی سرمد وسیع ہوتی جا رہی ہے وہاں شہنشاہیت کا میدان تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ آج پہلے سے زیادہ لوگ وی۔ آئی۔ لینن کی ۱۱۵ ویں یوم پیدائش مناتے ہیں۔ وہ ایک شاندار نظریاتی عالم، حکمت عملی کے ایک عالم، بروٹاری دنیا کے ماہر معاشیات اور سوسیالیزم اور دنیا کے پہلی اشتراک ریاست کے بانی تھے۔

لینن کی تعلیمات میں مفاد پرستی اور پرکشی مضموعات کہاں موجود ہیں؟ ایک سرخرو دھماکے کے ایک مشہور مصنف مارٹن اندرسن

نیکو نے تمثیلی انداز میں اس کی تشریح کی کہ لیکن انسانی دنیا میں
پر جہاں گئے ہیں۔ اس نے مزید کہا کہ "پھر دنیاوی کی جدوجہد اور آزادی کو ایک
نئی وسعت ملی۔ اب مزدور طبقہ کی تحریک کو دیادینا ممکن نہیں تھا۔
لیکن نے انسانی طاقتوں میں روح پھونکی جو "سوشلزم" کا نام لے کر
جدوجہد کرتی ہے۔ لیکن نے اپنی ساری زندگی پر تئاریت اور مظلوم
لوگوں کی سماجی نجات اور مرنے والوں کی "سوشلزم" کے سلسلے میں جدوجہد کرنے
کے لیے "سوشلزم" کے نام پر "سوشلزم" کے نام پر "سوشلزم" کے
پرورش انقلابی واقعات کو نام اور ان کے نظریے سے موسوم کئے
جاتے ہیں۔

لیفٹننٹ گورنر کے آفس میں سیاسی سطح پر سائنسی کمیونزم کے مالٹا کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس کے ایک رنڈا اور اس گروہ کی حیثیت سے اصرار۔ انہوں نے ان تمام باتوں کا مطالعہ کیا جو عالمی انقلابی تصور کی تخلیقات تھیں۔ انہوں نے مارکس کے تصور کا تمام اجزاء کو۔ فلسفہ سیاسی حیثیت اور سائنسی کمیونزم کو یکجا کیا، انہیں فروغ دیا اور انہیں اپنے تصورات سے مالا مال کیا۔ ان میں سائنسی دہرائز کی ایک زبردست قوت تھی۔ یہ وجہ ہے کہ آج بھی ان کی اصطلاحات نظریے اور شاخ عالمی تئاری کی اہمیت کے حامل ہیں۔

تصوراتی اختیار کو لیٹنے نے جلد بخشی تھی اور جسے
انقلابیوں کی متعدد رشتوں نے استعمال میں لایا اور جو آج بھی موضوعاتی
ہے۔ اور بہت وسیع ہے۔ شبث شامیت، اشتر اعظمی انقلاب اور ولایت
کو سیاسی اقتدار کی جھولیوں پر لیٹنے کی تعلیمات تمام ملکوں میں سماج
نجات اور قومی آزادی کے لئے جادوین کے عظیم تصوراتی اور نظریاتی
اختیار بن چکی ہیں۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء روسی انقلاب

از: ایم۔ اے نسیم

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے رونما ہونے کے قبل تک بہت ساری سیاسی پارٹیوں کو اس بات کا یقین نہ تھا کہ روسی انقلاب رونما ہوگا۔

اس سلسلہ میں اشتراکیتی انقلابی پارٹی کے سربراہ مسٹر وی۔ زیمنوف نے ۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو ایک رسالہ ”ڈیپلوتا رودا“ (لوگوں کے گناہ) کے پہلے شمارہ میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں یوں لکھا:

”یہ انقلاب ہماری طرح یکایک رونما ہو گیا اور اس نے نہ صرف حکومت کو بلکہ ”ڈوما“ (روسی پارلیمنٹ) اور بہت ساری عوامی تنظیموں کو گرہ عام غنودگی میں آگھیرا۔ ہم لوگوں کو قہر بھی ہوا اور بڑی خوشی بھی حاصل ہوئی۔ پٹرورگ اور دیگر شہروں کی تحریک کے دوران بہت سارے جلسے ہوئے جن میں شہر کے انقلابی تنظیموں اور شہر کے انقلاب پسند لوگوں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ یہ تو ایک حسب معمول سی بات تھی، لیکن اس وقت کسی کو یہ محسوس بھی نہ ہوا کہ یہ تحریک آنے والے انقلاب کی پیش رو ہے۔“

اور واقعی لینن جو اس وقت زیورک میں جلا وطنی میں زندگی بسر کر رہے تھے، ان کے بہت سارے ساتھیوں کو روس میں انقلاب کے رونما ہونے کی بابت انقلاب کی کامیابی تو دور کی بات یہی بھی یقین نہ تھا۔ فروری ۱۹۱۷ء کے واقعات کے رونما ہونے سے ذرا ہی ایک جرمن سوشل جمہوریت کے سربراہ مسٹر ویکی منتربرگ نے اس مسئلہ پر لینن سے بحث و مباحثہ بھی کیا، حالانکہ لینن اگلا وقت بھی اپنے ساتھیوں پر یہ بات عیاں کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ انقلاب

بہت ہی نزدیک آچکا ہے۔ یہ بحث و مباحثہ زیورک کے اسٹوریہ کیفے میں ہوا تھا۔ پھر اس کے جن سال کے بعد مسٹر منتربرگ لینن سے ”جراس وقت دنیا کی پہلی کرمان۔ موزور حکومت کے سربراہ بن چکے تھے“ اس کو میں ملاقات کیا تو اس وقت لینن نے فرمایا: ”اچھا کیفے اسٹوریہ میں“ جو بات چیت ہوئی اب بتاؤ کسی کی باتیں صحیح ثابت ہوئیں۔“ منتربرگ نے اس کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی۔

جنوری اور فروری ۱۹۱۷ء میں انقلابیوں کے درمیان آنے والے انقلاب کی بابت شک و شبہ پھیل گیا۔ ان میں سے چند ایسے تھے جنہیں اس بات پر یقین ہی نہیں تھا کہ انقلاب کی گھڑی آچکی ہے۔ اس موقع پر اپنے ساتھیوں کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لئے لینن نے یوں لکھا:

”ہمیں یورپ کی خاموشی سے دھوکہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ یورپ میں تو انقلاب اب پھٹ پڑنے کو ہے۔ سامراجی جنگ کی ہولناکیاں اور ہر جگہ قہر میں اضافہ ہونے والی دشواریوں نے لوگوں میں انقلابی جوش پیدا کر دیا اور دوسری طرف حکمران طبقے اور زمینداروں اور اس کے پروکار حکومتیں، سب کی سب ایک انداز میں گلی کی طرف جا رہے ہیں اور یہاں سے باہر نکلنے کے لئے ناممکن بن چکا ہے۔ روس کے لئے لینن نے اس بات پر زور دیا کہ واقعات روسی پورٹرواؤں کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ انقلاب شروع ہو چکا ہے۔ لینن کو اس بات کا یقین کامل تھا کہ انقلاب ضرور رونما ہوگا۔ روس میں صورت حال کے مدد کسی تجزیہ پر ان کا یہ اعتقاد جتنی تھا۔“

لینٹن نے زار شاہی اور سرداروں کے اختیارات کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے اور ایک پروری حکومت قائم کرنے کے لئے اپنی پارٹی کے مطیع نظر کو علمی اور تنظیمی طور پر رد عمل لانا شروع کر دیا۔ ۱۹۰۶ء کے ناکام روسی انقلاب کے بعد وہ خود دوس سے سوسٹر لینڈ آگئے تھے۔ ناکام انقلاب تو ان کے لئے آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ لیکن اس سبب کا یقین تھا کہ زار شاہی کا زوال ناگزیر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۱۴ء میں زار شاہی کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور اس سال کے نومبر کے آخر میں وہاں کی برزڈاں حکومت کو وہاں کے قوم نے لینن کی سربراہی میں بائسکل ختم کر دیا۔ ذیل میں عوامی انقلاب کے آخری دو دنوں کے واقعات کو اختصار کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

روس میں اقتدار کے لئے مسلح جدوجہد شروع ہو چکی تھی۔ انقلاب کے لئے کارخانوں میں فوج میں بائسکل غلیٹ کے جہازوں میں اقدامات کئے گئے۔ سڑکوں اور ایس انقلاب کی منظم تین لاکھ فوج کو اقدامات کرنے کے لئے حرف لینن کے حکم کا انتظار تھا۔ دوسری طرف مارنٹو بولشویک حکومت نے ۵ نومبر روسی تاریخ ۲۲ اکتوبر کی شام کو اس انقلاب کو کچلنے کے لئے متعدد اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے انقلاب کے حامی اخباروں کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی اور انقلاب کے رہنماؤں کو گرفتار کرنے کا حکم جاری کر دیا حکومت نے فوجی انقلابی کمیٹی کے بہت سارے سربراہوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ لینن روپوش ہو گئے تھے۔ وہ سردو بولشیک اسٹریٹ

کے ایک گھر میں تھے۔ وہ اپنے ساتھی راہبا کے ساتھ ہمیں بل کر اسٹریٹ میں آئے تھے۔ اسٹریٹ لال فوج کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں سے انہوں نے براہ راست فوجوں اور انقلابی اقدامات کی رہنمائی کرنا شروع کر دیا۔ ۲۲ اکتوبر (۵ نومبر) کی شام کو ایم۔ آر۔ سی کی ایک نشست ہوئی۔ نشست کے بعد ایک انقلابی سربراہ این۔ پودو سکین نے یوں کہا:

”ہم لوگوں نے لینن کی ہدایات کے مطابق اپنے عمل منہج کو آخری شکل دی۔ یہ ضروری تھا کہ سب سے پہلے تمام یوں اریلو سے

استیغنا اور آئین رسی در سائی اور بارود خانے پر جو اہل تک دشمنوں کے ہاتھوں میں تھا قبضہ کر لیا جائے۔ اس سے انقلابی فوجیوں کیلئے اسلحہ بلیٹ فراہم ہوگی اور وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو کامیابی کے ساتھ نبھا سکیں گے۔ نیز انقلابی فوج دشمن کی فوج کو الگ قتلگ رکھ سکے گی اور دسٹر پیلیس سے اس کے ناطہ کو کاٹ دیا جائے گا۔ ہسٹر زیمیت یافتہ ریڈ گارڈس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ملٹری کیڈٹ اسکول اور دیگر ملٹری یونیورسٹی کی مزاحمت کا نفاذ کرے۔ اور انہیں دبا دے۔ ریڈ گارڈس کو یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی کہ وہ اس سبب کی کوششیں کرے کہ دسٹر پیلیس میں بورژوا فوجی یونٹیں رجعاً نہ لیں۔

ریڈ گارڈس نے دشمنوں کے قلعہ کو مغلوب بنا دیا اور تمام ریلوے اسٹیشنوں، ایٹلی فون اکسچینج، ایٹلی گراف دفاتر، ٹریڈ بریڈی شاہراہوں اور پلوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے دسٹر پیلیس کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور یہاں رہنے والے حکومت کے برزڈاں عملہ قتل کر دیا کہ وہ اقتدار سے استغنیاء دے دیں ورنہ وہ سب اس پیلیس کے اندر داخل ہو کر انہیں گرفتار کر لیں گے۔

دوسری طرف لینن بھی اس عرصہ میں بہت معروف ہوئے۔ وہ اپنے کارکنوں کو ارادہ جمایا کرتے۔ کسی کو کچھنے دیکھو ایٹلی گراف آفس پر یا ریڈوے اسٹیشن پر ریڈ گارڈس کا قبضہ ہوا یا نہیں۔ یا غلام سٹرک پر جرہ پای موجود ہیں وہ اپنی جگہ قائم ہیں یا نہیں۔ اس فوجی تنظیم کے ایک سرگرم کارکن کے۔ میکھانوسٹس لینن کی بابت یوں کہا۔

”کامریڈ لینن اکتوبر انقلاب کی تمام مسلح افواج کے صحیح معنوں میں کمانڈر۔ ان۔ چیف ہیں۔ ان کے تحت ایسے حریف اسٹاف کام کر رہے ہیں جن کی مثال اس سے قبل کہیں نہیں ملتی۔ لینن کو ہم اپنا ہیڈ کوارٹر مل سکتے ہیں۔“

انقلاب کے لئے لینن کے منصوبہ کو پارٹی تکمیل تک پہنچایا گیا۔ ۲۵ اکتوبر کی رات ناقابل فراموش رات بن گئی۔ ہیڈ گارڈس رات کے وقت چاروں طرف دستاویزی روشنی ملتی۔ وہاں ہر جگہ کارخانوں میں، فوجی بیرکس میں انقلابی بائسکل غلیٹ کے جہازوں میں سوئیس کی تائید میں نشستیں ہو رہی تھیں، قرار داریں منظور کی جا رہی تھیں اسلحہ گارڈیاں

۵ اکتوبر (مارنہر) کی صبح تک ریاست میں ہو گئی
 کرشنی فن اگسٹینج، ٹیلی گراف، دفاتر اور پبلک سٹیشن، ریڈیو سٹیشن
 اور شہر کے اہم اہم مقامات پر انقلابی تخت کشوں اور سپاہیوں کا قبضہ
 ہو گیا ہے۔ عارضی حکومت و نٹر پولیس تک محدود ہو گئی اور وہیں
 اس حکومت کے تمام وزراء بھی ہیں۔ اسی دن صبح کو فوجی انقلابی کمیٹی
 نے روس کے باشندوں کے نام لینن کا یہ پیغام جاری کیا کہ عارضی حکومت
 غم اور چکی دے۔ ریاست کے اقتدار مزدوروں کے اور سپاہیوں کے
 ہاتھوں کی پیروگاز سوویت نے سنبھال لے لیں۔ لوگوں نے جن باتوں کے
 لئے عینی جمہوری امن کے قیام، قطعاً آراستی کی ذاتی ملکیت کو ختم کرنے
 پیداوار پر مزدوروں کے کنٹرول اور جمہوری اقتدار کے قیام کے لئے جدوجہد
 کی تھی وہ پوری ہو چکی ہیں۔

مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کا انقلاب ازبکستان
 پھر اسی دن نے و نٹر پولیس پر قبضہ کرنے کے لئے لینن کی ہدایات
 کے مطابق یہ منصوبہ تیار کیا گیا۔

(۱) رات کے ۹ بجے و نٹر پولیس میں بھجوا جائے اور وہاں
 مقیم وزراء کو آخری موقع دیا جائے۔

(۲) اگر عارضی حکومت اپنے اقتدار سے دستبردار ہونا
 منظور نہ کرے تو پھر اور پول قلعوں سے اشارہ کے طور پر گولے
 داغے جائیں۔

(۳) اس کے بعد آدرا جہاز سے تین سو اوائی خاٹکے جائیں۔
 پھر پھر اور پول قلعوں سے و نٹر پولیس پر توب داغے
 جائیں۔

(۴) اس اشارہ کے بعد ریڈ گارڈس، فوجی اور سپاہی اس پولیس
 پر حملہ کر دیں۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ و نٹر پولیس بلا مزاحمت اختیار
 ڈال دے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور عارضی حکومت اقتدار سے دستبردار ہونا منظور
 نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انقلابی فوجوں نے مختصر عرصہ تک جنگ و جدال کرنے
 کے بعد و نٹر پولیس پر قبضہ کر لیا اور وہاں عارضی حکومت کے ۱۵ وزراء موجود
 تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا۔ صرف وزیر اعظم سترنگی وہاں موجود تھے۔ وہ وہاں
 سے فرار ہو گئے تھے۔ اس طرح روس میں صبح معون میں عوامی اشتراکیت پسند
 عالم وجود میں آئی۔



۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء (مطابق مارنہر) لال فوج کا و نٹر پولیس پر حملہ

سڑکوں پر گشت دیکھ رہی تھیں۔ شہر کی کئی سیکڑیں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور
 ہر سیکڑے کو انقلابی یونٹ اور ریڈ گارڈس کی ذمہ داری میں دے دیا گیا تھا۔
 اسی روز صبح کے تین بجے تک انقلاب کی کامیابی یقینی ہو گئی تھا ٹانگ
 کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گیرشکی کے وزراء اس وقت و نٹر
 پولیس میں تھے۔

مخت کش طبقہ کے انقلاب نے بہت سارے پر خلوص
 اور سرگرم عمل نوجوانوں کو عملی میدان میں لایا نیز اسی انقلاب نے
 بنی نوع انسان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

اکتوبر انقلاب کی تاریخ میں ایک اہم مقام میں حاصل
 ہے، کیوں کہ جتنے انقلابات بھی رونما ہوئے ان میں یہ واحد انقلاب
 تھا جس میں خون خرابہ بہت ہی کم ہوا۔ دستاویزات شاہد ہیں کہ پٹرو
 گراڈ میں اس انقلاب کے دوران صرف چھ افراد مارے گئے اور عین کے
 کو بیش ۵۰ افراد زخمی ہوئے۔

ترقی کیلئے ادو باہمی تحریک لازمی ہے

نرمل بوس

حال ہی میں پٹنہ میں انڈین پبلک ایڈمنسٹریشن ایسوسی ایشن کی گیارہویں کانفرنس میں ادو باہمی کے ذریعہ ترقی پر بحث و مباحثہ کی نشست کا افتتاح کرتے ہوئے مغربی بنگال کے شعبہ صنعت و حرفت کے وزیر شری نرمل بوس نے اپنی تقریر میں کہا کہ نہ صرف ترقی پذیر ملکوں میں بہت سارے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی ادو باہمی تحریک کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ وزیر موصوف کی افتتاحی تقریب کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

”میں انڈین پبلک ایڈمنسٹریشن کا مشکور ہوں کہ اس نے اس ایسوسی ایشن کی گیارہویں سالانہ کانفرنس کے سربمقدمہ ادو باہمی کے ذریعہ ترقی پر بحث و مباحثہ کا افتتاح کرنے کا مجھے موقع دیا۔ آج اس حقیقت کو تسلیم کر لیا گیا کہ نہ صرف ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک میں بلکہ اشتر اکیٹی ملکوں میں اور مغرب کے چند ترقی یافتہ ملکوں میں ادو باہمی تحریک ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

برطانیہ میں ۱۹۴۷ء میں رک ڈیل ایکوئیل پائریٹس کے درمیان پہلی بار ادو باہمی کا دستور کی شکل پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ساری دنیا میں مختلف سمتوں میں ادو باہمی تحریک بڑی تیزی سے چلتی گئی۔

ایک ادو باہمی سوسائٹی ایک کاروباری ادارہ ہے جس سے لوگ رضا کارانہ طور پر خود کو وابستہ کر لیتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان ہونے کے ناطے مساعمت کی بنیاد پر ایذا دہانہ ذرائع سے بذات خود اپنے لئے معاشی مفادات کو فروغ دیا جائے۔ جن لوگوں کے پاس اتنے روپے نہیں ہوتے کہ وہ خود ان کے کاروبار شروع کر سکیں، وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اور اپنے اپنے وسائل کو یکجا کر کے معاشی

کا کاروبار شروع کر سکتے ہیں۔ رابرٹ اوین (۱۸۵۸ء تا ۱۸۵۸ء) شاید پہلے اشتر اکیٹی مفکر تھے جنہوں نے نہ صرف ادو باہمی کے تصورات کی تائید کی بلکہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوششیں بھی کیں۔

کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس نے ادو باہمی پر کافی تذکرہ کیا۔ مزدوروں کا ادو باہمی میں انہیں اشتر اکیٹی کے مستقبل کے نمونے کی جھلکیاں نظر آئیں۔ وی آئی لینن نے زارشاہی کے دور میں بھی ادو باہمی کے فروغ کے لئے کوششیں کی تھیں اور ۱۹۱۷ء میں عظیم اکثریت انقلاب کے بعد جب تاریخ میں پہلی بار انہوں نے روس میں اشتر اکیٹی کی بنیاد ڈال دی تو اس وقت انہوں نے زراعت کے لئے اور لوگوں کے درمیان لازمی چیزوں کی تقسیم کے لئے ادو باہمی سوسائٹیوں کا سہارا لیا۔ اجتماعی کاشت کاری اور صارفین سوسائٹیوں کو کوآپریٹو کی روشنی میں اشتر اکیٹی معیشت میں اہم مقام حاصل ہے۔ اس کے بعد سے تمام اشتر اکیٹی ممالک میں ادو باہمی سوسائٹی معیشت کی بنیاد بن گئی۔

ہندوستان میں رہنمائی دہانہ نیگور ادو باہمی تحریک کے سربراہوں میں سے ایک تھے۔ ہاتھ کا ندھی نیپا جی سیمپاش بوس پٹنہ جواہر لال نہرو سمیت نے اس تحریک کی تائید کی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ایک سو سے زیادہ ممالک نوآبادیاتی حکومت سے آزاد ہو گئے۔ ان ملکوں میں معاشی ترقی کے طریقہ کار کا تعین کرنے کی کوششیں جاری ہیں اور اس طریقہ کار میں ادو باہمی کو اہم مقام دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں ادو باہمی تحریک کی تاریخ ۱۹۰۲ء سے شروع ہوتی ہے جب کوآپریٹو نیگور سوسائٹی ایکٹ لگوئی گیا۔ اس وقت ادو باہمی سوسائٹیوں کو چاہو کہ وہ کس شعبہ میں شمولیت حاصل کر لیں

کے سلسلے میں کاشتکاروں کے لئے قرض کی گنتی نش رکھ جائے۔ اگرچہ
آج بھی مضافاتی قرض کو آپریٹو سوسائٹی کی اہمیت دیتی ہیں تاہم گزشتہ
۴۴ برسوں میں امداد باہمی سوسائٹیوں کا مختلف شعبوں میں، خصوصاً
میں توجہ دیکر سیکڑوں میں پھیل چکی ہے۔ ملک میں معاشی سرگرمیوں
سہا شایہ کسی کوئی علاقہ ہر جہاں امداد باہمی کی موجودگی کا احساس نہ ہو یہی
قرض کے ساتھ ساتھ زراعت میں کوآپریٹو سوسائٹیاں چھوٹی آبپاشیاں
آماضیات کی ترقی اور زرعی پیداوار کی بازار میں فروخت کے کام میں معروف
عمل ہیں۔ نہ صرف زراعت بلکہ مضافاتی معدنیات کے دیگر شعبوں
جیسے ماہی گیری، ادھیری (دودھ کھن) مرغ مرغیوں کی پرورش وغیرہ میں امداد
باہمی سوسائٹیاں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ مضافاتی اور
شہری دونوں علاقوں میں عوامی نظام تقسیم میں صارفین کی کوآپریٹو
سوسائٹیاں بہت ہی اہم خدمات انجام دے رہی ہیں۔ نیز مکانات کی تعمیر
منشوں خاص طور پر دیسی اور چھوٹی صنعتوں، مزدوروں، نقل و حمل کے لئے
کوآپریٹو سوسائٹیاں بھی اپنے اپنے میدان میں بہت ہی اہم خدمات انجام
دے رہی ہیں۔

ہندوستانی امداد باہمی تحریک آج ساری دنیا میں سب سے
بڑی قریب ہے۔ اس کی جین لکھ سے زیادہ سوسائٹیاں ہیں جن کے ۱۲۱۵
کوآپریٹو ہیں۔ کوآپریٹو کے ذریعہ ۱۹۷۰ء میں ۷۵ کروڑ روپے
اور ۸۵-۸۶ لاکھ میں ۳۲۵۰ کروڑ روپے بطور قرض فراہم کئے گئے۔
اسی طرح میں بازار کوآپریٹو سوسائٹیوں نے ۱۹۷۰-۷۱ میں ۶۵۰ کروڑ
روپے اور ۸۵-۸۶ لاکھ میں ۳۰۰ کروڑ روپے کی زرعی پیداوار فروخت
کی۔ اسی طرح امداد باہمی سوسائٹیوں کے ذریعہ فروخت کردہ کھاد
۳۱ لاکھ ٹن این۔ کے۔ پی سے ۳۶ لاکھ ٹن این۔ کے۔ پی ہو گئی۔ جتنی
کھاد تقسیم کی گئی ان میں سے امداد باہمی سوسائٹیوں نے ۵۷ فیصد
تیار و جن کھاد ۱۱ فیصد اور ناسورک کھاد ۲۲ فیصد تقسیم کی۔ سارا
ملک میں ۳۴ فیصد کاس اور ۱۰ فیصد سے زیادہ جینی کے کاروبار کا
انتظام کوآپریٹو سوسائٹیاں کرتی ہیں۔ ہندوستان میں ۷۰ فیصد دیسی
اور ۸۸ فیصد شہری آبادی امداد باہمی کی خدمات سے مستفید ہو رہی ہے۔
۱۹۵۱-۵۲ء میں پانچ لاکھ منسویوں کے شروع ہونے کے
بعد ہی تو ہی معاشی پالیسی میں امداد باہمی کو ایک اہم مقام حاصل ہو گیا۔

منسویہ میں یہ باتیں درج ہیں کہ امداد باہمی معاشی سرگرمیوں کی مثال
ظہر منصفاتی علاقوں میں بہت سی شاخوں میں اہم تنظیم ہے۔ ملک
کی منسویہ بن معاشی ترقی میں امداد باہمی کے کردار کی تیسرے پانچ سالہ
منسویہ میں یوں ظہر منصفاتی کی گئی ہے۔

۱۔ اشتراکیت اور جمہوریت سے وابستہ منسویہ بن معیشت
میں تعاون اور امداد باہمی معاشی زندگی میں خاص طور پر زراعت، چھوٹی
آبپاشی، چھوٹی صنعت اور پروسیسنگ، مصنوعات کی بازار میں فروخت،
تقسیم و صد، دیسی برقیانے کے کام، مکانات، تعمیرات، مقامی ضرورتوں کو
پورا کرنے کے لئے غوری چیزوں کی سپلائی وغیرہ۔ اہم بنیادی تنظیم ہے۔ اس
طرح اہم یہ دیکھتے ہیں کہ سماجی استحکام کے لئے روزگار کے مواقع کی دست
کے لئے اور تیز تر معاشی ترقی کے لئے اس انوں مزدوروں اور صارفین
کی ضرورتوں کے پیش نظر امداد باہمی ایک لازمی عنصر بن چکی ہے۔
تمام پانچ سالہ منسویوں، جن میں موجودہ سالوں پانچ سالہ
منسویہ شامل ہے ملک کی ترقی کے لئے امداد باہمی کو بہت ہی اہم مقام
دیا گیا ہے۔

بہر حال یہاں اس بات کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ پہلے
پانچ سالہ منسویہ کے شروع ہونے کے قبل یہاں تک کہ ملک کی آزادی کے
قبل ہی معاشی منسویہ بندی میں امداد باہمی کی اہمیت پر زور دیا گیا
تھا۔ ۲۶-۱۹۲۵ء میں حکومت ہندوستان نے کوآپریٹو ٹانگہ کھن کی
تشکیل کی تھی۔ اس کے جبرین شری آر جی۔ ٹیٹا تھے۔ کوآپریٹو ٹانگہ کھن
میں اس کمیٹی نے یوں اظہار خیال کیا تھا۔ "معاشی منسویہ بندی کو
جمہوری طرز پر ڈھانپنے کے سلسلے میں ایک مناسب واسطہ کی طرح کوآپریٹو
(امداد باہمی) سوسائٹی کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ سوسائٹی
دیہی ذمہ داری ادا کرتی ہے۔ ایک طرف منسویہ سے لوگوں کو روشناس
کراتی ہے اور دوسری طرف منسویہ کو عملی جامہ پہناتی ہے۔ اپنے منسویوں
کو رو بہ عمل لانے کے لئے ریاستی حکومت تمام طبقوں کے لوگوں کی خبر گیری
کی خواہاں ہوگی کیوں کہ عوام کے لئے اور عوام کے ذریعہ ہی منسویہ بندی کے
کام کو شروع کیا جاسکتا ہے۔"

ہندوستان آج بھی ایک زرعی ملک ہے۔ اس لئے یہاں
زراعت اور اس سے متعلق شعبوں کے لئے قرض کی کافی اہمیت کے حامل

ہوتے ہیں۔ یہ بات دیکھی گئی ہے کہ کئی ایک انجینیئروں کو قومیائے گئے
بنکوں کی موجودگی کے باوجود وہی زمین کی سیٹھائی کے لئے کوآپریٹو
سوسائٹیاں ہی اہم تنظیم ہیں۔ اس طرح زراعت کی ترقی کا اختصار بہت
جد تک کوآپریٹو پر ہوتا ہے۔

کوآپریٹو کو ایک ایسی سہولت فراہم ہے جو اور کسی عوامی
ادارہ کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ کہ تمام سطحوں پر فیصلہ سازی سے لیکر
تکلیف تک عوام کو شریک کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر زراعت کے لئے
قرض کو لیجئے۔ دیہاتوں میں سب سے پہلی سطح پر ابتدائی زرعی امداد باہمی
سوسائٹیاں ہیں۔ ایسی سوسائٹیوں کے ممبران اپنے لوگوں میں سے ہی
اپنی انتظامی کمیٹی منتخب کرتے ہیں اور یہ کمیٹیاں اپنے بااختیار مقررین کے ذریعہ
اپنے ممبروں کے درمیان قرض کی رقم تقسیم کرتی ہیں اور قرض کو واپسی
کے لئے اقدامات بھی کرتی ہیں۔ اس سے اعلیٰ سطح پر سنٹرل کوآپریٹو بینک
ہیں ان کی کمیٹیاں مذکورہ کمیٹیوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ریاستی
سطح تنظیم پر ریاستی کوآپریٹو بینک مختصر عرصہ کے زرعی قرض فراہم کرتا
ہے اور سب سے اونچی سطح پر قومی مرکزی ادارہ یعنی ریاستی کوآپریٹو
بنکوں کا کل ہندوستان ہے۔ امداد باہمی کے دیگر سیکڑوں میں اسی طرح
کے کوآپریٹو بینک ہیں۔ ہمارے ملک میں جہاں ترقی کے لئے جمہوری طریقہ کار
پر زور مطلق العنانی پر زور دیا جاتا ہے اگر آپریٹو میں باہمی مرمت کرنے
اور ان کی تکمیل دونوں کے لئے عوام کی شرکت خاص طور پر اہم بن جاتی ہے۔

مرکزی اور ریاستی دونوں سطحوں پر کئی ایک عوامی سیکڑ
اداروں کی موجودگی کے باوجود ہندوستانی معیشت نمایاں طور پر پرائیویٹ سیکڑ
کے زیر اثر ہے اور چند اجارہ دار گھرانے ملک کی پوری معیشت پر حاوی ہیں۔
اسی طرح عوامی سیکڑ کی توسیع بہت محدود ہو گئی۔ اس لئے پرائیویٹ
سیکڑ کے بخلاف عام لوگ اپنے اپنے محدود وسائل کے ساتھ صرف
امداد باہمی سیکڑ میں مختلف ماحول کا دوبارہ کے لئے خود کو تنظیم کر سکتے ہیں۔
اس بات کی خوشی نہیں ہونی چاہئے کہ ایک سربراہ دار اندوہاچم میں
امداد باہمی یعنی کوآپریٹو پرائیویٹ سیکڑ کا حقیقی مبدلہ ہی سکتا ہے بلکہ
کراہی ہونا ممکن ہے۔ کوآپریٹو صرف اشتراکیتی نظام میں ہی بنیاد
سکتا ہے لیکن خود کو کوآپریٹو میں تنظیم کر کے عام لوگ چند فوائد سے مستفید
ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے ہی موجودہ نظام ہی پرائیویٹ سیکڑ کے حلقوں کا کچھ

حرکت متعارف کر سکتے ہیں اور آج ہندوستان میں ایسا ممکن ہے۔

ساتویں پینا از منصوبہ میں شعبہ امداد باہمی کے لئے اپائی گئی حکمت عملی میں بہت
سادہ اہم باتوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ امداد باہمی کی پالیسیوں اور طریقہ کار کو اس طرح
از سر نو ترتیب دیا جائے کہ ان کے ذریعہ فراہم کردہ قرض احاطہ اشیا اور خدمات سے خاص طور پر
ساج کے گروہ طبقہ کے لوگ مستفید ہوں۔ "حالیہ برسوں میں اس سلسلے میں مرکز کو شیش کی گئی ہے کہ
ساج کے غریب لوگوں کے لئے امداد باہمی سہولتیں اور مراعات فراہم کی جائیں اور ساتھ ہی انہیں اس
بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ کوآپریٹو سوسائٹیوں خاص طور پر زرعی کوآپریٹو سوسائٹیوں کے ممبر
بن جائیں۔ غریب کی فلاح کی اس سلسلے میں مدد کرنے کے لئے ابتدائی زرعی امداد باہمی سوسائٹیوں
(آئی۔ ایس۔ ایس) کے ممبر بن جائیں۔ ایک عام ممبر شپ پروگرام کو رو بہ عمل
لایا جا رہا ہے۔ اس پروگرام کے تحت ریاستی حکومتیں غریب کی ان کے سلسلہ
میں ان سوسائٹیوں کے ممبر شپ کے لئے ان کے حصص کی رقم ادا کر دیتی ہیں۔
صنعتی امداد باہمی سوسائٹیاں خاص طور پر دیہی اور چھوٹی
صنعتوں کے شعبہ میں بے روزگار ذرائعوں، لڑکے اور لڑکیوں کو نوکری فراہم کرنا
یا بلا واسطہ اپنے اپنے روزگار کے مسئلہ کو حل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

کبھی کبھی بند اور بیمار صنعتی کے ورکر اس خود اپنی کوآپریٹو
سوسائٹی قائم کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی صنعتی برائوں کی اصلاح نو کریں اور
انہیں موثر طریقہ سے چلا کر دیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بہت
سارے کمپنیوں میں ورکر اس ان صنعتی برائوں کو پرائیویٹ سیکڑ کا
انتظامیہ سے بہتر اور موثر طریقہ سے چلاتے ہیں۔

اگرچہ ہم ماحول ترقی کے لئے پروگراموں میں کوآپریٹو کے اہم
کردار اور اس کی کامیابیوں سے واقف ہیں تمام ہم اس کے چند
مسائل کو نظر انداز نہیں کر سکتے جن سے ہمارے ملک میں آج امداد باہمی تحریک
دوچار ہے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ تمام متعلقہ افراد اس بات
کی مرکز کو شیش کریں کہ اس تحریک میں جو خامیاں ہیں انہیں دور کیا جائے۔
غریب کا شکاروں کو مختصر عرصہ کے لئے قرض فراہم کئے جاتے
ہیں لیکن ایسے قرضوں کی واپسی کی صورت حال کچھ بہتر نہیں ہے۔ سارے
ملک میں اب تک قرض کے تقریباً ۱۶۰۰ کروڑ روپے واپس نہیں کئے گئے۔
چوں کہ جو کہ ان قرضوں کو واپس کرتے، انرا اپنا دوبارہ قرض نہیں دیا جاتا
اس لئے بہت سارے کی ان کے دوبارہ قرض فراہم نہیں کیا جاسکا۔ قرض
کو واپس کے لئے چند لوگوں کی طرف سے مزاحمت کی گئی۔ اس سلسلے میں

سیاسی حراعت میں مددگار بنیں۔ تمام سطحوں پر عزم منظم کرنا چاہئے۔
 فرض مناسب طور پر اس کی جائے۔ اس سے صرف امداد باہمی تحریک کو
 تقویت ملے گی بلکہ اس کی وجہ سے مضائقہ قرض کا سلسلہ بہاؤ قائم رہے گا
 اور ملک میں ترقی ترقی کے لئے یہ ایک لازمی شرط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امداد باہمی تحریک عام لوگوں کے لئے
 ہے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں کے انتظامیہ کی ذمہ داری بھی ان سوسائٹیوں کے
 نمبروں کو سنبھالنی پڑتی ہے، چند جماعتیں، جتنے مختلف علاقوں میں اس
 تحریک کو ایک طریقہ پر یکساں کر رہے ہیں۔ ایسے ہی چند
 افراد ہیں جنہیں ان سوسائٹیوں کے انتظامیہ میں خاص طور پر ریاستی اور
 قومی سطحوں پر دیکھا جاسکتا ہے۔ ان میں چند افراد ایسے ہیں جن کے کردار
 قابل ستائش نہیں ہیں۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ امداد باہمی
 تحریک سے وابستہ سمجھاؤگوں کو مفاد پرستی کے خلاف جدوجہد کرنا چاہئے۔
 تیسری بات یہ کہ گوجر کوآپریٹو سوسائٹیوں کی جبرئیت میں
 سماج کے گمراہ طبقہ کے لوگوں کو ہانکے کے لئے چند اقدامات کئے گئے ہیں
 تاہم ان میں غریب ترین افراد جیسے عاشریہ کی ان اہلکار اور زرعی مزدور
 بستی باشی اور مختلف صنعتی و زراعتی میں کام کرنے والے مزدور آج بھی
 امداد باہمی کے دائرے سے باہر ہیں۔ درحقیقت امداد باہمی تحریک تو
 ان ہی لوگوں کے لئے ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو اس سے وابستہ ہونا چاہئے۔
 اس تحریک میں عورتوں اور نوجوانوں کو بھی حصہ لینا چاہئے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کوآپریٹو سوسائٹیوں کے کام کاج میں
 حکومت بہت زیادہ مداخلت کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک
 ترقی پذیر ملک میں کوآپریٹو سوسائٹیوں کی ترقی اور فروغ میں حکومت کو ایک ٹھوس کردار
 ادا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ امداد باہمی
 ایک تحریک ہے۔ یہ ایک شعبہ جاتی معاملہ نہیں ہے۔ ایک کوآپریٹو سوسائٹی
 کے مالک اس کے جبران ہوتے ہیں اس لئے عموماً کسی یہ ذمہ داری سونپی
 جانی چاہئے کہ یہ سب اپنے نتیجہ نمبروں کو اس کے نظم و نسق کی ذمہ داری
 دے دے۔ کبھی کبھی ایک خاص سوسائٹی کے سلسلے میں بد نظمی اور بدحوالی
 کی وجہ سے حکومت کو مداخلت کرنی پڑتی ہے لیکن کوآپریٹو سوسائٹیوں
 کو بہت دیر تک مصلیٰ رکھنا یا حکومت کے سرکردہ منتظمین کے زیر انتظام
 رکھنا نہیں چاہئے۔ ایسی سوسائٹیوں کے لئے یا ضابطہ انتخابات ہونے

چاہئیں اور امداد باہمی تحریک میں جمہوریت کو بحال رکھنا چاہئے۔
 پانچویں بات یہ کہ سارے ہندوستان میں رجسٹرڈ کوآپریٹو
 سوسائٹیوں کے تقریباً ۱۲۵ کروڑ افراد نمبر ہیں۔ ان میں سے تو کثیر تعداد
 لوگ اس لئے نمبر ہیں کہ ان سوسائٹیوں کے خزانہ کو وہ معاشی سہولتوں
 سے وہ فیضیاب ہوں۔ لیکن وہ سب امداد باہمی تحریک کے نصب العین
 اور اصولوں سے اہم طرح واقف نہیں ہیں۔ بلاشبہ نمبروں کی تعلیم کے
 لئے سوسائٹیوں میں ریسرورڈ کار ملازمین کی اور ضلع ریاست اور
 قومی سطحوں پر کوآپریٹو ڈیویژن کی تربیت کے لئے اب بہت کچھ کرنا باقی
 ہے۔ عام طور پر لوگوں کو بھی ان باتوں سے واقف ہونا چاہئے کہ کوآپریٹو
 سوسائٹیوں کا کیا کردار ہے اس طرح یہ سوسائٹیاں کام کرتی ہیں اور ان
 سے عوام کو خاصی طور پر محروم طبقے کے لوگوں کو کیا کیا سہولتیں فراہم ہوتی ہیں۔
 آج ملک میں کوآپریٹو تحریک کے مختلف شکائیں ہو سکتی
 ہیں، نیز چند خامیاں اور نا کامیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود
 اس امر کو تسلیم کرنا چاہئے کہ ترقی اور عوام کے مفاد کے لئے کوآپریٹو بہت
 ہی اہم جمہوریاتی جہتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہاں اس بحث و مباحثہ میں شرکت کرنے
 والے میرے احباب امداد باہمی تحریک پر زور و توجہ تعلیمی نکتہ نظر سے غور
 فرم کریں گے بلکہ ہمارے کوآپریٹو سوسائٹیوں کے کام کاج میں زبردستی
 لانے کے لئے وہ تجاویز بھی پیش کریں گے۔ ۲۰۰۰

بقیہ، غلط فہمی اور انقلاب

اس جدوجہد کے نتیجے کا تعین اس حقیقت سے ہوا کہ روس، ہندوستان
 اور چین میں دنیا کی آبادی کی اکثریت آباد ہے۔ یہ اکثریت تھی جو بڑی
 تیزی و تندی سے آزادی اور نجات کے لئے جدوجہد میں مشغول ہو گئی۔
 اس طرح اس سلسلے میں کسی قسم کی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ عالمی
 جدوجہد کا آخری نتیجہ کیا ہوگا؟

تاریخ نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ محنت کش
 لوگوں کے عظیم دوسرا ورعظم بہت ہی دور اندیش تھے۔ ہندوستان کے لوگوں
 کی برسوں کی جرات منہ جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہو چکی۔ آبادی کے
 جاکڑوں کو جدید کے لئے نکال دیا گیا اور ایک آزاد و ترقی یافتہ عالم وجود میں
 آئے گا۔

اردو شاعری میں قومی نظریں

نارائن دت بھاشا دہلگ - پنجاب - پٹالہ

ہر ملک اور ہر قوم کی زبان اپنی تہذیب کے تابع ہوتی ہے۔ زبان کا تہذیب و تمدن سے بڑا گہرا اور نزدیکی تعلقی ہوتا ہے۔ ہندوستان پر اسلامی فتوحات کے نتیجے کے طور پر ہماری تہذیب نے اسلامی اثر قبول کیا اور ہمارے زبان میں عربی - فارسی الفاظ کا استعمال ایک عام سی بات ہو گئی۔ عربی - فارسی نے جب ہندی کے ساتھ اپنا نام طے جوڑا تو اردو زبان وجود میں آئی۔ اردو زبان نے ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے اتنی مقبولیت حاصل کر لی کہ اسے قومی زبان کا درجہ دینے کی باتیں ہونے لگیں۔ کئی صوبوں کی سرکاری اور عدالتی زبان اردو ہو گئی اور اس زبان کو مختلف صوبوں اور مختلف مذہبوں کے لوگوں کے درمیان باری میل جول اور راہ در رسم پیدا کرنے کا ایک ذریعہ مانا جانے لگا۔ جب جنگ آزادی کا بھل بھلا بھلا اردو زبان خاص طور پر اردو شاعری بھی اس رنگ میں ڈب ملی کیونکہ شاعر حساس ہوتا ہے اور حساس دل دوسند ہوتا ہے۔ دوسرے انسان کے لئے خاک وطن کا ایک ایک ذرہ دیوتا کی سی عظمت رکھتا ہے۔ وطن کی محبت انسانی زندگی کا اعلیٰ ترین مقصد ہوتا ہے۔ وطن کی محبت ایک نشہ ہر قوم کے ایک پاکیزہ جذبہ ہوتی ہے اور یہ جذبہ خدا داد عطیہ ہوتا ہے۔ احساس اس کو اجازت دیتا ہے اور گرد و پیش کا ماحول اس کی تربیت کرتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت ہی انسان دنیاوی آسائشوں کو کھٹک کر اور مذہب و ملت کے اختلافات کو نظر انداز کر کے

مید و بند کی صبر شکن تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ آزادی وطن کی بے تاب اسنگوں اور اٹل ارادوں کے سہارے سرور شانہ خیالات دل میں چمکیاں لینے ہیں مگر حیران کن کا اس جذبہ کا طبعی اظہار الگ الگ ہوتا ہے۔ شاعر کو وقت کا نقیب مانا جاتا ہے اور جب وہ جذبہ قومیت سے سرشار ہو کر اپنے خیالات کو کاغذ پر اتارتا ہے تو قومی شاعر کی جنم لیتی ہے۔ اردو شاعری کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اس نے جنگ آزادی میں برابر کا حصہ ڈالا ہے اور عوام کو غراب غفلت سے بیدار کرنے میں اس نے ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ کیوں کہ شاعری میں احساسات بیدار ہوتے اور مشاہدات الفاظ کا جامہ پہن کر ہمارے ذہنوں کو جھوڑنے کی قوت رکھتے ہیں۔ شعر کو خوش ارضی، موسیقی اور مصوری کا محبہ موجود مانا جاتا ہے۔ اس میں الفاظ کا نرم، نخیل کی نفاست اور حقائق کی جیتی جاگتی تصویر نگاری جذبات کو براہ کجختہ کر کے تحریک کے لئے ابھارتے ہیں۔ ایک شعر سے وہ کام لے جاسکتے ہیں جو بڑے بڑے واعظ اور معتمد اپنی لمبی لمبی تقریروں اور لکھے دار دلیل بازی سے نہیں لے سکتے۔ شعر ایک نشتر ہوتا ہے جو قوم کی دکھتی ہوئی رگوں کو خود بخود دھونڈ لیتا ہے۔ اردو شاعری نے ہی اسی نشتر سے کام لے کر قوم کو بیدار کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو ہر شاعر نے اپنا قومی فرض سمجھ کر اس میں حصہ لیا۔

ڈاکٹر محمد امتیاز علی کا "تراژدی ہندی" سارے
جہاں سے اچھا ہندوستان چلا کر اردو شاعری کی قومی
فکروں میں ایک سنگ میل ہے۔ اس کا یہ شعر ہے
مذہب میں سکھانا آپس میں بیر رکھنا۔

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا
پیغام ہے اپنی قوم کے نام۔ جنگ آزادی کے دوران
اس نظم نے ایک تہلکہ مچا رکھا تھا اور آج بھی اس
تراژدی کی آواز زیریں اور مٹی کی ریزن پر گونجتی رہتی ہے کیوں کہ
قومی یکجہتی کی ضرورت آج بھی اسی طرح ہے جسی
طرح کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا ہر کرنے کے وقت
تھی۔ چکیت پر بھی حب وطن اور عسکریت آزادی کا
اثر نمایاں تھا۔ وہ اپنی نظم "خاک وطن" میں لکھتے ہیں
گرد و خرابیاں کا غلت ہے اپنے تئیں کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاک وطن کفن کو

سترور جہاں آبادی کی نظم "گلزار وطن" میں
حب وطن کا جذبہ قلمی ملتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا یہ شعر
ان کے دل کی آواز ہے۔

اس گنج دل نہیں میں قبضہ نہ ہر خزاں کا
جو ہر گون کا تختہ تخت ہر اک جلاں کا

جوش ملیح آبادی کی مشہور نظم "وطن" کھوں دلوں
کی آواز ہے۔ اس کے علاوہ جوش صاحب کی "دعا داران
ہند کا پیغام" ایٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں کے نام "خونی جند"
عشقت زندان کا خواب "ملو آزادی" "اللہ کرے" اور
"آئینہ انقلاب" نظموں کا بھی جواب نہیں جنہیں برٹش
سرکار نے باغیانہ نظموں قرار دیتے ہوئے ضبط کر لیا تھا۔ برق
دھڑکی کی نظمیں "احسن ہند" اور "جنت" بھی لکھیں ہیں۔
اپنے ہم وطنوں کو ایک للکار ہے۔ جمیل مغلوی کی "اے
مادر ہندوستان" اپنی اس پاک سرزمین کے تیلے ایک سجدہ
ہے۔ "نثر و نثر" کی نظم "زمین وطن" میں ہندوستان کی تہذیب
کا جو پرانہ شہ گہنا گیا ہے۔ سیماب اگر آبادی کی نظم "ہندوستان

زبان قدیم کی ہندوستانی عظمت کا آئینہ دار ہے۔ ظفر
علی خاں کی نظمیں "ہندوستان" "طاقت ایمانی" "خانہ سہ ہند
کا شعلہ" "آزادی کا جگ" "شراب خانہ ساز" اور "نعت
یا تختہ" اپنے ملک کی آزادی کے لئے ایک تڑپ ہیں۔

ساعر فدا علی "تراژدی وطن" اور "عہد" میں اپنے پیارے وطن
کی آہوں کے لئے سر مٹنے کی تلقین کرتے ہوئے نظم لکھتے ہیں۔
افسر مسرہٹی "وطن کا راگ" میں مذہب و ملت کا اختلاف
کو مٹا کر مادر وطن سے اس کے رکھوالے ہمالیہ سے لگا
کی پیاری لہروں سے اور ہندوستان کی سرسبز وادیوں
سے پیاروں کی پیٹلیں بڑھانے کے لئے آگاتے نظر
آتے ہیں۔ علی سردار جعفری کی اپنی نظم "یہ ہندوستان"
میں اپنے ملک کو غلو بریں قرار دیتے ہیں اور ان کی نظم "آگے
بڑھیں گے" میں ایک اعتقاد کی جھلک نظر آتی ہے۔

اجاز محمد بقی "نقشہ وطن" میں "میرے سینے میں رہے
ہر وقت تیری ہی نگہ" کا راگ لاپتہ نظر آتے ہیں۔ نازش
پر تاپ گواہی "نیاسازی انداز" میں اپنے وطن کو سینہ رہ
ادب اور ہوارہ ادب قرار دیتے ہیں۔ قلیش صدیقی جدید
وطن میں اپنے ملک کو "حیات و کائنات من" کا درجہ
دیتے ہیں۔ گوپال مستل اپنی نظم "اے وطن" میں خلوص
دل سے یہ دعا کرتے ہیں کہ قیامت تک مسرتوں کے ستارے
سے ہندوستان کی مانگ بھر کر رہے۔ سکندر علی وقید
"نثر و وطن" میں ملک کی آزادی پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

سیاہ دور مملاتی خیال و خواب ہے آج

بلند عظمت انسان کا آفتاب ہے آج

محمد حسین آزاد کی "حب وطن" حالی کی "آزادی

کی قدر" اور "انگلستان کی آزادی احمد ہندوستان کی منہ می"

اسلمی مسرہٹی کی نظم "اجاز باز آئینہ دار" میں حب

وطن کا جذبہ نمایاں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اگر آبادی

نے اپنی طنزیہ نظموں کے ذریعہ اپنی قوم پرستی کا اظہار جس خوبصورت

انداز میں کیا ہے وہ اپنے مثال آپ ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی نظمیں "برٹش راج" اور "دہلی دربار" کو لسانی قومی نظمیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

قومی نظموں کی طویل فہرست میں ان نظموں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جن کو برٹش سرکار نے اپنی جبارانہ حکومت کے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے باغیانہ تنظیمیں قرار دے کر ضبط کرنے کے احکام جاری کئے تھے۔ ان میں علی جوادر زیدی کی "من کی بھول"، رام پرشاد بستی کی "دور تک یاد وطن آگئی تھی سمجھانے کو"، سر فرشتی کی "تساب جارسے دل میں ہے"، "زندگی کا راز معر فزیت حق میں ہے" اور "م جو زیاد کرتے ہیں" اشفاق کی "شورشِ جنوں" اور "م رہے نہ رہے"۔ نو بہار صابر کی "پیام بیداری"، "عبداللہ ایشاد" "سوز دل"، "بیدار ہونا چاہئے"، "عزیزِ حریت"، "کوثرِ تناب چند آزاد کی"، "الفلاب آنے کو ہے"، "تراز آزاد"، "وطن کے واسطے" اور "سستم کی انتہی کیا ہے"۔ نیکارام ستھی کی "مطرتِ دشمن"، عثمان کی "وطنِ مقبہ سے اب چھڑانا پڑے گا"، خلیق کی "بھگے گولیوں سے اٹار دیا"، حسرت موہانی کی "نجاتِ ہند"، اختر شیرانی کی "لورکا"، حفیظ جالندھری کی "آزادی"، روشن مدنی کی "بیداریِ مشرق"، احسان دانش کی "امیدِ آزادی"، اور "عذائی کی خصوصیات"، شمیم کوہاٹی کی "جوانِ حزمے"، وقار بانو کی "ترانہ جنگ"، اور "میدانِ جنگ میں صبح"، سہم چلی شہری کی "مجبوریان"، ساحر لدھیانوی کی "شعلہ نوائی"، اور جان سنا راختر کی "میں ان کے گیت گاتا ہوں"، قابل ذکر قومی نظمیں ہیں۔

اندازِ شاعری میں قومی نظمیں اتنی بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ایک بڑی سی بات ہے۔ اس سلسلے میں صرف اردو کے نامور شعرا کی زبانِ اردو عام قومی نظموں کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ ان نظموں کو اردو شاعری کا تاریخ پر سرسبز کو نظر

ڈالنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اردو شاعری میں قومی نظموں نے ہندستان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے میں جو اہم کردار ادا کیا ہے دوسری زبانوں کے ادب میں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ (بکریہ، پاسبان، چند کا گڑھ)

بقیہ: رامو قبیلے

عام طور سے رائج ہیں۔ طلاق اور میاں بیوی کا جدا ہو جانا شادو نادر ہی ہوتا ہے۔

رامو کنبہ عموماً چھوٹا ہوتا ہے۔ مشترکہ کنبہ پر کوئی پابندی یا خصوصیت ناپسندیدگی نہیں ہوتی لیکن ایسے کنبے کم ہوتے ہیں اگرچہ آدمیوں کا ایک عورت سے شادی کرنا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ تمام ایک آدمی کا کئی شادیاں کرنا عام ہے۔ مقبض بنانا علی طور سے ناپسندیدہ لیکن اگر کسی کنبے میں اکلوتی لڑکی ہو تو وہ ایک داماد کو اپنے یہاں امداد کے عوض رکھ سکتے ہیں جس کے لئے رشتہ داروں اور گاؤں کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

رامو لوگ بڑے شائستہ ہوتے ہیں۔ انہیں جلدِ منہ نہیں آتا۔ حیرت کی بات ہے کہ رامو لوگ گانے اور سیقی اور ناچ کے لئے کھار غنیمت پیدا کر سکے۔ گانے کا دامن گیت یا ترانہ جسے رامو لوگ جانتے ہیں وہ جابینہ ہے جس میں سنسار کی تخلیق کو بیان اور تاریخ ہوتی ہے۔ حال ہی میں کچھ لڑکیوں نے گیت لگ پوز سیکھا ہے جو ایک اجتماعی ناچ ہے۔

سکاؤں کا راج:

رامو لوگوں کے یہاں ایک سادہ سا زراعتی نظام ہے جس میں شکار کرنے، چھٹی پکڑنے، بھیر بلی کا پالنے اور جنگلی پودوں کی اکٹھا کرنے پر انحصار کیا جاتا ہے۔ ان کے اہم کاموں کے اعتبار سے زراعت کا کام انہیں پورا سال معلوم رکھنا ہے۔

رامو قبیلہ

از :- رام پیرکاش رائے

ہندوستان ان گنت قبیلوں کے گھر ہے۔ لہذا

ہے علم انانیت کے ماہرین کی جنت گردونا جاتا ہے۔ رامو قبیلہ
- راجپوت قبیلہ ہے اور ہندوستان کے شمال مشرقی پہاڑوں میں آباد
ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں اب اردو ناچل پردیش پکارا جاتا ہے جس کے
برقی مناظر از حد فریبہ رتبہ میں۔ رامو لوگوں کو "بید اور بانس" کے
رہنے والے کے سلسلے میں مانتے ہیں۔ ان کا مذہب بھائی جاسکتا ہے اور رنگ
بجائی کے ساتھ شکاری کا کام کرتے ہیں۔ اپنے طور طریق میں پڑوسی
تک کی طرف سے بار بار دخل اندازی کی وجہ سے ان کی ثقافت میں
تغیرات رونما ہوتے ہیں۔

رامو لوگ اپنے آغاز کو آسمان اور دھرتی کے میل سے
تعلیق کرتے ہیں۔ دونی (سورج) اور پو (چاند) میدھک (آسمان)
پر سی چنگ (دھرتی) کی لاد لار تھے۔ جب دونی اور پو میدھک کے پاس
ہے کہ چلے گئے رامو لوگ سی چنگ مان کے پاس رہ گئے۔ دونی اور
پو رفت آنے پر دیوتا بن گئے اور رامو لوگوں کی دنیا کے نگراں بن گئے۔
رامو لوگ دھو کے کہتے ہیں کہ سامیا (شیوا) کیسورما (شیطان) اور
رامو لوگوں کے آبار و اجداد آپس میں بجائی تھے۔

رامو لوگ پہلے تبت میں رہتے تھے۔ حیات و ممات
کے دباؤ کے تحت جنوب کی طرف منتقل ہو گئے۔ ایک داستان کے مطابق
ان کے منتقل ہونے کی وجہ جو دھویں صدی میں تبت والوں کا مذہبی
تغصیب تھا۔ چونکہ رامو لوگوں کی مغرت کی عبادت اور قربانی میں اعتقاد
رکھتے تھے لہذا وہ تبت کے دیوتا کی راج دانے اسولوں سے دور چلے گئے۔
وہ سرزمین جہاں رامو لوگ رہتے ہیں وہاں مختلف قبیلوں
کا امتزاج ملتا ہے۔ ایک قبیلہ کا مطالعہ دوسرے قبیلے کے بغیر مشکل ہے۔

ان کی تعداد کم ہے اور ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنا
علیحدہ پیمانہ انفرادیت اور نام برقرار رکھے ہیں اور انہیں دوسروں
سے امتیاز دینے کے لئے اپنے آبائی نام سے پکارے جاتے ہیں۔
احساس ہوتا ہے۔ رامو لوگوں کے نام قبیلے امیدا اور لوگر اور پیلو
کہلاتے ہیں۔ جن علاقوں میں وہ رہتے ہیں انہیں ان کے تباہی کا نام سے
جانا جاتا ہے۔ رامو لوگوں کے گنا خاندان ہیں جن کے نام کوہ کوہین
دہنہ ہیں۔

ادب لوگوں کی نوعیت :-

رامو لوگ کسی خاص علاقے تک محدود نہیں رہے۔
تبت سے ترک وطن کر کے وہ بوکاس اور مہیسو علاقوں میں آباد ہو گئے۔
پلیہ قبیلے سے ان کی شادیوں کی وجہ سے وہ پیلو علاقے میں آباد
ہو گئے۔ مہیسو علاقے میں واقع بارکو گاؤں مکمل طور سے رامو لوگوں کا
گائون ہے۔ اسی علاقے کے دور چینگ۔ گائون میں ۵۰ ہندو آبادی
رامو لوگوں کی ہے۔ جو علاقہ بالکل رامو لوگوں کا ہے وہ
اور نیونک کے ٹکڑوں پر مشتمل ہے جو ریہ دروازہ طرف۔ جھوٹی
چھوٹی واریاں ہیں۔ جو کھلوادی میں آجائے پر رامو لوگ سیدہم ری
کے مغربی کنارے پر مختلف مقامات پر آباد ہو گئے۔ کچھ مقامات جن پر
قناڑ لوگ کھنے قابض ہیں۔ آج بھی اپنے ناموں کے حامل ہیں جیسے وہ
ابن اس جگہ رہتے ہیں باسیوم واریا، پساڑی وھلڑا کی طرف
چلے گئے ہیں۔ مینو کھ واریا میں واقع رامو گاؤں کے نام "گھڑی" میں
رہنے والے خاندانوں سے منسوب کر دیے گئے ہیں۔

ان کا علاقہ سطح سمندر سے ۵۰۰۰ سے ۱۵۰۰۰ فٹ
تک کی اونچائی پر ہے۔ آب و ہوا عموماً سرد ہے۔ گرمیوں کے مہینوں
کے دوران جب کبھی بہت سی بارش ہوتی ہے موسم سرد ہوتا ہے۔
سرما کے دوران ہوائیں چلتی ہیں۔ صبح سویرے کے چند گھنٹوں کو
چھوڑ کر سرما کے دنوں کو کیٹلی ہوا بہت ہی شہتہ گرم رہتی
ہیں۔ دھوپ کے باوجود لوگ اپنے آپ کو اپنے مکانوں تک بند
رکھتے ہیں۔ سردیوں میں بارش کم ہوتی ہے لیکن آسمان پر بادل
چھائے رہتے ہیں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر برف پڑتی ہے۔

راہو لوگ تیار ہونے کی جگہ کا انتخاب کرنے کے لئے کبھی پہلوئی پر غور کرتے ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم ہیں ہموار سطح کی زمین کی دستیابی۔ سرسبز کے دوران دھوپ سینکنے کے لئے اچھے پتھر اور پانی کی دستیابی۔ یہی وہ ہے کہ سبوم نری اور اس میں ملنے والی ندیوں کی راہیں راہروں کو گون سے آگاہ ہیں۔ جیسے پہلے سے سلامتی۔ بہت ضروری ہے کہ یوں کہ راہروں کی جگہ۔ جنگ۔ جو قبیلہ ہیں۔ جنگ کرنا ان کی زندگی کا دستور ہے۔ اس لئے گاؤں اور پنچائی پر آنت ہوتے ہیں تاکہ حملہ کرنے والوں کو سخت اور گھروڑی چٹانوں پر پڑنے سے محفوظ لگانا پڑے۔ غائب کاشت زمین کی دستیابی اور جنگلوں سے نزدیک ہونا ایک سازگار پہلو ہے۔ راہروں کے مکان کھڑی کی گیلیوں اور بانس کی چٹانوں سے بنائے جاتے ہیں۔ ہر مکان دس سے پندرہ سال تک قائم رہتا ہے۔ انہیں اکثر مرمت کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کے لئے جملہ کی مکڑی کا جنگل خاص کشش رکھتا ہے۔ جب جنگ کا انتخاب کریں جاتا ہے تو مکانوں کی تعمیر شروع ہوتی ہے جس سے پیشتر ہی رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ دوت یا ذات پات کی بنا پر مکان کی جگہ کے لئے کوئی ترجیح نہیں دی جاتی۔ ذات پات کی بنا پر کوئی تفریق بھی نہیں ہوتی۔ راہروں کی بدنامی میراث کا قبیلہ ہیں۔ خازانی بنیاد پر گھر گھر ہستیوں کی تعداد میں اضافہ مکانوں کی تعداد میں اضافے کا باعث ہوتا ہے۔

مکان کی بنیاد اور دھانچے کا کام گیلیوں پر مبنی ہوتا ہے۔ دیواریں کچلے ہوئے بانس سے بنائی جاتی ہیں۔ چھت کچھ اور انہیں بلکہ پورے سائز کے بانس سے بنتی ہے جو کچل کر چبٹا کر یا جاتا ہے اور اس طرح رکھا جاتا ہے کہ اس کے سرے اونچے مرکز سے دونوں طرف کو ترچھے ہو جاتے ہیں جس سے بارش کے پانی کا ٹکاس ہوتا ہے۔ زیادہ تر مکانوں میں سامنے کے برآمدے ہوتے ہیں جو مکان کی چھت اور دروازے کی توسیع یافتہ حصے ہوتے ہیں اور طرین کی دیواروں کے بغیر ہوتے ہیں۔ مکانوں میں ایک دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو عام طور سے سامنے کا دروازہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی پہلو میں دروازہ ہوتا ہے لیکن معنی دروازہ نہیں ہوتا۔ دروازے سے مکڑی کے جکڑے سے بنائے جاتے ہیں جن کو مکڑی کے فریم کا سہارا

دیا جاتا ہے۔ مکانوں میں کھڑکیاں اور شندان یا چنیاں نہیں ہوتیں۔ ان کے اندر اندر میرا ہوتا ہے۔ مکان چھوٹے درمیانے یا بہت ہی بڑے ہوتے ہیں۔

ایک مکان کئی حصوں میں بنا ہوا ہوتا ہے جس کے لئے فرش پر کوئی نشان نہیں لگایا جاتا۔ مختلف حصے اپنے ناموں سے جانے جاتے ہیں۔ جوں ہی گھر میں داخل ہوتے ہیں ٹائیکو سب سے پہلے آتا ہے اور زیادہ تر اسے خواتین ہی استعمال کرتی ہیں۔ دوسرا نصف کو "جگو" کہتے ہیں جسے زیادہ تر مرد استعمال کرتے ہیں اور شادی نیز غریبوں کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ "ہینگ" کہلاتا ہے اور اسے مقدس تصور کرتے ہیں۔ اس حصے میں مٹھی جاور کے چنے سر ناکش کے لئے ہوتے ہیں ان سے ان قربانیوں کا پتہ چلتا ہے جو اس کپنے نے کر رکھی ہیں۔ پرتھو یعنی "کوریگ" جو پہلو کی راہیں دیوار کے ساتھ ہوتا ہے "باہر سے آنے والوں کے لئے ہوتا ہے جو ایک یا دو راتوں کے لئے قیام کرنا چاہتے ہیں۔ پانچواں حصہ "چینگ" معنی ہوتا ہے اور ایک گیارہ کی طرح راتیں یا مہینے یا خانے کی طرف جاتا ہے۔ آگ جلانے کی جگہ یعنی چوہا سب سے زیادہ اہم جگہ ہوتی ہے۔ یہ مکان کے مرکز میں ہوتا ہے اور کھانا پکانے کا یا حقہ پینے کے لئے ہوتا ہے۔ جانوروں کیلئے کوئی علیحدہ مکان نہیں تعمیر کیا جاتا۔ وہ عام مکان میں کھلے بندوں گھوم سکتے ہیں۔ انداز کا گودام چھوٹا اور زمین سے اوپر بنایا جاتا ہے اور اونچائی میں برابر ہوتا ہے۔

لباس اور زینورات:

مرد راہروں میں ادنیٰ کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ سلک استعمال نہیں کرتے۔ لباس کے انداز میں ان پر دوسرے قبیلوں کا اثر ہے۔ سر کا لباس مطلوب کہلاتا ہے جو پیر یا منمن اور کچھ یا بندر کی کھال سے بنایا جاتا ہے۔ اوپر کی لباس نامور اور چوہا پر مشتمل ہے۔ دونوں بکری کے بالوں سے بنے کپڑے کے ہوتے ہیں۔ نامور سے ۵ فٹ لمبا اور ڈیڑ فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کے مرکز میں ایک مورخ رکھا جاتا ہے جس میں سے سر کو نکالایا جاتا ہے اور عقب سے

بڑا شوق ہے۔ یہ سارے جسم کو گردن سے گھٹے تک
 دنوں میں سے ڈھانپ لیتا ہے۔ مگر پر اسے بیدار ایک پیٹی سے
 ڈھانپا جاتا ہے جسے ایک چرب کہتے ہیں۔ جو بالک کوٹ ہوتا
 ہے جو اندرونی لباس کا کام دیتا ہے۔ اسے اون سے بنایا جاتا ہے
 مختلف رنگوں میں ملتا ہے۔ ڈھین لک کوک ہرن کی کمال ہوتی
 ہے جو پیٹ پر چربا کے اوپر نامو کے نیچے پہنی جاتی ہے۔ ایک حفاظتی
 لباس جسکو کوئی تھروں اتوار کی جھوٹوں اور اچانک کے حملوں سے بچنے
 کے لئے لٹھ پٹھ ہے۔ (رواسکٹ) لیبا نک (دستار) اور راقم
 ہستان کا کمال سے نئی ڈھانچا روزانہ پہنے کی قابل ذکر چیزیں ہیں۔
 عورتوں کا لباس اور میکینک اور جیپانگ پر مشتمل
 رہتا ہے۔ او میکینک کوٹ جیپا اوئی ملبوس ہوتا ہے۔ سرخ اور
 بنی پٹیاں یکے بعد دیگرے آپس میں جوڑ دی جاتی ہیں تاکہ رنجین
 زیر آبی پیدا ہو جائے۔ یہ کوٹ جسم کو گردن سے کمر تک ڈھانپ لیتے
 ہیں، آدھی بائیں کے ہوتے ہیں اور آگے سے کھلے ہوتے ہیں جیپانگ
 جوب سوتلی کپڑے کا ہوتا ہے جسم کے نیچے حصے کو کمر سے گھٹن تک یا
 ذرا نیچے تک ڈھانپ لیتا ہے۔ دھیرے دھیرے اب اس کی جگہ
 گلے سے لپٹے ہوئے جو کہ متاثر ہوتا ہے اور عمدہ ہوتا ہے۔
 راقم عورتیں سر پر کچھ نہیں اوڑھتیں۔ ان کے بال کٹے
 ہوتے ہوتے ہیں۔ وہ نہیں تالوڈ ملوب پہنتی ہیں جو کہ دھلت کی بنی
 ہوئی ہوتی ہے۔ لڑکیاں اور عورتیں سونے اور قیمتی پتھروں سے بنی
 انگلیاں پہنتی ہیں۔ انی، قیلو، اوک، ابلاو وغیرہ عورتوں کے دیگر
 زیورات ہیں۔

راقم لوگ وحشیانہ، جھوٹی تلواریں اچھائے جیسے
 ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ "یوکسی" ایک جھوٹی تلوار ہوتی ہے۔
 "او ایک" ایک چمرا ہوتا ہے۔ "نیرنگنگ" ایک چھوٹا پاتو ہوتا ہے۔
 "ننگ" ایک سیلا ہوتا ہے۔ تیروں کی ننگ "آو" جو بڑے زہریلی کو
 گولی بناتی ہے۔

خون کے

راقم لوگ عام فساد مکنی ہے جسے وہ کیا بھی کہتے

ہیں اور سیکر اور دھوئی بنا کر بھی کھاتے ہیں۔ جاول بڑا پسند کیا جاتا
 ہے۔ جو نیکو یہ کم لپ ہے لہذا اسے خاص مواقع کے لئے محفوظ کر لیا
 جاتا ہے۔ جب اناج دستیاب نہیں ہوتا تو چند جڑیں کھائی جاتی ہیں۔
 انہیں سفوف میں چل کر ان کی روٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ سبز روٹیں
 بنی استیامیل، کھیر اور کرپے وغیرہ عام ہوتے ہیں۔ والیں زیادہ
 مرغوب نہیں ہوتیں۔

مصلحوں میں نک اور لال مرج بڑے احترام سے پسند
 کئے جاتے ہیں۔ لال مرج کافی مقدار میں بولی جاتی ہے۔ نک ایک نعمت
 ہے۔ عام و اسے پے راقم لوگ اپنے بچے کے افراد کو نک کے ذمیر
 کے لئے بیچ دیتے تھے لیکن اب حالات بدل چکے ہیں اور نک دستیاب
 رہتا ہے۔ پھلی بہت پسند کی جاتی ہے۔ گوشت پسند کیا جاتا ہے۔
 اناج اور سبزیاں عورتوں میں قربانی کے موقعوں اور تقریبات میں برقی
 جاتی ہیں۔ اگرچہ دودھ دینے والے جانور کم ہوتے ہیں۔

حقہ پینا راقم لوگوں کی زندگی کا اہم جز ہے۔ کھانا چوک
 سکتا ہے لیکن تمباکو کھیں نہیں چوک۔ راقم لوگوں کا ام نوشینہ "او"
 مقامی نوعیت کا ایک پیر ہے جو مکی اور رائے سے تیار کی جاتی ہے
 اور راقم لوگوں کی بچپن سے فرنگ کی ساتھی ہے۔ جنم سے جنازے
 تک، فصل کاٹنے اور معاہدوں لٹے۔ دوائی کے طور پر بحث و مباحثہ
 اور تصفیے، اغوا سے قتل تک کوئی بھی ایسا موقع نہیں جس کی تعمیل
 "او" کے بغیر کی جاسکے۔

شادی اور کنبہ

شادی کے بارے میں بات چیت کے دوران میں چیز کا
 زیادہ خیال رکھا جاتا ہے وہ ہے خاندانی طبقہ اور اقتصاد کا پتلور
 امیر لوگ دریا میں بارشادی کر سکتے ہیں اور غریبہ چاہے ساری
 زندگی گزارا رہ جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی، اغوا اور افراد
 کے معاہدے پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہیں کی قیمت کے علاوہ ہر شے داروں
 کھاتے تھے اور شادی کی دعوت پر شادی کی شادی اور
 سبکی مقدار میں ہم سب سے متعلق ہیں۔
 راقم اور لڑکیاں نک کے ساتھ ساتھ

(یہ سب کچھ ہے)

— 17 —

جدلیاتی اور تاریخی مادیت کا ایک

حبیب الحق انصاری

ہے۔ یہ مختلف شکلوں میں ارتقائیاتی ہے۔ شعور سے باہر یا شعور کے اندر مادے کے بغیر حرکت ناممکن ہے۔

پانچویں باب میں بیان کیا گیا ہے کہ زمان اور مکان، مادے کے وجود کی عمومی شکلیں ہیں۔ ناتوانہ مکان و زمان سے باہر وجود رکھتا ہے نہ ہی زمان و مکان مادے سے باہر وجود رکھتے ہیں۔

چھٹے باب میں اس بات کی وضاحت ہے کہ شعور مادی دنیا کے انعکاس کی بلند ترین معلوم شکل ہے۔ انسان محنت کے ذریعہ حیوانی دنیا سے بلند ہوا۔ سماجی باہمی عمل سے شعور میں ذہنی سرگرمی فروغ پائی اور زبان ظہور میں آئی۔ غور و فکر انسان کو دیگر حیوانوں سے ممتاز کرتے ہیں، محنت اور زبان کی پیداوار ہیں۔

ساتویں باب میں مادی جدلیات کے قوانین بیان کئے گئے ہیں۔ کیفیت کی عبور کے قانون میں بتایا گیا ہے کہ مثلاً پیدائش اور موت کیفیتیں تبدیلیاں ہیں جس کے برعکس خود زندگی کے دوران ہونے والی تبدیلیاں کیفیتیں تبدیلیاں کہی جاسکتی ہیں۔ نفی کی نفی کے قانون کو سمجھانے میں واضح کیا گیا ہے کہ جدلیاتی نفی معینہ شے میں جبلی قوانین کے تحت ہی ہوتی ہے۔ ضدین کی وحدت اور تضاد کے قانون کو سراسر ارتقاء کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔ حرکت یکسے خود حرکتی اور شے میں جبلی ہوتی ہے۔ مواد کے قانون پہلے دو قانونوں کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔

آٹھویں باب میں مقولات کا ذکر ہے کہ وہ انتہائی وسیع نوعیت کے تصورات رکھتے ہیں جن میں مادیاتی مادیت میں کافی استقامت ہوتا ہے۔ علت اور معلول کے مقولے ایسے ہوتے ہیں کہ معلول اپنی ہی علت کی علت ہوتا ہے۔ لزوم اور اتفاق کے مقولے ایسے ہوتے ہیں کہ ہر واقعہ ان ضدین کی ہوتا ہے اور ہر قانون صرف ایک رجحان، ایک اوسط

یہ کتاب ایک ضخیم موضوع کا جامع اور خلاصہ اور اردو زبان عوام کے لئے ایک دل خوش کن تحفہ ہے جس کے لئے دارالاشاعت ترقی، ماسکو شکر ہے کا مستحق ہے۔ اس چوتھی سی کتاب میں ایک کائنات پر گہرے دی گئی ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ جدلیاتی مادیت دس ابواب پر اور دوسرا حصہ تاریخی مادیت آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے مترجم مرزا اشفاق بیگ ہیں۔

جدلیاتی مادیت

اس حصے کے پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ مادہ مقدم اور شعور ثانوی ہوتا ہے اور مادی نظریہ ہی روحانی نظام کو پیدا کرتے ہیں۔ داخلی عینیت اور معروضی عینیت کے فلسفے غلط اور مغرب رسا ہیں جبکہ جدلیاتی مادیت کا فلسفہ درست اور مفید ہوتا ہے۔

دوسرے باب میں علی الترتیب قدیم جدلیات، سولہویں اور سترہویں صدی کے میکانیات پسندوں، اٹھارہویں صدی کے مابعد الطبیعیاتی مادیت فلسفے اور آئیگل کی جدلیاتی عینیت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ مارکس نے جدلیاتی مادیت کی بنیاد ڈالی اور سائنسی علم کا خلاصہ پیش کیا جو حقائق پر مبنی تھا۔

تیسرے باب میں بتایا گیا ہے کہ مادہ وہ مواد ہے جس سے عام اشیاء تشکیل پاتی ہیں اور جو ہمارے شعور سے باہر معروضی وجود رکھتا ہے۔ مادہ ناقابل تخلیق اور لازوال ہے۔

چوتھے باب میں بتایا گیا ہے کہ حرکت سے مراد مادے میں ہر قسم کی تبدیلی ہے مثلاً زندگی مادے کی حرکت کی ایک شکل ہے۔ سکون حرکت کی ایک مخصوص حالت ہے۔ حرکت ابدی، مطلق، ناقابل تخلیق، لازوال

طرح یوں درست ہونا چاہئے کہ وہ دیگر اولیائے کائنات کی بہر حال مدد بھی مقرر کر دیتا ہے۔

غیر بلب میں اور اک کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ خارجی دنیا کے اور اک کی بنیاد اشیاء پر اور اوزاروں اور آلات کے ذریعہ کی گئی انسانی سرگرمی ہے۔ عمل تغیر پذیر ہوتا ہے اور چونکہ عمل اور اک کی معروضی بنیاد ہے تو اس لئے علم کبھی جامد نہیں رہتا ہے۔ ساتھ ہی عمل اور اک کی کسوٹی بھی ہوتا ہے۔

دوسری باب میں بتایا گیا ہے کہ تجریدی خیالات ناقابلِ احساس ہوتے ہیں لیکن وہ ہر بھی حقیقت کی نقیصہ اور شبہ ہیں۔ تجرباتی سائنس کی ابتدا اضطرت کی جانب جہول استغراقی رسائی چھوڑ کر اس کے راز ہائے سرایت میں سرگرم مداخلت کی طرف ایک بڑا موڑ ہے۔ سائنسی تجربہ کاری اور پیداواری سرگرمی کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن کایہ ناروا کہ "سرگرم مشاہدے سے تجریدی فکر تک اور پھر اس سے عمل تک" اور اک کے عمل کے جدیداتی کردار کا بہترین اظہار ہے۔

تاریخی مادیت:

کتاب کے دوسرے حصے کے پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ معاشرے کی مارکسی۔لینی سائنس کو تاریخی مادیت کہتے ہیں۔ تاریخی مادیت کے قوانین کل مغرب میں نہیں بلکہ صرف معاشرے میں عمل کرتے ہیں۔ تاریخی مادیت جانبدار ہوتی ہے۔ اس کے مطابق بورژوائی کے مفادات کے برعکس مزدور طبقے کے مفادات تاریخی حقائق کی عکاسی کرتے ہیں۔

دوسرے باب میں بھی گرامشی اشیاء کی پیداوار تاریخ کی بنیاد ہے۔ تاریخ ایک معروضی عمل ہے۔ معاشرتی قوانین کا ارتقاء ہمیشہ انسانوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ معروضی ضرورت کا اندازہ حقیقی آزادی کی پہلی لازمی شرط ہے۔ دوسری شرط علم کو عمل میں بدلنا ہوتا ہے۔ مادی پیداوار کے طریقے ہی معاشرے کے کردار کو متعین کرتے ہیں۔

تیسرے باب میں مادی پیداوار کے طریقوں سے بحث کی گئی ہے۔ لوگ محنت کی اشیاء اور محنت کے آلات پیداواری قوتیں کہلاتے ہیں۔ ذرائع پیداوار کی ملکیت سے لوگوں کا تعلق پیداواری رشتوں کی

بنیاد ہے۔ پیداواری قوتیں اور پیداواری رشتے مل کر ایسے زیر پیداوار بناتے ہیں۔ سماجی معاشی تشکیلات کی خاص مثالیں ابتدائی برابری کا نظام، غلامی کا نظام، جاگیر داری کا نظام، سرمایہ داری کا نظام، اشتراکی نظام اور کمیونسٹ نظام ہیں جو عالمی تاریخ کی ارتقائی منزلیں ہیں۔

چوتھے باب میں طبقات اور طبقاتی رشتے زیر بحث لائے گئے ہیں۔ غلام اور آئینہ غلام کسان اور جاگیردار، مزدور اور کاردار، ملی الترتیب غلامی اور آقا، جاگیر داری اور سرمایہ داری نظاموں کے بنیادی ترقیاتی طبقات ہیں۔ طبقاتی جدوجہد سماجی ترقی کی محرک قوت ہوتی ہے۔ طبقات کا خاتمہ ایک طویل عمل ہے۔ اسی میں بڑی ضرورت کوشش مرنے کو نا ہوتی ہے۔

پانچویں باب کا موضوع ریاست ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی برابری کی منزل میں ریاست کا وجود نہیں تھا۔ ریاست جب سے وجود میں آئی ہر دور میں استحصال کرنے والے طبقے کے مفادات کی حفاظت کرتی آئی ہے۔ سرمایہ داری اور مشینوں کے درمیانی عبوری دور میں معاشرے کی سیاسی تنظیم اور لازمی طور پر پروتاریہ کی آمریت ہونی چاہئے جس کی مختلف شکلوں میں پیرس کمیون، سوویتوں اور عوامی جمہوریت کا شمار ہوتا ہے۔

چھٹے باب میں بتایا گیا ہے کہ انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ ایک طرف مزدوروں کی اکثریت انقلاب کے لئے رہنما رہنے پر تیار ہو تو دوسری طرف حکومت اس قدر کمزور بنادلی جائے کہ اس کا تختہ الٹنے کا موقع مل سکے۔ اشتراکی انقلاب مسلح ہو گا یا نرا سن یہ کسی ملک کے حالات پر منحصر ہوتا ہے۔

ساتویں باب میں ہے کہ عوام اپنی محنت سے معاشرے کی ساری دولت پیدا کرتے ہیں۔ وہ تاریخ کے معروضی اور عامل ہوتے ہیں اور حقیقی صلاحیت کا مستقل سرچشمہ ہیں۔ سوشلزم کے برعکس دوسری طبقاتی تشکیلات میں عوام میں کچھ استحصال کرنے والے طبقے بھی شامل ہوتے ہیں۔ تاریخی ملویت عظیم انسانوں کے نمایاں رول سے انکار نہیں کرتی لیکن یہ بھی ہے کہ خود نمایاں افراد تاریخ کی پیداوار ہوتے ہیں۔ راجے، جتھے گوناگوں اور گھبرے ہوتے ہیں افراد اپنی جتنی زیادہ سرگرمی سے قائم

رکھتا ہے اتنی ہی بنیادہ ترقی یافتہ اسی کی شخصیت ہوتی ہے۔ معاشرہ داری
فرد کی شخصیت کو پانچ بنیادی ہے جبکہ مجموعہ اسی شخصیت کو ممکن
اور ہم آہنگ سہجے ہیں ڈھائی ہے۔ فرد کی سالمیت کا مطلب یہ
ہے کہ کام کو تخلیقی بنایا جائے۔

آخر میں اور آخری باب میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح مادہ
مقدم اور شعور ثانوی ہوتا ہے اسی طرح معاشرتی استی مقدم اور
شعور ثانوی ہوتا ہے۔ اخلاقیات معاشرتی شعور کی قدیم ترین شکل ہے
جب پیداوار رشتے بدلتے ہیں تو اخلاق بھی بدلتا ہے۔ مذہب ایک انتہائی
ہیچہ معاشرتی مظہر ہے اور اس کی کئی سطحیں ہیں جن میں بعض کا تعلق
شعور سے ہے تو بعض کا عمل سے ہے۔ فنون کا ارتقاء ہمیشہ معاشرے
کی بلندی بنیاد کے ارتقاء کے مطابق نہیں ہوتا۔ موسیقی میں مثال کی اہمیت
ابتدائی دور کے پیداواری عمل کے طریقے کے سبب سے ہے۔ ڈرامے کا
فن بھی سماجی ساختوں اور معاشرے میں تبدیلی سے متاثر ہوتا ہے۔
اگرچہ مارکسی۔ لیننی نظریہ یہ کہتا ہے کہ معاشرتی شعور کا مادہ ارتقائی
پر ہے لیکن وہ معاشرتی شعور کی اہمیت کو کم نہیں کرتا۔ مارکس کا قول
ہے کہ "..... نظریہ جب عوام انسانی کے ذہنی نوگزشت میں لے لیتا
ہے تو مادی قوت بن جاتا ہے۔"

مجموعی طور سے یہ کتاب عصر حاضر کی ایک بڑی ضرورت کو
پورا کرتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اس طرح کی کتابیں ایسکو لہجہ اور
کالچن کے لکھناؤں کا حصہ بنادی جائیں تاکہ ہم سب کو اپنی رہا میں
متغین کرنے میں آسانی ہو سکے۔

کتاب کا سائز ایسا ہے کہ آسانی سے ہر جگہ ساتھ
جا سکتی ہے۔ کاغذ، جلد، پرنٹ، ٹائپ وغیرہ نہایت اعلیٰ درجے کا ہے۔
البتہ ایسے اور ترے سے متعلق کچھ غلطیاں عیب قریل ہیں:

معین (معین)۔ ریزر خورد (ریزرفورڈ)۔ اخلاق کو
صیفہ بندی (املاط کی صیفہ بندی)۔ مابذہ آموز (مابذہ آمیز)۔

دکھایا ہے (دکھائی ہے)۔ کو اظہار کرنے (کا اظہار کونہ) اور تعلیمیت
(تعلیمات) صفحات ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹



مال ہی میں کلکٹر میں وزیر اعلیٰ شری چوٹا باسوا انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اکلکٹر کے زیر اہتمام منعقدہ تقریب میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے۔



سید منظور حبیب اللہ وزیر عدلیہ حکومت مغربی بنگالہ اور وزیر صنعت کوچم یادو کے ہونے پر گائیڈ ایسکار اکلکٹر میں تقریب کے مشہور فنکار کے ہونے پر مشہور ادارہ کے فنکاروں کی فہرست درج ذیل ہے۔



دکٹر ایف لیٹن



انقلاب روس ۱۹۱۷ء - ریڈ گارڈس (لال فوج)



23

- 4 MAR 1981

میری بنگال

۱۵ دسمبر ۱۹۸۰ء

شرح خریداری

سہالانتہ: تین روپے * ۱۱۱ شہاوت کی قیمت: بارہ روپے

توسیلہ زر کا پتہ:

بزنس مینجر!

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

۲۳- آر این، مکھرجی روڈ - کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

مغربی بنگال

پندرہ روزہ

مدیر اعلیٰ: پرتین بھٹاچاریہ

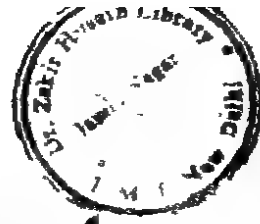
مدیر: دھرنیدراناث دت

مدیر معاون: محمد اعظم

جلد نمبر ۳۳ * ۱۵ / دسمبر ۱۹۸۶ء * شمارہ نمبر ۲۳



۲۱ نومبر ۱۹۸۶ء کو راسٹرس بڈنگس کلکتہ میں وزیر اعلیٰ جیوتی باسوا، جارجیا، سودیت کوٹا
کتاب وزیر اعظم کے ساتھ جو گفتگو



مسلمان جوانوں کو تبادلہ روزگار کے فائز سے روزگار فراہم کیا جائے

وزیر قانون و اقلیتی امور، ایس۔ ایچ۔ حبیب اللہ

گزشتہ کل یعنی ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء کو بنگلہ اخبار جوگانشتر میں ایک خبر شائع ہوئی جس کی طرف میری توجہ مبذول کر لی گئی۔ اسی خبر میں یہ باتیں درج ہیں کہ مرکزی وزیر شہری پریر پنچا داس منشی اور حزب اختلاف کے سربراہ مولوی عبدالستار کو، آئندہ انتخاب کی آمد آمد کے وقت یہ بات معلوم ہوئی کہ بائیں محاذ حکومت کے تحت مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ غفلت برتی گئی۔ مجھے بتایا گیا کہ گزشتہ ۸ دسمبر کو مسلم انشٹی ٹیوٹ ہال میں کانگریس والوں کا ایک جلسہ ہوا تھا اور اس جلسہ میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ کانگریسی رہنما یا وزراء اپنے پیرکار اور حامیوں سے کیا کہتے، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، لیکن وہ موقعہ کو دیکھتے ہوئے ہماری بائیں محاذ حکومت پر حملہ کر دیتے ہیں اور عوام کے لئے اس کی اشاعت بھی کرتے ہیں۔ قدرتی طور پر ہمیں ان کے چبوتے اور مکمل طور پر بے بنیاد الزامات کا جواب دینا پڑتا ہے۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ جہاں کانگریس کے زیر حکومت تمام ریاستوں اور علاقوں میں مسلمانوں کو روزانہ فرقہ وارانہ فسادات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور ایسے فسادات تو ان کے لئے دبا بن چکے ہیں جہاں کانگریس کے سربراہ مغربی بنگال میں ایسے الزامات عائد کرتے ہیں جہاں فرقہ غارادہ فسادات کی شدید کوششوں کے باوجود، فرقہ وارانہ فسادات رونما نہ ہوتے، سوائے اس کے کہ چند علاقوں میں فسادات کی صورت حال پیدا کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں، لیکن ایسی صورت حال کو عوام اور انتظامیہ نے فوراً گوارا دیا۔ بہر حال اس خبر کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان دونوں سربراہوں نے یہ بتایا کہ مغربی بنگال میں جہاں ہزاروں نوجوانوں کو روزگار فراہم کیا جاتا ہے، وہاں ایک بھی مسلمان کو نہیں

لیا جاتا۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں کہ ان اصحاب کو یہ اعداد و شمار کہاں سے ملے۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت ایسے اعداد و شمار نہیں رکھتی کیوں کہ دستور کے لحاظ سے مسلمانوں کو شیڈیولڈ کاسٹ و ٹرائب کی طرح سرکاری ملازمت کے لئے کوئی الگ ضمیمہ حاصل نہیں ہے، ہم چند اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جن سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ ان لوگوں کے بیانات بالکل بے بنیاد ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی بنگال میں مدرسہ تعلیم کو لے کر اس بات سے سبھی واقف ہیں کہ ایسے اداروں کے زیادہ اساتذہ، طلباء اور غیر معلم اسٹاف مسلمان ہیں۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۷ء سے قبل مغربی بنگال میں ۷۷ ہائی مدرسے، ۱۴۰ جونیئر مدرسے اور ۷۷ سینئر مدرسے تھے، لیکن ان میں سے ایک بھی مدرسہ حکومت کا تسلیم کردہ نہ تھا۔ ان مدرسوں کے اساتذہ اور اسٹاف کی تنخواہیں بھی بہت کم تھیں اور یہ سب دیگر مراعات سے بھی محروم تھے۔ ان کی تنخواہوں کی کوئی شرحیں نہیں تھیں۔ گزشتہ دس برسوں میں نہ صرف ان مدرسوں کو حکومت نے تسلیم کر لیا بلکہ ان کے اساتذہ اور اسٹاف کو دیگر ثانوی اسکولوں کے اساتذہ اور اسٹاف کو دی جانے والی تنخواہوں کے برابر تنخواہیں دیں شروع کر دیں۔ نیز مزید ۶۲ ہائی مدرسے، ۱۴۰ جونیئر مدرسے اور ۱۶ سینئر مدرسے کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور انہیں ثانوی اسکول کی شرح کے مطابق باضابطہ تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں حکومت مغربی بنگال نے ۵۲ لاکھ روپے مدرسہ تعلیم پر خرچ کئے جبکہ موجودہ ریاستی بجٹ میں اس رقم کے تحت ۵۷ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ثانوی اسکولوں کے اساتذہ اور اسٹاف کی تنخواہوں کی جو شرحیں ہیں، ان ہی کے مطابق مدرسہ کے اساتذہ اور اسٹاف کو تنخواہیں دی

دی جاتی ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی درس تعلیم کے لئے مسلمانوں کو روپے خرچ کرنا ہوتا ہے۔
 عدلیہ کے علاوہ بائیں محاذ حکومت کے دور میں برائے اور ثانوی اسکولوں کے لئے سینکڑوں اساتذہ کی تنہائی تھی اور انہیں تنہائی شہر میں کے مطابق تنہا رہنا پڑتا تھا۔ اور اسکولوں کو تسلیم کر لیا گیا، اور وہ ایک ہی نام کی تھی۔ یہ اقلیت مسلمان نوجوانوں کو روزگار کی فراہمی میں معاون ثابت ہوئے، نیز لسانی اقلیت، جو زیادہ تر مسلمان ہیں، کو اس بات کا یقین دہایا گیا کہ ان کے حقوق برقرار رہیں گے۔ جہاں تک سرکاری روزگار کا سوال ہے، یہاں اس بات کو یاد رکھنا ہوگا کہ ان کے علاوہ، جہاں آزادی کے قبل کے دنوں سے مختلف طبقوں کے لوگوں کے لئے روزگار میں نشستیں مخصوص ہیں، کہیں بھی مسلمانوں کے لئے روزگار میں نشستیں مخصوص نہیں ہیں۔ لیکن ہماری حکومت نے روزگار کی تمام ایجنسیوں کو گمشدہ طور پر سمجھا کہ مسلمانوں کو مناسب طور پر روزگار فراہم ہو۔

میں یہ بات حزب اختلاف کے سربراہ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ مغربی بنگال وقف بورڈ کے مسائل کی تنخواہوں کی مناسب شرحیں نہیں ہیں اور انہیں چندے سے حاصل کردہ رقم پر مکمل طور پر تنخواہوں کے لئے اٹھنا پڑتا ہے۔ ان کے لئے حکومت نے اس صورت حال کو بہتر کرنے کی بھی کوشش نہیں کی۔ یہ بائیں محاذ حکومت ہی ہے جس نے وقف بورڈ کے ادارہ کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں۔ ریاستی حکومت اسے ملوکی عطیہ فراہم کرتی ہے۔
 شکایت ہے قبل وقف عطیہ تھا۔ موجودہ جگہ میں اخراجات 9 لاکھ روپے تک بڑھ گئے۔ ان تمام اخراجات سے مسلمان ہی مستفید ہوتے ہیں لیکن مشرعی پر یہ رہنما اس منشی کے کہنے کے مطابق مغربی بنگال میں مسلمانوں سے غفلت برتا جاتی ہے۔ جو کچھ کہ اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے کام کے لئے خود ایک پروگرام اور موجودہ مرکز کا اور ریاستی مضافاتی روزگار پروگرام اور حقیقت ہزاروں مسلمانوں کی مدد کر رہے ہیں جن کی سہولتوں دینا تو ایسے دیہی مزدوروں میں اکثریت ہے۔
 تبادلاً روزگار کے دفتر کے ذریعہ نئی بھرتی کے اصولوں کو

موجودہ عمل لاکر موجودہ حکومت نے تمام حقوق کے لئے روزگار کے مناسب مواقع فراہم کئے اور اس طرح مسلمان نوجوانوں کو تبادلاً روزگار کے دفتر کے ذریعہ روزگار فراہم کیا جا رہا ہے۔ وزیروں اور مجران اسمبلی کی سفارشات کے ذریعہ روزگار کی فراہمی سے کہیں زیادہ تبادلاً روزگار قوانین اور پبلک سروس قوانین کے نفاذ سے روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہو سکتے ہیں۔ ماضی میں بھی ان باتوں کو رو بہ عمل لیا جاتا تھا لیکن ایسے طریقہ کار صحت مند نہیں ہیں اور یہ صرف کنبہ پروردگی کی بہت افزائی کرتے ہیں ***

بقیہ: اقبالیہ اور فلسفۂ عقل و عشق

لیکن عشق اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ آرزو کا وجود نہ ہو۔ آرزو نہ ہو تو عشق ایک بے کار جذبہ ہے جس کی کچھ قدر نہیں۔ عشق آرزو ہی سے استوار اور دیرپا بنتا ہے۔ آرزو جتنی بلند اور روشن ہوگی اسی قدر عشق ہوا میں ہوس سے بیگانہ ہوگا۔ عشق آرزو سے زندہ ہوتا ہے۔ اگر دل میں آرزو نہ ہو تو عشق کا روشن چراغ بھی بجھ جاتا ہے۔ عشق کی بقا آرزو کی بقا ہے اور عشق کا سوز آرزو کے قیام سے وابستہ ہے۔ اس لئے اقبالیہ نے آرزو کو زندہ رکھنے کی کوشش سے تعلیم دی ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ زندگی یا س و قنوت سے عبارت نہیں ہے بلکہ آرزو حیات ان کی کا وہ چراغ ہے جس سے زندگی کا ہر پہلو تابناک ہے۔ اسلام آرزو و دنیا کی تعلیم دے رہا ہے۔
 رضائے الہی کی آرزو، خوشنودی رسول کی آرزو، جنت کی آرزو، زندگی کی آرزو، آسمانی عطیات کی آرزو، زندگی کو با مقصد اور با معنی بنانے کی آرزو۔ غرض اقبالیہ کے فلسفہ عقل و عشق کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی حقیقی فرق نہیں ہے بلکہ صرف عروج و ارتقاء کا فرق ہے۔ ان میں ماہر الاقربان آرزو کے معرفت کی وہ خاص کیفیت ہے جسے شاعر نے سوز کہا ہے۔ اگر عقل میں یہ سوز پیدا ہو جائے تو وہ عشق بن جاتی ہے۔

چرخ پرسی میان سینہ دل چہیت
 خرد چون سوز پیدا کردہ دل شد
 (شکوہ پاسبان، چندہ گڑھ) ***

اقبال اور فلسفہ عقل و عشق

نسرین سلطانہ جبین

(د) عقل مشکوک اور شبہات کا نام ہے۔ اس میں والہا جذبہ نہیں ہوتا اور یہ دور بہنی اور عاقبت اندیشی کے مرض میں گرفتار ہوتی ہے۔ عقل نے دنیا میں جرأت کے حیرت انگیز کرشمے نہیں دکھائے ہیں لیکن عشق کی بدولت انسانوں کی تاریخ درخشاں اور منور کارناموں سے پُر ہے۔

عقل را سر پایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لای شک است

واقعی عقل کا علم جو مشاہدہ حقیقت سے محروم ہے ظن گمان سے زیادہ نہیں، انسانی دل محض گمان سے مطمئن نہیں ہو سکتا بلکہ یقین حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ کائنات کا سطحی علم بیکار ہے جب تک انسان کی نظر اس کی تہ تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے عقل کی بصارت کے ساتھ عشق کی بعیرت بھی شامل ہوتی ہے کائنات جو خود محروم راز کی تلاش ہے اپنے اسرار پر پنہاں آشکارا کر دیتی ہے۔

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا
کردارے ذریعے میں ہے ذوق آشکارا

کائنات کی حقیقت معلوم کرنے کی جو لگن انسان کے ملا ہے وہ اقبال کے فلسفہ خودی کی روح سے محض نظری اہمیت نہیں، اخلاقی اور عملی اہمیت رکھتی ہے۔ انسان کی حیات یہ ہے کہ اپنی شخصیت کی توسیع اور تکمیل کر کے اسے پایدار اور لازوال بنائے۔ عقل کو اس مقصد کا احساس تک نہیں ہے وہ کشمکش حیات کا دور سے غافل ہو کر رہتا ہے۔ مگر عشق جو پیغام خودی کا مخاطب اور محرم ہے بلاتامل کا رزارع کو پررتا ہے۔

یہ خطر کو پرز آتش فرود میں عشق ہے عقل ہے جو کائنات کے لب بام ابھی

عقل اور عشق کی کشمکش اردو اور فارسی شاعری کا قدیم موضوع رہا ہے۔ اقبال کے فلسفہ میں بھی عقل اور عشق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے عقل اور عشق کے تصورات صوفی شاعروں سے لے کر ان پر جدید فلسفہ و عدائیت کا رنگ چڑھا کر اپنی جدید فکر سے عشق و عقل کی ماہیت اور اس کی حقیقت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا۔ اقبال نے عقل و عشق کا موازنہ کثرت سے کیا ہے۔ وہ

عشق کو عقل پر ترجیح دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم اقبال کے فلسفہ عقل و عشق کے ان دونوں پسلوں یعنی ان کے اختلافات اور اتحاد کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

(الف) عقل راز ہستی کو سمجھتی ہے، یعنی مظاہرہ کی صورت میں اس کا بلا واسطہ ادراک کرتی ہے اور عشق اسے آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ یعنی حقیقت ہستی کا بلا واسطہ مشاہدہ کرتا ہے۔

(ب) عقل زمان و مکان کی پابند ہے اور یہ صرف مظاہر کے ادراک کی صورت میں اس لئے عقل کے ذریعہ سے ہمیں صرف علم حاصل ہوتا ہے۔ عشق زمان و مکان کی حدود سے نکل کر اس عالم لا محدود میں پہنچ جاتا ہے جہاں حقیقت مطلق بے حجاب نظر آتی ہے اور یہی معرفت کا مقام ہے۔

(ج) عقل کی منزل مقصود بھی ہستی مطلق کی معرفت ہے۔ وہ خدا جو ہے لیکن اس کی جستجو بجائے خود ناتمام ہے۔ عشق خدا کا ہے یعنی براہ طلب میں عقل کی رہبری کرتا ہے اور اسے منزل تک پہنچا دیتا اور عقل و عشق ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ دراصل عشق عقل کا

مُرشد ہے۔

لیکن اقبال عقل سے بالکل متنفر نہیں ہیں۔ عقل کو وہ اپنے عروج پر عقل پر غلبہ نہیں دیتے جتنا کہ عشق کو۔ عقل ہر شے کو اپنی کسوٹی پر پرکھتی ہے اور صرف اسی کو خوشنما وید کرتی ہے جو اس کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ عشق صرف سچائی اور صداقت کا طلب گار ہوتا ہے، جہاں اسے یہ ضمانت مل جاتی ہے کہ وہ اپنی جگہ پیدا کر لیتا ہے۔ عشق کے معاملہ شناسی اور معاملہ نہیں کئے فرق کو اس شعر میں دیکھئے۔

بخت ہوتا ہے اگر مصطفیٰ اندیش ہو عقل
عشق ہو مصطفیٰ اندیش تو ہے خام ابھی

اقبال عشق کو ان لفظی کمال کے لئے لازم اور ضروری ہی نہیں سمجھتے بلکہ یہ ان کا ایمان ہے کہ عشق کے بغیر کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتی۔ اس لئے وہ معائب کا مروانہ وار مقابلہ کرنا چاہے۔
صدقِ خلیل بھی ہے عشق، عہدِ حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدرِ رحیم بھی ہے عشق
عشق ہے انسان اور جماعتوں کو حیاتِ جاوید نصیب
جوئی ہے۔ عشق دنیا میں دائم و قائم ہے۔ اس کے کارنامے دلوں میں جو
ہیں ہو سکتے۔

فراہ کی قمارا شکنی زندہ ہے اب تک

باقی انہیں دنیا میں ملو کیے۔ پرویز

عشق ہی سے خودی کی تخلیق ہے اور خودی میں اس وقت
 تک زندگی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک کہ اس میں عشق اپنی پوری شان
 کے ساتھ جلوہ گزیر ہو۔ اس لئے عشق احمد خودی لازم و ملزوم ہیں۔
 حق تو یہ ہے کہ دنیا کی تخلیق سراسر عشق ہی سے ہے۔
 اگر عشق نہ ہوتا تو شاید اس عالم کو ن روکھاں کا وجود نہ ہوتا۔ یہ عشق ہی
 ہے جس نے کہ جس نے وہ عالم کو سرشارِ محبت بنا رکھا ہے۔ ہر شخص
 کو اس محبت اور اس شہدائے مطلقہ کی فکر اور محبت کی ضرورت زندگی
 کے لئے ہے۔ عشق کو پیامِ خدا کے نام پر اور محبت کو وحدتِ کایہ مال
 پر کہ تمام حقیقت ایک ہے۔ ہر شے کی مانگی ہو کہ خودی ہو
 اور خودی شیا کا نیچے اگر وہ کمال چسپاں ہیں

علامہ اقبال نے عقل کو گھسیٹ کر اپنا چشما نسیم نہیں کیا کیونکہ عقل دل میں یقین و ایمان پیدا کرنے کے بجائے شک و شبہ پیدا کرتی ہے لیکن عشق وہ جذبہ اندرون اور بے باکی پیدا کرتا ہے، اس لئے انسان کو انسانا بننے کا تار و پود ہمارا قرار دے سکتے ہیں۔

منانده آزادام عشق است امام من

عشق است امام من عقل است غلام من

عشق ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کو ایسا جذبہ عطا کرتی ہے کہ انسان کائنات کی قوتوں کو تسخیر کر کے اور زمانہ کی قیود کو توڑ کر اپنی زندگی کو لازوال بنا لیتا ہے۔

عشق کی اک۔ جہت نے کروا بقدر تمام

اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھنا نہیں

ارتقا کی تمام منازل پر عقل رہنمائی نہیں کر سکتی کیوں کہ عقل محدود چیز ہے، زندگی کی راہ غائی عشق کرتا ہے۔ عشق کے ذریعہ مکمل زندگی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ عقلی، جمالی اور مذہبی عناصر سے مرکب اور اس پر حاوی عمل ہے لیکن عشق کو صادق اور باصفا ہونا چاہئے اگر کوئی غلبہ صادق کی روشنی آگے میں مزاجات تو اس کی موت شہید کی موت سے کم قابل رشک نہیں ہے اس لئے کہ طر

عشق ہے رگِ با شرفِ امرگِ حیات ہے شرف

جس قوم میں عشق رچ نہ گیا ہو اور جو جماعت عشق کی کیفیات سے وارفتہ نہ ہو وہ اقبال کے نزدیک دیر پا ثابت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ عشق ہی سے قوم میں آثار حیات اور زندگی نو پیدا ہوتی ہے۔

غرض امتیاز نے عشق کو زندگی کی متاعِ بے بہا قرار دیا ہے

وہ اس کو ایسا آبِ رحمت سمجھا ہے جس کے بغیر زندگی کی تحدیدیں سرسبز
شاوہاب نہیں بن سکتیں۔ سچے عشق کی تڑپ اور غلش اگر دل میں نہ ہو تو
دل عشق کی راگ سے شعلہ نواز نہ ہو۔ زندگی میں کسب و کد کسب نہیں پیدا

۱۶۔ عقل کی سرپرستی نہ کرنا اور اس کی طرف توجہ نہ دینا ہے۔

لیکن اس کا آپ حق و باطل کے پرکھنے کا کوئی نہیں بنا سکتے۔ کوئی تو حق پسند ملے گا تو نہ ہو جو نیک و بری میں تمیز کرنا سکھتا ہو۔ اگر انسان دیکھ اس کا آواز کو سنتے کہے گا تو یہ کہہ کر کہ اس کی سچائی اور دشمنی میں پائے گا۔

✓

رامو قبیلہ

(دوسری اور آخری قسط)

رام پیر کاش راہی

ختم ہونے کے بعد گرام پنچائتیں اور گرام سمیتیاں وجود میں آئیں۔ رامو لوگ چونکہ سرحدی علاقے کا قبیلہ تھے لہذا ان کے رہن سہن کے طریقوں میں کم سے کم دخل دیا جاتا تھا اور انہماک کی کارروائی روجہ خاؤن کے تحت ہوتی تھی۔ رواج اور روایتیں، قصیں اور مشقیں، ادبانی اور توجہ داری معاملات نیز سزاؤں کے طریقے کا فیصلہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔

مذہبی زندگی:

رامو لوگوں کے اعتقادات، دھرم، رواج اور ان سے وابستہ رسوم ان کی دیومالا سے ہی نکلنے ہیں۔ انہوں نے قسموں، وعدوں، دوستانہ روابط، ابدلہ اور جوابی کارروائیوں جیسے مختلف موقعوں پر اپنے آپ کو پتھروں سے وابستہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ وقت گزرتے پر پتھر مقدس بن گئے۔ قسموں کا پتھر گینی لندیک ایک ہفت روزہ نام کا حامل ہے۔ جہاں وہ پتھر کے سامنے قسم کھا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ دھاما بولنے سے پہلے وہ اس پتھر کا طواف کرتے ہیں جو کہ حوصلہ افزائی، تحریک اور شکریہ کے لئے ہوتا ہے۔ بدلے کا پتھر بھی اسی کام آتا ہے لیکن طریقہ عمل مختلف ہے۔ اس صورت میں ایک مسمن یا دوسرے جانور اس پتھر پر قربان کئے جاتے ہیں۔ رامو لوگوں کا اعتقاد ہے کہ آسمان اور زمین کا میل چند چیزوں کی تخلیق کا ذمہ دار تھا۔ ان چیزوں نے دیوتاؤں اور اچھی برکیں آتماؤں کا روپ دھار لیا۔

دولہہ بولو (سورج اور چاند) رامو لوگوں کی دیومالا کے سب سے اونچے دیوتا ہیں۔ وہ ہر ایک چیز کے لئے دونی۔ بولو کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی پرستش کی کئی رسمیں اور قربانیاں دیتے ہیں ان کی نعمت بخش آتما ہیں۔ باسو دیوتا (آگ کا دیوتا) بابو دیوتا (پانی کا دیوتا) دو بیگ (دانش مندی کا دیوتا) دون جنگ (کشتیرو) والے ہرن اور جیگی جانوروں کا دیوتا اور غیرہ ان کی بدکاری آتما ہیں عام طور سے ان پر سس کے نام سے پکارا جاتی ہیں۔ آفات، بولہوں، دھرم کے دور رکھنے کے غرض سے اہم اور سس جیسے سنگ پر پڑے اور جیگی کو برسا رنے اور ان کی دیوگی عبادت کی جاتی ہے۔

پراپر دھرم ان کا دھرم اور دھرم ہے۔

رامو لوگ تعداد میں بہت کم ہیں۔ ان کے گاؤں چھوٹے ہوتے ہیں۔ کسی گاؤں میں بھی ایک ہزار سے زیادہ آبادی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے گاؤں کو خوراک کی کمی یا ناسازگار زمین کے لئے ترک نہیں کرتے۔ رامو لوگ کسی کام میں خصوصی رغبت نہیں رکھتے۔ نوجوان لڑکوں کو زراعت، اشکار کھیلنے، اچھلی پکڑنے کی تربیت دیا جاتی ہے جس میں خوردنی چیزوں کا اکٹھا کرنا بھی شامل ہے۔

ابن تک رامو لوگ صرف "جہوم" قسم کی کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اس کے لئے جنگل کا کچھ حصہ صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس پر کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ بعد میں اسے ترک کر دیا جاتا ہے اور چند برس گزارنے پر اسے پھر استعمال کیا جاتا ہے۔ کاشت کا کام عورتوں کے ہاتھوں سے نبی یعنی رانی کی بکھیرنے سے کیا جاتا ہے۔ کھیتی کا کوئی آلہ استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اپریل اور مئی کے مہینے کے بعد مکئی بونٹی جاتی ہے جس کی فصل نوبر میں اٹائی جاتی ہے۔

ابتدائی دنوں میں تمام معاملات گاؤں کے سربراہوں کے مابین بات چیت کے ذریعہ منہل کئے جاتے ہیں۔ یہ کونسل اب بیرونی خطرات سے لے کر رسم و رواج کے خلاف ورزی اور جرائم تک تمام مسائل کو حل کرتی ہے۔ بعد میں خاندان کے بارموج سربراہوں نے اس کا کون بن کر چھوٹے دوسرے خاندان کے سربراہ کو مات کر لیا اور گاؤں کا سربراہ بن گیا۔ پہلے پہل گیمبو کو ہر ایک گاؤں منتخب کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ عہدہ وراثت یا تاجیت پر مبنی ہو گیا۔ گیمبو شادی، سائید اور نقل و حرکت اور شادی شدہ عورتوں کے خوار سے منہل ہوتا تھا۔ رامو لوگوں کے عہدہ خاندان اور دھرم کے گاؤں کے سربراہوں کے لئے ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ گینیا منہل

مضافاتی پانی سپلائی اسکیم کیلئے عطیہ

ریاستی حکومت نے اس ریاست کے سولہ اضلاع میں پانی کے وسائل ٹوب آٹا ب و غیرہ کو بٹھانے، کھودنے یا ان کی تعمیر کے لئے موجودہ مالی سال میں ۷۵ لاکھ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

۱۹۸۶-۸۷ء کی مضافاتی پانی سپلائی اسکیم کے تحت ندیا ضلع کے چکرا ایو لنسپلیٹ کو ۷۱۳ روپے بطور قرض دینے کی ریاستی حکومت نے منظوری دی۔ اس طرح اس اسکیم کے لئے اب تک کل ۱۱۰۰۲۸۰ روپے قرض دئے گئے۔

سیلاب زدگان کی امداد

پروفیسر ایس۔ نور الحسن، گورنر، مغربی بنگال نے اضلاع مناپور، جنوبی ۲۲ پرگنہ اور شمالی ۲۲ پرگنہ میں ہر ضلع کے ضلع مجسٹریٹ کو ان ضلعوں میں سیلاب زدگان کی فوری امداد کے لئے کل مقدار فیض رساں فنڈ سے ۵۰۰۰۰ روپے دینے کی منظوری دی ہے۔

وزیر اعلیٰ کے امدادی فنڈ میں عطیہ

پاناکرماہ اضلاع بردوان کے ستراسنگ کے ممبروں نے ریاست کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے وزیر اعلیٰ کے امدادی فنڈ میں ۱۲۷۷ روپے دئے۔ ان لوگوں نے اس سال ملک بھر کے ہزاروں کے اخراجات میں کمی کر کے یہ رقم اکٹھا کی۔
برہمان ضلع پرنسپل کے سچائی کے وزیر اعلیٰ کی طرف سے اس عطیہ کو قبول کیا۔

جہ منتر اور پٹنہ نیتر پٹنہ ہیں وہ تحریر کیا نہیں ہوتے اور سبذانی ہر ایک آدمی سے دوسرے تک پہنچائے جاتے ہیں۔

شمال مشرق میں رانو قبیلے کا علاقہ اب اردنا پل پویش کا حصہ ہے۔ آزاد کی کے بعد ہی اس علاقے کی طرف توجہ دگائی تھی۔
آغویں وہاں کے وسط میں رانو لوگوں کی سماجی نیز ثقافتی اور سیاسی نیز اقتصادی بحالی سے چرہ چلا ہے کہ قانون و امن کی حالت بالکل عیب معمول تھی۔

زراعت میں ان لوگوں کو دھان بونے اور دیگر فصلیں کاشت کرنے کے لئے طریقوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ مکئی، جوار، باجرا، گیہوں، جوار الیں، سرسوں، آلو گنا اور انناس، سنتر و اپتہ، چیرکا، اخروٹ، امداد ام جیسے پھل کاشت کئے جاتے ہیں۔ جوہم طریقے کی کھیتی باڑی مفقود ہو رہی ہے۔

گرام سیکوں کی تربیت کا ایک مرکز اور کانوں کی تربیت کا ایک مرکز قائم کئے جا چکے ہیں۔ گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جا رہا ہے۔
بن بچی کے کئی وسائل بڑا سود مندی کے ساتھ بروئے کار لائے گئے ہیں۔ گھریلو اور صنعتی استعمال کے لئے بجلی ۵۰ میٹر سے زیادہ آبادی کو مہیا کی جا چکی۔

بقیہ: جی۔ این۔ ایل۔ ایف۔

چائے باغات میں مستحکم ٹریڈ یونین بنیاد کو مرکز بنانے اور اسے منتشر کر کے مغربی بنگال کی باہیں محاذ حکومت کو غیر مستحکم بنانے اور کم از کم فرقہ وارانہ خیرنگالی کے نقطہ نظر سے اس کے ریکارڈ پر داغ لگائے اور دیگر علاقوں میں بھی اسی طرح کی مہم کی پسندی کو ترغیب دینے کا مقصد ہے۔ اس لئے قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اور مستحکم بنانے والوں کا اور ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے میں تقسیم کرنے والوں کی سازشوں کی مخالفت کرنے والوں کا یہ مقصد ہے۔
مستحکم بنانے والوں کی قوتیں تقویت کی فکر کے تحت ان کے لئے



سلسلے میں حلو مت

مغربی بنگال کا نکتہ نظر

جی۔ این۔ ایل۔ ایف

دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کو مغربی بنگال سے الگ کر لینے یا اس علاقہ کو ریاست بنانے یا مرکزی حکومت کے زیر اقتدار علاقہ کی حیثیت دینے کی مخالفت کرتے ہوئے مغربی بنگال کی حکومت نے پہاڑی علاقوں کی نیپالی آبادی کی ثقافتی امتیازی خصوصیات کو تسلیم کر لیا ہے اور اس سلسلے میں اقدامات کئے ہیں اگرچہ اس ریاست میں نیپالی بولنے والے اقلیت میں ہیں تاہم ان کی الگ ثقافتی اور سماجی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

اٹھائے گئے مسائل میں سے ایک مسئلہ نیپالی بولنے والے لوگوں کی زبان کا ہے۔ بہت قبل یعنی ۱۹۶۱ء میں مغربی بنگال کی ریاستی اسمبلی نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقے کے لئے نیپالی کو دوسری زبان تسلیم کر لیا تھا اور اس وقت سے کوششیں کی جا رہی ہیں کہ انتظامیہ کے خطوط کتابت میں جہاں تک ممکن ہو سکے نیپالی زبان کو رائج کیا جائے اور اہم سرکاری دستاویزات اور گشتی خطوط کا نیپالی زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ آنے والے برسوں میں اس سمت میں مزید مرکز کو طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس زبان سے وابستہ ایک اور مسئلہ دستور ہند کے آئینی جدول میں نیپالی زبان کو درج کرنے اور اسے تسلیم کرنے کا سوال ہے۔ مغربی بنگال کی ریاستی حکومت اس مطالبہ کی پوری طرح تائید کرتی ہے اور اسے اس بات کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں مرکزی حکومت اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتی۔ درحقیقت ۱۹۷۹ء میں جب وزیراعظم مہاتما گاندھی نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں کا دورہ کیا تھا تو اس وقت انھوں نے یہ بیان دیا تھا کہ نیپالی ایک غیر ملکی زبان ہے اس لئے اسے آئینی جدول میں درج کرنے کی بات صحیح

نہیں جاسکتی۔ حکومت مغربی بنگال نے اس کے خلاف احتجاج کیا، اور اس بات کا ذکر کیا کہ سندھی زبان بھی جدول میں درج ہے، کیوں کہ ہندوستان کے ایک طبقہ کے لوگوں کی زبان سندھی ہے۔ بہت سارے مواقع پر مغربی بنگال میں ریاستی اسمبلی نے قراردادیں منظور کیں جن میں مرکزی حکومت سے پُر زور درخواست کی گئی کہ وہ نیپالی زبان کو تسلیم کر لے اور اسے آئینی جدول میں درج کر دے۔ ۱۹۷۶ء میں سلی گوڑی سے ایم۔ ایل۔ اے مشری بیرن بوس نے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی جسے اتفاق رائے سے ریاستی اسمبلی نے منظور کر لیا۔ عرصہ دراز سے ہندوستان کی نیپالی بولنے والی آبادی اس بات کا مطالبہ کر رہی ہے کہ ان کی زبان کو دستوری طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ ۱۹۶۹ء میں مغربی بنگال کی متحدہ محاذ حکومت نے مغربی بنگال میں دارجلنگ کے تین پہاڑی سب ڈویژنوں — دارجلنگ، کوسیونگ اور کلپونگ میں ہنگامہ کے ساتھ ساتھ نیپالی کو سرکاری زبان تسلیم کر لیا تھا۔ مزید برآں کلکتہ، شمالی بنگال اور چٹاگانا کی یونیورسٹیوں میں انگریزوں کو اور پوسٹ گز جوینٹ کورسوں میں تعلیم دینے کے لئے نیپالی زبان کو ایک موضوع کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ایسے حالات میں یہ اسمبلی مرکزی حکومت سے پُر زور درخواست کرتی ہے کہ نیپالی زبان کو آئینی جدول میں درج کر کے دستوری طور پر تسلیم کر لیا جائے تاکہ نیپالی بولنے والے لوگ ملک کی قومی زندگی میں مکمل طور پر شریک ہو سکیں۔

ایک اور قرارداد میں، جسے اشوک بوس نے منظور کیا تھا، اس میں یہ بھی مذکور کیا گیا تھا کہ ریاستی اسمبلی نے اس مسئلہ کو زیر بحث لایا تھا۔

ایسا مطالبہ ہے جس کی مغربی بنگال میں سسکاری پارٹیوں کے تمام
شعبہ کے لوگ کی تھی۔ یہاں تک کہ تری پورہ کی ریاستہائے اسمبلی نے
جہاں تک سسکاری کی شہریت ہے ایک قرارداد منظور کی جس میں نیپالی
زبان کو دستور پر تسلیم کرنے کا ذکر کیا گیا۔ لیکن ان تمام باتوں
کے باوجود سسکاری حکومت نے نفی میں جواب دیا۔

ایک دوسرا سوال علاقائی خود اختیاری کے سوال سے
وابستہ ہے۔ ایک گمراہ کن نظریہ کوپریس کا ایک حلقہ اور چند
سیاسی پارٹیاں پھیلارہی ہیں کہ بائیں محاذ اور اس کی حکومت
نے حال میں اپنے ارادہ کو بدل دیا ہے اور وہ دارجلنگ کے پہاڑی
علاقوں میں علاقائی جذبات کو اچھا رہا جاسکتی ہے۔ لیکن یہ
حقیقت ہے کہ ریاست مغربی بنگال کے اندر علاقائی خود اختیاری
کے مسئلے پر برسوں سے گفت و شنید ہو رہی ہے اور بائیں محاذ کی
پارٹیاں کئی ایک دہائیوں سے مسلسل اس بات کی تائید کرتی آرہی ہیں
نیز اسی میں اس مطالبہ کی مغربی بنگال کی بہت ساری سیاسی پارٹیاں
مکمل نگویں نے تائید کی اس لئے بائیں سرگروہوں کے لئے تو یہ
ایک خبر نہیں ہے کہ ریاستی حکومت دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں
علاقائی خود اختیاری کے ذکر کو بڑھاد دے رہی ہے۔

۱۹۵۷ء میں جب وزیراعظم جواہر لال نہرو نے دارجلنگ
کا دورہ کیا تھا تو انہیں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں دارجلنگ کے
پہاڑی علاقوں کے لئے علاقائی خود اختیاری کا مطالبہ کیا گیا اور اس
میں اس علاقہ کی تین اہم سیاسی پارٹیاں یعنی کانگریس، کمیونسٹ
پارٹی اور ملل ہند گورکھا لیگ کے ساتھ ہی بنگال، ایچ پی، بھوٹیا اور
دیگر فرقوں کے ۵۰ نمائندوں، پہاڑی علاقوں کے بلا لحاظ پارٹی تمام
ممبران اسمبلی اور ممبران پارلیمنٹ کی اور میدانی علاقوں کے ۵۰ سے
زیادہ ممبران اسمبلی کے دستخط تھے۔ اس سے قبل ۱۹۵۵ء میں ریاست
تنظیم نوکیشن جب اس نے دارجلنگ کا دورہ کیا تھا، اس کے سامنے
بھی اس قسم کی نمائندگی کی تھی۔ ۱۵ مئی ۱۹۵۵ء کو انڈین نیشنل
کانگریس کی دارجلنگ ضلع کمیٹی نے ایک قرارداد منظور کی تھی جس
میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ انتظامیہ کے امور کی بابت حکومت
کی مدد کرنے اور حکومت کو مشورے کے لئے ایک قانونی ضلع کاؤنسل

قائم کیا جائے۔ نیز وزیراعظم شری مہتی اندرا گاندھی کے پاس بھی ایک اپیل
نے ۱۹۵۶ء میں اور ۱۹۵۷ء میں دارجلنگ کا دورہ کیا تھا اس لئے
میمورنڈم پیش کئے گئے اچھا خبر ریاست مغربی بنگال کے اندر علاقائی
خود اختیاری کا تصور بد کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ یہ تو آزادی کے
بعد سے ہی تمام سیاسی پارٹیوں میں علاقائی علاقوں میں کانگریس
اور کمیونسٹ پارٹی اور ملل ہند گورکھا لیگ کا مطالبہ تھا۔

۱۹۶۷ء میں متحدہ محاذ کی تشکیل کے بعد ریاستی اسمبلی
نے ایک تجویز منظور کی جس میں مذکورہ مطالبہ کیا گیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ قبل
یعنی ۲۳ ستمبر ۱۹۷۱ء کو اسی طرح کی ایک اور قرارداد منظور کی گئی۔
اس قرارداد میں یہ کہا گیا کہ مرکزی حکومت دستور میں ترمیم لائے تاکہ مغربی
بنگال کے دائرہ عمل میں اور ریاستی حکومت اور مجلس قانون ساز
کے زیر اختیار ایک قانونی خود اختیار آئین قائم کیا جائے۔
ریاستی اسمبلی میں تمام پارٹیوں کے نمائندوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ
ایسی ایک بلوی اس علاقہ کی ضرورتوں کا متوازی اور صحیح اندازہ لگائے
گئی، اس علاقہ کے لوگوں کی چھوٹی تہائیوں کو مناسب نمائندگی دے
گئی، ترقیاتی پروجیکٹوں کے مال میل کے ذریعہ جلد از جلد تکمیل کے لئے
انسانی اور قدرتی ذرائع کو یکجا کرے گا اور اس طرح نیپالی مسئلہ اور
دیگر زبان بولنے والے لوگوں کے درمیان اتحاد کے بندھن کو مضبوط
بنائے گا۔

اتفاق راستے سے پاس کردہ اس تجویز کے مطابق تین
ممبران پارلیمنٹ، آئنڈ پانٹک، مسٹر سکریجی اور سومناتھ چٹرجی نے
۹ جولائی ۱۹۷۳ء کو برائوٹیٹ ممبروں کے بل کی حیثیت سے دستور
(ترمیم) بل پیش کیا تھا۔ اس بل کے اعراض و مقاصد میں نیپالی بولنے
والے لوگوں کی اہم خدمات کا انتظامی اور ترقیاتی سرگرمیوں میں
شرکت کرنے کے لئے انہیں قومی دھارے کے قریب لانے کے لئے مواقع
فراہم کرنے کا تفریقی پھیلانے والی تمام قوتوں کا جو گورکھا لینڈ کا مطالبہ
کر رہی ہیں، ذکر کیا گیا تھا۔ بہر حال پارلیمنٹ نے اس بل کو منظور نہیں کیا۔
پھر ۹ اگست ۱۹۸۵ء کو آئنڈ پانٹک کے نام سے اسی طرح کا بل
پیش کیا گیا۔ اس بل کو بھی نام منظور کر دیا گیا۔ یہ تمام باتیں اس امر کو
عیاں کر دیتی ہیں کہ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں علاقائی خود اختیار

کے لئے ریاستی حکومت نے کتنی کوششیں کیں اور اس تجویز کی کتنی پروردہ تائید کی۔ لیکن یہ کوئی آجائیک فیصلہ نہیں تھا۔ اس کے پیچھے ایک لمبی تاریخ ہے اور اس ریاستی حکومت میں تمام سیاسی پارٹیوں کی یہی ایک رائے تھی کیوں کہ ریاستی سطح پر اس تجویز کو تمام سیاسی پارٹیوں میں کانگریس یا کانگریسی (آئی) کی تائید حاصل تھی۔

اس تجویز کے خلاف ایک تنقید یہ ہے کہ دارجلنگ کے بہاری علاقوں کے لئے علاقائی خود اختیاری علی طور پر باقی مغربی بنگال سے الگ ہو جانا ہے اور جو یہ مطالبہ کر رہے ہیں ان میں اسی علاقہ کو ریاست بنانے یا مرکزی حکومت کے زیر انتظام علاقہ کی حیثیت دینے کی مخالفت کرنے کی اخلاقی طاقت نہیں ہے۔ یہ تنقید صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ضلع خود اختیار کاؤنسل کو جس کا اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے۔ ریاستی مجلس قانون ساز مائیک گورن اور ریاستی حکومت کے دائرہ عمل کے تحت کام کرنا پڑے گا۔ تری پورہ میں ضلع خود اختیار کاؤنسل کی (جیسے ریاست کے بڑے حصہ پر اختیار حاصل ہے) دارجلنگ کے بہاری علاقہ اس کے مفاد، مغربی بنگال کا بہت ہی چوٹا سا علاقہ ہے) تشکیل کی گئی۔ یہ کاؤنسل گورنر تین برسوں کے لئے اس ریاست کے قیامی علاقوں میں کام کر رہا ہے، لیکن یہ کاؤنسل ریاستی حکومت کے زیر اختیار ہے۔ یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کو جو اب بھی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خود اختیار کاؤنسل کے زیر اختیار ایسے علاقہ ریاستی حکومت کے زیر انتظام نہیں رہیں گے اور بعد میں ایسی کاؤنسل کو الگ ریاست میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، تری پورہ جانا چاہئے۔ وہ سب وہاں جائیں اور اپنی آنکھوں سے یہ دیکھیں کہ ایسے خود اختیار ضلع کاؤنسل ریاستی حکومت کے تحت آزادی کے ساتھ کام کرتی ہے یا نہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ اس تجویز کا مقصد یہ ہے کہ علاقائی جذبات سے اپیل کی جائے اور اس طرح درحقیقت اشتراک پسندوں کی اخلاقی طاقت کو مستحکم بنا جائے۔ ایک بڑے اخبار کے مسافری نے اس بات کا بھی دعویٰ کر دیا کہ گورکھا لینڈ ماضی میں کی گئی اپنی جمادیز کی، جو علاقائی جذبات کو ابھر کرتی ہیں، مستحکم ہے۔ اس بات پر منطقی نقطہ نظر سے غور کیا جائے

تو ہم یہ دیکھیں گے کہ ایسی بحث اس بنیاد پر وفاقیت کے مطالبات کی مخالفت کرے گی کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قومی تفریق کا پرچار کیا جائے۔ جبکہ بہت سارے افراد کا یہ خیال ہے کہ وفاقیت قومی اتحاد کو مستحکم بناتی ہے۔ اگر علاقائی خود اختیاری کے لئے مطالبہ ملیں گے اور تفریق کو فروغ دیتا ہے تو پھر دستور ہند میں دفعہ ۲۴۳ اور شیڈول ۳ میں ایسے دستور کی اقدامات کی کیوں گئی تھی؟ کیا اب بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ دستور سازوں نے مخصوص معاملے میں قومی اتحاد کو مستحکم بنانے کیلئے ایسا کیا جبکہ یہ سچ ہے کہ دستور میں جو گئی تھی رکھی گئی ہے اس کا اطلاق صرف قیامی علاقوں پر ہوتا ہے اور چند مخصوص صورت حال میں اسے فقط نظر سے دیکھنا ہے۔ میں ترسیم لانے کی درخواست کی گئی تاکہ اسے غیر قیامی علاقوں میں نافذ کیا جاسکے، جہاں چھوٹے چھوٹے علاقوں میں اقلیتیں اپنی مخصوص ثقافت کے ساتھ رہتی ہیں۔ (علاقائی خود اختیاری کے لئے مطالبہ کے پیچھے جو منطقی ہے اسے ایک الگ ریاست کیلئے مطالبہ کے ساتھ گڑبگڑ دینا نہیں چاہئے جبکہ اول الذکر کا مقصد یہ ہے کہ ثقافتی اور نسلی تنوع کو تسلیم کر کے قومی اتحاد کو مستحکم بنایا جائے اور بعد الذکر تو اس خاص معاملہ میں قومی اتحاد کی قیامی طاقتوں کو مستحکم کرنے کی بابت ہے) پھر تری پورہ کی خود اختیار ضلع کاؤنسل واضح طور پر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس طرح کی خود اختیار ضلع کاؤنسل قائم کر کے کسی طرح تفریق پسند طاقتوں کو سیاسی طور پر شکست دی جاسکتی ہے۔ اس بات کی خود اختیار ضلع کاؤنسل ریاستی اسمبلی اور پارلیمنٹ کے لئے انتخابات کے نتائج سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ اور کسی طرح ٹی۔ این۔ سی اور اس کے سرپرست تری پورہ اوپا جاتی جو بکیتی کو قبائلی عوام سے الگ تنگ رکھنے میں معاون ثابت ہوئی (چند سال قبل قندھار اور سامراجی طاقتوں کے بعد کانے فادات کے رد نامہ نے کے باوجود تری پورہ میں ریاستی انتظامیہ کے ساتھ قبائلیوں کے قریبی تعلقات اور مطالبہ اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں کہ مقامی زمین، چنگی اور دیگر مسائل کی دیکھ بھال کرنے کے لئے قائم کردہ علاقائی خود اختیار کاؤنسل تفریق پسندوں کے پروپیگنڈے کی تردید کرتی ہے)۔ ہم یہ فرور کہیں گے کہ اگر قبائلی بوسنے والے لوگوں کے عرصہ دراز کے مطالبہ کو مرکزی حکومت تسلیم کر لیتی ہے

اس نے ساتھ ساتھ ان کی زبان کو دستوری طور پر تسلیم کر لیا تھا کہ تفریق
پس من کے پروپیگنڈے کا موثر طور پر مقابلہ کیا جاسکتا۔

یہ بات بھی پوری جارہی ہے کہ جب پانچویں دہائی کے نصف
حصہ میں بامیں محاذ کے پار ٹیولڈ نے ہندوستانی ریاستوں کی لسانی اور سر
تسلیم کی تائید کی تھی تو پھر اب کیوں مغربی بنگال کی بامیں محاذ حکومت
نیپالیوں کے لئے ایک انگ ریاست کے مطالبے کی مزاحمت کر رہی
ہے؟ ہمارا مخالف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہندوستان کے
ملاقاتوں سے کتنی ریاستیں تشکیل کی جاسکتی ہیں ان کی ایک مد
معین ہے۔ پانچویں دہائی کے وسطی حصے میں بڑی بڑی زبانوں سے
وابستہ ملک کی لسانی کو تسلیم ہوئی۔ اگر اس اصول کو تمام لسانی جماعتوں
کے لئے اپنایا جائے تو ہندوستان میں ہزاروں نہیں تو سیکڑوں ریاستیں
قائم ہو جائیں گی، ہر ایک میں چند لاکھ کی آبادی ہوگی اور اس میں اقلیتی
فرقے کے لوگ ہوں گے۔ تو پھر ان ریاستوں کی ایک بار اور تقسیم
ہوگی۔ اس بحث میں ایک خاص نقطہ یہ ہے کہ اگر سب جہاں
تین لاکھ کی آبادی ہے، ایک ریاست بن سکتا ہے، تو پھر تین لاکھ
سے زیادہ آبادی کے علاقے کیوں نہیں ریاست میں تبدیل ہو سکتے۔

اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی موجودہ آبادی ۵۵
کروڑ سے زیادہ ہے، اس بات کے پیش نظر یہاں اس قسم کی
۲۵۰۰ ریاستوں کی مانگ ہوگی۔ میزورام کو ریاست کی حیثیت
دے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گورکھا لینڈ کی جم کے
ساتھ ساتھ مزید مطالبات جیسے شمالی بنگال میں کامتا پور
ریاست، مغربی بنگال، بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے مابین مغربی
علاقوں میں چھوٹے چھوٹے اتر پردیش کے آٹھ پارٹی ضلعوں پر مشتمل ٹکڑے
وغیرہ کے جا رہے ہیں۔ انگریزوں کے اس طریقہ کار کو ایک بار
شروع کر دیا جائے تو پھر ہندوستان کے کتنے ٹکڑے ہو جائیں گے
اس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ ہر علاقہ، محلہ اور گاؤں کی جماعت اپنے
لئے ایک الگ قومی شناخت کا دعویٰ کرے گی (آخر میں ہندوستان
نہیں رہے گا اور یہ ملک سامراجوں کے رحم و کرم پر رہے گا اور سامراجی
نواں ملک کو ختم کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ اس طرح ہمارا یہ عظیم
ملک کمزور بن جائے گا۔ اگر گورکھا لینڈ کے مطالبہ کو پورا کر دیا جائے

تو کیا کوئی استبدادیت کی ضمانت دے سکتا ہے کہ اس کے بعد کے عرصہ
میں پارٹی علاقوں میں رہنے والی اقلیتیں جیسے لیمپا اور بھوٹیا اپنے
لئے اپنے وطن کا مطالبہ نہیں کریں گی۔

اس لئے اقلیتوں کے مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ان کے
لئے ایک اور ریاست قائم کی جائے بلکہ اس کا حل تو یہ ہے کہ ریاستوں
کے دھارچہ میں ان اقلیتوں کی زبانوں اور ثقافتی کے تحفظ کی یقین دہانی
کرائی جائے اور ان مسائل پر اس ریاست میں جن کا تعلق صرف
ان لوگوں سے ہی ہے، دوسروں سے نہیں، انتظامیہ میں ان کی
شرکت کے لئے انتظامات کئے جائیں۔ خود اختیار ضلع کاؤنسل کا تصور
ہی یہ ہے کہ ایک مخصوص صورت حال میں اس مفقود کو پورا کیا جائے
حکومت مغربی بنگال نے اب تک نیپالیوں کی زبان اور
ثقافت کو محفوظ رکھنے اور فروغ دینے میں مرکز و پیشی کا اظہار کیا
ہے اور اس سلسلہ میں اقدامات بھی کئے ہیں۔ ۱۹۶۱ء کے ایکٹ
کی سرگرم تعمیل، جس کے تحت تین پارٹی سب ڈویژنوں کے لئے
بنگلہ کے ساتھ ساتھ نیپالی کو بھی دوسری زبان قرار دیا گیا ہے مزید
اس کے، بامیں محاذ حکومت نے ایک نیپالی ترجمہ سیل اور ایک
نیپالی پریس دار جنگ میں قائم کیا۔ میزورام بنگال میں نیپالی لوگوں
کی زبان اور ثقافت کو فروغ دینے کے لئے ایک نیپالی اکیڈمی بھی قائم
کی۔ عظیم نیپالی شاعر بھانو بھگت اچاریہ کے نام پر ایک جلسہ گھر
کی تعمیر اور ان ہی کے نام ادبی انعام دینا، استبداد کی عکاسی کرتی
ہے کہ حکومت مغربی بنگال اس سلسلے میں کتنی تاخیر اور مدد کرتی ہے
ممتاز نیپالی ادیبوں اور فنکاروں کو انعامات دینے کے لئے ۱۳ جولائی
کی تقریب کا بائیکاٹ کرنے کی جی۔ این۔ ایل۔ ایف نے پکار دی تھی۔
یہ پکار اس کی فز وارانہ نوعیت کی عکاسی کرتی ہے۔ لیکن درحقیقت
یہ تقریب منعقد ہوئی اور جس دل میں یہ تقریب منعقد ہوئی وہ لوگوں
سے کچھ کچھ بھر اہوا تھا اور دھمکی کے باوجود یہاں ایک بے سواسیمو
ادیب اور فنکار آئے اور انعامات حاصل کئے۔ اس سے یہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ نیپالی ثقافت سے وابستگی کے لئے لوگ اس میدان
میں ریاست حکومت کے ادا کردہ کردار کو سراہتے ہیں۔ جی۔ این۔ ایل۔
ایف کا یہ کہنا کہ ریاستی حکومت کو بھانو بھگت کے نام میں کوئی ایوارڈ

دینا نہیں چاہتے کیوں کہ وہ ایک نیپالی ہے، اور یہ کہ یہ ایوارڈ حکومت مغربی بنگال کی طرف سے دیا جاتا ہے اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ یہ ایوارڈ رہنما ناکھ کے نام پر دیا جائے۔ — جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی یہ باتیں نسلی عصبیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ جہاں جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی پالیسی یہ ہے کہ نیپالی بولنے والے لوگوں کو ہندوستانی شہریوں سے الگ رکھا جائے، وہاں حکومت مغربی بنگال کا مقصد یہ ہے کہ نیپالیوں کو قومی دھارے کا جزو لاینفک بنادیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی مدد کی جائے کہ وہ سب اپنی ثقافتی انفرادیت کو برقرار رکھیں۔

ریاستی حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ مغربی بنگال میں دیگر طبقوں اور فرقوں کے لوگ آباد ہیں اور یہ ان کا وطن ہے۔ اس طرح یہاں آباد نیپالی بولنے والی آبادی کا بھی مغربی بنگال وطن ہے۔ ہماری ریاست مختلف طرز ہائے زندگی اور ثقافتوں کی آماجگاہ ہے۔ یہاں ہر طبقہ اور فرقہ کے لوگوں کو اس ریاست کی جموں و ملت میں تنوع پیدا کر کے اور اسے مالا مال کرنے اور سماجی زندگی کو پُر لطف بنانے میں بہت ہی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ نیپالی انکی نمایاں زبان، رسم و رواج اور عادات کے ہماری اس ریاست کی سر زمین اور ثقافتی ورثہ کے جزو لاینفک ہیں۔

جائے باغات جو پہاڑی علاقوں میں پہاڑی معیشت کی ریلہ کی ہڈی ہے، ایک پلیٹ فارم بھی جہاں ملک کے مختلف علاقوں کے لوگ یکجا ہو جاتے ہیں۔ سرسبز چائے کے باغات قومی یکجہتی کی آماجگاہ ہیں جہاں نیپالی، بہار کے تباہی، بنگالی، ایچا، بھوٹیا، میک اور دیگر پہاڑی اور غیر پہاڑی قبیلے کے لوگ ایک ساتھ مل کر کام کرتے ہیں، بات چیت کرتے ہیں، ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جاتے ہیں اس طرح بل لحاظ زبان، نسل، مذہب، محنت کشی ہونے کے ناطے ان کی باہمی رشتے مستحکم ہو جاتے ہیں۔ برسوں سے چائے باغات میں ٹریڈ یونینوں کی جدوجہد نے محنت کش طبقہ میں بیداری پیدا کر دی اور ان میں اتحاد کو فروغ دیا۔ اب جی۔ این۔ ایل۔ ایف جو کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ چائے باغات میں رواں دواں محنت کشوں کے اتحاد اور قومی یکجہتی کے اس جذبہ کو کھوکھل بنا دیا جائے۔ جبکہ کرم لوگوں نے بار بار ذکر کیا ہے کہ ریاستی حکومت اسے

امن و امان کا مسئلہ نہیں سمجھتی۔ جو سائل اٹھائے گئے ہیں وہ سیاسی نوعیت کے ہیں۔ دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں جو کچھ رونما ہو رہا ہے اس کی وجہ سے عام لوگوں میں ذہنی ہرجان پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طرف تو تفریق پسند فامراہلیتوں کے خوف اور پریشانیوں کی جھوٹ اور نفعت پسائی کے ذریعہ کھیل رہے ہیں اور لوگوں کے درمیان فرقہ وارانہ جذبہ کو اجاگر کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں تو دوسری طرف ان پہاڑی علاقوں کے لوگ جو گورکھا لینڈ کے حامیوں میں سے کچھ کم نیپالی ہیں، اور جن کے پاس اس علاقہ کے کانون، مزدوروں اور ملازمین کے جائز کاذ کے لئے جدوجہد کرنے، مسعاب جھیلنے اور تہذیب کی صعوبتوں سے دوچار ہونے کا شند اور یکادھ ہے، وہ سب فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھنے کے لئے پہاڑی سے جدوجہد کر رہے ہیں اور قومی یکجہتی کے کاذ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اس بات کا اعتراف کیا جاسکتا ہے کہ نیپالی بولنے والی آبادی کا ایک طبقہ علمدگی پسندوں کے ٹوڑے موڑے پروپیگنڈے سے متاثر ہو رہا ہے۔ اور جی۔ این۔ ایل۔ ایف کے اجاگر کئے جذبات کا شکار بن چکا ہے۔ لیکن ریاستی حکومت کو اس بات کا پورا اعتماد ہے کہ ایک بار جب وہ فریب اور جھوٹ کی جال سے باہر نکلتے لیگیں گے تو وہ سب ان علمدگی پسندوں کے دائرہ سے باہر نکل آئیں گے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ عوام کے سامنے حقائق کو پیش کئے جائیں تاکہ انہیں کوئی گمراہ نہ کر سکے۔ سارے ملک میں اور عرصہ دراز سے دیگر طبقوں کے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ سے رہنے کے بعد یہ توقع اب وقت کی بات ہے کہ جب نیپالیوں میں قومی اتحاد کی طاقتیں اپنے حنائین کو شکست فاش دین لگیں۔ نیپالی بولنے والے کانون، مزدوروں یا متوسط درجہ کے ملازمین کو بنگالیوں، بہار کے قبائلیوں اور ہندوستان کے دیگر فرقوں، ساتھ ہی حکومت، مغربی بنگال کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہے اس لئے ملک میں دیگر عام شہریوں کی طرح وہ سب جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اور امن سے رہنے کے خواہاں ہیں اس لئے ریاستی حکومت کا یہ مقصد ہے کہ نیپالی بولنے والے عوام محبان وطن سے ان علمدگی پسندوں کو علیحدہ کیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ ریاستی حکومت کے اس رویے کے

باوجود گزشتہ تین مہینوں میں تین موقعوں پر پولس فائرنگ کرنی پڑی اور جن سے 19 افراد جاں بحق تسلیم ہوئے۔ موصول ہونے والے رپورٹوں کے مطابق ہر معاملہ میں پولس پارٹی پر پہلے مسلح افراد نے لکڑیوں اور دیگر اسلحہ جات سے ساتھ چلے گئے جن کی وجہ سے پولس کے افراد کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا اور ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ اپنے دفاع کے لئے فائرنگ کریں۔

کریسٹنگ میں پولس فائرنگ پر ایک انگریزی ٹی وی انکوائری ہوئی ہے۔ اس انکوائری کی رپورٹ میں پولس فائرنگ کو بجا بتایا گیا ہے۔ کھپونگ میں پولس فائرنگ کی انکوائری کی رپورٹ تیار کی جا رہی ہے۔ بلاشبہ جو کچھ بھی ہوا اسے ہم اچھا نہیں کہہ سکتے۔ حکومت مغربی بنگال ہلاک ہونے والوں کے اہل و عیال سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے اور اس بابت کی امید کرتی ہے کہ اس طرح کی فائرنگ کا اور کوئی دامنہ رونما نہیں ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی سربراہی میں ایسی پرنشدد تحریکوں اور پولس والوں پر حملوں کا موثر طور پر مقابلہ کرنا بھی ضرور کا ہے۔ تشدد اسی تحریک کی بنیاد بن چکا ہے اور اب تک اس تحریک کے متعدد مخالفین پر حملے کئے گئے انہیں پھری مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ خون سے لبریز لکڑی کے غلم کے ساتھ پرنشدد تحریک اس علاقہ میں کافی خون ریزی اور جانی نقصان کی ذمہ دار ہے۔

بہر حال مغربی بنگال میں برسر عمل سیاسی پارٹیوں کا یہ اقدام قابل تحسین ہے کہ جب ۸ اراگت ستمبر کو وزیر اعلیٰ نے تمام پارٹیوں کا ایک جلسہ منعقد کیا تو وہ سب اس میں شریک ہوئیں اور اتفاق رائے سے ایک قرارداد کو منظور کیا جس میں گورکھا لینڈ کی تحریک کا "قوم دشمن" اور "علیمدگی پسند" تحریک کی حیثیت سے مزمت کی گئی۔ اس قرارداد میں دستخط کرنے والوں میں سیمپل آئی (ایم) کانگریس (آئی) فارورڈ ہلاک، آر ایس پی، سی پی آئی، جنتا پارٹی، بی جے پی، لوک دل، مغربی بنگال شوکسٹ پارٹی، ایس یو، ڈی ایس پی، بی جے پی بنگال کانگریس، کانگریس (ایس) آر ایس پی کے سربراہوں نے دستخط کئے۔ یہ تجویز ان لوگوں کے

tion Number.

حوسد کو تقویت پہنچانے کی جو پہاڑی علاقوں میں تعزیتی پسندوں اور علیمدگی پسندوں سے ہندو آزما ہیں اور جو اپنی اپنی جان کی بازی لگا کر قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جھنڈے کو لہرا رہے ہیں۔ آخر میں گورکھا لینڈ کی پرنشدد تحریک کی بابت ہر متعلقہ شخص کو خود کرنے کا سوال ہے کہ کس طرح صرف چند مہینوں کی ایک مختصر سی مدت میں جی۔ این۔ ایل۔ ایف کی تنظیم اتنی تیزی سے ترقی کر سکی؟ وہ لوگ کون ہیں جو پولس پر اور اپنے مخالفین پر حملہ کرنے کے لئے مسلح دستوں کی رہنمائی کر رہے ہیں؟ اس سے قبل وہ سب کہاں تھے؟ ایک بات تو یہ دیکھنے میں آئی کہ بہت زیادہ روپے ڈھالے جا رہے ہیں۔ لیکن کہاں سے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ یومیہ اجرت پر رضا کاروں کی ایک بڑی فوج رکھی گئی ہے۔ کون ان اخراجات کو برداشت کر رہا ہے؟ یہ سوالات اٹھاتے جا رہے ہیں، کیوں کہ صرف چند مہینوں قبل یاہوں کہتے کہ اپریل ستمبر تک پہاڑی علاقہ کے صرف چند لوگ بھاش گھٹینگ یا اس کی تنظیم سے واقف تھے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ گورکھا لینڈ کی تحریک برف کا بہت ہوا وہ تو داسے جو پانی کی سطح سے اوپر رہتا ہے؟ کیا یہ علیمدگی پسند تحریک اس بڑے منصوبے کا ایک حصہ ہے جو ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے اور کمزور کرنا چاہتی ہے؟ اور یہاں غیر ملکی مفادات کے ذریعہ بلاروک ٹوک معاشی استحصال کا بازار گرم کرنا چاہتی ہے؟ کیوں ہندو قبائل مسلح میں درج سیدی سادی باتوں کی تشریح کی جاتی ہے؟ یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس معاملہ کے پس پردہ بھی کچھ اور ہیں باتیں ہیں۔ گزشتہ چند مہینوں میں دارجلنگ میں رونما ہونے والے واقعات کا سلسلہ وار جائزہ لیا جائے تو کیا ایک شخص اسے خالصتاً آزاد آسام، قبائلی تری پورہ اور میزورام، جھارکھنڈ، کات پوری، اترکھنڈ اور اسی طرح کی دیگر جگہوں سے وابستہ نہیں کر سکتا؟ کیا ہم اس غیبی ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان فوج کو کمزور بنایا جائے اور برصغیر ہندوستان میں غیر مستحکم صورت حال پیدا کر دی جائے۔

ریاستی سطح پر اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی تحریک (باقی صفحہ پر)

وزیر اعلیٰ کی اپیل

مغربی بنگال ایک ایسا علاقہ ہے جہاں مختلف فرقوں اور مختلف نسلی، لسانی اور مذہبی جماعتوں کے لوگ مکمل ہم آہنگی کے ساتھ رہتے ہیں اور باہمی اعتماد اور پیار و محبت سے زندگی گزارتے ہیں۔ یہ بد نصیبی کی بات ہے کہ فی الحال چند قوم دشمن اور ملیہدگی پسند عناصر دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں عوامی امن و امان اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں بھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔

یہ تحریک، جس کا مطالبہ یہ ہے کہ ضلع دارجلنگ کے تین پہاڑی سب ڈویژنوں میں ایک الگ گورکھا لینڈ قائم کیا جائے۔ ایک جماعت جو خود کو جی۔ این۔ ایل۔ ایف (گورکھا لینڈ قومی آزادی محاذ) کہتی ہے، کی سربراہی کے تحت گزشتہ چند مہینوں سے جاری ہے۔ یہ جماعت قوم دشمن اور قوم کو تقسیم کرنے والی ہے۔ یہ حقیقت کہ اس جماعت نے غیر ملکوں اور تنظیم اقوام متحدہ (یو۔ این۔ او) سے اپیل کی اور ان سے امداد کی درخواست کی ہے، اس تحریک کو نوعیت میں قوم دشمن اور نظریہ میں تفریقی پسند بنا دیتی ہے۔ شورشیں کرنیوالوں کی دلیل کی کوئی معاشی بنیاد نہیں ہے اور وہ ہند۔ نیپال معاہدہ میں درج باتوں کی غلط تشریح کرتے ہیں اور تاریخ کو قصداً توڑنے میں مدد کے کام میں معروف ہیں۔ اس پوری تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مغربی بنگال کو تقسیم کر دیا جائے اور نیپالی اور غیر نیپالی لوگوں کے درمیان ایک شکاف پیدا کر دیا جائے۔ بہر حال یہ بات باعث مسرت ہے کہ پہاڑی علاقوں، اس کے ساتھ ساتھ میدانی علاقے میں رہنے والے لوگوں کی اکثریت اس تحریک کی مخالفت کرتی ہے۔

ملیہدگی پسندوں کی اس مغرت رساں تحریک کا مقابلہ کرنے اور ان کی شرانگیز سازش کو ناکام بنانے کے لئے ہم لوگ تمام ممکنہ استقامی اور سیاسی اقدامات کر رہے ہیں۔ میں صحیح سرج بھار کے لوگوں سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس تقسیم کرنے والی اور تخریب پسندوں طاقتوں کا، جو دارجلنگ میں سرگرم مل ہیں، متحدہ طور پر مقابلہ کریں اور مغربی بنگال کے پہاڑی اور میدانی دونوں علاقوں میں نیپالی اور غیر نیپالی لوگوں کے درمیان اور اتحاد اور خیر سگالی کے پرچم کو بلند رکھیں۔ ہمارے ان لوگوں کا منہ توڑ ہے۔

دستخط
جیوئے باس

